بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا؟

معالم العرفان

فی

دروس القرآن

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی

خطیب جامع مسجد نور

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مرتب

الحاج لعل دین، ایم اے [علوم اسلامیہ]

ناشر

مکتبہ دروس القرآن

فاروق گنج ○ گوجرانوالہ

روزانہ

درسِ قرآنِ کریم

تفسیر

① سُورۃ طٰہٰ
② سُورۃ الانبیاء
③ سُورۃ الحجّ
④ سُورۃ المومنون
⑤ سُورۃ النّور

جلد (۱۳)

افادات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی دام مجدہم

خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ، پاکستان

بیسواں ایڈیشن

نام کتاب .... معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ طٰہٰ تا سورۃ النور) جلد ۱۳

افادات .... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ

مرتب .... الحاج لعل دین رحمہ اللہ ۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار ٹاؤن لاہور

تعداد طباعت .... پانچ سو (۵۰۰)

سرورق .... سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی رحمہ اللہ

کتابت .... محمد امان اللہ قادری، گوجرانوالہ

ناشر .... مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت .... ۴۰۰/- (چار سو روپے)

تاریخ طبع بیسواں ایڈیشن ...... شوال ۱۴۳۴ھ بمطابق ستمبر ۲۰۱۳ء

ملنے کے پتے

(۱) کتب خانہ صفدریہ 0300-4257988 لاہور

(۲) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۳) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

(۴) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

(۶) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور (۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی

(۸) مکتبہ سید احمد شہیدؒ، اردو بازار، لاہور (۹) اسلامیہ کتب خانہ اڈا کامی، ایبٹ آباد

(۱۰) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ (۱۱) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

معالم العرفان فی دروس القرآن جلد ۱۳

پیش لفظ

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پانچ سورتوں پر مشتمل سلسلہ دروس القرآن کی یہ تیرھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے علاوہ ازیں سورۃ فاتحہ، پارہ ۲۹ اور پارہ ۳۰ پر مشتمل تین مزید جلدیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ جلد اس سلسلہ کی سولھویں جلد ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پورے قرآن پاک کے دروس کا مسودہ تیار ہو چکا ہے۔ اس جلد کی اشاعت کے ساتھ قرآن پاک کا تقریباً دو تہائی حصہ طباعت سے مزین ہو چکا ہے اور باقی ایک تہائی حصہ کی اشاعت کے لیے بھی بتدریج کام ہو رہا ہے[1]۔ اگرچہ اس کام میں مالی مشکلات حائل ہیں تاہم اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور معاونین کے تعاون سے ادارہ ہذا کی خواہش اور کوشش ہے کہ ہر اگلی جلد کم از کم وقت میں قارئین کی خدمت میں پہنچتی رہے

یہ جلد اس لحاظ سے منفرد حیثیت کی حامل ہے کہ اس میں تقریباً اڑھائی پاروں پر مشتمل پانچ سورتیں طٰہٰ، الانبیاء، الحج، المومنون اور النور آگئی ہیں۔ اس سے پہلے قرآن پاک کا اتنا زیادہ حصہ کسی جلد میں نہیں آیا۔ ان سورتوں میں سورۃ النور مکمل طور پر مدنی سورۃ ہے جب کہ سورۃ الحج کی کم و بیش چھ آیتیں مدنی اور باقی سب مکی ہیں۔ دیگر چار سورتیں بھی مکمل طور پہ مکی زندگی میں نازل ہوئیں۔ ہر سورۃ کے مضامین اس کے زمانۂ نزول کے حالات و واقعات سے مناسبت رکھتے ہیں جن کا ایک مختصر سا خاکہ پیش خدمت ہے۔

سورۃ طٰہٰ

یہ سورۃ ہجرتِ حبشہ سے قبل نازل ہو چکی تھی جب کہ اہلِ ایمان قریش مکہ

---

[1] رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ میں یہ تفسیر مکمل بیس جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ (فیاض)

کی طرف سے سخت تکالیف برداشت کر رہے تھے۔ اس سورۃ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر میں اسی سورۃ کی تلاوت سن کر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

مکی سورۃ ہونے کے ناطے اس میں زیادہ تر چار بنیادی عقائد (۱) قرآن کی حقانیت وصداقت (۲) توحید (۳) رسالت اور (۴) معاد کا ذکر ہے۔ اس سورۃ کا بیشتر حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات پر مشتمل ہے اسمیں حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے کہ تمام تر مصائب برداشت کرنے کے بعد جس طرح فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اسی طرح کفار و مشرکین کی ایذاء رسانیوں پر صبر وتحمل کے صلہ میں بالآخر کامیابی اہل ایمان ہی کے حصے میں آئے گی۔

سورۃ کی ابتداء میں قرآن کی حقانیت وصداقت کا ذکر ہے پھر توحید کے ضمن میں سامری کی بچھڑا سازی اور پھر اُس کو جلا کر راکھ کر دینے کا تذکرہ ہے۔ سورۃ ہٰذا میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی کشمکش کا ذکر کر کے اہل ایمان کو خبردار کیا گیا ہے کہ کہیں شیطان تمہیں بھی بہکا کر جنت سے محروم نہ کر دے جس طرح اُس نے تمہارے جدِ امجد کو کیا تھا۔

اس سورۃ میں اللہ نے قانونِ امہال و تدریج بھی بیان کیا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے جو لمحہ بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ مصیبت کے وقت صبر کرنے اور نماز پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ معاد کے سلسلہ میں قرآن سے اعراض کرنے والوں کو قیامت والے دن اندھا کر کے اٹھائے جانے کا ذکر ہے۔ سابقہ نافرمان اقوام کی ہلاکت کو اس امت کے لیے بطورِ عبرت ذکر کیا گیا ہے۔ نیز دنیا کی بے ثباتی کا تذکرہ کر کے رفاہیتِ بالغہ سے بے اعتنائی برتنے کی تاکید کی گئی ہے

سورۃ الانبیاء

اِس سورۃ میں بھی تین بنیادی عقائد توحید، رسالت اور معاد کا ذکر ہے۔ اللہ نے مسئلہ توحید کو نہایت مدلل انداز میں بیان کیا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا واقعہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ آپ نے توحید کے اثبات اور بتوں کی بے بسی سے متعلق نہایت پر مغز اور مسکت تقریر فرمائی، اور پھر جب دلائل کی رُو سے مغلوب ہو گئے تو کفار و مشرکین آپ کی جان کے در پے ہو گئے اور بالآخر آپ کو جلتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔

سیرتِ انبیاء کے ضمن میں اِس سورۃ مبارکہ میں ستر ہ انبیاء اور حضرت مریمؑ کے مصائب و مشکلات، ان کے صبر و برداشت اور پھر اُن کی کامیابی کا تذکرہ نہایت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے۔ انبیاء کے اسی تذکرہ کی وجہ سے یہ سورۃ سورۃ الانبیاء کے نام سے موسوم ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے سامنے پیش آنے والے کھیت کے خرابہ کا واقعہ اور پھر اس کے عجیب و غریب فیصلے کا ذکر بھی اسی سورۃ کا حصہ ہے۔

سورۃ الحج

جیسا کہ سورۃ کے نام سے ظاہر ہے اس میں حج اور قربانی کے بعض مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ مرکزی مضامین وہی توحید، رسالت، قرآن کی حقانیت اور معاد ہیں۔ شرک کی قباحت کو مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہے۔ معبودانِ باطلہ کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ سارے مِل کر ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو یہ اُسے واپس لینے پر بھی قادر نہیں۔ بعث بعد الموت کو بعض مثالوں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ نیز باطل مذاہب عالم کا ذکر کر کے انہیں اُن کے بُرے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔

مسجدِ حرام کی حرمت اور اس کے وقف ہونے کا ذکر ہے۔ حرم پاک میں داخلے سے روکنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

سے فرضیتِ حج کا اعلان کروایا گیا ہے اور آپ کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی تعمیر کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں حج کے ارکان، بعض احکام اور قربانی کا طریقہ بیان کیا گیا ہے تعظیم شعائر اللہ کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خلافت علی منہاج النبوت کے خدوخال اجاگر کیے گئے ہیں۔ سابقہ نافرمان اقوام کی ہلاکت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض نشانات قدرت کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں رات دن کا اختلاف، کشتیوں کی تسخیر، اور آسمان کو زمین پر گرنے سے روکنا وغیرہ شامل ہیں۔ ملتِ ابراہیمی کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ قیامت والے دن اللہ کی بارگاہ میں حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کی گواہی کا ذکر بھی آگیا ہے۔

سورۃ المؤمنون

مکہ میں قحط پڑنے والے واقعہ کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ مبارکہ مکی زندگی کے وسطی زمانہ میں نازل ہوئی۔ اس میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں توحید اور معاد کے مشترکہ دلائل پیش کیے گئے ہیں جن میں انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کا ذکر ہے۔ سورۃ کے آغاز میں مفلحین مومنین کے بعض اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔

اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا ذکر ہے اور پھر تمام نافرمانوں کی غرقابی کو بطور عبرت بیان کیا گیا ہے، اللہ نے نام لیے بغیر قوم ہود یا قوم صالح علیہ السلام کی نافرمانی کا ذکر کیا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو ایک ہی پیغام دیا کہ اللہ کی عبادت کرو۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مختلف اقوام نے اپنے انبیاء کو جھٹلایا۔ اُن کو تکالیف پہنچائیں جس کی وجہ سے بالآخر تباہ ہوئیں۔ اس سورۃ میں کفار و مشرکین کی طرف سے قیامت کے انکار کا ذکر بھی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کو اکل حلال اور اعمال صالحہ انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ نافرمانوں کی فرقہ بندی اور کفار کی وعدہ خلافی

کا ذکر بھی ہے۔ جب مکے میں قحط پڑا تو مشرکین نے اس کے دور ہو جانے پر ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ حضور علیہ السلام کی دعا سے اللہ نے قحط کو دور کر دیا مگر مشرکین پھر بھی ایمان نہ لائے۔

کفار و مشرکین وقوع قیامت کا بھی انکار کرتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے جب کہ ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو کر مٹی میں مل جائیں گی۔ اللہ نے اپنی قدرت اور اقتدار اعلیٰ کا ذکر کر کے فرمایا کہ جس مالک الملک نے تمھیں پہلی دفعہ پیدا کر دیا تھا، اُس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیسے مشکل ہو گا۔ اس سورۃ میں اللہ نے شیطان سے پناہ مانگنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے۔ قیامت والے دن تمام رشتہ داریوں کے خاتمہ کا ذکر ہے۔ اُس دن ہلکے اور بھاری اعمال کے پیش نظر سزا اور جزا کے فیصلے ہوں گے۔ مکذبین اُس دن اپنے جرم کا اعتراف کریں گے اور پھر اُن کو سزا میں مبتلا کیا جائے گا۔ قیامت کو دنیا اور برزخ کی زندگی بالکل قلیل محسوس ہو گی۔ دریافت کرنے پر لوگ کہیں گے کہ ہم دنیا میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے تھے آخری چار آیات میں دعائے استغفار ہے جن کو بطور ورد اختیار کیا جا سکتا ہے حدیث میں ان آیات کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

سورۃ النّور

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کو ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے، اسی لیے اس سورۃ کا نام سورۃ النّور ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں ایسے زریں احکام و قوانین بیان کیے گئے ہیں جن پر عمل درآمد سے اہل ایمان کے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں واقعہ افک بھی بیان ہوا ہے جو ۶ ھ میں پیش آیا۔

اس سورۃ میں بیان کردہ اجتماعی قوانین کا تعلق معاشرت سے ہے تاہم مرکزی مضمون اسلام کا نظامِ عفت و عصمت ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورۃ

گویا فحاشی، بے حیائی، بداخلاقی اور زنا کے انسداد کا ایکٹ ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں لعان کا قانون بھی بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا بیان ہے، اور اس کی تعلیمات سے استفادہ حاصل کرنے اور ان سے محروم رہنے والوں کا انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔

معاشرتی قوانین میں مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور عزیزوا قارب سے حسن سلوک کا بیان ہے۔ پردے کے احکام ہیں اور اس ضمن میں تین خصوصی اوقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک دوسرے کے گھروں میں داخلے کے قوانین بھی بالوضاحت بیان کیے گئے ہیں۔ اس سورۃ میں آداب رسالت کا ایک خصوصی مضمون بھی شامل ہے۔ خلافت راشدہ کا ذکر بھی اشارتاً آگیا ہے۔ اجتماعی معاملات میں غلامی اور مکاتبت کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے احکام، حدود اللہ، حقائق و معارف اور نصیحت آموز باتوں کا ذکر ہے۔ اس سورۃ میں توحید کا بیان اور بعض تنبیہات بھی آگئی ہیں، جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور رسول کے مخالفین کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں پر کفار کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے اُن کے اعمال کی مثال سراب یا سمندر کی تاریکیوں سے دی گئی ہے اور منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

غرضیکہ اس جلد میں قارئین کرام مختلف الانواع مضامین پائیں گے۔ جو ان کی دنیوی اور اخروی زندگی کے لیے نہایت کارآمد ہیں۔ آخر میں قارئین سے التماس ہے کہ وہ سلسلہ دروس القرآن کی جلد از جلد تکمیل کے لیے اللہ تعالےٰ کے حضور دست بدعا ہوں۔

احقر العباد
(الحاج) لعل دین
شالامار ٹاؤن۔ لاہور

سخنہائے گفتنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین
والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین
وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین :۔
امّا بعد ۔

محترم قارئین کرام تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کے سلسلۃ الذہب کی تیرھویں جلد آپ کے سامنے ہے اس تفسیر کی اشاعت کا کام ۱۹۸۱ء سے شروع کیا گیا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت بخشا پاکستان کے ہر علاقہ اور طبقہ کے علاوہ اب بیرون ممالک میں بھی اس تفسیر کی افادیت کو سراہا جارہا ہے، اب تک تقریباً بیس[1] پاروں کی اشاعت ہوچکی ہے اور دس پاروں کی اشاعت باقی ہے جو کہ انشاء اللہ العزیز مزید کئی جلدوں میں پایہ تکمیل کو پہنچے گی۔ تفسیر کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کا دشوار کن کام الحمد للہ مکمل ہوچکا ہے اب صرف انکی کتابت و اشاعت کا کام باقی ہے۔ یہ جلد پانچ سورتوں کا مجموعہ ہے۔ جس میں سورۃ طٰہٰ، انبیاء، حج، مومنون اور سورہ نور شامل ہیں۔ سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم توحید، موت و حیات، حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا ہے، سورۃ انبیاء میں قیامت کا وقوع، دلائل توحید اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذکر کیا ہے، سورۃ حج میں، قیامت کی ہولناکی، تخلیق انسانی، دلائل توحید،

[1] رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ میں یہ تفسیر مکمل بیس جلدوں میں شائع ہوچکی ہے (فیاض)

بیت اللہ کی تعمیر، قربانی، حج، جہاد، نماز، زکوٰۃ اور دلائل قدرت کا ذکر کیا ہے۔ سورۃ مؤمنون میں فلاح کے بنیادی اصول، توحید، نماز، زکوٰۃ، اکل حلال، تخلیق انسانی، احسانات باری، جنتیوں کی جزا، دوزخیوں کی سزا اور نوح علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے۔ سورۃ نور میں اسلام کا قانون حدود، احکام پردہ، واقعہ افک، دلائلِ توحید، اطاعتِ خدا و رسول کا ذکر ہے۔ اس جلد میں ان جملہ مباحث کی تفسیر و تشریح قرآن و سنت، صحابہ کرام رضہ سلفِ صالحین، مفسرین و محدثین اور علماء حق کی طرز پر بڑے سادہ، عام فہم، اچھوتے، دلنشیں اور احسن انداز میں کی گئی ہے جس میں آپ کو دنیا میں پائے جانے والی جملہ خرابیوں خواہ دینی ہوں یا دنیاوی، مسلکی ہوں یا سیاسی، ملکی ہوں یا بین الاقوامی کا تذکرہ، مسلمانوں کی بے راہ روی ان کی زبوں حالی، عروج و زوال، یہود و نصاریٰ اور سپر پاورز کی ان پر ظلم و تعدی اور ان کی بنیادی کمزوریوں کی نشان دہی اور ان کے علاج کا ذکر کیا گیا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں بیشتر مقامات میں امام ولی اللہ محدث دہلویؒ کے دقیق حکمت و فلسفہ کو بڑے احسن اور سہل پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے، جسے ایک عام آدمی بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

خوشخبری

دروس القرآن کی طرح حدیث شریف کو بھی کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرنے کے کام کا آغاز کر دیا گیا ہے

یہ بھی دروس القرآن کی طرح، "دروس الحدیث" کے نام سے شائع کرنے کا پروگرام تیار ہو چکا ہے۔ جملہ احباب خصوصی دعا فرمائیں کہ صاحب دروس والد محترم حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی مدظلہ کو اللہ تعالیٰ صحتِ کاملہ سے نوازے تاکہ ان کی سرپرستی میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچے اور انجمن محبان اشاعتِ قرآن کے جملہ معاونین کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھے اور انہیں مزید تعاون کی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ قرآن و حدیث کا یہ سلسلہ اور زیادہ ترقی کرے اور اس کی آواز ہر ہر گھر میں پہنچ سکے اور مسلمان قرآن و حدیث کے انقلابی پروگرام سے روشناس ہو کر دنیا

لہ دروس الحدیث کی اب الحمد للہ چار جلدیں شائع ہو چکی ہیں (فیاض)

میں ترقی کریں اور آخرت میں بھی کامیاب ہوں آخر میں دلی دعا ہے کہ اللہ رب العزت جملہ مسلمانوں کی پریشانیاں ختم فرمائے بالخصوص درس کے فاضل مرتب حاجی لعل دین صاحب اور انجمن کے سرگرم ارکین حاجی شیخ محمد یعقوب صاحب صدر، حاجی غلام حیدر صاحب، سیکرٹری، حاجی محمود انور بٹ صاحب، خازن، مستری منیر احمد صاحب، انجم لطیف صاحب، بلال احمد ناگی صاحب، حاجی محمد اسلم صاحب اور دیگر تمام ارکین کی اس مساعی جمیلہ کو قبول و منظور فرمائے اور سب کو استقامت نصیب فرمائے اور مشکلات آسان فرمائے اس جلد کی پروف ریڈنگ میں احقر کے ساتھ حافظ محمد اشرف گجراتی صاحب نے بھرپور حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان کو علم و عمل میں ترقی نصیب فرمائے آمین

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی
آلہ واصحابہ اجمعین

احقر محمد فیاض خان سواتی
مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۷ ذوالحجہ ۱۴۱۳ھ ، ۳۰ مئی ۱۹۹۳ء

حَیَّ عَلَی الْفَلَاح

نماز مسنون کلاں پر غیر مقلدین کے اعتراضات کے مسکت جوابات

تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت ۱۸ روپے

صفحات ۹۶

ملنے کا پتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

سورة
طه
مكمل

سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰیَۃً وَّفِیْھَا ثَمَانُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ طٰہٰ مکی ہے اور یہ ایک سو پینتیس آیات اور اس میں آٹھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

طٰہٰ ① مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ② اِلَّا
تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ③ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ
الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ④ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ
اسْتَوٰی ⑤ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا
وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ⑥ وَاِنْ تَجْھَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّہٗ
یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ⑦ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰی ⑧

ترجمہ:- طٰہٰ ① ہم نے نہیں اُتارا آپ پر قرآن اس
لیے کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں ② مگر یہ نصیحت ہے
اُس کے لیے جو ڈرتا ہے ③ یہ اتارا ہوا ہے اس ذات
کی طرف سے جس نے پیدا کیا ہے زمین اور بلند آسمانوں
کو ④ وہ بڑا مہربان ہے جو عرش پر قائم ہے ⑤
اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں اور جو اُنکے
درمیان ہے اور جو کچھ گیلی زمین کے نیچے ہے ⑥ اور

اگر ظاہر کریں آپ بات، پس بیشک وہ جانتا ہے پوشیدہ بات کو اور اس سے بھی زیادہ مخفی بات کو ⑦ اللہ تعالیٰ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اُس کے نام ہیں بھلے ⑧

نام اور کوائف

یہ سورۃ اپنے پہلے لفظ طٰہٰ کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا عام فہم نام طٰہٰ ہی ہے۔ تاہم مفسرِ قرآن صاحبِ روح المعانی سید محمود آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کا دوسرا نام کلیم بھی ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔ اس سورۃ کی ایک سو پینتیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۳۰۱ کلمات اور ۵۲۴۲ حروف پر مشتمل ہے۔

یہ سورۃ مکی زندگی میں ۶ ؁ نبوت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس امر کا ثبوت یہ ہے کہ ۵ ؁ نبوت میں جب مسلمان مہاجرین کا پہلا قافلہ حبشہ پہنچا تو وہاں پر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے یہ سورۃ نجاشی بادشاہ کے سامنے تلاوت کی تھی۔ گذشتہ سورۃ مریم اور اس سورۃ کا زمانہ نزول قریب ہی ہے۔

عمرؓ کے قبول اسلام میں طٰہٰ کا حصہ

محمد ابن اسحاق ابن خزیمہؒ کی روایت کے مطابق حضرت عمرؓ ۶ ؁ نبوی میں اسلام لائے اور سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات ہی اُن کے اسلام لانے کا سبب بنیں۔ مؤرخین اور مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ۶ ؁ نبوی میں ایک روز حضرت عمرؓ اِس ارادے سے تلوار لے کر نکلے کہ آج محمد کا کام تمام کروں گا۔ راستے میں ایک شخص نعیم ابن عبداللہؓ سے ملاقات ہوئی جو خود اسلام لا چکے تھے۔ پوچھا عمرؓ! کہاں کا ارادہ ہے۔ جواب دیا کہ ہم محمد سے بہت تنگ آچکے ہیں، لہٰذا آج اُس شخص کا خاتمہ کرنے جا رہا ہوں۔ حضرت نعیمؓ نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی خبر تو لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی تو مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ غصے میں آ گئے اور فوراً اپنے بہنوئی سعید ابن زیدؓ کے گھر کا رُخ کیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس وقت ایک غریب صحابی حضرت خباب ابن ارتؓ حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو سورۃ طٰہٰ پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت عمرؓ مکان کے قریب پہنچے تو تلاوت کی دھیمی سی

آواز بھی سُنی۔ اتنے میں آپ نے دروازے پر دستک دی تو اہلِ خانہ پر دہشت طاری ہوگئی کہ اب خیر نہیں۔ انہوں نے سورۃ طٰہٰ کے اوراق چھپا دیے اور حضرت خبابؓ بھی گھر کے کسی کونے میں دبک کر بیٹھ گئے، کیونکہ وہ حضرت عمرؓ کے جلال سے واقف تھے۔ گھر میں داخل ہوکر آپ نے پوچھا کہ تم لوگ کیا پڑھ رہے تھے۔ بہن نے ٹالنے کی کوشش کی تو حضرت عمرؓ نے انہیں پیٹنا شروع کر دیا۔ غرضیکہ بہن اور بہنوئی دونوں کی خوب پٹائی کی۔ بالآخر انہیں کہنا پڑا کہ ہم ایمان لاچکے ہیں اور تم کچھ بھی کر لو اب ہم یہ دین ترک کرنے کے لیے تیار نہیں۔ حضرت عمرؓ کے دل کا نرم گوشہ بیدار ہوا تو بہن سے کہا کہ ذرا مجھے بھی وہ چیز دکھاؤ جو تم ابھی ابھی پڑھ رہے تھے۔ بہن نے کہا کہ پہلے غسل کر لو کیونکہ یہ خدا کا مقدس کلام ہے جسے پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے غسل کیا، آپ کی بہن فاطمہؓ نے آپ کو سورۃ طٰہٰ کے اوراق دیے۔ اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی آیات ہی پڑھ کر حضرت عمرؓ کا دل پلٹ گیا، اور کہنے لگے، یہ تو واقعی بڑا پاکیزہ کلام ہے۔ آپ کا نرم پہلو دیکھ کر حضرت خبابؓ بھی باہر آگئے اور فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ کے نبی کی کل والی دُعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوچکی ہے کہنے لگے میں نے حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے یہ دُعا[1] سُنی تھی اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعَمْرِو ابْنِ الْھِشَامِ اَوْ بِعُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اے اللہ! عمرو بن ہشام (ابوجہل) یا عمر بن خطابؓ کے ذریعے اسلام کی تائید فرما۔ یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لے چلو۔ چنانچہ آپ کو وہاں لے جایا گیا۔ اور پھر آپ کے اسلام لانے کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر تفاسیر و تاریخ میں مذکور ہے۔ بہرحال یہ آیات حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا سبب بنیں۔ چونکہ حضرت عمرؓ ۶ نبوی میں اسلام لائے، لہٰذا معلوم ہوا کہ اس سورۃ کا نزول اس سے پہلے

[1] ترمذی ص۵۲۸ (فیاض)

ہو چکا تھا۔

مضامین سورۃ

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی چار بڑے مضامین بیان ہوئے ہیں یعنی (۱) توحید کا اثبات اور شرک کی تردید (۲) رسالت جس کے ضمن میں حضور خاتم النبیین، حضرت موسیٰ اور ہارون اور حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ بیان ہوا ہے۔ (۳) معاد یعنی قیامت اور جزائے عمل (۴) وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت و صداقت۔ اس سلسلے میں واضح کیا گیا ہے کہ تمام انسان وحی الٰہی کے محتاج ہیں کیونکہ اس کے بغیر حقیقی راہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی گذشتہ سورۃ کے آخر میں اللہ نے فرمایا ہے اِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ ہم نے اس قرآن حکیم کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے، اسی ربط میں اس سورۃ کی ابتداء میں فرمایا ہے مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

ان چار بنیادی مضامین کے علاوہ اس سورۃ مبارکہ میں مشرکین و کافرین کی ایذاء رسانیوں کے خلاف حضور علیہ السلام کو تسلی بھی دی گئی ہے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی پاک سیرت کا تذکرہ بھی تسلی کے مضمون کا ہی حصہ ہے جس میں اللہ کے ان انبیاء نے جابر و سرکش فرعون کے سامنے اپنی پاکیزہ سیرت کا اظہار کیا، اس سورۃ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صبر سے کام لینے کا درس بھی دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس سورۃ میں تلاوت قرآن کا طریقہ، تبلیغ دین کا طریقہ، جزائے عمل، آدم علیہ السلام کی لغزش اور ان کا زمین پر ہبوط اور دیگر ذیلی مضامین بھی بیان ہوئے ہیں۔

حروف مقطعات

اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوتی ہے۔ طٰہٰ مفسرین کرام نے ان حروف کی مختلف تعبیریں کی ہیں۔ بعض[1] فرماتے ہیں کہ طٰہٰ اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک میں سے ہے۔ حضرت علیؓ کی

[1] البحر المحیط صفحہ ۲۲۴ ج ۶ (فیاض)

روایت میں ایسا ہی آتا ہے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ حضور علیہ السلام کے اسماء میں سے ہے امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں یٰس اور طٰہٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہیں بعض کہتے ہیں طٰہٰ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی رجل کے ہیں یعنی اے شخص۔ یہ لفظ لاکر گویا حضور علیہ السلام کو خطاب کرکے آپ کو تسلی دی گئی ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[۱] کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کشفی طور پر حروف مقطعات کی سمجھ عطا فرمائی ہے اور وہ یہ کہ کسی سورۃ کی ابتداء میں آنے والے یہ حروف سورۃ کے اجمالی عنوان کو ظاہر کرتے ہیں۔ گویا یہ حروف سورۃ کی ایک قسم کی مبہم سی سرخی ہوتی ہے۔ شاہ صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ طٰہٰ انبیاء کے مراتب و منازل کی طرف اشارہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنی توجہ ہر وقت عالم بالا کی طرف مبذول رکھتے ہیں

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حروف مقطعات کے ہر حرف کو کسی اسم کا مخفف سمجھنا چاہیئے۔ مثلاً طٰہٰ میں طٰ کا اشارہ طاہر کی طرف ہے یعنی اے پیغمبر! طاہر العقیدۃ والاخلاق والعمل، جن کا عقیدہ، اخلاق اور عمل پاک ہے آپ کو اس خطاب کے ساتھ مخاطب کیا گیا۔ اسی طرح طٰہٰ کا اشارہ ہادی کی طرف ہے کہ آپ اللہ کی مخلوق کو ہدایت دینے والے ہیں۔ تاہم زیادہ صحیح اور اسلم بات[۲] وہی ہے جو امام جلال الدین سیوطیؒ نے بیان کی ہے کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ یعنی ان حروف کی مراد کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ اس سے زیادہ جاننا ہمارے لیے ضروری بھی نہیں ہے۔ ہمارے جاننے کے لیے کثیر تعداد میں محکمات موجود ہیں۔ اگر ہم انہی پر عمل پیرا ہو جائیں تو بہت بڑی بات ہے، چہ جائیکہ ہم متشابہات کی تفصیل میں جاننے کی سعی لاحاصل کرنے لگیں۔

---

[۱] الفوز الکبیر ص۱۰۸ [۲] تفسیر جلالین ص۲ (فیاض)

امام شاہ ولی اللہؒ نے بھی اپنے طریقے پر حرفِ طا سے متعلق بعض اشارے بھی کیے ہیں۔ مثلاً طٰ سے کوہِ طور مراد ہے جہاں پر موسیٰ علیہ السلام اللہ سے ہم کلام ہوئے۔ چونکہ اس سورۃ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیل سے ذکر آیا ہے، لہٰذا اس سے طور بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح طٰ سے فرعون کی طغیانی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ یہ ذکر بھی اس سورۃ میں موجود ہے۔ اِنَّهٗ طَغٰى (آیت ۴۳) اللہ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تھا کیونکہ وہ سرکش ہو چکا تھا۔ باقی رہا ہٰ تو اس سے شاہ صاحب آدم علیہ السلام کا جنت سے ہبوط مراد لیتے ہیں کہ اس بات کا ذکر بھی آگے اسی سورۃ میں آ رہا ہے قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا (آیت ۱۲۳) یعنی تم دونوں (آدم اور حوا) اس جنت سے نکل کر زمین پر اتر جاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی

سورۃ کی ابتداء حضور علیہ السلام کی تسلی کے مضمون سے ہوتی ہے۔ اے پیغمبر! مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ہم نے آپ پر قرآن اس لیے تو نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ تَشْقٰى کے دو معانی آتے ہیں یعنی شقاوت (بدبختی) اور مشقت (تکلیف میں پڑنا) یہاں پر اس سے مراد مشقت اٹھانا ہے۔ اس جملے کا پس منظر یہ ہے کہ نبوت کے ابتدائی دور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کو لمبا قیام کرتے تھے۔ صحیح احادیث کے مطابق بعض اوقات آپ کے پاؤں متورم (سوج) جاتے تھے۔ اور سردی کے موسم میں کبھی پھٹ بھی جاتے تھے۔ تو اللہ نے آپ کو تسلی دی کہ آپ قیام کے دوران لمبی قرأت میں اس قدر محنت نہ کریں بلکہ جیسا کہ سورۃ المزمل میں فرمایا فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (آیت ۲۰) اتنا قرآن پڑھو جتنا آسانی سے پڑھ سکو۔ اسی لیے یہاں فرمایا کہ یہ قرآن ہم نے اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار ومشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے بھی سخت پریشان رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اتنا غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کا کام تو ابلاغ ہے، آگے قبول کرنا یا نہ کرنا اُن کی ذمہ داری ہے، لہٰذا آپ اس کے لیے فکرمند نہ ہوں۔ حضور علیہ السلام کی پریشانی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کفار و مشرکین آپ پر طعنہ زنی کرتے تھے، بیہودہ اعتراضات اور ناجائز نکتہ چینی کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر طرح کی پریشانی دور کرنے کے لیے تسلی دی کہ آپ پر قرآن اس لیے تو نازل نہیں کیا گیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ آپ حوصلہ رکھیں اور اپنا کام کرتے جائیں۔

قرآن بطور تذکرہ

فرمایا، یہ قرآن مشقت میں ڈالنے والی چیز نہیں ہے، بلکہ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى یہ تو نصیحت یا یاد دہانی ہے۔ اُس شخص کے لیے جسے محاسبۂ اعمال کا خوف ہے۔ البتہ جو شخص بے خوف ہے، اُسے آگے کی فکر ہی نہیں ہے، وہ نہ تو ایمان لائے گا اور نہ نصیحت حاصل کرے گا۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آیت ۔۷) قرآنِ پاک سے صرف وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں۔ جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ جو لوگ عقل کو صحیح طور پر استعمال نہیں کرتے اُن کی مثال جانوروں کی ہے جن کا کام کھانا، پینا اور جفتی کرنا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔

فرمایا تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى یہ قرآن کریم اُس ذات کا نازل کردہ ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔ یہ کسی مخلوق کا کلام نہیں۔ بلکہ اس ذات کا کلام ہے جو اَلرَّحْمٰنُ نہایت ہی مہربان ہے۔ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اور عرش پر قائم ہے اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کا ذکر گذشتہ سورۃ مریم میں کم و بیش سولہ مرتبہ

آیا ہے۔ کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق پر بڑا ہی مہربان ہے۔ یہ انسان ہی ہیں جو غلط کام کر کے اپنے آپ کو اس کی رحمت سے محروم کر لیتے ہیں۔

استوی علی العرش کے الفاظ بھی کئی سورتوں میں ذکر ہوئے ہیں۔ اس کو متشابہات میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان الفاظ کا معنی تو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے لیکن اس استویٰ کی حقیقت اور کیفیت انسانی ذہن میں نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا ہمارے کسی جگہ بیٹھنے کی طرح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہمارے لیے مکانیت لازمی ہے جب کہ خدا تعالیٰ لامکان ہے۔ اسی طرح ہمارے دائیں بائیں، آگے پیچھے، اوپر نیچے جہت ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ جہت سے بھی پاک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے استویٰ علی العرش ہونے کو ہم نہیں سمجھ سکتے، ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے جیسا کہ اس کی ذات کے ساتھ لائق ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنا اسی طرح تصور کرتا ہے جیسا کہ کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے، تو وہ گمراہ ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو مادیت سے بھی پاک ہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ استویٰ بلندی سے کنایہ ہے۔ اس مسئلہ کو امام شاہ ولی اللہؒ اپنے فلسفہ میں اس طرح سمجھاتے ہیں کہ جنت کے کل آٹھ طبقات ہیں جن میں سے بلند ترین طبقہ جنت الفردوس ہے اور جس کا ذکر سورۃ الکہف میں بھی گزر چکا ہے کَانَتْ لَھُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (آیت۔ ۱۰۷) شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جنت کے نچلے حصے سے اُوپر والے حصے تک پچاس ہزار سال کی مسافت کی بلندی ہے۔ جنت کا سلسلہ ساتوں آسمانوں کے بعد شروع ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جنت کے بلند ترین حصے یعنی جنت الفردوس کے اُوپر عرش الٰہی ہے اس عرش پر اللہ تعالیٰ کی تجلی پڑتی ہے جسے تجلی اعظم کہا جاتا ہے اس تجلی کی وجہ سے پہلے عرش رنگین ہوتا ہے اور پھر ساری کائنات رنگین ہوتی ہے

یہ تجلیات کب سے پڑ رہی ہیں اور کب تک پڑتی رہیں گی۔ اس کو کوئی شخص اپنی عقل سے نہیں جان سکتا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عرش سے لے کر ساری کائنات کا مجموعہ بمع عرش اور جنت شخصِ اکبر ہے اور خدا کی ذات اس سے بالکل جدا اور وراء الوراء ہے۔ اللہ تعالیٰ خود تو غیب الغیب میں ہے۔ البتہ اس کی تجلی عرش پر اور پھر ساری کائنات پر پڑتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کو کوئی نہیں جان سکتا۔ ہمارے لیے اس پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انسانی ذہن صرف اس درجہ پہ پہنچ سکتا ہے کہ لفظ اللہ یا رحمان خدا تعالیٰ کا نام یا صفت ہے یہ کوئی مادی جسم نہیں ہے جو عرش پر بیٹھا ہو، بلکہ استویٰ علی العرش کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہمہ وقت عرش پر پڑ رہی ہیں۔

خدا تعالیٰ کا تسلط اور علم

آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان ہے، اور جو کچھ گیلی زمین کے نیچے ہے۔ مطلب یہ کہ بلند سے بلند اور پست سے پست ہر جگہ اُس کی پیدا کردہ اور اُسی کے تصرف میں ہے اور اس لحاظ سے اُسی کی ملکیت ہے۔ یہ تو خدا کی قدرت کا حال ہے، اور اس کے علم کا حال یہ ہے وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ اگر آپ بلند آواز سے بات کریں فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى پس بے شک وہ تو پوشیدہ اور مخفی ترین بات کو بھی جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو دل کے وساوس سے بھی واقف ہے اللہ تعالیٰ کا علم اس قدر وسیع ہے کہ وہ پوشیدہ ترین اشیاء کو بھی جانتا ہے، وہ علیمِ کل اور قادرِ مطلق ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے۔ اس نے یہ کتاب نازل فرمائی ہے۔

خدا تعالیٰ کی وحدانیت

فرمایا اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ مرکزی مضمون کا پہلا حصہ ہے جو تمام مکی سورتوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے سوا کوئی خالق، مدبر، علیم کل، نافع اور ضار نہیں اللہ کے سوا تمام معبود خودساختہ ہیں، سب مخلوق ہیں کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اس کے بھلے نام ہیں۔ اُسے کسی بھی نام سے یاد کرو درست ہے۔ وہ رحمٰن اور رحیم ہے، ستار اور غفار ہے، واجد اور ماجد ہے، لطیف اور خبیر ہے، رقیب اور مجیب ہے۔ حضور نے فرمایا جو ان اسمائے پاک کو یاد کرے گا اور ان پہ ایمان لائے گا، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ مشرک لوگ اعتراض کرتے تھے کہ مسلمان ہمیں تو وحدانیت کا درس دیتے ہیں اور خود کبھی رحمٰن اور کبھی خدا کہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا یہ بیوقوفی کا اعتراض ہے ذات صرف ایک ہے باقی اس کی صفات ہیں اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ
لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ
مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝۱۰ فَلَمَّآ
اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝۱۱ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ
نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۲

ترجمہ :- اور کیا آئی ہے آپ تک بات موسیٰ علیہ السلام کی ⑨
جب کہ دیکھا انہوں نے آگ کو اور کہا اپنے گھر والوں کو،
تم ٹھہرو ! بیشک میں نے آگ دیکھی ہے. تاکہ میں لاؤں
تمہارے پاس اس میں سے کوئی شعلہ سلگا کر، یا پاؤں میں
آگ پر کوئی راستہ دکھانے والا ⑩ پس جب وہ پہنچے اس
(آگ) تک تو (وہاں سے) ندا آئی ، اے موسیٰ ⑪ بیشک میں
تیرا پروردگار ہوں، پس اُتار دو تم اپنے جوتے . بیشک
تم ایک مقدس وادی طویٰ میں ہو ⑫

حضور علیہ السلام کیلئے تسلی

اِس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اِن دونوں انبیاء کو سخت دشمنوں سے واسطہ پڑا تو انہوں نے صبر کا دامن تھامے رکھا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دشمنوں کو ناکام کیا۔ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے

تھے مقصد یہ تھا کہ جس طرح موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے سخت تکالیف برداشت کیں تو اس کے بعد اللہ نے انہیں کامیابی عطا کی، اسی طرح اے پیغمبر! آپ کو بھی سخت مصائب کا سامنا کرنا ہوگا اور اس کے بعد آپ کی کامیابی کے دروازے کھلیں گے، لہٰذا آپ صبر سے کام لیں اور تبلیغ دین کا کام جاری رکھیں۔ آخری فتح آپ ہی کی ہوگی۔

آیات کا پس منظر

یہاں سے موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی ابتداء ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ اے پیغمبر! کیا آپ تک موسیٰ علیہ السلام کی بات پہنچی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن پاک میں بہت سی جگہوں پہ مذکور ہے۔ سورۃ الاعراف میں اس واقعہ کی کافی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں۔ سورۃ القصص میں تو اس واقعہ کی ابتداء موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کی گئی ہے۔ پھر سورۃ شعراء میں نبوت و رسالت ملنے کے بعد کے واقعات کی تفصیل ہے اور اس مقام پر اس واقعہ کی ابتدا اس وقت سے کی گئی ہے جب موسیٰ علیہ السلام مدین میں دس سال کا عرصہ گزارنے کے بعد مصر کی طرف روانہ ہوئے۔

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ قوم فرعون کا ایک آدمی ایک کمزور اسرائیلی پر تشدد کر رہا تھا۔ وہاں سے موسیٰ علیہ السلام کا گزر ہوا تو اسرائیلی نے آپ سے مدد کی درخواست کی۔ آپ پر اس وقت جوانی کا عالم تھا، اللہ نے زبردست جسمانی طاقت عطا فرمائی تھی۔ آپ نے اس اسرائیلی کو قبطی کے ظلم سے چھڑانے کے لیے قبطی کو ایک مکا رسید کیا۔ اگرچہ آپ نے ایسا قتل کے ارادے سے نہیں کیا تھا، مگر وہ مکا اس شخص کو اس طور لگا کہ وہ وہیں ہلاک ہوگیا۔ جب فرعونیوں کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تلاش شروع کر دی۔ اس دوران کسی خیر خواہ نے موسیٰ علیہ السلام کو خبر دے دی کہ لوگ تمہیں گرفتار

کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ آپ خاموشی کے ساتھ تن تنہا مصر سے نکلے اور چلتے چلتے مدین پہنچ گئے۔ وہاں پر آپ کی ملاقات اللہ کے نبی شعیب علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے سارا واقعہ سن کر آپ کو تسلی دی اور کہا نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (القصص-۲۵) ڈرو نہیں۔ اب تم فرعون کی عملداری سے باہر آ چکے ہو، اور تمہیں ظالم لوگوں سے نجات حاصل ہو چکی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں ایک خدمت گزار کی ضرورت ہے، تم ہمارے پاس ہی رہو۔ اور اگر تم آٹھ یا دس سال ہماری خدمت کرنا قبول کر لو، تو میں اپنی بیٹی کا نکاح بھی تم سے کر دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ پیش کش قبول کر لی۔ آپ شعیب علیہ السلام کے پاس ٹھہر گئے، نکاح بھی ہو گیا۔ دس سال کا عرصہ گزرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام سے اپنی والدہ اور بھائی کو ملنے کے لیے مصر واپس جانے کی اجازت چاہی۔ چنانچہ اجازت ملنے پر آپ نے اپنی بیوی اور بکریوں کا ایک ریوڑ ساتھ لیا اور مصر کی طرف روانہ ہو گئے اس مقام پہ دوران سفر پیش آنے والے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

وادی مقدس میں قیام

مدین سے مصر جاتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک جگہ پہ رات بسر کرنے کا ارادہ کیا۔ اس دوران آپ کی بیوی کو کچھ تکلیف ہو گئی بعض مفسرین دردِ زہ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ تاریک رات میں بکریاں بھی اِدھر اُدھر ہو گئیں اور آپ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی۔ آپ نے سفر کے لیے ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا تھا، جس سے آپ اچھی طرح واقف بھی نہ تھے، لہٰذا آپ کو راستہ بھول جانے کا بھی خطرہ تھا۔ آپ اسی شش و پنج میں تھے اِذْ رَاٰ نَارًا جب کہ آپ کو دور کہیں آگ نظر آئی۔ اندھیری رات میں شعلہ نکلتا ہوا نظر آیا تو آپ کے دل میں امید کی کرن

پھوٹی فَقَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْٓا تو آپ نے اپنے گھر والوں سے کہا، تم یہیں ٹھہرو۔ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں اس کے پاس جاتا ہوں لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِقَبَسٍ تاکہ اس میں سے کوئی شعلہ سلگا کر تمہارے لیے لے آؤں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ رات کے وقت آپ کو آگ کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی۔ ایک تو روشنی کی ضرورت تھی، دوسرا کھانا پکانے کے لیے آگ کی ضرورت تھی۔ آپ کے پاس چقماق موجود تھا مگر کوشش کے باوجود اس سے آگ نہیں نکلتی تھی، لہٰذا آپ نے آگ کی تلاش میں اس طرف جانے کا ارادہ کیا جہاں روشنی ہو رہی تھی۔ چونکہ آپ راستہ بھول چکے تھے، اس آگ کی طرف جانے کا دوسرا مقصد یہ تھا۔ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ ھُدًی کہ شاید میں وہاں سے کوئی راستہ بتلانے والا آدمی لے آؤں۔ ظاہر ہے کہ جہاں آگ جل رہی ہے۔ وہاں کوئی آگ جلانے والا بھی ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح راستے کی طرف راہنمائی بھی کر سکے۔

مفسرین نے لفظ امْکُثُوْٓا پر کلام کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تو صرف آپ کی بیوی تھی تو انہوں نے فردِ واحد کے لیے جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بعض اوقات کسی واحد شخص کے لیے جمع کا صیغہ احتراماً بھی بولا جاتا ہے، جیسے ہم مہمان کو کہتے ہیں کہ آپ تشریف رکھیں، حالانکہ وہ ایک آدمی ہوتا ہے۔ البتہ ابوحیان "تفسیر بحر محیط"[1] والے فرماتے ہیں، کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ صرف آپ کی بیوی ہی نہیں تھی بلکہ دو بچے یا ایک بچہ، ایک خادم اور بکریوں کا ریوڑ بھی تھا، اس لیے آپ نے سب کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا کہ تم سب یہیں ٹھہرو، میں آگ کے قریب جاتا ہوں۔

حجاب نوری یا ناری

فَلَمَّآ اَتٰھَا جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران

[1] البحر المحیط ص ۲۲۷ ج ۷ (فیاض)

رہ گئے کہ روشن ہونے والی چیز آگ نہیں بلکہ کچھ اور ہی چیز تھی، وہ تو اللہ تعالیٰ کا حجاب نوری یا ناری تھا جو اس درخت پر وارد ہو رہا تھا جہاں سے روشنی باہر آرہی تھی، مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حجابات ایسے ہیں کہ اگر اُن کو کھول دیا جائے، تو جہاں تک اُن کا اثر پہنچے ہر چیز جل جائے۔

بہر حال جب موسیٰ علیہ السلام آگ والی جگہ پر پہنچے تو عجیب نظارہ دیکھا ایک سرسبز و شاداب درخت تھا جس سے آگ بڑے زور و شور کے ساتھ نکل رہی تھی۔ آگ جتنی زیادہ بھڑکتی، درخت کی سرسبزی و شادابی میں اتنا ہی نکھار آتا۔ اور درخت جس قدر شاداب ہوتا، آگ اتنی ہی زیادہ بھڑکتی آگ کا کام جلا ڈالنا ہے مگر وہ درخت کی شادابی میں اضافہ کر رہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے درخت کے قریب جانے کا ارادہ کیا تاکہ درخت کی کوئی سلگتی ہوئی شاخ گرے تو اُسے لے کر اپنے قافلے کے پاس جائیں مگر آپ جتنا آگ کے قریب جاتے، آگ اتنا ہی دُور ہٹ جاتی۔ آپ گھبرا کر پیچھے آتے تو آگ واپس اپنی جگہ پر آجاتی۔ عجیب منظر تھا۔

ندائے غیبی

فرمایا، جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے قریب پہنچے نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی تو آواز آئی، اے موسیٰ علیہ السلام اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ بیشک میں تیرا پروردگار ہوں۔ یہ بات موسیٰ علیہ السلام کے لیے مزید حیرانگی کا باعث بنی، آگ کا درخت بلا تشبیہ غیبی ٹیلیفون کا کام دے رہا تھا۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ[1] نے امام احمدؒ اور وہب تابعیؒ کے حوالے سے یہ بات نقل کی ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ غیبی آواز سنی تو آپ نے کئی بار لبیک لبیک کہا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اُدھر سے یا موسیٰ کی آواز آئی تو آپ کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ آپ کے پروردگار کی آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں ضروری علم پیدا کر دیا تھا جس کی وجہ سے آپ کو کوئی شبہ نہیں رہا تھا

[1] تفسیر عثمانی صفحہ ۴۰۵ (فیاض)

کہ اللہ کے علاوہ کسی جن یا شیطان کی آواز بھی ہو سکتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، پروردگار! میں تیری آواز سن رہا ہوں یا آہٹ پا رہا ہوں مگر تجھے دیکھنے سے قاصر ہوں۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ اے موسیٰ! میں تیرے اوپر ہوں، تیرے ساتھ ہوں، تیرے سامنے ہوں، تیرے پیچھے ہوں حتیٰ کہ تیری جان سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ہر جہت سے، ہر ہر ذرے سے اور اپنے ایک ایک بال سے مذکورہ آواز سنی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ خصوصی انعام فرمایا کہ اُن سے براہِ راست گفتگو کی۔ سورۃ نساء میں موجود ہے وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا (آیت ۱۶۴) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے براہِ راست کلام فرمایا۔

جوتے اتارنے کا حکم

اللہ نے اپنا تعارف کرانے کے بعد فرمایا فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اے موسیٰ علیہ السلام! اپنے جوتے اتار دو کیونکہ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى اس وقت تم ایک پاک وادی طویٰ میں ہو۔ اِس کو پاکیزہ وادی کیوں کہا گیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ بعض دیگر مقامات کی طرح اللہ نے اِس خطے کو پہلے سے مقدس بنا رکھا ہو۔ یا وہ جگہ اس وجہ سے مقدس تھی کہ وہاں خدا تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہو رہا تھا۔ بہرحال وہ مقدس مقام تھا جہاں جوتا اتارنے کا حکم ہوا۔

مفسرین[۱] کرام کا ایک گروہ جوتا اتارنے کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا جوتا گدھے کی کھال کا بنا ہوا تھا، اور ہو سکتا ہے کہ اُن کی شریعت میں گدھا حرام ہو، اس لیے جوتا ناپاک ہو۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اگر جوتا اتارنے کی یہی وجہ تھی کہ وہ ناپاک تھا، تو ہماری شریعت میں تو ہر کھال کا جوتا پاک ہے۔ خواہ وہ کھال کسی حرام جانور کی ہو۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[۲] ہے اِذَا دُبِغَ الْاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ ہر رنگا جانے والا کچا چمڑا

---
۱ البحر المحیط ص ۲۳۱ ج ۶ ۲ مسلم ص ۱۵۹ ج ۱ (فیاض)

دباغت کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔ اس سے جوتا بھی بنا سکتے ہیں۔ نماز کے لیے مصلیٰ بھی، اور پانی نکالنے کے لیے اس کا ڈول بھی بنا سکتے ہیں۔ ایسا چمڑا پاک ہو جاتا ہے اور اس سے کھانے کے برتن بھی بنائے جا سکتے ہیں۔ البتہ کتے کے متعلق بعض فقہا کا اختلاف ہے کہ اس کی کھال دباغت کے بعد بھی استعمال ہو سکتی ہے یا نہیں۔ خنزیر اور انسانی کھال کو بھی کسی صورت میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ خنزیر اس لیے کہ یہ سراپا ناپاک جانور ہے۔ اللہ نے اسے واضح طور پر حرام قرار دیا ہے اور انسان کی کھال تکریم انسانی کی بنا پر ناقابل استعمال ہے۔ اللہ نے فرمایا وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل - ۷۰) ہم نے آدم کے بیٹے کو عزت بخشی ہے۔ انسان کی کھال اگرچہ پاک ہے مگر اس کا استعمال حرام ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گذر ایک مردار بکری پر ہوا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا، تم نے اس کی کھال کیوں نہیں استعمال کی؟ عرض کیا، یہ تو مردار ہو گئی ہے ہم اس کو ذبح نہیں کر سکے۔ آپ نے فرمایا، اس کا کھانا تو بیشک حرام ہے مگر دباغت کے بعد اس کی کھال استعمال ہو سکتی ہے۔

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں[۱] کہ وادیٔ مقدس میں جوتے اتارنے کا حکم اس وجہ سے بھی ہوا کہ اس پاک مقام پر ادب کا یہی تقاضا تھا تاکہ ننگے پاؤں وہاں کی برکات حاصل ہو سکیں۔ مساجد وغیرہ میں جوتا اسی لیے اتارا جاتا ہے کہ یہ متبرک مقام ہوتے ہیں۔ اور اس وادیٔ طویٰ کے متعلق تو اللہ نے خاص طور پر جوتا اتارنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ کی تجلیات پڑ رہی تھیں اور خاص واقعات پیش آ رہے تھے۔ دنیوی آداب کے متعلق تورات میں مذکور ہے کہ قدیم زمانے میں لوگ بادشاہوں کے دربار میں جاتے تھے تو جوتا اتار لیتے تھے کیونکہ ایسا کرنا شاہی دربار کے

[۱] احکام القرآن للجصاص ص ۲۷۱/۳ (فیاض)

آداب میں شامل تھا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے وادی طویٰ میں لبطور ادب موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم دیا۔

جوتے سمیت نماز

اگر جوتا پاک ہو تو ہماری شریعت میں اس کو مسجد میں لے جانا اور اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے جوتے سمیت نماز ادا کی ہے۔ اس وقت جوتے عام طور پر چپل نما ہوتے تھے۔ جنہیں آسانی سے پہنا اور اتارا جا سکتا تھا۔ آپ نے دوران نماز اپنا جوتا اُتار پھینکا۔ آپ کی اتباع میں صحابہ کرامؓ نے بھی جوتے اُتار دیے، نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے کیوں جوتے اتارے، تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ کی اتباع میں، کیونکہ ہم سمجھے کہ جوتے اتارنے کا حکم نازل ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے آکر بتایا تھا کہ میرے جوتے میں نجاست لگی ہوئی ہے، لہٰذا میں نے اُسے اتار دیا، تمہیں تو ایسا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ عرب کے پتھریلے اور ریگستانی علاقے میں نجاست لگنے کا احتمال بہت کم ہوتا ہے، لہٰذا وہاں پاک جوتوں کے ساتھ نماز ادا کی جا سکتی تھی۔ اور جہاں ہماری گلیوں بازاروں کی طرح گندگی ہو، وہاں جوتے کا پاک رہنا ممکن نہیں، لہٰذا ایسے جوتے مسجد میں نہیں لے جا سکتے، نہ ان کو پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے ہمارے جوتوں میں نجاست جذب ہو جاتی ہے جو اچھی طرح دھوئے بغیر دُور نہیں ہوتی، لہٰذا احتیاط کرنی چاہیئے۔ البتہ نیا جوتا جو بالکل پاک ہو اُسے پہن کر اب بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ امام ابوبکر جصاص رح فرماتے ہیں کہ جس جوتے کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے، اس میں معمولی سی غلاظت لگی ہوگی۔ کیونکہ نجاست کا علم ہو جانے کے بعد آپ نے نماز جاری رکھی۔ اگر نجاست کی مقدار زیادہ ہوتی، تو حضور علیہ السلام ساری نماز دہرا لیتے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔

درس سوم ۳ — آیت ۱۳ تا ۱۶

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ⑬ اِنَّنِىْٓ اَنَا
اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِىْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ⑭
اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ
بِمَا تَسْعٰى ⑮ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ
بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ⑯

ترجمہ:- اور میں نے منتخب کیا ہے تم کو، پس سنو (اس چیز کو) جو وحی کی جاتی ہے ⑬ بیشک میں اللہ ہوں۔ نہیں کوئی معبود سوائے میرے۔ پس میری ہی عبادت کرو اور قائم کرو نماز کو خاص میری یاد کے لیے ⑭ بیشک قیامت آنے والی ہے۔ قریب ہے کہ میں اس کو پوشیدہ رکھوں، تاکہ بدلہ دیا جائے ہر ایک نفس کو جو اُس نے کوشش کی ⑮ پس نہ روکے تجھے اس (قیامت) سے وہ جو نہیں ایمان لاتا اُس پر۔ پیروی کی اُس نے اپنی خواہش کی۔ پس تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے ⑯

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کچھ واقعہ بیان ہوا ہے۔ جب آپ مدین سے چل کر وادیٔ طویٰ کے قریب پہنچے، تو اندھیری رات میں آپ کو روشنی اور تپش کے لیے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آپ نے دور ایک مقام پر آگ جلتی دیکھ کر اپنے گھر والوں کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود آگ کی تلاش اور

کسی راستہ بتانے والے کی جستجو میں وہاں پہنچے۔ آپ کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب آپ نے دیکھا کہ وہ آگ ایک سرسبز و شاداب درخت سے نکل رہی تھی مگر اس درخت کو جلاتی نہیں تھی۔ آپ نے آگے بڑھنا چاہا تو غیب سے آواز آئی، اے موسیٰ! میں تیرا پروردگار ہوں، تم ایک مقدس وادی میں پہنچ چکے ہو، لہذا بطور ادب اپنے جوتے اتار کر برہنہ پا ہو جاؤ۔

انتخاب برائے نبوت و رسالت

امام ابواللیث چوتھی صدی کے عظیم فقیہہ ہوئے ہیں۔ آپ نے قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھی ہے آپ کا شمار صوفیائے کرام میں بھی ہوتا ہے اور آپ نے تصوف کے موضوع پر بھی کتابیں لکھی ہیں آپ کے حوالے سے تفسیر حسینی[1] والے اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اگلی آیت وَاَنَا اخْتَرْتُكَ سے لے کر وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى تک کا خطاب سابقہ آیات کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے۔ اس کے بعد وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ سے پھر روئے سخن موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے تاہم اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات میں بھی خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہی ہے۔ اللہ نے جوتے اتارنے کا حکم دے کر فرمایا وَاَنَا اخْتَرْتُكَ اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے۔ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى پس اس چیز کو خوب کان لگا کر سن لو جو وحی کی جاتی ہے۔ نبوت و رسالت کوئی کسبی چیز نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہوتا ہے وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ (ص ـ ۴۷) اللہ تعالیٰ انہیں اپنے نیک بندوں میں سے منتخب فرماتا ہے اللہ تعالیٰ انہیں برگزیدہ اور معصوم بناتا ہے۔ انہیں گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ ان سے کوئی گناہ نہیں سرزد ہونے دیا جاتا۔

توحید الٰہی

فرمایا جو وحی تمہاری طرف کی جاتی ہے اسے غور سے سنو اور پھر

---

[1] تفسیر حسینی ص ۲۹ ج ۲ (فیاض)

اللہ تعالیٰ نے بنیادی باتوں میں سے تین باتوں کا بیان ذکر فرمایا ہے۔ سب سے پہلے مسئلہ توحید بیان فرمایا ہے، پھر نماز کی تاکید کی ہے اور اس کے بعد وقوع قیامت کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ بیشک میں اللہ ہوں لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ سورۃ محمد میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ فَاعۡلَمۡ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (آیت ۔ ۱۹) خوب اچھی طرح جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا عبادت بھی اسی کی کرنی چاہیئے۔ تمام انبیاء نے لوگوں کو سب سے پہلے توحید ہی کی دعوت دی اور کہا یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ (ھود ۔ ۸۴) لوگو عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تبلیغ دین کے لیے مختلف مقامات پر جاتے تو اسی توحید کا درس دیتے۔ آپ عکاظ کے میلے میں گئے تو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے فرمایا[1]، لوگو! قُوۡلُوۡا لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفۡلِحُوۡا کہہ دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہاری فلاح اسی بات میں ہے، لوگ آگے سے پتھر مارتے، برا بھلا کہتے مگر آپ ان کو اللہ کی وحدانیت کی طرف ہی بلاتے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کر کے سب سے پہلی بات یہی کی کہ خوب اچھی طرح سن لو، میں تمہارا پروردگار ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں فَاعۡبُدۡنِیۡ پس عبادت بھی میری ہی کرو۔ عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کو کہتے ہیں جو کہ قول، فعل، عمل اور مال سے ہوتی ہے۔ جب انسان اس تصور کے ساتھ تعظیم کرتا ہے کہ جس ذات کی تعظیم کی جارہی ہے وہ مافوق الاسباب تمام چیزوں پر تصرف رکھتا ہے۔ ہر چیز کو جانتا ہے نافع اور ضار ہے، تو ایسی تعظیم خواہ کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر کی جائے

[1] موارد الظمآن صلے۴۰ (فیاض)

یا رکوع و سجود میں، وہ معبود سمجھ کر ہی کی جائیگی۔ اسی طرح کوئی دیگر پاکیزہ کلمات کہہ کر تعریف کی جائے یا اُس کے نام پہ نذر و نیاز دی جائے، یا مشکل میں اس کو پکارا جائے، یہ عبادت ہی تصور ہو گی، اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا عبادت بھی میری ہی کرو۔ کسی دوسری ذات کی عبادت روا نہیں۔

اقامت نماز اور ذکرِ الٰہی

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خطاب میں دوسری بات یہ فرمائی وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ اور نماز قائم کرو خاص میری یاد کے لیے توحید کے بعد نماز کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ تمام عبادات میں سے نماز کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے اس کو ام العبادات المقربۃ کہا گیا ہے، یعنی نماز اللہ کے قریب کرنے والی عبادات کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ نماز میں اللہ کی یاد ہوتی ہے، اس کی حمد و ثنا کی جاتی ہے۔ کلامِ پاک کی تلاوت ہوتی ہے، تسبیح و تنزیہہ اور تکبیر و تہلیل ہوتی ہے، اور یہ تمام چیز ذکرِ الٰہی پر مشتمل ہیں۔ اللہ کا ذکر کرنے سے انسانوں کا تعلق اپنے خالق کے کے ساتھ درست ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے وَاذْکُرْ رَّبَّکَ ..... بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ (الاعراف۔ ۲۰۵) صبح و شام اپنے پروردگار کا ذکر کرو۔ اور غافل نہ بنو۔ سورۃ البقرہ میں بھی ہے فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ (آیت ۱۵۲) تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا، یعنی اس کا بدلہ عطا فرماؤں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بندہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے، میں بھی اُس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں۔ اور جو شخص مجھے کسی مجلس میں یاد کرتا ہے۔ میں اس کو اُس سے بہتر مجلس یعنی فرشتوں کی مقدس مجلس میں یاد کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ دیکھو

میرا فلاں بندہ مجھے یاد کر رہا ہے۔ میرا بندہ جب جہاد میں دشمن سے ٹکر لے رہا ہوتا ہے تو اس وقت بھی میری یاد سے غافل نہیں ہوتا۔ دنیا دار اودل فول بکتے ہیں، گانے گاتے ہیں، شراب نوشی کرتے ہیں، مگر ایمان والے اس وقت بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں جب وہ جان ہتھیلی پر رکھ چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ کلمہ توحید کہنے کے بعد اہم ترین چیز نماز کی طرف توجہ دیں تاکہ میرا ذکر ہو اور میرے ساتھ تمہارا تعلق درست ہو۔

وقوعِ قیامت

اس کے بعد عقیدے میں سب سے زیادہ اہمیت رکھنے والی بات وقوعِ قیامت پر ایمان ہے۔ فرمایا اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ بیشک قیامت آنے والی ہے بعض مفسرین نے ساعۃ کو فتح کی گھڑی پر بھی محمول کیا ہے مگر صحیح بات یہی ہے کہ یہاں پر ساعۃ سے مراد قیامت ہے۔ اس پر یقین رکھو اور اس کے لیے تیاری کرو کیونکہ وہ بلاشبہ واقع ہونے والی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ قیامت کا وقوع کب ہوگا، فرمایا اَكَادُ اُخْفِيْهَا قریب ہے کہ میں اس کے وقت کو پوشیدہ رکھوں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ محاورہ ہے جو انتہائی مبالغے کے لیے استعمال ہوتا ہے اس قدر مبالغہ کہ میں اس کو اپنے آپ سے بھی پوشیدہ رکھوں، حالانکہ کوئی ذات کسی چیز کو اپنے آپ سے تو پوشیدہ نہیں رکھ سکتی مقصد یہ ہے کہ قیامت برپا ہونے کے وقت کا علم سوائے ذات باری تعالیٰ کے کسی کے پاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ .... لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (الاعراف - ۱۸۷) قیامت کے وقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کسی نبی اور فرشتے کو بھی وقت وقوعِ قیامت کی خبر نہیں۔ یہ تو اچانک ہی آجائے گی۔ لوگ اپنے اپنے کام کاج میں مشغول ہوں گے۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگا مگر قیامت کا بگل بج جائے گا۔ غرضیکہ

اللہ نے اس کا علم اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ اور وقوعِ قیامت کی غایت یہ ہے لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی تاکہ ہر نفس کو اسکی کوشش اور محنت کا بدلہ دیا جائے۔ اس دنیا میں انسان کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ نہیں مل سکتا۔ نہ تو اس کے نیک اعمال کی پوری جزا ملتی ہے اور نہ جرائم کی پوری سزا ملتی ہے۔ بہت سے گنہگار اور مجرمین اس دنیا میں سزا سے بچ جاتے ہیں۔ اگر کوئی عدالت سزا دینے کی کوشش بھی کرتی ہے تو کئی بے گناہ بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں۔ پورا پورا فیصلہ اور پوری پوری جزا و سزا تو قیامت کو ہی ممکن ہوسکے گی۔ اس وقت نیکی اور بدی کا ذرہ ذرہ جدا ہوگا۔ نیکوکار اور مجرم لوگ علیحدہ علیحدہ ہوں گے ہر ایک کی کارگزاری کا پورا پورا حساب ہوگا، کوئی چیز خلط ملط نہیں ہوگی۔ اس دنیا کا بڑے سے بڑا جج بھی وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے سارے واقعات پر محیط ہو کر کوئی فیصلہ کیا ہے، لہٰذا ہر جگہ غلطی کا امکان ہے۔ صحیح صحیح فیصلے قیامت کو ہی ہوں گے۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (السجدہ۔۲۵) ان کے درمیان قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کریگا جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ قیامت کا واقع ہونا بھی ضروری ہے تاکہ ہر ایک کو اس کی کوشش کا پھل مل سکے اور اس کام کے لیے قیامت کے علاوہ کوئی دوسرا موقع نہیں ہے

منکرین قیامت سے خبرداری

آگے اللہ نے قیامت کے منکرین کو خبردار کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا پس نہ روکے آپ کو قیامت سے وہ شخص جو اس پر ایمان نہیں لاتا۔ منکرین قیامت کا یہی نظریہ ہے کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی، نہ کوئی حشر نشر ہوگا، نہ میزان قائم ہوگی اور نہ کوئی پلصراط ہے جس پر سے گزرنا ہے۔ یہ لوگ

جنت اور دوزخ کے بھی انکاری ہیں۔ اس لیے سزا اور جزا کے بھی قائل نہیں سکتے ہیں کہ یہ سب باتیں لوگوں کو ڈرانے کے لیے بنائی گئی ہیں اور ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا پراپیگنڈا تمہیں قیامت کی تیاری سے روک نہ دے۔ ایسے دشمن سے خبردار اور ہوشیار رہنا ایسا شخص وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ محض اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ اور خواہشات کی اتباع ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ، اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرہ-۱۶۸) شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، گویا جو شخص صحیح قانون کو چھوڑ کر غلط راستہ اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے اور شیطان کے نقشِ قدم پر گامزن ہے۔ اللہ نے اس سے خبردار کیا ہے کہ ایسا شخص کہیں تمہیں وقوعِ قیامت کے فکر سے آزاد نہ کر دے۔ ابوتراب فرماتے ہیں صُحْبَةُ الْاَشْرَارِ تُوْجِبُ بُغْضَ الْاَخْيَارِ یعنی اگر تم بُرے لوگوں کی مجلس اختیار کرو گے تو یقیناً تمہارے اندر نیک لوگوں کے لیے نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اشرار کی صحبت اخیار کے لیے بغض پیدا کرنے والی چیز ہے۔ اگر تم نیک لوگوں سے بدظن ہو جاؤ گے تو ہلاکت میں پڑ جاؤ گے فَتَرْدٰى کا یہی معنیٰ ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے یہ بات تمام لوگوں کو سمجھائی ہے کہ منکرینِ قیامت کی صحبت سے محتاط رہیں، وہ تمہیں ورغلا کر ہلاکت کے گڑھے میں نہ دھکیل دیں۔ اس کے برخلاف قیامت پر پورا پورا یقین رکھو اور اس کے لیے تیاری بھی کرو۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ⑰ قَالَ هِيَ عَصَايَ
أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا
مَاٰرِبُ أُخْرٰى ⑱ قَالَ أَلْقِهَا يٰمُوسٰى ⑲ فَأَلْقٰهَا فَإِذَا
هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ⑳ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا
سِيرَتَهَا الْأُولٰى ㉑ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلٰى جَنَاحِكَ
تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ اٰيَةً أُخْرٰى ㉒
لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ㉓ إِذْهَبْ إِلٰى فِرْعَوْنَ
إِنَّهٗ طَغٰى ㉔ ع

ترجمہ :- (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اور کیا ہے تیرے داہنے ہاتھ میں اے موسیٰ ⑰ کہا (موسیٰ نے) یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں بکریوں پر، اور میرے لیے اس میں دوسرے فائدے بھی ہیں ⑱ فرمایا (اللہ تعالیٰ نے) اس لاٹھی کو ڈال دو (نیچے) اے موسیٰ ⑲ پس انہوں نے اس کو ڈال دیا، پس اچانک وہ ہو گیا ایک سانپ دوڑتا ہوا ⑳ فرمایا (اللہ نے) اس کو پکڑ لو، اور ڈرو مت، ہم اس کو پلٹا دیں گے اس کی پہلی حالت پر ㉑ اور ملاؤ اپنے ہاتھ کو اپنے بازو میں، نکلے گا وہ سفید ہو کر بغیر کسی عیب کے۔ یہ دوسری نشانی ہے ㉒ تاکہ ہم

دکھائیں تجھ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض (۲۳) تم جاؤ
فرعون کی طرف ، بیشک وہ حد سے بڑھ گیا ہے (۲۴)

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر کر کے حضور نبی کریم علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو تسلی دی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے طُور پر حجابِ نوری یا ناری کا مشاہدہ کیا ، تو وہاں سے آواز آئی ، اے موسیٰ ! میں اللہ ہوں ، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھو۔ ایسا ہی حکم اللہ نے حضور علیہ السلام کو بھی دیا ہے اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (العنکبوت - ۴۵) ہماری نازل کردہ کتاب یعنی قرآن حکیم کی تلاوت کریں اور نماز قائم کریں۔ بیشک نماز بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔ نماز اللہ کا ذکر ہی تو ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے مَنْ نَّسِیَ عَنِ الصَّلٰوۃِ فَلْیُصَلِّھَا اِذَا ذَکَرَھَا جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے یا سوتا رہ جائے ، تو جس وقت یاد آئے اسی وقت ادا کرے ، یہی اس کا کفارہ ہے۔ اس کے بعد اللہ نے قیامت کے متعلق فرمایا کہ وہ آنے والی ہے اور میں نے اس کے وقت کو مخفی رکھا ہوا ہے۔ میرے سوا اس کا علم کسی کے پاس نہیں ہے۔ وقوعِ قیامت کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ مل سکے۔ اللہ نے فرمایا کہ آپ قیامت میں شک کرنے اور اس کا انکار کرنے والوں سے ہوشیار رہیں کہ کہیں وہ تمہارا عقیدہ بھی کمزور نہ کر دیں۔

عصائے موسیٰ

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے گئے دو خصوصی معجزات کا ذکر کیا ہے۔ یہ معجزات اور نشانیاں آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی اے موسیٰ ! تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ایک لاٹھی یا چھڑی تھی جو عموماً اپنے

پاس رکھتے تھے۔ خاص طور پر دورانِ سفر تو آپ لاٹھی ضرور ساتھ رکھتے تھے۔ اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لاٹھی پاس رکھنا سنتِ انبیاء ہے اور اس کے بہت سے فائدے بھی ہیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھی کبھی لاٹھی اور کبھی چھوٹا نیزہ ہوتا تھا، جسے نماز کے وقت سُترے کے طور پر بھی گاڑھ لیا جاتا تھا۔ بہرحال لاٹھی پاس رکھنا کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ اس کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہے۔ چونکہ اللہ اس لاٹھی کی ہیئت تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے خاص طور پر سوال کیا کہ دیکھو تو بھلا تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو اس کے متعلق خود موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے تصدیق مطلوب تھی ورنہ اللہ تعالیٰ تو بذاتِ خود جانتے تھے کہ یہ لاٹھی ہی ہے۔ بہرحال اس سوال کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا قَالَ هِيَ عَصَايَ مولا کریم! یہ تو میری لاٹھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوال کا جواب تو اتنا ہی کافی تھا، مگر موسیٰ علیہ السلام نے اس جواب کو خود لمبا کر دیا اور بعض بن پوچھے سوالات کے جوابات بھی دے ڈالے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا جو لطف آ رہا تھا، وہ اسے دراز کرنا چاہتے تھے تاکہ اس نعمت سے مزید لطف اندوز ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ میری لاٹھی ہے اور ساتھ اس کے فوائد بھی گنوا دیے أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا میں اس لاٹھی پر بوقت ضرورت ٹیک بھی لگا لیتا ہوں۔ اس کے علاوہ وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي اس کے ذریعے میں اپنی بھیڑ بکریوں کے لیے درختوں سے پتے بھی جھاڑ لیتا ہوں۔ تاکہ جانوروں کی خوراک کا بندوبست ہو سکے۔ عرض کیا وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ میرے لیے اس لاٹھی میں بعض مزید فوائد بھی ہیں۔ مثلاً یہ لاٹھی دشمن سے

لڑائی کے وقت کام دیتی ہے، کسی درندے کا حملہ ہو جائے تو اس سے دفاع کیا جا سکتا ہے یا کسی سانپ بچھو اور کیڑے مکوڑے کو مارنے کا کام بھی دیتی ہے علاوہ ازیں اس کو کندھے پر رکھ کر اس کے ساتھ سامان لٹکایا جا سکتا ہے عرض کیا، یہ لاٹھی میرے لیے بڑی مفید چیز ہے۔

مفسرین کرام بحث کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا جلال اور دہشت طاری تھی، اور اللہ تعالیٰ اس سوال کے ذریعے اس دہشت کو دور کرنا چاہتے تھے، اس کی مثال بالکل ایسی ہے۔ جیسے کسی بچے کے ہاتھ میں کوئی پھل یا کوئی کھلونا ہو اور اس پر خوفزدگی کی حالت طاری ہو تو دیکھنے والا اسے بہلانے کے لیے سوال کرے کہ دیکھو! یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ بعض فرماتے ہیں کہ سوال کا منشا یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اچھی طرح یقین ہو جائے کہ یہ وہی لاٹھی ہے جسے وہ ہمیشہ اپنے پاس رکھتے ہیں اور یہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ ہو سکتا تھا کہ لاٹھی کی ہیئت تبدیل ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو شبہ پیدا ہو جاتا کہ انہوں نے لاٹھی کی بجائے کسی اور چیز کو پکڑ رکھا تھا، لہٰذا اللہ نے اچھی طرح تسلی کرا دی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں لاٹھی ہی ہے۔

لاٹھی سانپ بن گئی

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں لاٹھی ہی ہے تو اللہ نے فرمایا قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى اے موسیٰ! اس لاٹھی کو نیچے پھینک دو۔ فَاَلْقٰهَا پس موسیٰ علیہ السلام نے وہ لاٹھی اپنے ہاتھ سے نیچے ڈال دی۔ فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى پس اچانک وہ دوڑتا ہوا سانپ تھا۔ اس لاٹھی کی ہیئت یکدم بدل گئی اور وہ سانپ بن گیا جو زندہ تھا اور ادھر ادھر دوڑ رہا تھا قرآن پاک میں لاٹھی کے سانپ بن جانے کے متعلق تین قسم کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس مقام پر حیۃ کا لفظ

ہے جو بڑے سے چھوٹے ہر قسم کے سانپ کو کہا جاتا ہے۔ کسی جگہ "جان" کا لفظ ہے جو لمبے اور پتلے سانپ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور کہیں ثعبان ہے جس کا معنی اژدھا یعنی بہت بڑا جسیم سانپ ہوتا ہے بعض فرماتے ہیں کہ لاٹھی سے بننے والا سانپ عام طور پر تو چھوٹا سا سانپ ہی ہوتا تھا لیکن جب کسی دشمن کے مقابلے میں ظاہر کرنا مقصود ہوتا تھا تو وہ بہت بڑا اژدھا بن جاتا تھا۔ بہر حال جب لاٹھی کو نیچے پھینکا گیا تو وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔

انقلاب ماہیت

لاٹھی کا سانپ بن جانا انقلاب ماہیت کہلاتا ہے جب تک وہ لاٹھی کسی درخت کا حصہ تھی تو اس میں زندگی کے آثار موجود تھے، وہ درخت کی جڑوں کے ذریعے خوراک بھی حاصل کرتی تھی اور پتوں کے ذریعے آکسیجن بھی لیتی تھی۔ خوراک اور آکسیجن انسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی کے لیے لازمی ہیں، ورنہ زندگی قائم نہیں رہ سکتی، مگر جب وہ لاٹھی درخت سے الگ ہو کر خشک لکڑی کی حیثیت اختیار کر گئی تو وہ بے جان ہو چکی تھی جیسے کوئی پتھر یا لوہا وغیرہ ہو۔ یہ ایک مردہ حقیقت تھی، مگر جب اس کی ماہیت تبدیل ہوئی تو وہ سانپ کی شکل میں ایک زندہ حقیقت بن گئی۔ یہ ایک معجزہ تھا جو کہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور کسی انسان کے بس کی بات نہیں کوئی بڑے سے بڑا سائنسدان بھی آج تک کسی مردہ جسم میں جان نہیں ڈال سکا۔ سائنس کے شعبہ کیمسٹری کے ماہرین مرکبات تیار کرنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ کوئی سی دو یا زیادہ چیزیں ملا کر تیسری چیز بنا لینا قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے مگر آج تک کیمسٹری کا کوئی ماہر سونا یا چاندی بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مشہور ہے کہ ہر ناکامی پر کیمیاگر یہی کہتے ہیں، کہ "صرف ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے" وہ کسر نہ آج تک پوری ہوئی ہے اور نہ سونا تیار ہوا ہے۔ اور آگے بھی قیامت تک یہ کسر پوری نہیں ہو گی

اسی لیے امام غزالیؒ کا قول ہے مَنْ تَتَبَّعَ الْكِيمِيَاءَ أَفْلَسَ جو شخص کیمیا گری کے پیچھے پڑ گیا، وہ مفلس ہو گیا۔ ایسا شخص تجربات میں اپنی پونجی ضائع کر بیٹھے گا، مگر سونا نہیں بن سکے گا۔ بہر حال خشک لکڑی کی لاٹھی کو زندہ سانپ میں تبدیل کر دینا کسی انسان کا کام نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا ہوا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی خوفزدگی

جب موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن گئی تو آپ پر خوفزدگی کی حالت طاری ہو گئی قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ اللہ نے فرمایا، اے موسیٰ! اس کو پکڑ لو اور خوف نہ کھاؤ۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو تو اللہ نے نبوّت و رسالت عطا فرمائی تھی اور خوف کھانا تو نبی کی شان نہیں، پھر یہ کیسے ہوا؟ مفسرین کرام اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ خوف عقلی اور عقیدے کے اعتبار سے نہیں تھا، بلکہ طبعی خوف تھا۔ اور طبعی لوازمات تمام انبیاء میں پائے جاتے ہیں جو کہ منصب نبوت کے منافی نہیں۔ موت و حیات، بیماری اور تندرستی، کھانا پینا، رونا ہنسنا، خوشی اور غمی اور اسی طرح خوف و دہشت طبعی امور ہیں جو تمام انسانوں بشمول انبیاء پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی سانپ کو دیکھ کر خوفزدگی نبوت کے منافی امر نہیں تھا۔

مفسرِ قرآن مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں فرماتے ہیں کہ خوف دو اطراف سے ہوتا ہے۔ اگر یہ خوف مخلوق کی طرف سے ہو تو اللہ کا نبی خوفزدہ نہیں ہوتا، اور اگر یہی خوف اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو تو اللہ کا نبی بھی خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ قرآن میں موجود ہے۔ نمرود کے حکم پر آپ کو برہنہ کر کے اور اچھی طرح جکڑ کر آگ میں پھینکا گیا، مگر آپ پر خوف طاری نہ ہوا کیونکہ یہ کاروائی مخلوق کی طرف سے کی گئی تھی۔ ہاں! اگر خوف والی بات اللہ کی طرف سے ہو تو پھر اللہ کے نبی

بھی ڈر جاتے ہیں کہ کہیں اس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے قہر کا نزول نہ ہو۔ حدیث شریف[1] میں آتا ہے کہ جب کالی گھٹائیں چھا جاتیں یا تیز بارش آتی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بے چین ہو جاتے اور اس بے چینی کی وجہ سے کبھی اندر جاتے اور کبھی باہر تشریف لاتے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، حضور! لوگ بادل دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعے باران رحمت ہو گی مگر آپ پر غم و خوف طاری ہو جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا، عائشہؓ! میں اس بات سے خوف کھاتا ہوں کہ یہ بادل ایسا ہی نہ ہو۔ جیسا قوم عاد پر اٹھا تھا۔ قحط سالی کے دوران کالی گھٹائیں دیکھ کر وہ بھی بڑے خوش ہوئے تھے کہ اب بارش آئے گی، زمین میں ہریالی آئے گی، ان کی فصلیں اور درخت بار آور ہوں گے اور قحط سالی دور ہو جائے گی، مگر اللہ نے پانی کی بجائے ان بادلوں کے ذریعے آگ برسا کر اس قوم کو بھسم کر دیا تھا۔ فرمایا، بادل دیکھ کر مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ بھی رحمت کی بجائے زحمت کے بادل نہ ہوں۔ بہر حال لاٹھی کو سانپ میں تبدیل کر دینا چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام پر خوفزدگی کی حالت طاری ہو گئی، تو اللہ نے فرمایا، موسیٰ! ڈرو نہیں بلکہ اسے پکڑ لو۔ یہ سانپ تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کو پکڑنے کی کوشش کی مگر ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لیا کہ کہیں یہ ڈس نہ دے، مگر اللہ نے فرمایا کہ اس کو بلا خوف پکڑ لو سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ہم اس سانپ کو اپنی اصلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ چنانچہ جونہی موسیٰ علیہ السلام نے سانپ کے جبڑے میں اپنا ہاتھ ڈالا، وہ فوراً لاٹھی بن گیا۔

---

[1] مسلم ص ۹۵/۱۷ (فیاض)

—— اب وہ سانپ نہیں تھا بلکہ وہی دوشاخہ لاٹھی تھی جو اکثر موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوتی تھی گویا یہ پہلی نشانی یا معجزہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا۔

ید بیضا

اب اللہ تعالیٰ نے دوسری نشانی کے لیے فرمایا وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ اپنے ہاتھ کو اپنے بازو کے اندر یعنی بغل میں رکھو تَخْرُجْ بَيْضَاءَ پھر اسے نکالو گے تو یہ بالکل سفید اور روشن ہوگا۔ سورج کی طرح چمکدار ہوگا مِنْ غَيْرِ سُوءٍ فرمایا، اس کی یہ حالت بغیر کسی عیب کے ہوگی۔ مطلب یہ کہ تمہارا ہاتھ اس طرح سفید نہیں ہوگا۔ جس طرح برص کے مریض کے جسم کا بعض حصہ سفید ہو جاتا ہے یہ تو بیماری ہے جس کا علاج نہ تو قدیم زمانے کے یونانی اطباء کر سکے اور نہ آج کے ماہر ڈاکٹر اس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ فرمایا اس قسم کی بیماری والی سفیدی نہیں بلکہ تمہارا ہاتھ سورج کی سی چمک دمک کا حامل ہوگا۔ آيَةً أُخْرَىٰ یہ تمہاری نبوت و رسالت کی دوسری نشانی ہے۔

فرمایا، اللہ نے یہ دو نشانیاں تمہیں خاص طور پر عطا فرمائی ہیں لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ تاکہ ہم دکھائیں تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض۔ یہاں پر مِنْ تبعیضیہ ہے۔ یعنی ہم تمہیں جو بڑی بڑی نشانیاں دکھلانا چاہتے ہیں۔ ان میں سے دو یہ ہیں گویا عصا کا سانپ بن جانا یا ید بیضا کا ظاہر ہونا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اور یہ کسی انسان کا کام نہیں۔ جادوگر اس قسم کے شعبدے دکھاتے ہیں، مگر ان کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی بلکہ محض نظر بندی کی وجہ سے کسی چیز کی ماہیت تبدیل شدہ نظر آتی ہے۔ یہ محض ہاتھ کی صفائی ہوتی ہے ورنہ حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کی ماہیت کو سانپ میں تبدیل کر دیا تھا۔

فرعون کے لیے تبلیغ

یہ دو نشانیاں عطا کرنے سے موسیٰ علیہ السلام کی خوفزدگی دُور ہوگئی۔ اب اللہ نے حکم دیا اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ فرعون کے پاس جاؤ اِنَّهٗ طَغٰى کیونکہ وہ سرکش ہوچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت عطا کرنے کے بعد پہلا حکم یہ دیا کہ فرعون کے پاس جا کر حقِ تبلیغ ادا کرو۔ اُس کے سامنے اللہ کی توحید بیان کرو اور اُسے ایمان لانے کی دعوت دو۔ اِس واقعہ کو مختلف سورتوں میں مختلف عنوانات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ آگے آرہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا۔ یہاں پہ اللہ نے بنیادی طور پہ موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا، پھر اُن کی درخواست پہ ہارون علیہ السلام کو بھی معاون کے طور پہ ساتھ جانے کا حکم دیا۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ ﴿٢٦﴾
وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾
وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِيْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ أَخِيْ ﴿٣٠﴾
اشْدُدْ بِهٖ أَزْرِيْ ﴿٣١﴾ وَأَشْرِكْهُ فِيْ أَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ
كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾
قَالَ قَدْ أُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾

ترجمہ :- کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) اے میرے پروردگار! کشادہ کر دے میرے لیے میرا سینہ ﴿٢٥﴾ اور آسان کر دے میرے لیے میرا معاملہ ﴿٢٦﴾ اور کھول دے گرہ میری زبان سے ﴿٢٧﴾ تاکہ سمجھیں لوگ میری بات کو ﴿٢٨﴾ اور بنا دے میرے لیے وزیر (معاون) میرے گھر والوں میں سے ﴿٢٩﴾ ہارون میرے بھائی کو ﴿٣٠﴾ اور مضبوط کر دے اس کے ذریعے میری کمر ﴿٣١﴾ اور شریک کر اس کو میرے کام میں ﴿٣٢﴾ تاکہ ہم تسبیح بیان کریں تیری کثرت سے ﴿٣٣﴾ اور ذکر کریں تیرا کثرت سے ﴿٣٤﴾ بیشک تو ہمارے حال کو دیکھنے والا ہے ﴿٣٥﴾ فرمایا (اللہ نے) تحقیق دیا گیا ہے تجھے تیرا سوال ، اے موسیٰ ! ﴿٣٦﴾

ربطِ آیات

موسیٰ علیہ السلام مدین سے سفر کرتے ہوئے وادی مقدس طویٰ میں پہنچے تو وہاں پر آپ کے سامنے حجابِ ناری یا حجابِ نوری ظاہر ہوا ، اور اللہ نے آپ سے کلام کیا۔

پھر اللہ نے اپنی وحدانیت کا ذکر کرکے حکم دیا کہ اے موسیٰ خاص میری عبادت کرو، نماز قائم کرو اور وقوعِ قیامت پر یقین رکھو۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ وقوعِ قیامت کے منکر یا اس میں شک و تردّد کا شکار ہیں آپ اُن سے علیحدگی اختیار کریں۔ فرمایا، قیامت کے دن ہر نفس کو اُس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ پھر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی لاٹھی کے متعلق سوال کیا اور پھر لاٹھی کے سانپ بن جانے کا معجزہ ظاہر کیا۔ اللہ نے یدِ بیضا کا معجزہ بھی موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ یہ دو بڑی نشانیاں دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ۔ اور اُسے اللہ کی وحدانیت کی تبلیغ کرو کیونکہ وہ حد سے بڑھ چکا ہے۔ اب آج کے درس میں موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے پروردگار کے سامنے کی اور اپنے مفوضہ کام میں آسانی چاہی۔

شرحِ صدر کی دُعا

جب موسیٰ علیہ السلام جان گئے کہ اللہ نے انہیں نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور اُن کے ذمے ایک بہت بڑا کام لگایا ہے تو اس راستے کی تمام مشکلات اُن کے سامنے آگئیں جن سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دُعا کی۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي، عرض کیا، اے پروردگار! میرا سینہ کھول دے، تاکہ اس میں کوئی گھٹن یا تنگی باقی نہ رہے۔ مولا کریم! میرے اندر حلم، بردباری اور برداشت کا مادہ پیدا کر دے، تاکہ میں اس راستے میں آنے والی تمام مشکلات پر قابو پاسکوں۔ آپ جان چکے تھے کہ تبلیغ دین کے سلسلے میں مختلف قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑیگا اور بہت سی خلافِ طبع چیزیں بھی سامنے آئیں گی جن کو برداشت کرنے کے لیے عزم و حوصلے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے یہی دُعا کی کہ میرا سینہ کھول دے تاکہ میں تمام مشکلات کا کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے سامنا کرسکوں۔ چنانچہ جیسا کہ آگے آرہا ہے

اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دُعا قبول فرمائی ۔

اللہ تعالیٰ نے شرحِ صدر کی نعمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُنکی دُعا کے نتیجے میں عطا فرمائی تھی جب کہ حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے از خود بطور احسان جتلایا اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (الم نشرح -۱) کیا ہم نے آپ کا سینہ (از خود) کھول نہیں دیا ؟ تاکہ آپ تبلیغ دین کے راستے میں آنے والی تمام مشکلات کو عبور کر سکیں ۔ سورۃ الزمر میں اسلام قبول کرنے کے سلسلہ میں بھی شرحِ صدر کا ذکر ہے ۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (الزمر ۲۲) بھلا جس شخص کا سینہ خدا تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو، اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو، تو کیا وہ سخت دِل کافر کی طرح ہو سکتا ہے ؟ بہر حال سینے کی کشادگی خدا تعالیٰ کا انعام ہے ، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے دُعا کی اور ساتھ یہ بھی عرض کیا وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ مولا کریم ! جو کام تو نے میرے سپرد کیا ہے، اُس کو میرے لیے آسان فرما دے ۔ یہ دو دعائیں تھیں جو ہر مومن اپنے لیے اللہ کے حضور کرتا ہے ۔ شرحِ صدر اور معاملات میں آسانی ہر مومن کی ضروریات میں داخل ہیں ۔

زبان کی لکنت

آگے تیسری دُعا کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص تھی ۔ آپ کی زبان میں قدرے لکنت تھی جسے دور کرنے کے لیے آپ نے عرض کیا وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ اے پروردگار ! میری زبان کی گرہ کھول دے ۔ زبان کی لکنت کے متعلق مفسرین کرام دو مختلف وجوہات بیان کرتے ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں پیدائشی طور پر گرہ تھی جس کی وجہ سے لکنت پیدا ہو گئی تھی تاہم عام طور پر مفسرین ایک دوسری وجہ بیان کرتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ فرعون بڑا مغرور تھا ، اسے اپنے مال و دولت پر بڑا گھمنڈ تھا ۔ زیب و زینت کا ہر سامان

استعمال کرتا تھا۔ ہیرے اور جواہرات پہنتا تھا اور داڑھی کی خوبصورتی کے لیے اُس پر سونے کا برادہ لگاتا تھا۔ ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام بچپن میں فرعون کے پاس کھیل رہے تھے کہ اچانک انہوں نے فرعون کی داڑھی میں ہاتھ مار دیا، جس سے داڑھی کا بناؤ سنگھار خراب ہوگیا۔ فرعون نے اس حرکت کو اپنی داڑھی کی توہین پر محمول کیا اور بچے کو قتل کرنا چاہا مگر مومنہ بیوی آسیہ نے کہا کہ یہ بچہ ہے، بھلا اسے کیا شعور ہے۔ جب فرعون کا اصرار بڑھا تو بیوی نے ایک ترکیب نکالی۔ کہنے لگی اگر بچے کے شعور کا امتحان لینا ہے تو اس کے سامنے ایک طشت میں ہیرے جواہرات رکھ دو اور دوسرے میں جلتے ہوئے کوئلے ڈال دو، اور پھر دیکھو کہ بچہ کون سی چیز کو پسند کرتا ہے۔ فرعون کو بیوی کی یہ تجویز پسند آئی اور اُس نے یہ تجربہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے دونوں طشت رکھے گئے۔ ایک میں جواہرات تھے اور دوسرے میں جلتے کوئلے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جلتا ہوا کوئلہ پکڑ کر منہ میں ڈال لیا زبان جل گئی، اور اس میں گرہ پڑ گئی جو آپ کی لکنت کا باعث بنی۔ تاہم فرعون کی سمجھ میں بات آگئی اور اُس نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ ترک کر دیا۔ بہر حال آپ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے اللہ! میرا سینہ کھول، میری زبان کی گرہ دور کر دے يَفْقَهُوا قَوْلِي تاکہ یہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔

ہارون علیہ السلام بطور معاون

دوسری خاص دعا جو موسیٰ علیہ السلام نے کی، وہ یہ تھی وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي اور بنا دے میرے لیے وزیر یا معاون میرے گھر والوں میں سے۔ اور وہ کون ہو؟ هَارُونَ أَخِي وہ میرے بھائی ہارون ہیں۔ وزیر کا لغوی معنیٰ بوجھ اٹھانے والا ہوتا ہے۔ وزیر چونکہ امور مملکت میں بادشاہ یا امیر کا معاون بن کر اُس کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ اس لیے وزیر کہلاتا ہے۔ ہر سربراہِ مملکت کے لیے وزیر کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ اکیلا تمام امور انجام نہیں دے سکتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے، کہ

اللہ تعالیٰ جس حاکم کے ساتھ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے، اس کے لیے اچھا وزیر متعین کرتا ہے تاکہ اچھا مشورہ دے کر امورِ سلطنت میں مدد و معاون بنے اور جس امیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ نہیں رکھتا، اُس کو وزیر بھی بُرے ہی ملتے ہیں، جو اُسے غلط مشورے دے کر امورِ مملکت میں خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ اکثر و بیشتر وزراء ایسے ہی ہوتے ہیں جو قومی اور ملکی مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں، خوشامدی ہوتے ہیں اور امیر کو غلط راہ پر ڈالنے کا سبب بنتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اچھا وزیر ملک کی بہتری کا ضامن ہوتا ہے جب کہ بُرا وزیر برائی کی علامت ہوتا ہے۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے اپنے معاون اور وزیر کے طور پر اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کا انتخاب کیا۔

پھر عرض کیا کہ مجھے ایسے معاون کی ضرورت ہے اُشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ جس کے ذریعے میری کمر مضبوط ہو۔ کمر کی مضبوطی سے مراد یہ ہے کہ تمام امورِ سلطنت احسن طریقے سے انجام پاتے رہیں اور ان میں کسی قسم کی خرابی پیدا نہ ہو۔ اگر سلطنت کے کام ڈھیلے ڈھالے ہوں گے تو یہ کمر کی کمزوری پر دلالت کرے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ میرے بھائی ہارون علیہ السلام کے ذریعے میری کمر کو مضبوط فرما۔ وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ اور اُسے میرے کام میں شریک فرما دے، نبوت و رسالت کے امور میں شراکت کی درخواست ایک عظیم سفارش تھی۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں ہے کہ مجھے بھائی کی بطور معاون اس لیے بھی ضرورت ہے هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا (القصص۔ ۳۴) کہ وہ مجھ سے زبان میں زیادہ فصیح ہے وہ اپنا ما فی الضمیر بہتر طریقے پیش کر سکتا ہے۔ لہٰذا تبلیغ دین اور لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے میرے بھائی کو میرا معاون و مددگار بنا دے۔

عرض کیا کَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا اس انعام کے شکریہ کے طور پر ہم تیری زیادہ تسبیح بیان کریں گے وَنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا اور تیرا

کثرت سے ذکر کریں گے اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا بیشک تو ہمارے حالات کو خوب دیکھنے والا ہے۔ تو ہماری حالت اور ضرورت کو جانتا ہے مولا کریم! میری یہ دعا قبول فرما۔

دعا موسیٰ علیہ السلام کر رہے ہیں مگر انہوں نے اللہ کی تسبیح و تذکیر میں ہارون علیہ السلام کو بھی شامل کر لیا ہے کہ ہم دونوں کثرت سے تیری تسبیح بیان کریں گے اور کثرت سے تیرا ذکر کریں گے۔ فرد واحد اکیلا ہوتا ہے جب کہ دو میں اجتماعیت پائی جاتی ہے جو کہ بہت بڑی چیز ہے۔ جو کام ایک آدمی نہیں کر سکتا، وہ دو مل کر کر لیتے ہیں اور جو دو سے نہیں ہو پاتا، اسے جماعت مل کر انجام دیتی ہے۔ گویا اجتماعی امور کے لیے جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ تمام اہم کام جماعت کے ذریعے انجام پاتے ہیں، لہٰذا موسیٰ علیہ السلام نے تسبیح و تذکیر کے لیے دونوں کا ذکر کیا۔

دعا کی قبولیت

اس دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى اے موسیٰ علیہ السلام! تحقیق دیا گیا ہے تجھے تیرا سوال مطلب یہ کہ اللہ نے تمہاری دعا قبول کر کے تمہاری مطلوبہ چیز عطا کر دی ہے آپ کا سینہ کھول دیا ہے، آپ کے کام میں آسانی پیدا کر دی ہے، زبان کی گرہ کسی حد تک کھول دی ہے اور تمہارے بھائی ہارون کو تمہارا معاون بنا دیا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان کی گرہ مکمل طور پر نہیں کھولی گئی تھی بلکہ اتنی مقدار میں دور کی گئی تھی جس سے بات کرنے میں آسانی پیدا ہو گئی تھی، اس کے باوجود لکنت کا کچھ حصہ آپ کی زبان میں باقی رہ گیا تھا۔ مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے مکمل گرہ کشائی کے لیے دعا ہی نہیں کی تھی۔ اگر ایسا کرتے تو مکمل شفا ہو جاتی۔ باقی دعا کو اللہ نے مکمل طور پر منظور کر لیا اور ہارون علیہ السلام کو نبی اور معاون بنا دیا۔ اس کے بعد آپ کو فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرنے

کا حکم ہوا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی بلکہ بہت بڑا کام تھا جس کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں۔

درس ششم ۶ — آیت ۳۷ تا ۴۱

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰٓ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ
أُمِّكَ مَا يُوحَىٰٓ ﴿٣٨﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ
فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي
وَعَدُوٌّ لَّهُۥ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ
عَلَىٰ عَيْنِيٓ ﴿٣٩﴾ إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ
أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُۥ ۖ فَرَجَعْنَٰكَ إِلَىٰٓ أُمِّكَ
كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَٰكَ
مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّٰكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِيٓ
أَهْلِ مَدْيَنَ ۚ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَٰمُوسَىٰ ﴿٤٠﴾
وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿٤١﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے احسان کیا آپ پر ایک مرتبہ اور ﴿۳۷﴾ جب کہ ہم نے وحی بھیجی تیری والدہ کی طرف جو وحی بھیجی گئی ﴿۳۸﴾ کہ ڈال دے اس (بچے) کو تابوت میں اور پھینک دے اس کو دریا میں۔ پس ڈال دے گا دریا اس کو کنارے پر۔ اٹھا لے گا اس کو میرا دشمن اور اس (بچے) کا دشمن اور میں نے ڈال دی تجھ پر محبت اپنی طرف سے اور تاکہ پرورش کی جائے تیری میرے سامنے ﴿۳۹﴾ جب کہ چل رہی

تھی تمہاری بہن ، اور وہ کہتی تھی کہ کیا میں بتلاؤں تمہیں وہ شخص جو
اس (بچے) کی کفالت کرے ۔ پھر پلٹایا ہم نے تجھے تیری والدہ
کی طرف تاکہ اُس کی آنکھ ٹھنڈی ہو ، اور وہ غمگین نہ ہو ۔ اور قتل کیا
تو نے ایک جان کو ۔ پھر ہم نے بچایا تجھے غم سے اور آزمایا
ہم نے تجھے مختلف آزمائشوں سے ۔ پھر ٹھہرا تو کئی سال تک
مدین والوں میں ۔ پھر آیا تو ایک اندازے سے اے موسیٰ ! (۴۰)
اور میں نے تجھے منتخب کیا خاص اپنی ذات کے لیے (۴۱)

ربطِ آیات

موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر وادیٔ طویٰ میں پہنچے تو آپ کو اللہ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور آپ کو شرفِ ہمکلامی حاصل ہوا ۔ اس منصبِ جلیلہ پر فائز ہوتے وقت آپ کو اپنے راستے میں جو مشکلات نظر آئیں ، ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آپ نے اللہ کے حضور دُعا کی ۔ آپ نے اپنی زبان کی گرہ کشائی ، اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے تعاون اور سارے معاملے کی آسانی کے لیے اللہ رب العزت سے درخواست کی ۔ اللہ نے جواباً فرمایا کہ تمہاری دعا قبول کر لی گئی ہے اور اس طرح تمہارے سوال کو پورا کر دیا گیا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے ہارون علیہ السلام کو منصبِ رسالت پر فائز کیا ، زبان کی لکنت کسی حد تک دور کر دی اور تبلیغ رسالت کے راستے میں آنیوالی تمام مشکلات کو آسان بنانے کا وعدہ فرمایا ۔

وحی بطرف اُمِ موسیٰ

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بعض دوسرے احسانات کا ذکر کیا ہے جو اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کیے ۔ ارشاد ہوتا ہے ۔ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ اور ہم نے آپ پر دوسری مرتبہ بھی احسان فرمایا ۔ اس احسان کا تعلق موسیٰ علیہ السلام کی بچپن کی زندگی سے ہے ۔ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ جب کہ ہم نے وحی کی تمہاری والدہ کی طرف جو کچھ بھی وحی کی گئی ۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ وہ کسی غیر نبی کی طرف وحی نبوت نہیں بھیجتا ۔ عورت ہونے کے ناطے سے موسیٰ علیہ السلام

کی والدہ نبی نہیں تھیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (یوسف، ۱۰۹) آپ سے پہلے ہم نے صرف مردوں پر ہی وحی بھیجی ہے۔ البتہ بطور الہام وحی غیر نبی حتیٰ کہ عورت پر بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ مریمؑ کے متعلق فرمایا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا (مریم - ۱۷) ہم نے اُس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا۔ ایسی وحی، القا کشف، غیبی آواز یا فرشتے کے ذریعے ہو سکتی ہے۔

صاحب کشاف کہتے ہیں[1] کہ اللہ تعالیٰ نے جو وحی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف کی، وہ براہِ راست نہیں تھی بلکہ اُس وقت کے نبی یا رسول کی معرفت کی گئی تھی۔ اس کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرف وحی کی ہے اللہ نے فرمایا ہے وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ (المائدہ - ۱۱۱) اور اُس واقعہ کو یاد کرو جب کہ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرف وحی کی۔ اور یہ وحی عیسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے ہی ہوئی تھی۔ اسی طرح اللہ نے اپنے کسی نبی یا رسول کی معرفت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کی۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ ام موسیٰ کی طرف وحی بذریعہ خواب کی گئی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں یہ بات سمجھا دی ہو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ احسان بھی فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف اپنی وحی بھیجی۔

بچپن میں حفاظت

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ احسان بھی فرمایا کہ پیدائش کے فوراً بعد اُن کی حفاظت کی اور انہیں قتل ہونے سے بچا لیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرعون نے ایک خود ساختہ اصول یہ بنا رکھا تھا کہ ایک سال پیدا ہونے والے اسرائیلی بچوں کو قتل کرا دیتا اور دوسرے سال پیدا ہونے والوں کو زندہ رہنے دیتا۔ اُس کی یہ کارگزاری اس بنا پر تھی کہ کسی نجومی یا مشیروں نے اُس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی تھی کہ عبرانیوں میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیری سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا۔ چنانچہ اُس نے

[1] کشاف صـ ۶۲ ج ۳ (فیاض)

نوزائیدہ اسرائیلی بچوں کو قتل کرانا شروع کر دیا۔ سورۃ البقرہ میں اللہ نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے یاد دلایا ہے کہ اُس وقت کو یاد کرو جب میں نے فرعونیوں سے تمھیں نجات دلائی، اُن کا ظلم و ستم اِس انتہا کو پہنچ چکا تھا یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (آیت ۔ ۴۹) کہ وہ تمھارے بچے قتل کر دیتے تھے اور تمھاری بچیاں زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمھارے لیے تمھارے پروردگار کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔

بہر حال اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام کی بچپن میں حفاظت کر کے دوسرا احسان کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بذریعہ وحی یہ تدبیر سمجھائی کہ اگر بچے کو فرعونی قتل سے بچانا ہے۔ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ تو اس کو کسی تابوت (صندوق) میں بند کر دو فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ اور اس صندوق کو دریا میں بہا دو فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ دریا اسے کسی ساحل پر پھینک دے گا يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ پھر اس تابوت کو میرا اور اس بچے کا دشمن (فرعون) پکڑ لے گا۔ اور اس طرح اس کی جان بچ جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے وحی الٰہی کی تدبیر پر عمل کیا۔ بچے کو صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ صندوق دریا میں بہتا ہوا فرعون کے محل کے قریب پہنچا۔ اُس وقت فرعون کی بیٹی غسل کر رہی تھی۔ اچانک اُس کی نظر صندوق پر پڑ گئی تو نوکرانی کو حکم دیا کہ اس کو باہر نکال لاؤ۔ جب صندوق کو کھولا گیا تو اس میں ایک خوبصورت نوزائیدہ بچہ تھا فرعون کی بیوی آسیہ بڑی صالح خاتون تھیں جن کا تعلق عبرانی خاندان سے تھا۔ اُس نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اس بچے کو قتل نہ کرو۔ بچہ ہونہار معلوم ہوتا ہے عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (القصص ۔ ۹) ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے۔ یا ہم اسے بیٹا بنا لیں اور اس

طرح موسیٰ علیہ السلام کی جان بچ گئی۔

کفالت کا مسئلہ

فرمایا ایک تو تمھاری جان بچائی اور دوسرا تمھاری کفالت کا انتظام بھی خود تمھاری والدہ ہی کے سپرد کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي اور میں نے اپنی طرف سے تم پر محبت ڈال دی۔ جو بھی اس خوبصورت چہرے کو دیکھتا محبت کرنے لگتا۔ اور یہ اس وجہ سے وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي تاکہ میری آنکھوں کے سامنے تیری پرورش کی جائے اور پرورش کی صورت یہ پیدا کی۔ إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ جب تمھاری والدہ نے صندوق کو دریا میں بہا دیا تو تمھاری بہن اس صندوق کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی تاکہ دیکھ سکے کہ یہ صندوق کس کے ہاتھ آتا ہے اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔ والدہ کے حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی بہن صندوق کو نگاہ میں رکھے ہوئے اس طرح چلتی رہی کہ کسی کو شبہ بھی نہ پڑے کہ یہ صندوق کی نگرانی کر رہی ہے۔ بائیبل کے بیان کے مطابق یہ بہن موسیٰ علیہ السلام سے پندرہ سال بڑی تھی۔

سورۃ قصص میں اس واقعہ کی مزید تفصیل بھی ہے۔ بہر حال جب بچہ فرعون کے محل میں پہنچ گیا تو اُسے دودھ پلانے کی کوشش کی گئی مگر اللہ نے فرمایا وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ (قصص-۱۲) ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر دائیوں کا دودھ حرام کر دیا۔ وہ کسی عورت کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ اتنے میں آپ کی بہن بھی اجنبی صورت میں وہاں پہنچ گئی۔ معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر اس نے ناصحانہ انداز میں کہا فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ کیا میں تمہیں وہ شخص بتاؤں جو اس بچے کی کفالت کر سکے؟ بائیبل کی روایت کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم نے کہا، کیا میں عبرانیوں میں سے کسی عورت کو بلا لاؤں، شاید یہ بچہ اُس عورت کا دودھ پی لے۔ گھر والوں نے اجازت دے دی تو

مریم اپنی والدہ کو بلا لائی، اُس نے آتے ہی بچے کو چھاتی سے لگایا تو بچہ دودھ پینے لگا۔ گھر والوں کو بڑی خوشی ہوئی کہ بچے نے ایک عبرانی عورت کا دودھ قبول کر لیا ہے۔ فرعون نے حکم دیا کہ تم اس بچے کو دودھ پلاتی رہو۔ اس کا خرچہ ہم برداشت کریں گے۔ اور تمھیں اس کا معاوضہ بھی دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ گھر میں میرے اپنے بچے بھی ہیں جن کی دیکھ بھال کرنا ہوتی ہے لہٰذا اجازت دو تو میں اس بچے کو بھی اپنے گھر لے جاؤں اور وہیں اس کی پرورش کروں۔ فرعون اور اُس کے گھر والے اس پر رضا مند ہو گئے۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان جتلایا کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام! اس تدبیر کے ذریعے فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ ہم نے تجھے تیری والدہ کی طرف لوٹا دیا۔ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا تاکہ تمھاری والدہ کی آنکھ ٹھنڈی ہو وَلَا تَحْزَنَ اور وہ بچے کی جدائی کے غم میں مغموم نہ رہے۔ اللہ نے ایسے اسباب پیدا کیے کہ بچہ بھی واپس ماں کو مل گیا اور اس کے ساتھ ساتھ کفالت کی اُجرت بھی ملنے لگی۔

دیگر احسانات

اِس موقع پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر کیے جانے والے بعض دیگر احسانات کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ وَقَتَلْتَ نَفْسًا اور اُس بات کو یاد کرو جب تم نے ایک جان کو قتل کر دیا۔ جب ایک عبرانی اور ایک قبطی آپس میں جھگڑ رہے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے مظلوم عبرانی کو چھڑانے کے لیے قبطی کو ایک مکا مار دیا جس سے وہ ہلاک ہو گیا، حالانکہ آپ کا ارادہ قتل کا نہیں تھا۔ یہ واقعہ آگے بیان ہو رہا ہے۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ اس قبطی کو موسیٰ علیہ السلام نے قتل کر دیا تو وہ آپ کی جان کے درپے ہو گئے کسی واقفِ راز نے آپ کو خبردار کر دیا کہ سرکاری کارندے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے آپ کی تلاش میں ہیں۔ لہٰذا آپ یہاں سے چلے جائیں چنانچہ آپ مصر سے مدین کی طرف چل دیے۔ اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ

نے یہاں فرمایا ہے فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ ہم نے تمھیں غم سے نجات دی۔ تم مصر سے چلے گئے اور مدین میں تمھیں امن حاصل ہوگیا۔ فرمایا وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا اور ہم نے تمھیں مختلف آزمائشوں میں ڈالا۔ پیدائش کے وقت قتل ہونے سے بچایا۔ اپنی ہی والدہ کا دودھ بھی دیا گیا۔ پھر قتلِ خطا کی آزمائش میں ڈالا، اس کے بعد مدین کے سفر کی آزمائش میں مبتلا کیا۔ تاہم اِن تمام آزمائشوں میں سرخرو فرمایا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے خصوصی احسانات ہیں۔

پھر مدین کے حالات یاد دلاتے ہوئے فرمایا فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ پھر آپ کئی سال اہل مدین کے پاس رہے حضرت شعیب علیہ السلام کی دس سال تک خدمت کی۔ اُن کی بیٹی سے نکاح کیا ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى پھر اے موسیٰ علیہ السلام ایک اندازے کے مطابق آپ واپس آئے۔ جب والدہ اور بھائی سے ملاقات کے لیے اپنی بیوی کے ہمراہ واپس مصر آرہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے وادیٔ طویٰ میں نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ اور تجھے خاص اپنی ذات کے لیے منتخب کیا۔ تمھیں اپنے لیے پسند فرمایا۔ نبوت و رسالت عطا فرمائی اور اپنے خاص مقربین میں شامل کیا۔ سورۃ اعراف میں ہے اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ (آیت ۱۴۴) میں نے تمھیں لوگوں میں سے نبوت و رسالت کے لیے منتخب کیا اور تجھے ہم کلامی کا شرف بخشا۔ اللہ تعالیٰ نے اِن احسانات کا ذکر کیا۔ اور پھر آگے تبلیغ پہ مامور کرنے کی بات آرہی ہے۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾
اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا
لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا
نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ لَا
تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾ فَاْتِيٰهُ
فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ
وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ
عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ
الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾

ترجمہ:۔ جاؤ تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ، اور نہ سستی کرنا میری یاد میں ﴿۴۲﴾ جاؤ تم دونوں فرعون کیطرف بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے ﴿۴۳﴾ تم دونوں اُسے کہو بات نرمی سے۔ شاید کہ وہ نصیحت پکڑے یا وہ خوف کھائے ﴿۴۴﴾ کہا اُن دونوں نے اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم خوف کھاتے ہیں کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی کرے یا وہ سرکشی اختیار کرے ﴿۴۵﴾ فرمایا (اللہ نے) نہ خوف کھاؤ تم دونوں بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں ﴿۴۶﴾

پس جاؤ تم دونوں اس کے پاس پس کہو تم دونوں ، بیشک ہم
بھیجے ہوئے ہیں تیرے پروردگار کے ۔ پس بھیج دے ہمارے
ساتھ بنی اسرائیل کو اور اُن کو سزا نہ دے ۔ تحقیق ہم آئے
ہیں تیرے پاس نشانی لے کر تیرے پروردگار کی طرف سے
اور سلامتی ہے اُس پر جس نے پیروی کی ہدایت کی (۴۷) تحقیق
ہم پر وحی کی گئی ہے کہ بیشک عذاب اُس پر ہے جس نے
جھٹلایا اور روگردانی کی (۴۸)

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا واقعہ بیان کر کے حضور خاتم النبیین علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کو تسلی دی ہے کہ مشکلات پیش آنے پر دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ اپنا کام کرتے جائیں۔ سورۃ ہٰذا کے نزول کے زمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ بڑی اذیتیں برداشت کر رہے تھے اور بعض حبشہ کی طرف ہجرت بھی کر چکے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر کیے جانے والے احسانات کا ذکر بھی کیا ہے ۔ اللہ نے آپ کو اپنا خاص تقرب عطا فرمایا ، آپ سے کلام کیا نیز فرمایا وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ میں نے تجھے خاص اپنی ذات کے لیے منتخب کیا ہے لہٰذا تم ہمہ وقت میری مرضیات پر چلتے رہو۔

ذکرِ الٰہی کی تلقین

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف تبلیغ کے لیے جانے کا حکم دیا ہے اور اس کے ساتھ ذکرِ الٰہی کو جاری رکھنے کی تلقین کی ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ اے موسیٰ ! تم اور تمہارا بھائی فرعون کی طرف جاؤ ۔ میری نشانیوں کے ساتھ ۔ اصل خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے جنھیں بھائی ہارون علیہ السلام کا تعاون حاصل ہے جو آپ کو اپنی دُعا کے نتیجے میں حاصل ہوا تھا ۔ موسیٰؑ کے دو عظیم معجزات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ۔ اُن میں سے ایک معجزہ کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن گئی تھی اور دوسرا معجزہ ید بیضا کا تھا ۔ معجزہ اللہ تعالیٰ

کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اور کوئی نبی از خود کوئی معجزہ پیش کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ بہر حال فرمایا کہ تم دونوں بھائی میری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ، اور یاد رکھو وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي میری یاد میں سستی نہ کرنا بلکہ ہمیشہ ذکر میں مصروف رہنا۔ ذکر الٰہی ایک ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے اعمالِ خیر کی انجام دہی میں تقویت پیدا ہوتی ہے اور انسان کے دل میں اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے اہل ایمان کو دوران نماز اور اس کے علاوہ صبح و شام حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں بھی ذکر الٰہی کو جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، آپ[1] نے ارشاد فرمایا لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیئے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے کہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (انفال - ۴۵) اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ذکر ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی تحدید (LIMITATION لمیٹیشن) نہیں ہے۔

سب سے آسان ذکرِ لسانی ہے انسان زبان کے ساتھ کلام پاک کی تلاوت کرتا ہے۔ اللہ کی تسبیح و تہلیل کرتا، استغفار پڑھتا ہے اور درود شریف کا ورد کرتا ہے۔ زبانی ذکر کے علاوہ قلبی ذکر بھی ہوتا ہے۔ جو لوگ محنت کرتے ہیں، اُن کے قلب، روح اور لطائف باطنی بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں مگر یہ خاص لوگ ہوتے ہیں۔ صاحب حصن حصین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور و فکر بھی ذکر میں داخل ہے۔ فرمایا كُلُّ مُطِيعٍ لِلّٰهِ فَهُوَ ذَاكِرٌ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالانے والا ہر شخص اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔ ہر نیکی کا کام ذکر الٰہی میں شامل ہے۔ اسی لیے اللہ نے موسیٰ

[1] ترمذی ص۴۸۶ (فیاض)

اور ہارون علیہما السلام کو فرمایا کہ میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔

تبلیغ کے آداب

اللہ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرمایا اِذۡهَبَاۤ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کیونکہ وہ سرکشی اختیار کر چکا ہے۔ یعنی وہ ظلم و استبداد میں حد سے تجاوز کر چکا ہے۔ وہ رب اعلیٰ بن رہا ہے اس کے پاس جاؤ فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا اور اس سے نرم لہجے میں بات کرو کیونکہ تبلیغ حق کے معاملہ میں نرم رویہ اختیار کرنا بہت بڑا اصول ہے۔ خود حضور علیہ السلام نے بھی یہی اصول اپنایا۔ جہاں سختی کی ضرورت تھی وہاں آپ نے ذرا نرمی نہیں کی مگر جب تبلیغ کا مقام آیا تو نہایت نرم رویہ اختیار کیا۔ آپ عکاظ کی منڈی میں تشریف لے گئے۔ اوباش لڑکے آپ کو پتھر مارتے اور گالیاں دیتے تھے مگر آپ اسی زریں اصول پر کاربند رہتے ہوئے فرما رہے تھے[1] قُوۡلُوۡا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفۡلِحُوۡا لوگو! کلمہ طیبہ پڑھ لو، فلاح پا جاؤ گے کامیاب ہو جاؤ گے۔ مبلغین کے دستور العمل میں یہ بات شامل ہے کہ تبلیغ کے معاملہ میں سختی نہ کی جائے اور نہ کسی کے درپے ہوں، بلکہ احسن طریقے سے بات سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ اللہ نے فرمایا بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ (المائدہ۔ ۶۷) جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، آپ اسے لوگوں تک پہنچا دیں کیونکہ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ (الشوریٰ۔ ۴۸) آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے اور آگے حساب لینا ہمارا کام ہے۔ وَلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ (البقرہ۔ ۱۱۹) آپ سے دوزخ والوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائیگا کہ وہ دوزخ میں کیوں گئے بلکہ یہ تو خود ان سے پوچھا جائے گا کہ تم دوزخ میں کیوں آئے۔ مطلب یہ کہ تبلیغ کے مقام میں سختی اختیار کرنا درست نہیں ہے۔

---

[1] سواطع الالہام صلی ۲۰۶ (فیاض)

اللہ نے فرمایا، فرعون کے پاس جاکر نرمی سے بات کرنا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ
شاید کہ وہ نصیحت پکڑے أَوْ يَخْشَىٰ یا ڈر جائے۔ نرمی سے بات ہوگی۔ تو
شاید مخاطب سوچنے پر مجبور ہو جائے اور دعوت کی طرف دھیان دے۔ اس
کے برخلاف اگر بات درشتگی کے ساتھ کی جائے گی تو معاملہ مزید بگڑ جانے
کا ڈر ہے۔ سورۃ نحل میں اللہ نے تبلیغ کا یہ اصول بیان فرمایا ہے اُدْعُ
إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (آیت ۱۲۵) اگر دوران تبلیغ بحث مباحثہ کی نوبت
بھی آجائے تو اخلاقی حدود کو قائم رکھتے ہوئے حکمت اور مواعظ حسنہ
کے طریقے سے بات کرو اور طعن و تشنیع کی بجائے خیر خواہانہ طرز عمل اختیار
کرو تاکہ مخاطب پر بات اثر انداز ہو۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام کو نرمی سے
بات کرنے کی نصیحت کی گئی۔

معیت خداوندی

جب دونوں بھائیوں کو تبلیغ حق کے لیے فرعون کے پاس جانے
کا حکم ہوا تو قَالَا اُن دونوں نے بارگاہ رب العزت میں عرض کیا رَبَّنَا
إِنَّنَا نَخَافُ أَن يَفْرُطَ عَلَيْنَا ہم خوف کھاتے ہیں کہ فرعون
ہم پر کہیں زیادتی نہ کرے أَوْ أَن يَطْغَىٰ یا وہ سرکشی اختیار نہ کرے
ہم کمزور اور بے سروسامان ہیں جب کہ اس کے پاس تمام وسائل ہیں۔
اس کے پاس فوج اور پولیس ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری بات
سننے سے پہلے ہی ہمیں ظلم کا نشانہ بنانے لگے۔ اس کے جواب میں اللہ
نے تسلی دی قَالَ لَا تَخَافَا فرمایا۔ تم دونوں خوف نہ کھاؤ إِنَّنِي
مَعَكُمَا کیونکہ میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں میری معیت حاصل ہے۔
أَسْمَعُ وَأَرَىٰ میں تمہاری ہر بات کو سنتا ہوں اور تمام معاملات کو
دیکھتا ہوں۔ تمہاری کوئی بھی حالت مجھ سے مخفی نہیں ہے لہٰذا تم بلا خوف
وخطر فرعون کے پاس میرا پیغام لے جاؤ۔ ہم اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں

کہ اگر علاقے کا تھانیدار کسی کو کہہ دے کہ فکر نہ کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں، تو اس کی کتنی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ اور یہاں رب العلمین فرما رہے ہیں کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم بلا خوف میرے حکم کی تعمیل کے لیے جاؤ، میری تائید و نصرت تمہیں حاصل ہوگی۔

ایسے کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقربین کو اپنی معیت کا وعدہ پہلے بھی فرمایا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل کھڑے ہوئے، تو آگے سمندر تھا اور پیچھے فرعون کا لشکر آرہا تھا۔ اس موقع پر بنی اسرائیل کو پریشانی لاحق ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ کہہ کر تسلی دی اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ (الشعراء آیہ ۶۲) میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، وہ ہماری راہنمائی فرمائے گا۔ وہ ہمارے بچاؤ کا ضرور کوئی راستہ نکالے گا۔ کیونکہ ہم اس کے حکم سے مصر سے نکلے ہیں۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام اور صدیق اکبرؓ غار ثور میں تھے تو کفار کی ایک جماعت غار کے منہ تک پہنچ گئی۔ اگر وہ نیچے جھانک کر دیکھ لیتے تو پکڑ لیتے۔ اس موقع پر حضرت صدیقؓ کو پریشانی ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (توبہ۔۴۰) خوف نہ کھائیں، ہمارا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ وہ ضرور ہماری حفاظت کرے گا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو کہا کہ ڈرو نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تم بلا خوف و خطر فرعون کے پاس جاؤ۔

فرعون کے ساتھ مذاکرات

اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں انبیاء کو فرعون سے مذاکرات کے سلسلے میں مزید ہدایات دیں۔ فرمایا فَاْتِیٰہُ تم دونوں اس کے پاس جاؤ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ اور اس سے جا کر کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم خود بخود تیرے پاس نہیں آئے بلکہ اللہ نے ہمیں تمہارے پاس بطور رسول بھیجا ہے۔

اور اللہ کا قانون ہے کہ جب وہ کسی قوم کی طرف اپنا رسول بھیجتا ہے تو رسول کی اطاعت قوم پر لازم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آگے سورۃ الشعراء میں آرہا ہے کہ اللہ کے ہر نبی نے اپنی قوم سے یہی کہا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنِ (آیت۔ ۱۶۳) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے باپ سے کہا تھا کہ میرے پاس ایک ایسا علم آچکا ہے جو تیرے پاس نہیں ہے فَاتَّبِعْنِیْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا (مریم۔ ۴۳) میری پیروی کرو، میں تمھیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کروں گا۔ مقصد یہ کہ رسول جب بحیثیت رسول خطاب کرتا ہے تو مخاطبین کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی بات مانیں کیونکہ رسول کی بات کا انکار کفر میں داخل ہے تو اللہ نے اپنے دونوں نبیوں سے فرمایا کہ فرعون کے پاس جا کر سب سے پہلے اپنی حیثیت واضح کرو کہ ہم اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد دوسری بات یہ کہنا فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو، یعنی ان کو آزاد کر دو وَلَا تُعَذِّبْهُمْ اور ان کو سزا نہ دو۔ اُن پر ظلم وستم کے پہاڑ نہ توڑو۔ بائیبل میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، میرے بندوں کو صحرا میں لے جاؤ تاکہ وہ اپنے عہد وپیمان کو تازہ اور مضبوط کریں۔ اُن کو مصر سے نکال کر اُن کے اصلی وطن فلسطین وشام میں لے جاؤ، جو مصر سے اڑھائی سو میل کی مسافت پر ہے۔ قومِ فرعون نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ ان سے جانوروں کی طرح کام لیتے تھے اور اُن کے ساتھ ذلّت آمیز سلوک کیا جاتا تھا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا کہ اُن کو اذیّت نہ پہنچاؤ، بلکہ آزاد کر دو تاکہ وہ اپنے اصلی وطن میں جا سکیں۔

آزادی کا حق

آزادی انسان کا فطری حق ہے جب کہ غلامی غیر فطری چیز ہے۔ اب تو دنیا میں شخصی غلامی ختم ہو چکی ہے تاہم پرانے زمانے میں جنگ کے نتیجے

میں لوگ قیدی ہو کر آتے تھے تو انہیں غلام بنالیا جاتا تھا۔ اور پھر یہ سلسلہ آگے چل پڑتا تھا، اِن کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور ان سے ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اب شخصی غلامی کے برخلاف اجتماعی غلامی بھی دنیا میں بڑے پیمانے پر موجود ہے۔ آج بھی طاقتور ملک کمزور ملک کو اقتصادی غلامی میں جکڑ لیتا ہے یا پھر اپنے نظریات کا غلام بنالیتا ہے۔ امریکہ اور روس جیسی سپر طاقتیں دنیا میں یہی کھیل کھیل رہی ہیں۔ اجتماعی غلامی شخصی غلامی سے بدتر ہے۔ اس میں قوموں کے ضمیر بگڑ جاتے ہیں۔ طاقتور قومیں محکوم قوموں کو مختلف طریقوں سے مبتلائے عذاب رکھتی ہیں مگر ان کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھا سکتا۔ آج چھوٹی چھوٹی سلطنتیں بڑی قوموں کا کھلونا بنی ہوئی ہیں مگر ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ گذشتہ ۳۵ سال میں کم از کم بیس لاکھ فلسطینی موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں۔ بیس لاکھ افغانیوں کو موت کی آغوش میں پہنچایا جا چکا ہے مگر کسی نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ دنیا میں مسلمانوں کی پچاس سے زیادہ ریاستیں بے بس ہیں۔ وہ خود امریکہ یا روس کی غلامی میں جکڑی ہوئی ہیں، اس لیے ان کی اپنی کوئی رائے نہیں اور نہ کوئی اپنی منصوبہ بندی ہے۔ لوگ خوش ہیں کہ بیرونی امداد سے ملک ترقی کر رہا ہے مگر وہ نہیں سمجھتے کہ نام نہاد ترقی کے سارے پلان سپر طاقتوں کے وضع کردہ ہیں جن میں قوم کا مفاد کم اور ان کا اپنا مفاد زیادہ ہے آج تک اسلامی نکتۂ نظر سے کوئی پلان تیار نہیں ہوا جس سے مسلمانوں کا انفرادی یا اجتماعی مفاد وابستہ ہو۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں سارے عرب ممالک ایک ہی سلطنت کا حصہ تھے مگر اب بڑی طاقتوں نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے۔ یہ دوبارہ متحد ہو کر دنیا کی عظیم طاقت کیوں نہیں بن سکتے۔ برصغیر میں پاکستان کی صورت میں ۱۲ کروڑ مسلمان اکٹھے ہو گئے تھے مگر غیر مسلم اقوام انہیں ترقی یافتہ اقوام کی صف میں شامل ہوتا نہیں دیکھنا

چاہتی تھیں، لہٰذا بڑی گہری سازش کے ذریعے پاکستان کو دولخت کر دیا گیا اور اب اسلامی نام بھی باقی نہیں رہا بلکہ بنگلہ دیش بن چکا ہے۔ اب اُن کی حالت گذشتہ ہفتے کے اخبارات میں آچکی ہے۔ کہ غربت کی وجہ سے دس لاکھ بنگالی عیسائیت کی گود میں جا چکے ہیں۔ یہ اتنا بڑا حادثہ ہے کہ اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ اِدھر پاکستان کی حالت بھی یہ ہے کہ اقتصادی اور ذہنی طور پر امریکہ کے غلام بن چکے ہیں۔ ہم انہی کے دماغ سے سوچتے اور انہی کی سکیموں پر عملدرآمد کر رہے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمارا کوئی تشخص باقی نہیں رہا۔ یہی حال دوسری مسلم ریاستوں کا بھی ہے۔ اللہ نے غلام کے متعلق فرمایا ہے لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ (النحل - ۷۵) وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا۔ نہ اُس کا دماغ اپنا ہوتا ہے، نہ اخلاق۔ وہ ہر کام اپنے آقا کے اشارے پر کرتا ہے، اس کا لباس، مکان، نشست و برخاست حتیٰ کہ گفتگو تک آقائی تہذیب میں بدل جاتی ہے۔ لہو و لعب، کھیل تماشے، نت نیا فیشن سب غلامی کے اثرات ہیں۔ آج دنیا بھر کے مسلمان اپنی تہذیب و ثقافت کو بھول چکے ہیں، یہ اقتصادی اور ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے

فرعون کو دعوتِ حق

اللہ نے فرمایا کہ فرعون کو کہنا کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے اور انہیں اذیت نہ پہنچائے۔ اس کے بعد فرعون پر واضح کرنا قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی نشانی لے کر آئے ہیں اگر تمھیں شک ہو تو ہم وہ نشانی پیش کر سکتے ہیں، تم اچھی طرح ہماری پہچان کر سکتے ہو۔ ہمارا نظریہ یہ ہے وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اور اُس پر سلامتی ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَا بیشک ہماری طرف یہ وحی کی گئی ہے اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى بیشک سزا اُس کو ملے گی جس نے حق کو جھٹلایا اور روگردانی کی۔

یہاں تک موسیٰ اور ھارون علیہما السلام کی فرعون کے ساتھ پہلے مرحلہ کی بات آگئی ہے۔ اس کے بعد فرعون کا سوال وجواب آئے گا۔

درس ہشتم ۸ آیت ۴۹ تا ۵۵

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى
كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ
الْاُوْلٰى ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ
رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا
وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ
فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿٥٣﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا
اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿٥٤﴾ ع مِنْهَا
خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً
اُخْرٰى ﴿٥٥﴾

ترجمہ :- کہا (فرعون نے) کون ہے تم دونوں کا پروردگار اے موسیٰ! ﴿٤٩﴾ کہا (موسیٰؑ نے) ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے دی ہے ہر ایک چیز کو اُس کی صورت اور پھر اُس کی راہنمائی کی ہے ﴿٥٠﴾ کہا (فرعون نے) کیا حال ہے اُن جماعتوں کا جو پہلے گذری ہیں ﴿٥١﴾ کہا (موسیٰؑ نے) اُن کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، اور ایک نوشتے میں لکھا ہوا ہے۔ اور نہیں بھٹکتا میرا پروردگار اور نہ بھولتا ہے ﴿٥٢﴾ وہ جس نے بنائی ہے تمھارے لیے زمین گھوارہ، اور چلائے ہیں اس میں تمھارے لیے راستے۔ اور اُتارا ہے اُس نے آسمان کی طرف سے پانی

پھر نکالے ہم نے اُس کے ساتھ طرح طرح کے مختلف
پودے (۵۳) کھاؤ (خود) اور چراؤ اپنے جانوروں کو ۔ بیشک البتہ
اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے (۵۴) اِسی زمین سے
ہم نے تمہیں پیدا کیا ، اسی میں تمہیں لوٹائیں گے ، اور اِسی
سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے (۵۵)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو نبوت عطا فرمائی اور پھر حکم دیا کہ تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اسے نرمی کے ساتھ تبلیغ کرو ۔ ہماری نشانیاں بھی ہمراہ لے جاؤ تاکہ اگر اُسے کوئی تردد ہو تو اُسے دکھا سکو ۔ یہ نشانیاں تمہاری صداقت کی دلیل ثابت ہونگی ۔ فرعون سے گفتگو کا آغاز اس طرح کرو کہ ہم تیرے پروردگار کی طرف سے فرستادہ ہیں ۔ ہم اللہ کے رسول ہیں ، اس لیے ہماری بات مانو اور دوسری بات یہ کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر دو تاکہ ہم انہیں اپنے اصلی وطن شام و فلسطین لے جا سکیں ۔ اور فرعون کو یہ بھی بتلا دینا کہ سلامتی اس پر ہوگی جس نے ہدایت کی پیروی کی ۔ اور سزا اُس کو ملے گی جس نے جھوٹ بولا اور روگردانی کی ۔

غیر مسلموں کو سلام کا طریقہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی غیر مسلموں کیلئے سلام کا وہی طریقہ اختیار کیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے لیے اختیار کیا تھا وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی سلامتی اس پر ہے جس نے ہدایت کی پیروی کی ۔ حضور علیہ السلام نے غیر مسلم بادشاہوں کو تبلیغی خط لکھتے وقت ابتداء میں یہی الفاظ استعمال کیے تھے ۔ امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجے گئے خط کی ابتداء اِس طرح کی تھی مِنْ مُّسَيْلِمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد کی طرف ۔ گویا اُس نے بھی رسالت کا دعویٰ کیا ۔ پھر لکھا اَمَّا بَعْدُ اِنِّیْٓ اَشْرَكْتُ فِی الْاَمْرِ لَكَ الْحَضَرُ وَلِیَ الْغَبَرُ میں نے تمہیں اپنے معاملے یعنی رسالت میں شریک کر لیا ہے ۔ آپ کے لیے شہری علاقے ہیں جب کہ میرے لیے دیہاتی علاقے

یعنی خیموں میں بسنے والے لوگ میرے ماتحت ہوں گے جب کہ آپ متمدن علاقوں کا انتظام سنبھال لیں ساتھ ہی اُس نے یہ بھی لکھا کہ قریش کے لوگ انصاف نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے لکھا مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی مُسَیْلِمَۃِ الْکَذَّابِ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔ اَمَّا بَعْدُ۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف۔ اور سلامتی اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، اما بعد۔ بیشک زمین اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے وارث بناتا ہے، اور اچھا انجام ہمیشہ متقیوں کا ہوگا۔ گویا اس خط میں بھی سلام کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ مسیلمہ کذاب حضور علیہ السلام کو رسول مانتا تھا مگر خود کو بھی رسول کہتا تھا مگر حضور علیہ السلام نے اُسے کذاب یعنی بڑا جھوٹا فرمایا۔ قادیانیوں کا بھی یہی حال ہے۔ وہ بھی حضور علیہ السلام کو رسول مانتے ہیں مگر جھوٹ بولتے ہیں۔ ساتھ مرزا غلام احمد کو بھی رسول تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق اِن پر بھی کذاب کا لقب صادق آتا ہے۔

پروردگار کے متعلق سوال

موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کے ساتھ ابتدائی گفتگو کا ذکر کرنے کے بعد آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان مکالمے کے باقی حصے کا ذکر کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا کہ ہم تیرے پاس تیرے پروردگار کی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ تو اس کے جواب میں فرعون نے کہا قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی، اے موسیٰ! بھلا یہ تو بتلاؤ کہ تم دونوں کا پروردگار کون ہے؟ ذرا اُس رب کا تعارف تو کراؤ جس نے تمھیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔ بعض مفسرین[1] فرماتے ہیں کہ فرعون دہریہ تھا اور وہ خدا تعالیٰ کا ویسے ہی منکر تھا، اسی لیے اُس نے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۵۵ ج ۳ (فیاض)

پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ فرعون خدا تعالیٰ کو مانتا تھا مگر محض اپنی ہٹ دھرمی کی بناء پر اور موسیٰ علیہ السلام کو تنگ کرنے کی غرض سے اُس نے رب تعالیٰ کے متعلق سوال کیا۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ فرعون خود الوہیت کا دعویٰ کرتا تھا اور لوگوں کو خبردار کرتا تھا لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَیْرِیْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِیْنَ (الشعراء۔ ۲۹) اگر تو میرے سوا کسی دوسرے کو معبود بنائے گا، تو قید میں ڈال دیا جائے گا۔ فرعون اپنے متعلق برملا کہتا تھا اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی (النٰزعٰت۔ ۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ لوگوں سے پوچھتا تھا۔ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ (الزخرف۔ ۵۱) کیا مصر پر میری حکومت نہیں ہے۔ میرے حکم سے ڈیم بنے ہوئے ہیں۔ نہریں چل رہی ہیں۔ مجھے ہر سیاہ و سفید پر اختیار حاصل ہے۔ پھر بھلا میرے سوا کون رب ہو سکتا ہے؟ مطلب یہ کہ فرعون چونکہ خود ربوبیت کا دعویدار تھا، اس لیے اُس نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ تم دونوں بھائیوں کا رب کون ہے؟

خدا مصور حقیقی ہے

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے نہایت نرمی کے ساتھ بڑی حکیمانہ بات کی قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْۤ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ کہا، ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کی حیثیت کے مطابق شکل و صورت بخشی ہے۔ اس ایک جملے میں کمال درجے کی حکمت کا اظہار کر دیا۔ ہر چیز کا پہلے وجود ہوتا ہے اور اس کے بعد شکل و صورت بنتی ہے۔ تو اس میں یہ حقیقت بھی شامل ہے کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے پہلے مادہ (MATTER میٹر) پیدا کیا اور پھر اُس مادے کو صورت (SHAPE شیپ) بخشی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ خلق سے مراد صورت نہیں بلکہ اس کا جوڑا

مراد ہے۔ تو فرمایا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کا مناسب جوڑ عطا کیا۔ مثلاً مرد کا جوڑا عورت ہے، بیل کا گائے، اونٹ کا اونٹنی، گھوڑے کا گھوڑی، مرغ کا مرغی وغیرہ۔ یہ تفسیر حضرت سعید بن جبیرؒ کی ہے جو کہ تابعین میں سے ہیں۔ تاہم دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ خلق سے مراد پیدا کرنا ہی ہے یعنی اللہ نے سب سے پہلے ہر چیز کو وجود بخشا اور اس کے بعد اس کو مناسب حال شکل و صورت عطا فرمائی۔ سب سے اعلیٰ صورت انسان کی ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین۔۴) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ (آل عمران۔۶) اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو ماں کے رحم میں تمہاری شکل و صورت بناتا ہے۔ جیسے اس کی منشاء ہوتی ہے۔ مصور حقیقی خدا تعالیٰ کی ذات ہے اسی لیے کسی جاندار کی تصویر کشی حرام ہے کیونکہ یہ اللہ کی صفت کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے کے مترادف ہے البتہ غیر جاندار اشیاء کی تصویر بنانا روا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے خَلَقَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ[1] اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی تو کوئی شکل و صورت نہیں، وہ تو بے مثال ہے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام میں علم و حکمت اور صفات ایسی پیدا کی ہیں گویا اس نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا ہے۔ اس نے انسان کو اس کے مرتبے، حیثیت، ضرورت اور شان کے مطابق صورت بخشی ہے اور پھر ہر چیز کو اس کے حسب حال پیدا کرنے کے بعد ثُمَّ ھَدٰی اس کی راہنمائی بھی فرمائی ہے ہر مخلوق کو اس کی معیشت کا راستہ بتلایا ہے، اس کے نفع نقصان کی بات سمجھائی ہے اور وہ راستہ واضح کیا ہے جس پر چل کر وہ کامیابی کی منزل حاصل کر سکتا ہے۔ پھر گمراہی کا راستہ بھی واضح کر دیا ہے تاکہ اس سے

[1] مسلم ص۳۸۰ ج ۲ (فیاض)

نہ بچ سکے۔ ہدایت کا تعلق صرف انسان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ چھوٹے سے چھوٹے جانداروں سے لے کر بڑی سے بڑی مخلوق تک کی راہنمائی فرمائی ہے زمین پر چلنے پھرنے والے تمام جانداروں کے علاوہ فضا میں اڑنے والے پرندے اور پانی کی تہہ میں رہنے والے ہر قسم کے جانداروں پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ اللہ کے بتلائے ہوئے راستے پر چل کر تم مقصدِ حیات حاصل کر سکتے ہو۔

انسانی، حیوانی اور نباتاتی مخلوق

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو وجود بخشا ہے اور اس میں کمال درجے کا نظامِ حیات رکھا ہے، انسان کو دیکھیں کہ اس کے جسم میں کس قدر عجیب و غریب نظام کام کر رہا ہے۔ میڈیکل سائنس والے کہتے ہیں کہ انسان کے جسم میں پانچ سو مچھلیاں ہیں۔ انسان کا اعصابی نظام دماغ سے شروع ہو کر سارے جسم میں پھیل جاتا ہے جس کی وجہ سے جسم میں حس و حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ نے اس نظام کی باریک باریک شاخوں کے ذریعے کمال سلسلہ پیدا کیا ہے۔ اس کے علاوہ انسانی جسم کے نظامِ ہضم پر نگاہ ڈالیں۔ جسم کے متعلقہ حصے میں عجیب قسم کی گلٹیاں اور رطوبتیں ہیں جن کے ذریعے خوراک ہضم ہو کر جسم کا حصہ بنتی ہے۔ پھر انسان کا نظامِ تولید و تناسل بھی عجیب ہے جس پر بقائے نسل کا انحصار ہے۔ خون کی گردش، آکسیجن کی بہم رسانی، اور فضلات کا خروج، اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے جسم کے اندر انتظام کر دیا ہے۔ اس کے بعد انسان کے صوتی نظام کو دیکھ لیں۔ جب ایک بھی تار خراب ہو جاتی ہے تو انسان بولنے سے عاجز آجاتا ہے۔ اسی طرح سماعت کا نظام بھی عجیب و غریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کان کے پردے کے پیچھے کم و بیش تین ہزار ٹیلیفون نصب کر دیے ہیں۔ ہر قسم کی آواز کی سماعت کے لیے الگ الگ ٹیلیفون ہے۔ اسی طرح کسی چیز کی بو سونگھنے کے لیے بھی اللہ نے نہایت

نرم و نازک نظام قائم کیا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صناعی کے شاہکار ہیں اور اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں۔

انسان کے علاوہ دیگر جانداروں چرند، پرند، کیڑے مکوڑے، مچھلی مینڈک غرضیکہ ہر جاندار کے لیے ایک مکمل نظامِ حیات اُس کے جسم کے اندر ہی موجود ہے۔ جب یہ نظام بگڑ جاتا ہے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نباتات کی بھی اپنی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے درختوں اور پودوں کو کیسی کیسی شکل و صورت عطا کی ہے۔ پھلوں اور پھولوں کے لاتعداد رنگ، ان کی مختلف خوشبوئیں اور ذائقے، ان کے مختلف خواص اور تاثیریں قدرت کاملہ کی صناعی کا عجیب نمونہ ہیں۔ اللہ نے ان تمام چیزوں کو پیدا کیا اور انسان کو ان سے فوائد حاصل کرنے کا راستہ بھی بتلا دیا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ نے ہر چیز کو وجود بخشا، اس کی شکل و صورت بنائی اور پھر اُسے ہدایت کا راستہ بھی بتلایا۔

سابقہ اقوام کے متعلق سوال

رب العزت کا یہ تعارف اور اُس کی صفات سن کر فرعون سے اور تو کچھ نہ بن پڑی، تاہم اُس نے موضوعِ سخن کو بدلتے ہوئے سوال کیا قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی اے موسیٰ! بھلا یہ تو بتاؤ کہ جو پہلی قومیں تمہارے پروردگار پر یقین نہیں رکھتی تھیں، اُن کا کیا حال ہوا۔ کیا وہ سارے کے سارے بیوقوف تھے جو تمہارے نظریے پر یقین نہیں رکھتے تھے؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ اس سوال کا جواب تو میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے۔ کتاب سے مراد نوشتہ یعنی لوحِ محفوظ ہے کہ ہر چیز کا اندراج وہاں موجود ہے اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ کتاب کا عام معنی ہر شخص کا انفرادی اعمالنامہ بھی ہو سکتا ہے جس میں ہر ہر عمل اور ہر ہر حرکت کا اندراج ہو رہا ہے اور پھر یہ کتاب ہر شخص کے سامنے رکھ دی جائے گی کہ اُسے خود ہی پڑھ لو کہ تم دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہو۔ اُس وقت انسان یہ کتاب دیکھ کر

دنگ رہ جائے گا۔ اور حیرانی سے کہے گا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا (الکہف - ۴۹) یہ کیسا نوشتہ ہے جس نے نہ کوئی چھوٹی چیز چھوڑی ہے اور نہ بڑی۔ اس میں ہر چیز درج ہے بہرحال اس مقام پر کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ سابقہ اقوام کے حالات کا علم اللہ کے پاس لوحِ محفوظ میں درج ہے

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے خدا تعالیٰ کی مزید صفات بیان کیں اور فرمایا کہ میرا پروردگار وہ ہے لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى جو نہ تو بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات منزّہ اور مبرّا ہے وہ علیم کل ہے جو بہکتا نہیں۔ وہ ہر عیب سے بھی پاک ہے، اس لیے وہ بھولتا بھی نہیں۔ وہ اپنی مشیت اور ارادے کے مطابق جو کام جس وقت کرنا پسند کرتا ہے، کر گزرتا ہے۔ نہ تو اُسے کوئی اس راستے سے بہکا سکتا ہے اور نہ اس پر نسیان کا اثر ہوتا ہے کہ وہ ارادہ کر کے پھر بھول جائے۔ لہٰذا اس کے تمام امور اس کی حکمت کے مطابق ہوتے رہتے ہیں۔

زمین کے فوائد

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنا دیا جس طرح بچہ گہوارے میں آرام کرتا ہے، اسی طرح زمینی مخلوق زمین پر سکون حاصل کرتی ہے زمین کی یہ خاصیت ہے کہ ہر زندہ اور مردہ کے کام آتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا (المرسلات - ۲۵، ۲۶) کیا ہم نے زندوں اور مردوں کے لیے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنا دیا؟ ظاہر ہے کہ جب تک انسان زندہ رہتا ہے۔ اسی زمین پر چلتا پھرتا اور کاروبار کرتا ہے۔ اور پھر جب مر جاتا ہے۔ تو یہی زمین اُسے اپنے دامن آغوش میں سمیٹ لیتی ہے۔ فرمایا زمین کا ایک فائدہ یہ بھی ہے وَسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا اور زمین

پر چلنے کے لیے مختلف راستے بھی بنا دیے تاکہ تم ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حمل کر سکو۔ اللہ نے میدانوں، پہاڑوں، صحراؤں حتیٰ کہ سمندروں میں بھی انسانوں کے لیے سفر کو آسان بنا دیا ہے۔ اگر زمین پر سفر کے لیے بری، بحری اور ہوائی راستے نہ ہوتے تو انسان کتنی مشقت میں مبتلا ہوتے۔ اللہ نے اِن راستوں کے ذریعے انسان کے لیے آسانیاں پیدا کر دی ہیں، اور یہ بھی اُس کا فضلِ عظیم ہے۔

پانی کی بہم رسانی

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی یہ صفت بھی بیان فرمائی وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور اُس نے آسمان کی طرف سے پانی اتارا ہے۔ آسمان کا لفظ بلندی، فضا، بادل، چھت اور اُوپر فضا میں نظر آنے والی نیلگوں سطح سب کے لیے بولا جاتا ہے یہاں پر سماء سے مراد بادل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمندروں سے بادلوں کے ذریعے پانی اٹھاتا ہے اور پھر جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے، وہاں لے جاتا ہے اور مشیت میں مقررہ مقدار کے مطابق پانی اتار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کمال حکمت سے اس پانی کو ضائع نہیں ہونے دیتا، بلکہ اس کا کچھ حصہ برف کی شکل میں محفوظ کر لیتا ہے، بعض حصہ زمین کی تہوں میں ذخیرہ کر لیتا ہے اور کہیں فوری ضرورت کے لیے چشمے اور ندی نالے جاری کر دیتا ہے یہ حصۂ آب زمین کو سیراب کرتا ہے جس سے پھل، اناج اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں اور اس طرح انسان کی پانی کی ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔ جب بارش کا موسم ختم ہو جاتا ہے تو برف کی صورت میں منجمد پانی، نیز زیرِ زمین ذخیرہ سال بھر کی ضروریات کے کام آتا رہتا ہے۔ دریاؤں پر بڑے بڑے ڈیم بنائے جاتے ہیں جن کے ذریعے بجلی پیدا کی جاتی ہے اور یہی پانی آبپاشی کے کام بھی آتا ہے۔ جب پانی کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے تو اس کا اثر بجلی کی بہم رسانی

پر بھی پڑتا ہے اور ملک میں لوڈشیڈنگ کرنا پڑتی ہے۔

نباتات کا استعمال

فرمایا آسمان کی طرف سے پانی اتارا فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى اور ہم نے اس سے مختلف قسم کے پودوں سے طرح طرح کی چیزیں نکالیں۔ مختلف وضع قطع اور مختلف خاصیتوں کے درخت اور پودے لگائے جن سے پھل، سبزیاں اور اناج پیدا ہوتے ہیں۔ فرمایا كُلُوْا اس کو خود کھاؤ وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ۔ سورۃ عبس میں ہے کہ ہم نے تمہارے لئے انگور، زیتون اور کھجور کے باغات پیدا کیے، ان کے ذریعے پھل اور اناج پیدا کیے مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (آیت۔۳۲) جو کہ تمہارے فائدے کے لیے بھی ہے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے بھی۔ جانور بھی اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت کے لیے پیدا کیے ہیں۔ انسان خود کو جانوروں کا مالک سمجھتا ہے حالانکہ ہر چیز کا مالک حقیقی تو خدا ہے۔ تاہم جانور انسان کی خدمت کے لیے ہیں۔ اور اللہ نے زمین کی پیداوار میں ان کا بھی حق رکھا ہے اس پیداوار پر کسی مخصوص طبقے کی اجارہ داری نہیں بلکہ بحیثیت مجموعی زمین پر تمام انسانوں کا حق ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اگر کوئی شخص کسی خطہ ارض پر از خود قبضہ کرکے دوسروں کو اس سے مستفید ہونے سے روکے گا تو وہ ظالم شمار ہوگا۔ زمین کی پیداوار میں سے ناداروں کو بھی ان کا حصہ پہنچنا چاہیئے غرضیکہ اللہ نے جانوروں اور نباتات کو انسانوں کی مصلحت کے لیے پیدا کیا اور انسانوں کے متعلق فرمایا اِنَّمَا خُلِقَ الْاِنْسَانُ لِلْاٰخِرَةِ کہ انہیں آخرت کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اور دائمی فلاح پا جائیں۔ فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى۔ بیشک اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ انسانی وجود، اس کی شکل وصورت، زمین کا گہوارہ ہونا، اس میں راستے

بنانا، آسمان کی طرف سے پانی اتارنا اور اس کے ذریعے نباتات کا پیدا کرنا، جو کہ انسانوں اور جانوروں دونوں انواع کے فائدے کے لیے ہیں، ان سب چیزوں میں صاحبانِ عقل وخرد کے لیے اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں عقل سے صحیح کام لینے والے لوگ انہی نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی دلیل پکڑتے ہیں۔

زمین کے ساتھ خصوصی تعلق

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاد کی طرف توجہ دلائی ہے کہ زمین کے مذکورہ فوائد کے علاوہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہے۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اسی زمین سے ہم نے تمھیں بھی پیدا کیا۔ انسان کے زمین سے پیدا ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کو براہِ راست مٹی سے پیدا کیا۔ اور یہ خاصیت اُس کی اولاد میں بھی نسلاً بعد نسل آ رہی ہے۔ مٹی سے پیدائش کی دوسری توجیہ بالواسطہ ہے اور وہ اس طرح کہ اللہ نے انسان کی غذا کو مٹی سے پیدا کیا۔ انسان کی خورد ونوش کی تمام اشیاء زمین کی پیداوار ہیں۔ غذا کھانے سے انسان کے جسم میں مختلف قسم کے مواد پیدا ہوتے ہیں۔ اصل چیز خون ہے جو جسم کے ہر ہر حصے میں پہنچ کر اس کو مطلوبہ غذا فراہم کرتا ہے۔ پھر مادہ تولید بھی زمین سے حاصل کردہ غذا سے پیدا ہوتا ہے جس سے انسانی نسل آگے چلتی ہے تو اس لحاظ سے بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے انسانوں کو زمین یعنی مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔

فرمایا وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ ہم اسی مٹی میں تمھیں واپس لوٹائیں گے انسان مر کر مٹی میں ہی دفن ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مردے کو زمین میں دفن کرنا ہی فطری امر ہے۔ برخلاف اس کے اونچے مچان پر رکھ کر پرندوں کی خوراک بنا دینا یا آگ میں جلا دینا غیر فطری فعل ہے۔ مرنے کے بعد زمین ایک شفیق ماں کی طرح انسان کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے جب کہ آگ دشمن

ہے اور مردے کو اس کے حوالے کرنا دشمن کے حوالے کرنے کے مترادف ہے۔ جب کوئی شخص سفر پر جاتا ہے۔ تو اپنے بچے کو کسی محبوب کے حوالے کرتا ہے، نہ کہ دشمن کے، یہی حال انسانی زندگی کا ہے۔ اس کے لیے زمین بمنزلہ آغوشِ مادر ہے۔ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ اسے اپنے سینے سے لگا لیتی ہے۔

فرمایا، اے انسانو! ہم نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اسی میں دوبارہ لوٹا دیں گے وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰی اور پھر اسی میں سے تمھیں دوبارہ نکالیں گے۔ جب قیامت کا دن آئے گا۔ تو مُردے اپنی قبروں سے نکل کر دوڑتے ہوئے میدانِ محشر کی طرف جائیں گے پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔

امام ابن کثیرؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور علیہ السلام ایک جنازے کے ساتھ تشریف لے گئے۔ جنازہ پڑھنے کے بعد میت کو قبر میں اتارا۔ آپ نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور پڑھا مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ (یعنی ہم نے تمھیں اس مٹی سے پیدا کیا۔ پھر مٹی قبر میں ڈال دی۔ پھر دوسری مٹھی اٹھائی اور وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ (ہم تمھیں اسی میں لوٹائیں گے) پڑھ کر مٹی ڈال دی۔ پھر آپ علیہ السلام نے مٹی کی تیسری مٹھی اٹھائی اور پڑھا وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰی یعنی ہم تمھیں دوبارہ اسی مٹی سے نکالیں گے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ قبر پر اس طریقے سے مٹی ڈالنا مستحب ہے۔

درس نہم ۹ آیت ۵٦ تا ٦۴

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾ قَالَ
اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾
فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ
مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾
قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾
فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ
لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾
فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾
قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ
مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ
الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ
اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق ہم نے دکھائیں فرعون کو اپنی سب نشانیاں اور اس نے جھٹلایا اور انکار کیا ﴿۵٦﴾ کہنے لگا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تاکہ تو نکال دے ہمیں اپنی سرزمین سے اپنے جادو کے

زور سے اے موسیٰ (۵۷) پس ہم لائیں گے تیرے مقابلے میں اس جیسا جادو۔ پس ٹھہرا دے ہمارے درمیان اور اپنے درمیان ایک وعدہ۔ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں اور نہ تم، ایک کھلے میدان میں (۵۸) کہا (موسیٰؑ نے) تمہارا وعدہ زینت کا دن ہے، اور یہ کہ اکٹھے کیے جائیں لوگ دن چڑھتے وقت (۵۹) پس پلٹا فرعون، پس اکٹھا کیا اس نے اپنی تدبیر کو، پھر آیا (۶۰) کہا اُن کے لیے موسیٰؑ نے ہلاکت ہے تمہارے لیے، نہ افتراء باندھو اللہ پر جھوٹ۔ پس وہ ہلاک کر دے گا تمھیں عذاب کے ساتھ۔ اور تحقیق ناکام ہوا وہ شخص جس نے افترا باندھا (۶۱) پس جھگڑا کیا انہوں نے اپنے درمیان اپنے معاملے میں، اور پھر پوشیدہ طور پر میٹنگ کی انہوں نے (۶۲) کہنے لگے، بیشک یہ دونوں بھائی البتہ جادوگر ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم کو نکال دیں تمھاری سرزمین سے اپنے جادو کے زور سے، اور موقوف کر دیں تمھارے اچھے طریقے کو (۶۳) پس اکٹھی کرو اپنی تدبیر اور تم صف بندی کرو۔ اور بیشک کامیاب ہو گیا آج کے دن وہ جو غالب آیا (۶۴)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دینے کے لیے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ نبوت کے ابتدائی دور میں مسلمان بڑی تکالیف برداشت کر رہے تھے، اللہ نے فرمایا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ہر نبی کو ایسے ہی حالات سے گزرنا پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ انہیں منصبِ نبوت کے لیے منتخب فرمایا اور پھر اپنی نشانیاں اور پیغام دے کر فرعون کے پاس بھیجا۔ دو بنیادی نشانیاں یا معجزات تو عصا اور یدِ بیضا ہیں جو اللہ نے -

موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کرتے وقت دیں۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے دستِ مبارک پر بہت سی نشانیاں ظاہر فرمائیں جن کا ذکر سورۃ الاعراف اور دوسری سورتوں میں موجود ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ نے فرمایا۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ (آیت۔ ۱۰۱) ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو واضح نشانیاں عطا فرمائیں مگر فرعونی ان کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔

فرعون کا انکار

یہاں پر ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا ہم نے فرعون کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں فَكَذَّبَ وَاَبٰى مگر اس نے تکذیب کی اور انکار کیا۔ یہ فرعون کی بدبختی تھی کہ عصا اور ید بیضا جیسی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا۔ اُس نے موسیٰ علیہ السلام پر طرح طرح کے اعتراض کیے مگر جب ہر بات میں لاجواب ہو گیا تو معجزات کو جادو کہہ کر اُن کا انکار کر دیا۔ اور کہنے لگا قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اپنے جادو کے ذریعے ہماری سرزمین سے نکال باہر کرے؟ اس الزام سے فرعون کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس بات سے مشتعل ہو جائیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں اُن کے گھر بار سے بے دخل کرنا چاہتا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ اس قسم کے پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر تمام لوگ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہو جائیں اور اس کی کوئی بات نہ سنیں۔

فرعون نے نہ صرف لوگوں کو مشتعل کیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو دھمکی بھی دی کہ تمہارے جادو کے مقابلہ میں فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ ہم بھی تیرے مقابلہ میں اس جیسا جادو لائیں گے۔ ہمارے پاس بڑے ماہر جادوگر ہیں جو تمہارا بھرپور مقابلہ کریں گے، لہٰذا اس کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضور علیہ السلام کے خلاف کفارِ مکہ نے بھی اسی قسم کا پراپیگنڈا کیا

تھا، کہتے تھے۔ یہ شاعر ہے جو اپنے کلام سے مرعوب کرنا چاہتا ہے کبھی کہتے، یہ تو کاہن ہے جو اگلی پچھلی باتیں بتاتا ہے۔ پھر جب اور کچھ نہ بن پڑتی تو کہتے کہ یہ جادوگر ہے جو تمہیں جادو کے اثر سے اپنا مطیع کرنا چاہتا ہے بہر حال فرعون نے بھی یہی حربہ استعمال کیا اور موسیٰ علیہ السلام پر جادوگر ہونے کا الزام لگایا اور پھر آپ کو مقابلے کا چیلنج بھی کر دیا۔

مقابلے کا چیلنج

کہنے لگا فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا اے موسیٰ! تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ یعنی تاریخ اور وقت مقرر کر دے جس دن تمہارے اور ہمارے جادو کے درمیان مقابلہ ہو جائے اور یہ وعدہ ایسا پختہ ہونا چاہیئے۔ لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ جس کی نہ ہم خلاف ورزی کریں اور نہ تم۔ پڑا پکا عہد کرو۔ اور ساتھ یہ بھی شرط ہے یہ مقابلہ مَكَانًا سُوًى کھلے عام ہونا چاہیئے۔ کوئی کھلا میدان ہو جہاں سب لوگ اکھٹے ہو کر ہمارے اس مقابلے کو دیکھ سکیں۔

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ کہ اس معاہدے یعنی مقابلے کا دن زینت کا دن ہونا چاہیئے۔ مصری لوگ سال بھر میں ایک دن قومی تہوار کے طور پر مناتے تھے اسی کو یوم زینت یا جشن کا دن کہا گیا ہے۔ اس دن فرعون کی سالگرہ یا جشن تاجپوشی ہوتا تھا۔ بہر حال یہ ایک میلے کا دن تھا۔ جس میں سب ادنیٰ واعلیٰ لوگ ایک کھلے میدان میں جمع ہوتے تھے لہذا موسیٰ علیہ السلام نے مقابلے کے لیے یہی دن تجویز کیا۔ باقی رہی وقت کی بات تو فرمایا کہ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى کہ لوگ خوب دن چڑھے اکھٹے کیے جائیں اور ان سب کے سامنے مقابلہ ہونا چاہیئے۔

یہاں پر وقت مقررہ کے لیے ضُحًى کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور یہ دن کا وہ حصہ ہوتا ہے جب سورج کی تپش سے ریت گرم ہو جاتی ہے

اور اونٹوں کے بچوں کے پاؤں تپنے لگتے ہیں۔ بس یہی کوئی نو دس بجے کا وقت سمجھ لیں کہ لوگ صبح کی ضروریات سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ اور دن بھر کے باقاعدہ کام میں لگ جاتے ہیں۔ اسی وقت پر حدیث میں صلوٰۃ ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز کا ذکر بھی آتا ہے۔ اس کے وقت کے متعلق مسلم شریف اور دوسری کتابوں میں آتا ہے تِلْكَ صَلٰوةُ الْاَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ۔ یہ صلوٰۃ اوابین ہے جس کا وقت وہ ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں ریت میں گرم ہونے لگتے ہیں۔ بہر حال اس وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سے لیکر بارہ رکعت تک نماز ادا فرمائی ہے تو یہی وقت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے مقابلے کے لیے تجویز کیا۔

جادو کا عام رواج

قدیم صابی زمانے میں نجوم کا عام رواج تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے دور میں جادو کا بڑا چرچا تھا۔ جادو کے ماہرین حکومتی امور میں اسی طرح دخیل تھے جس طرح آجکل سائنسدان اور انجینئر ہیں۔ اپنے پیچیدہ معاملات میں حکومت کے کارپردازان ساحروں سے مشورہ لیتے تھے اور پھر اُن پر عمل بھی کرتے تھے۔ جادو کا رواج آج بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے جسے "کالا علم" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ علم کفریہ اور شرکیہ اعمال پر مشتمل ہے اور جاہل لوگوں میں اس کا عام چرچا ہے۔ ملک کے اسی فیصد لوگ تعویذ گنڈے، شرکیہ اور بدعتی کاروبار میں ملوث ہیں۔ عورتوں میں یہ بیماری بہت زیادہ ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر جھاڑ پھونک کرنے والوں کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیتی ہیں۔ بعض صحیح لوگ بھی ہیں جو اللہ کا کلام پڑھ کر پھونک مارتے ہیں۔ تاہم اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو شرکیہ کلام کے ذریعے غلط تعویذ دے کر اپنا نذرانہ وصول کر لیتے ہیں۔ آج کل یہ کام بھی عروج پر ہے حالانکہ یہ کام ہماری شریعت میں جائز نہیں حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ سات مہلک گناہوں میں سحر بھی شامل ہے۔ جادو کرنا اور

کرایا، اس کا سیکھنا اور سکھانا ممنوع ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رہ فرماتے ہیں کہ جادو کے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی بدعت کا ارتکاب توکرنا ہی پڑتا ہے۔ اور اعلیٰ درجے کے جادو میں تو کفر اور شرک شامل ہوتا ہے، مکروہ باتوں کا ارتکاب ہوتا ہے حتیٰ کہ جادو میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ایمان تک کی قربانی کرنا پڑتی ہے اس کے علاوہ جادو کرنے کے لیے بڑے شنیع امور انجام دینا پڑتے ہیں۔ بعض لوگ بچوں کو ذبح کر کے اُن کے خون سے سحر کرتے ہیں، اور بعض قبروں سے مردوں کی ہڈیاں نکال کر اُن کے ذریعے جادو کرتے ہیں۔

مقابلے کے میدان میں

جب فرعون کے ساتھ مقابلے کے لیے جگہ اور وقت کا تعین ہو گیا تو فرعون نے اس کے لیے تیاری شروع کر دی۔ معاہدہ طے پا جانے کے بعد فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ فرعون اپنی جگہ سے پلٹا اور اُس نے اپنی تمام تدابیر جمع کیں۔ تدبیر سے مراد یہ ہے کہ اُس نے ملک مصر کے ماہر جادوگروں کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ انہیں ایک جگہ پر جمع کیا اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لیے ہدایات دیں۔ ثُمَّ اَتٰی پھر وہ ساحروں سمیت مقابلے کے لیے مقررہ میدان میں آ گیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرعون نے کم و بیش پندرہ ہزار چوٹی کے جادوگر اکٹھے کیے اور انہیں لالچ بھی دیا کہ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو انہیں بہت سا انعام واکرام دیا جائے گا۔ سورۃ الشعراء میں موجود ہے کہ فرعون نے جادوگروں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم غالب آ گئے وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (آیت ۔۴۲) تو تمھیں اپنا مقرب بنالوں گا۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مقابلے میں بے شمار جادوگروں کو دیکھا قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى تو آپ اُن سے اس طرح مخاطب ہوئے وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا تمھارے لیے

ہلاکت ہے، تم پر افسوس ہے۔ خدا پر جھوٹ نہ باندھو یعنی جادو سے باز آجاؤ۔ اللہ کی سچی نشانیوں کو سحر کا نام دے کر اُن کا مقابلہ جادو سے کرنا سخت نادانی کی بات ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی توحید کا مقابلہ کرنے کے مترادف ہے۔ ہم تو تمہیں خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف دعوت دیتے ہیں تاکہ تم میں خوفِ خدا پیدا ہو اور تمہاری عاقبت سنور جائے، مگر تم اس حق کے مقابلہ میں جادو کو لاتے ہو۔ یہ تو بڑی بدبختی کی بات ہے۔ اگر اس حرکت سے باز نہیں آؤ گے فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ تو خدا تعالیٰ تمہیں عذاب بھیج کر ہلاک کر دے گا۔ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام خدا کی عطا کردہ قوت کے ساتھ بول رہے تھے۔ انہوں نے پُر رعب لہجے میں فرمایا، افترا علی اللہ سے باز آجاؤ، ورنہ یاد رکھو، وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ تحقیق وہ شخص ناکام ہوا جس نے خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، توحید کو مٹانا، سچے دین کی تکذیب کرنا، خدا کی طرف غلط باتیں منسوب کرنا، سب افترا علی اللہ ہے اور ایسا کرنے والا ناکام و نامراد ہوگا۔

فرعون کی خفیہ میٹنگ

موسیٰ علیہ السلام کی اس بات سے لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ فرعون اور اس کے حواریوں نے بھی اس چیز کو محسوس کیا۔ فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ انہوں نے اس معاملہ میں آپس میں جھگڑا بھی کیا۔ بعض کہتے تھے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی بات سچی نکلی تو پھر کیا ہوگا؟ اور اگر ہمارا جادو اُن پر نہ چلا تو پھر کیا نتیجہ نکلے گا؟ ایسی صورت میں کسی نے کہا کہ مقابلہ کرنا چاہیئے اور کسی نے کہا کہ مقابلے سے دستبردار ہو جانا چاہیئے۔ کہیں لینے کے دینے ہی نہ پڑ جائیں۔ اُدھر جادوگر بھی دل برداشتہ معلوم ہوتے تھے کیونکہ انہیں بھی اپنی شکست نظر آرہی تھی۔ ایسے حالات میں وَأَسَرُّوا النَّجْوَىٰ فرعون اور اس کے حواریوں نے خفیہ میٹنگ کی، تاکہ آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا جا سکے۔ بحث و تمحیص کے بعد پھر اسی بات پر اصرار کیا جو فرعون پہلے

کہہ چکا تھا قَالُوٓا اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ کہنے لگے یہ دونوں بھائی (موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) جادوگر ہیں۔ يُرِيۡدٰنِ اَنۡ يُّخۡرِجٰكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ بِسِحۡرِهِمَا یہ دونوں جادو کے ذریعے تمھیں تمھاری سرزمین سے نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اِن کے ساتھ پورا پورا مقابلہ کرنا چاہیئے تاکہ ہم اُن سے چھٹکارا حاصل کر سکیں، ورنہ وہ ہمیں مغلوب کر کے ہمیں ہر چیز سے بیدخل کر دیں گے اور خود حکومت اور مال و متاع پر قابض ہو جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا وَيَذۡهَبَا بِطَرِيۡقَتِكُمُ الۡمُثۡلٰى کہ یہ دونوں بھائی تمھارے اچھے طریقے کو موقوف کر دیں گے۔ کہنے لگے اس سے بچنے کا یہی طریقہ ہے۔ فَاَجۡمِعُوۡا كَيۡدَكُمۡ اپنے تمام وسائل اکٹھے کرو ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا پھر پورے طریقے سے صف بندی کر کے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا مقابلہ کرو۔ اور ساتھ یہ لالچ بھی دیا وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى اور فلاح اور کامیابی اس کو حاصل ہوگی جو آج کے دن غالب آجائے گا۔ مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کرو۔ اگر جیت گئے تو کامیاب ہو جاؤ گے، بڑا انعام و اکرام ملے گا اور بادشاہ کے مقربین بن جاؤ گے۔ تمھیں بڑی بڑی خلعتیں اور جاگیریں عطا کی جائیں گی اور آرام و سکون کے ساتھ زندگی بسر کرو گے۔

اسلامی تہذیب بمقابلہ فرعونی تہذیب

فرعونیوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایک الزام یہ لگایا تھا کہ یہ شخص تمھارے اچھے طریقے کو ختم کر دے گا یعنی تمھارے آباؤ اجداد کے تہذیب و تمدن کو ختم کر کے نئی تہذیب رائج کرے گا، لہٰذا اپنی قدیم تہذیب کے بچاؤ کے لیے اس کا مقابلہ کرو، آج بھی یہ بیماری موجود ہے۔ جب کسی مشرک اور بدعتی کو حق کی طرف دعوت دی جاتی ہے، تو آگے سے یہی جواب آتا ہے کہ یہ شخص تمھارے رسم و رواج کو مٹانا چاہتا ہے۔ تمھارے آباؤ اجداد سے

چلے آنے والا" تیسرا" ساتواں" چالیسواں" وغیرہ ختم ہو کر رہ جائیگا اور یہی تمھارے بڑوں کی تہذیب ہے جسے یہ شخص ختم کرنا چاہتا ہے، یہ ختم، یہ عرس اور یہ قوالی کی محفلیں ختم ہو جائیں گی، لہٰذا توحید کی دعوت دینے والی بات پر دھیان نہ دو، یہ تمھیں تمھارے دین سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اکثر انسانوں کی آنکھیں بلکہ دِل اندھے ہوتے ہیں۔ جو حق و باطل میں تمیز کرنے سے عاجز ہوتے ہیں اور نسلاً بعد نسل شرکیہ اور کفریہ عقائد پر چلتے رہتے ہیں۔

آج ہماری تہذیب بڑی بڑی بلڈنگوں، عالیشان کمپلیکسوں، راگ و رنگ کی محفلوں، آرٹ گیلریوں، اور ثقافتی مراکز تک محدود ہو کر رہ گئی ہے، حالانکہ خدائی تہذیب تو وہ ہے جو انبیاء نے اپنائی اور جس کی بنیاد فیشن پرستی پر نہیں بلکہ سادگی پر ہے مگر آج کون ہے جو اس تہذیب کو سینے سے لگائے؟ آج کے نام نہاد مہذب لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر اسلامی تہذیب کا احیاء ہو گیا تو پھر ہمارے یہ نائٹ کلب کدھر جائیں گے، ہماری لہو ولعب کی تمام چیزیں ختم ہو جائیں گی، آرٹ کے نام پر یہ فحاشی اور عریانی چھوڑنی پڑے گی۔ لہٰذا جس طرح ہو سکے اسلامی تہذیب کا راستہ روکو۔

اِس زمانے میں صرف لباس کا مسئلہ ہی لے لو جس نے ساری دنیا کو مصیبت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ ہر روز نئے ڈیزائنوں اور جدید فیشنوں کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ہر کوئی نئے ڈیزائن کا لباس پہننا چاہتا ہے۔ آسودہ حال لوگوں کی دیکھا دیکھی غریب لوگ بھی اس مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں وہ بھی امراء کے ساتھ قدم بقدم چلنا چاہتے ہیں مگر وسائل نہ ہونے کی وجہ سے بعض غلط طریقے استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ نئے نئے ماڈلوں کی کاریں، نئے نئے ڈیزائنوں کے بنگلے، شادی اور غمی کی رسوم میں دولت کا ضیاع سب کچھ نئی تہذیب کے لوازمات ہیں۔ اگر نبیوں کی تعلیم کے مطابق انسان سادگی کو شعار بنا لے تو اِن تمام مصیبتوں سے

چھوٹ جائے ہمگر ایسا ہونا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آرہا ہے۔ کھیل تماشے پر وقت اور روپیہ برباد کرنے کی بجائے نوجوانوں کو عسکری تربیت دی جائے نیکی کے کاموں میں مقابلے کا رجحان پیدا کیا جائے ۔ خدمتِ خلق کے ادارے قائم کیے جائیں۔ جہاں غربا اور ناداروں کی حوصلہ افزائی ہو، تو دنیا سے کتنی قباحت ختم ہو جائے اور اس کی بجائے ایک عام آدمی کو کتنی خوشحالی اور کتنا سکون میسّر آئے ہمگر ہم تو اس جدید تہذیب کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں جو کوئی اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے ، وہ دقیانوسی خیال کیا جاتا ہے اور تہذیب و تمدن کو مٹانے والا سمجھا جاتا ہے۔ بہر حال فرعون نے بھی اپنی قوم کو یہی کہہ کر اشتعال دلانے کی کوشش کی کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام تمھاری تہذیب کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور تمہیں سرزمینِ مصر سے نکال کر خود حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں ۔ اِن سے ہوشیار رہو اور ان کی بات ہرگز نہ مانو۔

یہاں تک فرعونیوں کی پوشیدہ میٹنگ اور اس میں کیے گئے فیصلوں کا ذکر تھا۔ آگے پھر موسیٰ علیہ السلام کی بات اللہ نے بیان فرمائی ہے ۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ
مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ
يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ
فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ
اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا
صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ
حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا
بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ
اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ
فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ
وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ
اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا
مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ
اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۷۲﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا
لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ
وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا

فَإِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۷۴ وَمَنْ
يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ
الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝۷۵ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ
تَزَكّٰى ۝۷۶ ع

٣ ع ۲۲ ۱۲

ترجمہ :- کہا (جادوگروں نے) اے موسیٰ! یا تو آپ ڈالیں پہلے، یا ہم ہوں پہلے ڈالنے والے (۶۵) کہا (موسیٰؑ نے) بلکہ تم ہی ڈالو اچانک اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں اس طرح دکھائی دیتی تھیں، ان کے سحر کی وجہ سے کہ وہ دوڑ رہی ہیں (۶۶) پس محسوس کیا اپنے جی میں موسیٰ علیہ السلام نے خوف (۶۷) ہم نے کہا، مت خوف کھاؤ بیشک تم ہی بلند ہو (۶۸) اور ڈال دو جو کچھ تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے، وہ نگل لے گا جو کچھ انہوں نے بنایا ہے۔ بیشک انہوں نے بنایا ہے ایک فریب جادوگر کا۔ اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر جہاں سے بھی آئے (۶۹) پس اس کو دیکھ کر گر پڑے جادوگر سجدے میں، اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے رب پر (۷۰) کہا (فرعون نے) کیا تم ایمان لائے ہو اُس پہ قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں۔ یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھلایا ہے۔ میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں اُلٹے سیدھے اور میں ضرور لٹکاؤں گا تم کو کھجوروں کے تنوں پہ اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں

سے کون زیادہ سخت سزا دینے والا ہے اور کس کی سزا
دیرپا رہتی ہے (۷۱) کہا (جادوگروں نے) ہم ہرگز ترجیح
نہیں دیں گے تم کو اس چیز پر جو آچکی ہے ہمارے
پاس کھلی دلیلوں سے اور نہ ترجیح دیں گے ہم تیری بات
کو اس ہستی کے مقابلہ میں جس نے ہم کو پیدا کیا ہے پس کرلے تو جو بھی فیصلہ
کرنیوالا ہے۔ سوائے اس کے نہیں کہ تو صرف اس دنیا کی زندگی
کو ہی ختم کر سکتا ہے (۷۲) بیشک ہم ایمان لائے ہیں اپنے
پروردگار پر تاکہ وہ بخش دے ہم کو ہماری غلطیاں اور وہ
چیز جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا ہے سحر سے۔ اور
اللہ تعالیٰ ہی بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے (۷۳)
بیشک جو شخص آئے گا اپنے پروردگار کے سامنے مجرم بن
کر۔ تحقیق اُس کے لیے جہنم ہے۔ نہ اس میں مرے گا
اور نہ زندہ رہے گا (۷۴) اور جو آئے گا اُس کے پاس
ایمان لے کر اور اس کے ساتھ اُس نے نیک اعمال بھی
انجام دیے ہیں پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے بلند درجے ہوں
گے (۷۵) رہنے کے باغات ہوں گے جن کے سامنے نہریں
بہتی ہوں گی۔ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُن میں
اور یہ ہے بدلہ اُس کا جس نے تزکیہ حاصل کر لیا (۷۶)

ربط آیات

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو اللہ کا پیغام پہنچایا اور اس کو معجزات بھی دکھائے تو اُس نے انکار کیا اور تکذیب کی۔ کہنے لگا کہ یہ تو جادو کا کارنامہ ہے۔ اُس نے عام لوگوں کو یہ کہہ کر مشتعل کرنے کی کوشش کی کہ موسیٰ (علیہ السلام) سحر کے زور سے تمھاری سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور تمھاری بہترین تہذیب کو مٹانا چاہتا ہے۔ لوگوں کو اکسایا کہ تم

اپنی تمام تدبیر اور قوت اکٹھی کرو اور پورے منظم طریقے سے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرو۔ چنانچہ حواریوں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ جشن کے دن ملک کے تمام سرکردہ جادوگروں کو جمع کیا جائے اور اُن سے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرایا جائے۔ جادوگر بھی بڑے لالچی تھے، انہوں نے کہا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو ہمیں کیا ملے گا۔ فرعون نے انہیں بہت بڑا انعام و اکرام دینے اور اپنا مقرب بنانے کا وعدہ کیا۔ جب سب جادوگر میدانِ مقابلہ میں اکٹھے ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے خطاب فرمایا کہ دیکھو! خدا تعالیٰ پر افترا نہ باندھو کہ ایسا کرنے والا سخت عذاب میں مبتلا ہو گا۔ اگرچہ جادوگر کسی حد تک دل برداشتہ ہوئے مگر وہ انعام کے لالچ میں موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس مقابلے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بعض واقعات یہاں بیان فرمائے ہیں اور بعض دوسری سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ یہاں پر صرف اتنا مضمون ہی آیا ہے جتنا حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام کی تسلی کے لیے ضروری تھا۔

ساحروں کی طرف سے ابتداء

جب مقابلے کی تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں، تمام لوگ مقررہ تاریخ اور وقت پر مقررہ میدان میں جمع ہو گئے تو جادوگر اور موسیٰ علیہ السلام بھی آمنے سامنے آ گئے۔ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ اے موسیٰ علیہ السلام! کیا آپ ڈالیں گے وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى یا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں مطلب یہ تھا کہ مقابلے کی ابتداء کس کی طرف سے ہو، موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یا جادوگروں کی جانب سے۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا قَالَ بَلْ اَلْقُوْا بلکہ تم ہی ڈالو۔ گویا موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کو اپنے فن کا مظاہرہ پہلے کرنے کی دعوت دے دی۔ جادوگروں کے پاس کچھ رسیاں اور کچھ لاٹھیاں تھیں۔ انہوں نے یہ چیزیں زمین پر پھینک کر مقابلے کی ابتداء کی۔ اللہ نے اس صورتِ حال کو اس طرح بیان فرمایا ہے

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى جونہی جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینکیں تو اُن کے جادو کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں وہ اس طرح نظر آرہی تھیں گویا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔

سحر ایک قسم کی نظر بندی یا کرتب ہوتا ہے۔ شعبدہ باز یا مسمریزم والے محض ہاتھ کی صفائی کے ساتھ کوئی ایسا کام کر جاتے ہیں جو دوسروں کی نگاہوں میں کچھ اور ہی نظر آتا ہے۔ جادو کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدل سکتا بلکہ حقیقت تو ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے، البتہ فریب نظر کے ذریعے حقیقت کے برخلاف نظر آتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہوا کہ جادوگروں کی لاٹھیاں اور رسیاں دوڑتی ہوئی نظر آنے لگیں، ورنہ حقیقت میں بالکل ساکن تھیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا ردعمل

الغرض! رسیوں اور لاٹھیوں کو سانپوں کی صورت میں دوڑتا ہوا دیکھ کر فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جی میں کچھ خوف محسوس کیا۔ یہاں پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ موسیٰ علیہ السلام کو خوف کس بات کا محسوس ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے فرستادہ تھے اور واضح نشانیاں لے کر اللہ کے حکم سے آئے تھے، لہٰذا انہیں اپنی مغلوبیت کا قطعاً خوف نہیں تھا کیونکہ اللہ نے ان کے ساتھ اپنی معیت کا وعدہ کر رکھا تھا، البتہ انہیں خوف اس بات کا تھا کہ شاید عام لوگ جادو اور معجزے میں امتیاز نہ کر سکیں۔ جس طرح جادوگروں کی رسیاں سانپ نظر آنے لگیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی بھی سانپ بن گئی تو عام لوگ حقیقت اور مجاز میں کیسے فرق کریں گے۔ مفسر قرآن حضرت جلال الدین محلیؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر بھی موسیٰ علیہ السلام کو تسلی دی قُلْنَا لَا تَخَفْ ہم نے کہا کہ اے موسیٰ! ڈرو مت۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى بیشک تم ہی غالب رہو

گے ، لوگوں کو جلدی ہی پتہ چل جائے گا۔ کہ سچ کون سا ہے اور جھوٹ کون سا۔ جادوگروں کے اس کرتب کے متعلق دوسری جگہ موجود ہے وَجَاءُو بِسِحْرٍ عَظِيمٍ (اعراف - ۱۱٦) انہوں نے بہت بڑا جادو پیش کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں دوڑتے ہوئے سانپ دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔

اس کرتب کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ اے موسیٰ! ڈال دو جو کچھ تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کے ہاتھ میں وہی لاٹھی تھی، جو ہمیشہ آپ کے پاس رہتی تھی اور اللہ نے اسی کو پھینکنے کا حکم دیا تھا۔ فرمایا اس لاٹھی کو پھینکو تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا یہ نگل جائے گی جو کچھ جادوگروں نے بنایا ہے موسیٰ علیہ السلام نے حکم الٰہی کی تعمیل میں اپنی لاٹھی کو زمین پر پھینک دیا تو وہ ایک اژدھا بن کر دوڑتے لگا جس نے جادوگروں کی رسیوں کے سانپوں کو نگل لیا۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ جب اس بڑے اژدھا نے پھنکارا تو فرعون اور اس کے حواریوں پہ دہشت طاری ہو گئی اور انہوں نے ڈر کے مارے بھاگنے کی کوشش کی۔ جشن کا دن تھا۔ اور یہ نظارہ عام لوگوں نے کھلے میدان میں مشاہدہ کیا۔

لقف کا معنیٰ نگلنا ہوتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے "فتوح الغیب" میں لکھا ہے المومن وقاف والمنافق لقاف یعنی مومن آدمی ہر حرام اور مشکوک چیز سے رکنے والا ہوتا ہے جب کہ منافق ہر جائز و ناجائز کو نگل جانے والا ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا عمل مبارک اور تعلیم ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ جب کوئی چیز آپ کے سامنے پیش کی جاتی تو آپ دریافت کرتے کہ یہ چیز کیا ہے اور کس نے بھیجی ہے اگر وہ چیز کھانے کے قابل ہوتی تو آپ ہاتھ بڑھاتے اور اگر صدقہ خیرات یا کوئی مشکوک چیز ہوتی تو کہتے اس کو اٹھالو۔ اسی طرح ہر مومن آدمی وقاف

ہوتا ہے۔ وہ صرف حلال اور طیّب چیز کی طرف ہی ہاتھ بڑھاتا ہے۔ اس کے برخلاف منافق آدمی جائز و ناجائز میں تمیز ہی نہیں کرتا۔ حرام، مشکوک، نذر لغیر اللہ، گیارہویں غرضیکہ ہر چیز نگلتا چلا جاتا ہے، رشوت، دھوکہ دہی، اجوا، سمگلنگ کا مال ہو، اُسے کچھ پروا نہیں ہر چیز ہضم کر جاتا ہے۔

فرمایا، اے موسیٰ! اس لاٹھی کو پھینک دو، یہ جادوگروں کی بناوٹی چیزوں کو نگل لے گی۔ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ انہوں نے ایک جادوگر کا فریب بنایا ہے۔ بھلا حقیقت کے مقابلے میں ان رسیوں کی کیا حیثیت ہے۔؟ یاد رکھو! وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى جہاں سے بھی آئے جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ان تمام جادوگروں کو بھی منہ کی کھانی پڑے گی اور ان کی ساری تدبیریں ناکام ہو جائیں گی۔

جادو جیسے حرام فن کے لیے سزا بھی سخت مقرر کی گئی ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث[1] میں آتا ہے حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ یعنی جو شخص جادو کے ذریعے کسی کے قتل کا موجب بنتا ہے وہ بھی واجب القتل ہے بشرطیکہ ثابت ہو جائے کہ اس کی موت کا ذریعہ جادو بنا ہے اور اگر جادوگر کے ذریعے کوئی کم تر نقصان پہنچایا گیا ہے تو نقصان کی نوعیت کے مطابق کم تر سزا دی جائیگی اگر کسی کو مالی نقصان پہنچایا گیا ہے تو ملزم کو جرمانے کے علاوہ قید و بند کی سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

جادوگروں کی سجدہ ریزی

الغرض! جب موسیٰ علیہ السلام کے اژدہا نے جادوگروں کے چھوٹے چھوٹے سانپ سارے نگل لیے تو جادوگر بے بس ہو گئے اور ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہا اس موقع پر انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی۔ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا اور سارے جادوگر سجدہ میں گر پڑے۔ وہ سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں بلکہ اللہ کے نبی ہیں اور اللہ نے آپ کے ہاتھ پر یہ معجزہ ظاہر کر کے ہمارے جادو کو ناکام بنا دیا ہے اُس وقت قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ

[1] ترمذی ص ۲۳۰ (بیاض)

وَمُوْسیٰ کہنے لگے ہم ایمان لے آئے ہیں۔ ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے پروردگار پر، فرعون بڑا جابر اور ظالم تھا۔ وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے جادوگر اسے چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں اور اس طرح اس کی شکست کی راہ ہموار کریں۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ کہنے لگا تم میری اجازت کے بغیر ہی موسیٰ اور اس کے پروردگار پر ایمان لے آئے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ تم نے میرے ساتھ ڈرامہ کھیلا ہے تم بھی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی ہو مگر ظاہری طور پر میری حمایت کر رہے تھے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ یہ تمہارا بڑا جادوگر ہے جس نے تمہیں بھی جادو کا فن سکھایا ہے۔ تم سب استاد شاگرد اور ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ تم نے آپس کی ملی بھگت سے مجھے دھوکہ دیا ہے۔

فرعون کی دھمکی

کہنے لگا میں تمہیں اس سنگین جرم کی سزا دیئے بغیر نہ چھوڑوں گا فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دوں گا وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ اور میں تمھیں کھجوروں کے تنوں پر سولی لٹکا دوں گا۔ لوگ دیکھیں گے کہ تمھیں کس جرم کی سزا دی گئی ہے تم میرے محکوم ہو کر موسیٰ علیہ السلام کی طرفداری کر رہے ہو۔ لہٰذا تمہیں سولی پر لٹکانے کی سزا بھی دی جائے گی۔ یہ سزا اللہ تعالیٰ نے ڈاکوؤں کے لیے مقرر فرمائی ہے۔ سورۃ مائدہ میں اس سزا کا ذکر موجود ہے اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (آیت ۔ ۳۳) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ برسرپیکار ہوتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہ

ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر لٹکایا جائے یا اُن کے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹے جائیں اور یا انہیں ملک بدر کر دیا جائے۔

العرض! فرعون نے جادوگروں کے لیے سخت ترین سزا تجویز کرنے کی دلیل یہ دی وَلَتَعۡلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبۡقٰى تاکہ تمھیں پتہ چل جائے کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت سزا دینے والا ہے اور کون دیر پا رہنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ فرعون نے جادوگروں کو سخت ترین الفاظ میں دھمکی دی کہ اگر وہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لانے سے باز نہ آئے تو انہیں سخت ترین سزا سے دوچار ہونا پڑے گا۔

جادوگروں کا جواب

جادوگر حق کو پہچان چکے تھے اور اب وہ فرعون کے جال میں دوبارہ پھنسنے کے لیے تیار نہ تھے۔ انہوں نے فرعون کو ترکی بہ ترکی جواب دیا قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَيِّنٰتِ کہنے لگے، ہم تمھیں ہرگز ترجیح نہیں دیں گے اُن واضح دلائل کے آنے پر جو ہمارے پاس آچکے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا قول، فعل، معجزات، اُن کا نورانی چہرہ سب دلائل تھے جن کو جادوگر پہچان کر ایمان لا چکے تھے، اسی لیے انہوں نے فرعون سے کہا کہ اِن حقائق کی موجودگی میں ہم تیری بات نہیں مان سکتے۔ کہنے لگے ایک تو ہم واضح دلائل پر تجھے ترجیح نہیں دے سکتے۔ اور دوسرا یہ کہ وَالَّذِىۡ فَطَرَنَا ہم اُس ذات کے مقابلے میں بھی تجھے ترجیح نہیں دے سکتے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ ہم تیری مجوزہ سزا سے ہرگز نہیں گھبراتے فَاقۡضِ مَاۤ اَنۡتَ قَاضٍ پس تو جو فیصلہ چاہتا ہے کر گزر، ہم ہرگز خوفزدہ نہیں ہوں گے، ہم ہر قسم کی سزا کے لیے تیار ہیں۔ پھر انہوں نے بڑی مدلل بات کی اِنَّمَا تَقۡضِىۡ هٰذِهِ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا تیرا فیصلہ تو اس دنیا کی زندگی تک ہی محدود ہے جسے تو ختم کر سکتا ہے۔ تو بیشک اپنا فیصلہ صادر کر دے، ہم ایمان سے نہیں پھریں گے۔

حضور علیہ السلام نے بعض دیگر سربراہانِ مملکت کی طرح ہرقل والی روم کو بھی نامہ مبارک بھیج کر اسلام لانے کی دعوت دی تھی، یہ خط حضرت دحیہ کلبیؓ کے ذریعے بھیجا گیا۔ جب یہ خط دربار ہرقل میں پیش ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ عرب کے کچھ لوگ یہاں کہیں ہوں تو انہیں بھی حاضر کیا جائے تو ابو سفیان جو اس وقت تجارتی قافلہ کی قیادت کر رہے تھے، ہرقل کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ہرقل نے بہت سے سوال کیے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کیا محمد کے دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص مرتد بھی ہوا ہے۔ تو ابو سفیان نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر ہرقل پکار اٹھا کہ یہ ایمان کی بشاشت ہے جب یہ دلوں میں داخل ہو جاتی ہے، تو پھر ایماندار ایمان سے پیچھے نہیں ہٹتا۔ کوئی خوف یا لالچ اہل ایمان کے ایمان کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ یہ جادوگر جو تھوڑی دیر پہلے تک مقابلہ کر رہے تھے، اللہ اور اس کے رسول کے دشمن بنے ہوئے تھے، اب وہ ایمان میں پختہ ہو چکے تھے۔ وہ یکدم صدیقوں، شہیدوں اور اولیاء اللہ کے درجے میں پہنچ چکے تھے۔

جادو سے توبہ

کہنے لگے اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا بیشک ہم اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو معاف کر دے۔ ہم بڑے بڑے کردہ گناہوں سے تائب ہوتے ہیں۔ اور اس جادو کی چیز سے بھی وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے فرعون سے کہنے لگے کہ تو نے ہمیں مجبور کر کے اللہ کے نبی کے مقابلے میں لا کھڑا کیا، ہم اس بات کی بھی اللہ سے معافی چاہتے ہیں۔ تمہارے نزدیک تو تمہاری سزائیں ہیں اور تم دیرپا ہو مگر یاد رکھو! ہمارے نزدیک وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اللہ تعالیٰ ہی بہتر اور دیرپا ہے۔ انعام بھی اُسی کی طرف سے ہے اور سزا بھی اُسی کی دیرپا ہے۔ ہمیں یقین ہے اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا

لہ بخاری ص۵ ج۱

بیشک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ پس اس کے لیے جہنم تیار ہے اور وہ ایسی بُری جگہ ہے لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى کہ اس میں داخل ہونے والا نہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ زندگی تو راحت سے تعبیر ہوتی ہے جو بالکل نہیں ہوگی اور موت آکر ختم کر دیتی ہے مگر جہنم والے کو موت بھی نہیں آئے گی۔ اسی لیے فرمایا کہ وہ نہ موت ہوگی اور نہ زندگی۔ سزا، دکھ اور تکلیف ہی ہوگی۔ ایسا شخص ہمیشہ ذہنی، روحانی اور جسمانی پریشانی میں مبتلا رہے گا۔

اہل ایمان کے لیے انعام

اس کے برخلاف وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا جو کوئی ایمان کی حالت میں اپنے پروردگار کے حضور پیش ہوگا۔ جو اللہ کی وحدانیت، نبی کی نبوت، کتب سماویہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والا ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ اس نے نیک اعمال بھی انجام دیے ہوں گے۔ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ان کو بلند درجات نصیب ہوں گے اس کے ساتھ ساتھ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ قابل رہائش باغات نصیب ہوں گے جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جنتی لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ وہاں سے کبھی بید خل نہیں کیے جائیں گے یہ نعمت انہیں دائمی طور پر حاصل ہوگی۔ فرمایا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى اور یہ بدلہ اس شخص کے لیے ہے جس نے تزکیہ حاصل کر لیا۔ یہ انعام اس کو ملے گا جس نے اپنے آپ کو کفر، شرک، نفاق، بداخلاقی اور بداعمالی سے بچا لیا۔

جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد ان کے ساتھ جو سلوک ہوا۔ اس کا اللہ نے ذکر نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ فرعون نے انہیں وہی سزا دی ہوگی۔ جس کی اس نے دھمکی دی تھی مگر وہ لوگ ایمان پر قائم رہے۔ اللہ نے

انہیں بلند درجات پر فائز فرمایا اور وہ کامل الایمان ہو کر شہادت کے مرتبے کو پہنچے۔ فرعون اور اس کے حواری ذلیل و خوار ہوئے مگر انہوں نے ایمان قبول نہ کیا، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے خلاف دوسری سازشوں میں مصروف ہو گئے۔ اِن باتوں کا ذکر اگلی آیات میں آئے گا۔

درس یازدہم ۱۱ آیت ۷۷ تا ۷۹

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی طرف کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ۔ پس بناؤ اُن کے لیے راستہ سمندر میں خشک۔ نہ خوف کھاؤ (دشمن کے) پکڑنے کا اور نہ ڈر (ڈوبنے کا) ﴿۷۷﴾ پس پیچھا کیا اُن کا فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ۔ پس ڈھانپ لیا اُن کو دریا کے پانی نے جیسا کہ ڈھانپ لیا (نہایت خطرناک طریق پر) ﴿۷۸﴾ اور گمراہ کیا فرعون نے اپنی قوم کو اور راہِ راست نہ دکھایا ﴿۷۹﴾

ربطِ آیات

جب موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے فرعون کو اللہ کا پیغام پہنچایا۔ اور معجزات بھی دکھائے تو اُس نے اسے جادو سے تعبیر کرتے ہوئے ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا، ہم تمہارے جادو کا مقابلہ اپنے جادوگروں سے کرائیں گے۔ چنانچہ ملک مصر کے بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کیا اور انہیں مقابلے کی ترغیب دی۔ کامیابی کی صورت میں انہیں انعام واکرام دینے اور اپنا مقرب بنانے کا

لالچ بھی دیا۔ پھر جب مقررہ تاریخ پہ جادوگروں نے اپنا کرتب دکھایا تو موسیٰ علیہ السلام نے معجزے کے ذریعے اُسے باطل کر دیا۔ جادوگر سمجھ گئے کہ یہ اللہ کا نبی ہے اور ہم اس کے معجزات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے پروردگار پہ ایمان لائے۔ فرعون اس بات سے سخت سیخ پا ہوا اور جادوگروں کو ڈرایا دھمکایا کہ اگر تم ایمان سے باز نہ آئے تو تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دوں گا اور تمہیں سولی پہ لٹکاؤں گا۔ فرعون نے یہ بھی کہا کہ تم سب موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد اور اس سے ملے ہوئے ہو اور تم نے جان بوجھ کر شکست تسلیم کی ہے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کم و بیش چالیس سال تک حق تبلیغ ادا کرتے رہے۔ اللہ نے آپ کے ہاتھ پہ بہت سے معجزات بھی ظاہر فرمائے جن کا ذکر سورۃ الاعراف میں موجود ہے مگر فرعون اور اس کے حواریوں نے تسلیم کیا بلکہ اسرائیلیوں پہ ان کے مظالم بڑھتے ہی گئے۔ حتیٰ کہ اسرائیلی لوگ پکار اُٹھے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ کے آنے سے پہلے ہم ظلم و ستم کا شکار بنتے تھے اور آپ کے آنے کے بعد بھی ہم اسی عذاب میں مبتلا ہیں، بلکہ ہمارے مصائب میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تسلی دی اور صبر سے کام لینے کی تلقین کی۔ کیونکہ بالآخر اچھا انجام صبر کرنے والوں کا ہی ہوتا ہے۔ فرمایا، اُن کے مظالم کو برداشت کرو، اللہ تعالیٰ کوئی وقت لائے گا۔ جب تمہاری تمام پریشانیاں دُور ہو جائیں گی۔ اُدھر فرعونیوں کا حال یہ تھا کہ جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو زبان سے اقرار کرتے کہ جب یہ تکلیف دُور ہو جائے گی تو ہم اللہ تعالیٰ پہ ایمان لے آئیں گے، مگر جب اللہ تعالیٰ اُن سے وہ مصیبت ٹال دیتا تو پھر انکار کر دیتے اور کہتے کہ اے موسیٰ علیہ السلام! تیری یہ نشانیاں جادو محض ہے جسے ہم تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

اس دوران طویل عرصہ گزر گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے دو ہی مطالبات تھے۔ ایک یہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ اور دوسرا یہ کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دو۔ تاکہ میں انہیں اُن کے اصل وطن شام و فلسطین لے جا سکوں، مگر فرعون اور اس کے حواریوں نے آپ کے دونوں مطالبات مسترد کر دیے۔ فرعونیوں کا فرض تھا کہ وہ معجزات دیکھ کر ایمان قبول کر لیتے مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی کے باعث ایسا نہ کر سکے۔ اس کے برخلاف جادوگروں نے حقیقت کو پا لیا وہ سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیش کردہ نشانیاں کسی انسان کے بس کی بات نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور یہی حقیقت ان کے ایمان لانے کا سبب بنی۔

مصر سے ہجرت

جب فرعون اسرائیلیوں کو آزاد کرنے پر کسی طرح بھی آمادہ نہ ہوا، تو اللہ نے اُن کی آزادی کا پروگرام از خود بنایا اور اس کے لیے تمام ضروری وسائل مہیا فرمائے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی۔ چونکہ بنی اسرائیل کی ہجرت کا وقت آن پہنچا تھا۔ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا۔ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ میرے بندوں یعنی اسرائیلیوں کو لے کر رات کے وقت نکل چلو۔ بنی اسرائیل کے مصر سے خروج سے متعلق تورات میں "خروج" کے نام سے ایک مستقل باب ہے اسرائیلیوں کا کسی تہوار میں جانے کا پروگرام پہلے سے طے شدہ تھا جس کے لیے وہ شہر سے باہر اکٹھے ہوتے تھے۔ اس پروگرام میں شمولیت کے لیے انہوں نے فرعونیوں سے اجازت بھی لے رکھی تھی اور بعض نے اس موقع کے لیے فرعونیوں سے زیورات بھی مستعار لے لیے تھے۔ بنی اسرائیل مقررہ تاریخ پر اپنی تقریب میں شریک ہوئے اور وہیں پر موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ راتوں رات ان کو لے کر سرزمین مصر سے نکل جائیں۔ اسریٰ رات کے سفر کو کہتے ہیں۔ اس کی

مثال واقعہ معراج میں بھی ملتی ہے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (بنی اسرائیل-۱) پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی۔

حضرت یعقوب اور یوسف علیہما السلام کے زمانے میں جب بنی اسرائیل کنعان سے مصر میں داخل ہوئے تھے تو ان کی تعداد ستر، بہتر یا اسی تھی مصر میں آکر وہ خوب بڑھے پھولے، حتیٰ کہ تاریخی روایات کے مطابق چار سو سال کے عرصہ میں اسرائیلیوں کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ ان سب کو ہمراہ لے کر موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔ فرعونی ایک دو دن تک تو یہی خیال کرتے رہے کہ اسرائیلی اپنی تقریب میں شرکت کر رہے ہیں، لیکن پھر احساس ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پروگرام کے مطابق یہ سب لوگ یہاں سے ہجرت ہی نہ کر جائیں۔ فرعون نے فوج اور دیگر امرائے سلطنت کو فوری تیاری اور اسرائیلیوں کے تعاقب کا حکم دیا تاکہ انہیں ہجرت کرنے سے روک کر دوبارہ اپنی غلامی میں لے سکیں جیسا کہ سورۃ الشعرآء میں مذکور ہے بنی اسرائیل چلے جا رہے تھے، سامنے سمندر تھا اور پیچھے فرعون کا لشکر تعاقب کر رہا تھا۔ اسرائیلی فرعون کے مزاج اور اس کے ظلم و ستم سے واقف تھے لہٰذا وہ ان حالات میں سخت پریشان ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُن کو تسلی دی اور فرمایا گھبراؤ نہیں اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ (الشعرآء آیت-۶۲) میرا پروردگار میرے ساتھ ہے۔ ہم اسی کے حکم سے نکلے ہیں، لہٰذا وہ ضرور ہماری راہنمائی فرمائے گا۔

سمندر میں خشک رستہ

جب بنی اسرائیل سمندر کے کنارے پر پہنچے تو آگے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا فَاضْرِبْ لَھُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا اِنَّ

کے لیے سمندر میں خشک راستہ بناؤ۔ ضرب کا معنیٰ مارنا ہوتا ہے۔ اور مطلب یہی تھا کہ اپنی لاٹھی کو پانی میں مارو تو اللہ تعالیٰ تمھارے لیے پانی کے درمیان راستہ بنا دے گا۔ چنانچہ جونہی موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ماری سمندر کا پانی دو لخت ہو گیا اور درمیان میں چلنے کا راستہ بن گیا۔ راستے کے دونوں طرف پانی دیواروں کی شکل میں منجمد ہو گیا جسے سورۃ الشعرآء میں كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ (آیت - ۶۳) کا نام دیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے، اس لحاظ سے بارہ راستوں کا ذکر بھی آتا ہے اور ہر قبیلہ اپنے اپنے مقررہ راستے پر چل رہا تھا۔ بہر حال لاٹھی مارنے سے پہلے راستہ بنا اور پھر ایسی ہوا چلی کہ راستہ خشک ہو کر چلنے کے قابل ہو گیا۔ لاٹھی کے سانپ بن جانے کی طرح سمندر میں خشک راستہ کا بن جانا بھی ایک معجزہ تھا۔ جو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر فرمایا۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ معجزہ یا کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی یا ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اس میں کسی انسان کا دخل نہیں ہوتا کہ جب چاہے کوئی معجزہ یا کرامت ظاہر کر سکے۔

بلا خوف و خطر سفر

اللہ نے فرمایا، ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنائیں اور اس پر چل پڑیں لَا تَخٰفُ دَرَكًا اور دشمن کے ہاتھوں پکڑے جانے کا خوف نہ کھائیں۔ دوسری آیت میں ہے اسرائیلیوں نے سخت خوفزدگی کی حالت میں کہا تھا، اے موسیٰ علیہ السلام! اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعرآء - ۶۱) ہم تو پکڑے گئے چونکہ دشمن سر پر آپہنچا ہے۔ اسی لیے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو زبانی تسلی دی کہ دشمن کی طرف سے مت ڈرو وَلَا تَخْشٰى اور نہ ہی پانی میں ڈوب جانے کا خوف کھاؤ۔ ظاہر ہے کہ اگر پانی میں اترتے ہیں تو غرق ہو جاتے ہیں اور کھڑے رہتے ہیں تو فرعون کے ہاتھوں پکڑے جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو بنی اسرائیل کی حفاظت اور فرعونیوں کی غرقابی منظور تھی لہٰذا فرمایا کہ خوف نہ کھاؤ۔

بنی اسرائیل ان خشک راستوں پر چل پڑے۔ جب فرعون کا لشکر تعاقب کرتا ہوا سمندر کے کنارے پر پہنچا تو اس نے اسرائیلیوں کو سمندر کے بیچوں بیچ چلتے ہوئے پایا، چنانچہ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فرعون بھی اپنے لشکر سمیت اُن کے پیچھے چل پڑا۔ یہ لشکر گھوڑوں اور رتھ گاڑیوں پر سوار تھا، اس میں شاہی خاندان کے افراد، امراء اور باقی لوگ شامل تھے۔
اس لشکر کی تعداد کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں، تاہم فرعونیوں کی تعداد دس بارہ لاکھ سے کم نہ تھی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرعونی لشکر پانچ حصوں یعنی مقدمۃ الجیش، میمنہ، میسرہ، قلب اور ساقہ پر مشتمل تھا اور صرف مقدمۃ الجیش میں سات لاکھ افراد تھے اس سے باقی حصوں کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ بہر حال اللہ نے اس مقام پر اجمالی بات بیان کی ہے۔
اس سے حضور علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی دلانا مقصود ہے کہ وہ دشمن سے خوفزدہ نہ ہوں۔ تکالیف ضرور آئیں گی مگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ سے اسی طرح کامیابی عطا کرے گا۔ جس طرح سخت مصائب برداشت کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی حاصل ہوئی۔

لشکر فرعون کی غرقابی

جب فرعونی لشکر نے دیکھا کہ اسرائیلی سمندر کے درمیان خشک راستے پر چلے جا رہے ہیں، تو انہیں سخت حیرانی ہوئی۔ کچھ توقف کے بعد انہوں نے بھی اسی راستے پر چل کر تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا۔ فرعون آگے آگے تھا۔ سب سے پہلے اس نے اپنا گھوڑا سمندر میں اتارا۔ اس کو دیکھ کر سارا لشکر سمندر میں خشک راستے پر کود پڑا۔ جب فرعونی لشکر درمیان سمندر پہنچا تو اس اثنا میں قوم موسیٰ سمندر کو پار کر چکی تھی۔ پھر اللہ نے پانی کو حکم دیا تو اس کی منجمد دیواریں آپس میں مل گئیں خشک راستہ ختم ہو گیا اور سارا فرعونی لشکر سمندر کی لہروں کی نذر ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ پھر ان کو پانی کی موجوں نے ڈھانپ لیا، جیسا کہ ڈھانپ لیا۔ پھر مت

پوچھو کہ اُن کا کیا حشر ہوا۔ لاکھوں کے لشکر میں سے ایک فرد بھی زندہ نہ بچا۔ البتہ فرعون کی لاش کے متعلق اللہ نے سورۃ یونس میں فرمایا ہے فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً (آیت ۔۹۲) آج ہم تیری لاش کو مع زرہ باہر پھینک دیں گے تاکہ یہ پیچھے آنیوالوں کے لیے باعثِ عبرت ہو۔ یہ لاش آج تک مصر کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ یہ لاش کچھ عرصہ تک برٹش میوزیم میں بھی رکھی گئی مگر بعد میں واپس مصر لے جائی گئی۔

اللہ نے فرعون کے ڈوبنے کی کیفیت کا ذکر بھی کیا ہے کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو اس نے کلمہ پڑھ دیا مگر اس وقت کا ایمان لانا اللہ کے ہاں قبول نہ ہوا۔ اللہ نے فرمایا آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (یونس ۔۹۱) عذاب کو دیکھ کر اب ایمان لاتے ہو جب کہ ساری عمر غنڈہ گردی کرتے رہے ہو۔ اب ایمان لانے کا وقت گزر چکا ہے، لہٰذا تمہیں زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ بلکہ آنے والے لوگوں کے لیے تمہیں عبرت کا نمونہ بنا دیا جائے گا۔

قوم فرعون کی گمراہی

ارشاد ہوتا ہے کہ اس ساری خرابی کا ذمہ دار خود فرعون تھا وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا۔ وہ اُن سے کہتا تھا وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ (المومن ۔۲۹) میں تمہیں ٹھیک راستے پر چلا رہا ہوں، اسی پر چلتے رہو۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی بات نہ ماننا، وہ تمہاری تہذیب کو مٹانا چاہتا ہے اور تمہارے آباؤ اجداد سے آنے والے رسم و رواج کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا وَمَا هَدَىٰ اور انہیں راہِ راست نہ بتلایا۔ فرعون جس راستے کی طرف راہنمائی کر رہا تھا وہ تو تباہی اور ہلاکت کا راستہ تھا۔

جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں فرعون اپنے لشکر کی قیادت کر رہا تھا، اسی طرح قیامت کے دن بھی اپنی قوم کے آگے آگے چلے

گا فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ (ہود۔ ۹۸) اور انہیں لے کر جہنم میں پہنچ جائے گا۔ فرمایا وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ یہ تو بہت ہی برا نوشہ ہے جو اُن کو ملے گا۔ دنیا میں پانی میں غرق ہوئے تو آخرت میں جہنم نصیب ہوگی۔ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ (آیت۔ ۹۹) اس دنیا میں بھی اُن پر لعنت کی گئی اور قیامت کے دن بھی لعنت میں مبتلا ہوں گے۔ اب جو کوئی فرعون کا ذکر کرتا ہے اُس پر اور اُس کے ساتھیوں پر لعنت بھیجتا ہے کہ انہوں نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا مقابلہ کیا مگر ناکام و نامراد ہوئے۔ اور بالآخر جہنم میں پہنچے۔ اللہ نے یہی بات یہاں پر اشارتاً بتلائی ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور انہیں راہِ راست پر گامزن نہ ہونے دیا۔

یہاں تک فرعون کا واقعہ اللہ نے اجمالاً بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تذکرہ آرہا ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اسرائیلیوں اور قبطیوں دونوں اقوام کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے قبطی تو بحر قلزم کی موجوں میں غرق ہو گئے، اب اگلی آیات میں بنی اسرائیل کا تذکرہ ہو رہا ہے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ
جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ
وَالسَّلْوٰى ۝۸۰ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ
وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ
يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝۸۱ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ
لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝۸۲
وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝۸۳ قَالَ هُمْ
اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝۸۴
قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ
السَّامِرِيُّ ۝۸۵

ترجمہ:۔ اے اسرائیل کی اولاد! تحقیق ہم نے نجات دی تم کو تمہارے دشمن سے۔ اور وعدہ کیا تمہارے ساتھ طور کی داہنی طرف کا، اور اتارا ہم نے تم پر من اور سلویٰ (۸۰) کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمہیں روزی دی ہے، اور نہ سرکشی کرو اس میں۔ پس اترے گا تم پر میرا غضب۔ اور جس پر اترا میرا غضب، پس تحقیق وہ ہلاکت میں گر پڑا (۸۱) اور بیشک میں البتہ بہت بخشش کرنے والا ہوں اس کے لیے

جس نے توبہ کی ، اور ایمان لایا ، اور نیک عمل کیا ، اور پھر ہدایت کے راستے پر قائم رہا (۸۲) اور کس چیز نے جلدی میں ڈالا ہے تجھ کو اپنی قوم سے اے موسیٰ ! (۸۳) کہا (موسیٰ نے) یہ آ رہے ہیں میرے پیچھے ۔ اور میں نے جلدی کی ہے تیری طرف اے پروردگار ! تاکہ تو راضی ہو جائے (۸۴) فرمایا (اللہ نے) بیشک ہم نے فتنے میں ڈال دیا ہے تیری قوم کو تیرے بعد ، اور گمراہ کیا ہے اُن کو سامری نے (۸۵)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعہ کا وہ حصہ بیان کیا ہے جس میں انہوں نے فرعون کو خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچایا ، مگر اُس نے اور اُس کے حواریوں نے یہ پیغام قبول نہ کیا بلکہ آخر وقت تک کفر و شرک پر اڑے رہے ۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر راتوں رات مصر سے نکل جائیں ۔ موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی ، مگر آگے بحر قلزم تھا اور پیچھے فرعون تعاقب کر رہا تھا ۔ تو اللہ نے بنی اسرائیل کو معجزانہ طریقے سے سمندر سے پار اُتار دیا ۔ جب فرعون مع لشکر موسیٰ علیہ السلام کے راستے پر سمندر میں داخل ہوا تو اللہ نے پانی کی رُکی ہوئی موجوں کو چھوڑ دیا اور سارا فرعونی لشکر غرق کر دیا ۔ اس مقام پر اللہ نے یہ بات اجمال کے ساتھ بیان فرمائی ہے اور فرعون کی مذمت کی ہے کہ اُس نے اپنی قوم کو گمراہ کیا ۔ وہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں اپنی قوم کو صحیح راستے پر چلا رہا ہوں لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی ۔ اس گمراہی کے باعث سارے فرعونی اس دنیا میں ہلاک ہوئے اور قیامت کو بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے ۔

بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل

اب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے یاد دلایا ہے کہ اُس نے انہیں غلامی سے نجات دلائی اور پھر آگے روحانی اور مادی دو نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے جس کا معنیٰ ہے " اللہ کا بندہ " بنی اسرائیل کی پوری قوم

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھی، اسی لیے وہ اولادِ اسرائیل کہلائی۔ اُدھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بھی بارہ بیٹے تھے۔ اللہ نے اُن کی نسل بھی خوب پھیلائی۔ عرب کے تمام قبائل اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ قوم نہ صرف عرب کی سرزمین میں پھلی پھولی بلکہ یہ لوگ عرب سے باہر بھی پھیل گئے، عراق، شام اور ایران تک عرب قبائل آباد ہو گئے۔

غلامی سے نجات

بہرحال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا ہے۔ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اے اسرائیل کی اولاد! ہم نے تم پر بڑا احسان کیا۔ قَدۡ اَنۡجَیۡنٰکُمۡ مِّنۡ عَدُوِّکُمۡ کہ تمھیں تمھارے دشمن فرعون سے نجات دی۔ تم صدیوں سے فرعونی قوم کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے اور مسلسل تکالیف برداشت کر رہے تھے۔ مشقت کے کام کرتے تھے اور ذہنی اور جسمانی کوفت کا شکار تھے۔ اللہ نے تمھیں غلامی جیسی غیر فطری حالت سے نکال کر آزادی کی فطری حالت میں امن و سکون نصیب فرمایا۔ سورۃ البقرہ میں ہے فَاَنۡجَیۡنٰکُمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ (آیت - ۵۰) ہم نے تمھیں ایسی حالت میں نجات دی کہ تم قومِ فرعون کو اپنی آنکھوں سے ڈوبتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اُن کے دشمن سے نجات دینے کا ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ دشمن ہر طریقے سے ذلیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنے مخالفین کے ساتھ ہمیشہ تحقیر آمیز سلوک کرتا ہے اور ہر طرح سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ آج کی دنیا میں بھی نظر اٹھا کر دیکھ لیں۔ من حیث القوم مسلمانوں کے بیشمار دشمن زمین میں پھیلے ہوئے ہیں جو انہیں سیاسی، معاشی اور علمی رنگ میں ہمیشہ نقصان پہنچانے کے درپے

رہتے ہیں مسلمان اقتصادی اور سائنسی لحاظ سے بڑی طاقتوں کے غلام بن چکے ہیں اور اُن کی خواہش کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ مسلمانوں کو ٹیکنالوجی، مشینری، اس کے پرزے حتیٰ کہ سوچنے کا انداز بھی اپنے غیر مسلم دشمنوں سے مستعار لینا پڑتا ہے۔ یہ اقوام مسلمانوں کی کبھی ہمدرد اور دوست نہیں ہو سکتیں۔ اللہ کا فرمان ہے وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ (البقرہ۔ ۱۲۰)

یہود و نصاریٰ آپ سے کبھی راضی نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ آپ اُن کا دین قبول کر لیں اور اُن کی تہذیب و تمدن کو اختیار کر لیں۔ آگے فرمایا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ہدایت تو صرف اللہ کی ہدایت ہے۔ یہود و نصاریٰ تو گمراہ ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتابوں اور شریعت کو بگاڑ رکھا ہے۔ یہ تو اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم کو انسانی صحیفہ سمجھتے ہیں، بھلا اِن کو آپ کیسے راضی کر سکتے ہیں۔

کتاب دینے کا وعدہ

بہرحال اللہ نے بنی اسرائیل پر اپنے اس انعام کا ذکر کیا کہ اس نے انہیں دشمن سے نجات دی۔ اور پھر دوسرا انعام یہ یاد دلایا وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ اور تم سے وعدہ کیا کوہِ طور کی دائیں جانب کا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ کوہِ طور کوئی زیادہ اونچا پہاڑ نہیں ہے، تاہم اس کی داہنی جانب قدرے بلند ہے تو اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ پہاڑ کی اس جانب آ کر چالیس دن تک اعتکاف کریں تو پھر آپ کو مطلوبہ کتاب عطا کر دی جائے گی۔ دراصل کتاب کی خواہش حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی قوم کی فرمائش پر کی تھی۔ جب یہ قوم فرعون کی غلامی سے آزاد ہو کر صحرائے سینا میں پہنچی تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ مصر میں تو ہم فرعون کے غلام تھے، نہ وہاں ہماری کوئی تہذیب تھی اور نہ کوئی قانون جس پر از خود عمل کر سکتے۔ اب ہم

آزاد ہیں لہذا اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ ہمارے لیے قانون کی کوئی کتاب نازل کرے جس پر ہم عمل پیرا ہوسکیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے درخواست اللہ کی بارگاہ میں پیش کی تو حکم ہوا کہ اپنی قوم کے بعض سرکردہ آدمیوں کو لے کر کوہِ طور کی داہنی سمت میں آجاؤ۔ وہاں پر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاؤ۔ پہلے تیس دن کی مدت مقرر کی اور پھر اسے بڑھا کر چالیس دن کر دیا۔ تو فرمایا ایسا کرو گے تو میں تمہیں تورات یعنی قانون عطا کروں گا جس پر بنی اسرائیل عمل پیرا ہو کر دنیا اور آخرت میں فلاح پاسکیں گے۔ چنانچہ چالیس دن کے اعتکاف کے بعد اللہ نے تورات عطا فرمائی جس کی تفصیلات سورۃ اعراف اور بعض دوسری سورتوں میں موجود ہیں۔ اسی کتاب کے عطا کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تم سے طور کی داہنی جانب کا وعدہ کیا۔

کتاب اللہ بطور روحانی نعمت

تورات ایک روحانی نعمت تھی جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو عطا فرمائی۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ کتاب عطا کرنے کے بعد اللہ نے بنی اسرائیل سے اس کتاب پر عمل کرنے کا پختہ عہد لیا تھا مگر اسرائیلیوں نے اس میں کمزوری دکھائی۔ اللہ نے فرمایا وَاِذۡ نَتَقۡنَا الۡجَبَلَ فَوۡقَهُمۡ (اعراف - ۱۷۱) اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر معلق کر دیا اور فرمایا کہ اب کتاب پر عمل کرنے میں پس و پیش کرتے ہو۔ پختہ عہد کرو۔ ورنہ یہ پہاڑ تمہارے سروں پر گرا دیا جائے گا۔ سورۃ البقرہ میں بھی ہے وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ (آیت - ۹۳) ہم نے کوہِ طور تمہارے سروں پر بلند کر دیا اور حکم دیا کہ اس عطا کردہ کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ چنانچہ اسرائیلیوں نے پھر پختہ عہد کیا کہ ہم اس کتاب پر عمل پیرا رہیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روحانی انعام تھا مگر اسرائیلیوں نے اس کی قدر نہ کی۔

آج مسلمانوں کے پاس بھی اللہ کی عظیم الشان کتاب قرآنِ حکیم موجود ہے

مگر مسلمانوں میں صحیح ایمان موجود نہیں جس کی وجہ سے نہ اِن کے اذہان صحیح ہیں۔ اور نہ کتاب کے ساتھ حقیقی عقیدت موجود ہے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ قربِ قیامت میں لَا یَبْقٰی مِنَ الْکِتٰبِ اِلَّا رَسْمُہٗ کتاب اللہ کے محض نقوش ہی باقی رہ جائیں گے، اس کی تعلیم، تفہیم اور اس پر عمل ختم ہو جائے گا۔ قرآنِ پاک میں اولین اور آخرین کا علم موجود ہے، صحیح احادیث میں اس کی تشریح بھی موجود ہے، مگر مسلمان ہیں کہ اس کے علوم و معارف کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے۔ اسی لیے تو اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر اس کتاب کو مضبوطی سے نہیں پکڑو گے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ (المرسلٰت۔ ۵۰) تو پھر اس کے بعد کون سی کتاب آئے گی۔ جس پر ایمان لاؤ گے، یہ تو اللہ کی آخری کتاب ہے اور اس کے بعد رسالت اور کتبِ سماویہ کی آمد کا سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس میں دنیا اور آخرت کی فلاح کا رازِ پنہاں ہے اس کتاب کا دعویٰ ہے ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْہِ (البقرہ۔ ۲) کہ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ اس کے ذریعے تقویٰ اختیار کرنے والوں کی صحیح راہنمائی ہوتی ہے، منافق اس سے کوئی استفادہ نہیں کر سکتے۔ مگر یہ ہماری بدقسمتی کی انتہا ہے کہ اس عظیم نعمت کی موجودگی میں ہم اس کے فیوض و برکات سے محروم ہیں۔ دنیا میں لاتعداد قانون بنتے ہیں جن میں ہزاروں خامیاں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے قانون میں ترمیم کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے امریکہ ہو یا برطانیہ، روس ہو یا جرمنی، چین ہو یا جاپان قانون میں تبدیلی مسلسل جاری رہتی ہے۔ یہ صرف مسلمان ہیں کہ قرآن کریم کی صورت میں ایسا قانون موجود ہے جو پاکیزہ اور اٹل ہے اور اس میں کبھی تغیر و تبدل کی ضرورت پیش نہیں آتی، یہ قیامت تک کے لیے یکساں طور پر کارآمد قانون ہے۔ جو انسان کی دنیوی اور اُخروی فلاح کا ضامن ہے۔

مسلمانوں کی ذہنی غلامی

آج دنیا میں مسلمانوں کی ذہنی غلامی کا یہ حال ہے کہ ان میں ملی شعور تک باقی نہیں رہا۔ یہ نہ تو اپنے ذہن سے پروگرام بنا سکتے ہیں اور نہ اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ ان کے تمام پلان (منصوبے) امریکہ، روس یا انگریز کے ذہن کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اور ان کی تمام سکیموں میں ایک مشترک قدر یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو اقتصادی، سیاسی اور تعلیمی غلامی میں جکڑا جائے۔ آج ملک میں کوئی ایسا پلان موجود نہیں جو ملک میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری کا سدباب کر سکے اور مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دے۔ ہر سال خسارے کا بجٹ بنتا ہے اور ملک مقروض سے مقروض تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ کوئی مسیحا آج تک پیدا نہیں ہوا جو ملک کو غیر اقوام کی اقتصادی اور ذہنی غلامی سے آزاد کرا سکے۔ کتنی ذلت کی بات ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی نظام بھی بین الاقوامی پابندیوں سے آزاد نہیں۔ کہنے کو تو ہم آزاد ملک کے آزاد باشندے ہیں مگر بدترین قسم کی ذہنی غلامی میں جکڑے ہوئے ہیں۔ کاش کہ مسلمان اللہ کی کتاب سے راہنمائی حاصل کرتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کو مشعل راہ بناتے خلفائے راشدین کے دور والے پروگرام بناتے۔ مگر یہ سب کچھ بھول کر ہم نے اغیار کو ہی اپنا ہادی و راہنما تسلیم کر لیا ہے اور ہر معاملے میں انہی کی رائے کو صائب سمجھتے ہیں۔ یہودیوں، عیسائیوں اور اشتراکیوں نے ہمارے اذہان کو اس قدر ماؤف کر دیا ہے کہ اب ہم انہی کے دماغ سے سوچتے اور انہی کے پروگرام پر عمل کرتے ہیں۔

من و سلویٰ بطور مادی نعمت

کتاب کی روحانی نعمت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مادی نعمت کا ذکر کیا ہے جو اس نے بنی اسرائیل کو عطا فرمائی۔ یہ لوگ مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں پہنچے تو ان پر غلامی کے اثرات ابھی تک موجود تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ تم جہاد کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں شام و فلسطین کی سرزمین دوبارہ عطا کر دے گا۔ مگر یہ لوگ غلامانہ ذہن کی وجہ سے اس قدر پست ہو چکے تھے کہ جہاد کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے فرمایا فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ

عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (المائدہ - ۲۶) سرزمین شام فلسطین ان پر چالیس سال تک حرام قرار دے دی گئی ہے۔ یہ اسی صحرا میں سرگرداں پھرتے رہیں گے، لہٰذا اے موسیٰ! آپ اس فاسق قوم پر کچھ افسوس نہ کریں۔ بنی اسرائیل اس صحرا میں نظربند ہو کر سزا بھگت رہے تھے مگر اللہ نے اس حالت میں بھی اُن کو اپنے انعامات سے نوازا۔

اس لق و دق صحرا میں بنی اسرائیل کے لیے اولین مسئلہ پانی اور خوراک کا تھا۔ اُن کو لباس کی ضرورت تھی، جب یہ لوگ مصر سے نکلے تھے تو اللہ نے عرصہ تک اُن کے مصری لباسوں کو اُن کے جسموں پر قائم رکھا اور معجزانہ طور پر اُن کو پھٹنے سے محفوظ رکھا۔ چھ سات لاکھ کی آبادی کے لیے رات کو روشنی کا انتظام کیا۔ پانی کے لیے بارہ چشمے جاری کر دیے۔ اور خوراک کے لیے فرمایا وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى اے بنی اسرائیل! ہم نے تم پر مَن اور سلوٰی نازل فرمایا۔

مَنّ کا لفظی معنی احسان ہوتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام تھا کہ اُس نے بنی اسرائیل کے لیے بغیر مشقت کے روزی کا سامان پیدا کر دیا۔ یہاں پر مَن سے مراد ترنجبین جیسا شکر کا ایک مادہ ہے۔ جو بنی اسرائیلی بستیوں میں بارش کی صورت میں نازل ہوتا تھا۔ یہ لوگ اُسے اکٹھا کر لیتے جو ان کی بہترین خوراک بنتا۔ انسانی جسم کی نشو و نما کے لیے دو بنیادی چیزیں ضروری ہیں۔ ایک شکر اور دوسری لحمیات۔ اطبّائ کہتے ہیں کہ ایک تندرست آدمی کے لیے سات سو کیلوری حرارت کی ضرورت ہوتی ہے جو اُس کے جسم میں موجود شکر سے پوری ہوتی ہے۔ آپ جو بھی خوراک استعمال کرتے ہیں وہ معدے اور جگر میں جا کر شکر انگوری میں تبدیل ہو جاتی ہے اور پھر خون میں شامل ہو کر انسانی جسم کی توانائی کو برقرار رکھتی ہے۔ اگر جسم

میں شکر کا نظام خراب ہو جائے تو ذیابیطس (SUGAR شوگر) کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے انسانی جسم کی شکر کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں اور وہ گھل گھل کر ختم ہو جاتا ہے۔ الغرض ! اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے ان کی خوراک کی ایک بنیادی ضرورت من نازل کر کے پوری کر دی۔

خوراک کا دوسرا لازمی جزو لحمیات (پروٹین) ہیں جسے اللہ نے سلویٰ کی شکل میں مہیا فرمایا۔ سلویٰ بٹیر کی قسم کا ایک جانور تھا۔ ہوا انہیں غول در غول بنی اسرائیل کی بستیوں کے قریب لے آتی تھی۔ اور پھر یہ لوگ انہیں پکڑ کر خوراک بنا لیتے تھے۔ تمام حلال جانوروں اور پرندوں میں سے لطیف ترین گوشت بٹیر کا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہی پرندے بنی اسرائیل کو میٹھے بٹھائے بھیج دیتا تھا، وہ انہیں پکڑ کر ذبح کرتے اور اپنی خوراک بنا لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خوراک بھی اسی طرح مفت مہیا فرمائی جس طرح خودرو کھنبیاں ہوتی ہیں جو بہار اور برسات کے موسم میں بغیر محنت کے خود بخود اگ آتی ہیں اور لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اَلْكَمْأَةُ مِنَ الْمَنِّ وَمَآؤُهَا شِفَآءٌ لِّلْعَيْنِ یعنی کھنبیاں من ہی کی قسم سے ہیں جن کا پانی آنکھوں کی امراض کے لیے شفا بخش ہے کھنبیاں پکا کر بطور سالن بھی استعمال کی جاتی ہیں اور ان کا ذائقہ بھی گوشت سے ملتا جلتا ہے۔ تو اللہ نے سلویٰ نازل فرما کر بنی اسرائیل کے لیے گوشت کا بندوبست بھی کر دیا۔ اگر پاکیزہ گوشت میسر آجائے تو انسان کی تسلی ہو جاتی ہے اللہ نے اہل بہشت کے متعلق فرمایا ہے وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (الواقعہ۔ ۲۱) کہ ان کو پرندوں کا من پسند گوشت حاصل ہو گا۔ الغرض ! اللہ تعالیٰ نے سلویٰ کا انتظام بھی کر دیا۔

خوراک کا بندوبست کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا كُلُوْا مِنْ

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں روزی دی ہے وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ اور اس معاملہ میں سرکشی اختیار نہ کرو۔ اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہ کرنا کیونکہ اگر ایسا کرو گے فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ تو تم پر میرا غضب اترے گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ خدا کی نعمتوں کی ناقدری کر کے، خدا کی کتاب کی توہین کر کے اور بدعملی کا مظاہرہ کر کے تم بچ جاؤ گے۔ نہیں بلکہ ایسا کر کے میرے غضب کو دعوت دینا ہے وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى اور جس پر میرا غضب نازل ہوا، وہ ہلاکت کے گڑھے میں جا گرا۔ ایسا شخص ذلت اور عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔

ایمان اور اعمالِ صالحہ

آگے اللہ نے تصویر کا دوسرا رخ بھی واضح فرمایا وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا بیشک میں بہت بخشنے والا ہوں اس شخص کو جس نے کفر، شرک اور معاصی سے توبہ کر لی۔ اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت، رسالت، ملائکہ، کتب سماویہ اور قیامت پر ایمان لے آیا۔ اس کے بعد اس شخص نے نیک اعمال بھی انجام دیے۔ ایسے نیک اعمال جن کی شریعت مطہرہ تصدیق کرتی ہے اور خود انسانی عقل بھی انہیں اچھا ہی سمجھتی ہے۔ فرمایا ثُمَّ اهْتَدٰى پھر ایسا شخص ہدایت کے راستے پر قائم رہا۔ اس نے مغضوبین اور مقہورین کا راستہ اختیار نہ کیا۔ سچے دل سے تائب ہوا، ایمان لایا اور اعمال صالحہ انجام دیے تو ایسے شخص کے لیے میری بخشش کے دروازے کھلے ہیں۔ ہدایت کے راستے پر قائم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان تادمِ مرگ صحیح راستے پر چلتا رہا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر ۹۹) اپنے پروردگار کی اطاعت و عبادت میں مصروف رہو، یہاں تک کہ تجھے موت آجائے۔

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر آنے کی دعوت دی تو

آپ کے دل میں اللہ سے محبت کا اتنا اشتیاق پیدا ہوا کہ باقی لوگوں کو ہمراہ لے جانے کی بجائے فوری طور پر اکیلے ہی چلے آئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے استفسار آیا وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى۔ اے موسیٰ علیہ السلام! تجھے اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ کر جلدی چلے آنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟ تو عرض کیا قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وہ لوگ تو میرے پیچھے پیچھے ہی آ رہے ہیں۔ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى اے پروردگار! میں نے تیری طرف آنے میں جلدی اس لیے کی ہے تاکہ تو راضی ہو جائے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کا حکم ملتے ہی جلدی جلدی تیار ہو گئے اور انہوں نے ذرا بھی دیر نہ کی۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ اللہ کے حکم کی جتنی جلدی تعمیل ہو گی، اللہ اتنا ہی راضی ہو گا۔

قَالَ اللہ نے فرمایا فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ اے موسیٰ! ہم نے تیرے چلے آنے کے بعد تیری قوم کو فتنے میں ڈال دیا۔ آگے آ رہا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جانے کے لیے تیار ہوئے تو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ آپ کے جانے کے بیس دن بعد سامری کا واقعہ پیش آ گیا اور اُس نے قوم کو شرک میں مبتلا کر دیا۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ اسی واقعہ کے متعلق اللہ نے یہاں اشارۃً فرمایا ہے وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو سامری نے گمراہ کر کے اُن سے بچھڑے کی پوجا کرائی اور اس طرح انہیں شرک میں مبتلا کر دیا۔

درس سیزدہم ١٣ آیت ٨٦ تا ٨٩

فَرَجَعَ مُوسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ
يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ۚ اَفَطَالَ
عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا
مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ
الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ
لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ
وَاِلٰهُ مُوسٰى ۬ۚ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ
اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۬ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ ع ١٣

ترجمہ :- پس لوٹے موسیٰ اپنی قوم کی طرف غضبناک ، اندوہناک
کہنے لگے اے میری قوم کے لوگو ! کیا تم سے تمہارے پروردگار
نے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا ؟ کیا دراز ہو گئی تم پر مدت یا
ارادہ کیا تم نے کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کی
طرف سے ، پھر تم نے خلاف کیا میرے وعدے کا ﴿٨٦﴾
وہ کہنے لگے کہ ہم نے نہیں خلاف کیا آپ کے وعدے
کا اپنے اختیار سے لیکن ہم سے اٹھوائے گئے قوم کی زینت
کے بوجھ - پس ہم نے اُن کو پھینک دیا تھا - پس اسی طرح

ڈالا سامری نے (۸۷) پس نکالا ان کے لیے بچھڑا ، ایک جسم تھا
جس کے لیے بچھڑے کی آواز تھی ۔ انہوں نے کہا ، یہ ہے
تمہارا معبود اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ۔ پس وہ بھول گیا (۸۸)
کیا نہیں دیکھتے یہ کہ وہ نہیں لوٹاتا اُن کی طرف بات کا
جواب ، اور نہیں مالک ان کے لیے نقصان اور نہ نفع
کا (۸۹)

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو بحر قلزم میں غرق کرنے کا واقعہ بیان کیا ، پھر بنی اسرائیل کو اپنی عطا کردہ نعمتیں یاد دلائیں ۔ اِن میں روحانی نعمت اللہ کی کتاب تورات تھی جو بنی اسرائیل کی اپنی خواہش کے مطابق انہیں عطا کی گئی اللہ کے حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام نے چند منتخب آدمیوں کے ہمراہ کوہِ طور پر چالیس دن اعتکاف کیا تو اللہ نے یہ نعمت عطا کی ۔ اِسی دوران میں اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ اطلاع بھی دی کہ اُن کی قوم سامری کی تحریک پر بچھڑے کی پوجا جیسے قبیح فعل میں مبتلا ہو چکی ہے ۔

سامری کون تھا

سامری کی شخصیت کے متعلق مفسرین کرام نے مختلف باتیں بیان کی ہیں ۔ بعض کہتے ہیں یہ شخص شمال کی طرف سے آنے والے قبائل میں سے سمیری قبیلے کا ایک فرد تھا ، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایران کے صوبہ کرمان کا رہنے والا تھا ۔ بعض اس کا تعلق منگول نسل کے ساتھ جوڑتے ہیں کہ شمال کی طرف سے یہی لوگ آئے تھے بعض مفسرین کا خیال یہ ہے کہ سامری شام کی ایک بستی سامرہ کا رہنے والا تھا اور اسی نسبت سے سامری کہلاتا تھا

لیکن بعض مفسرین کا قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ شخص بنی اسرائیل ہی کا ایک فرد تھا ، بلکہ بعض تو اسے موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد یا خالہ زاد بھائی بتلاتے ہیں مگر یہ آپ پر ایمان نہیں رکھتا تھا ۔ اگرچہ اپنی قوم میں ملا جلا ہوا تھا مگر منافق آدمی تھا ۔ امام ابن جریرؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے یہ تفسیری روایت بیان کی ہے کہ اس شخص کا اصل نام

موسیٰ بن ظفر تھا جب کہ اللہ کے نبی موسیٰ بن عمران تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی پرورش اللہ نے غیر معمولی طریقے پر فرعون کے گھر میں کی تو اس موسیٰ یعنی سامری کی پرورش کسی غار میں ہوئی۔ جب یہ بنی اسرائیل کے کسی گھر میں پیدا ہوا تو فرعونی حکم کے مطابق اس کے بھی قتل کیے جانے کا ڈر تھا، لہذا اس کی ماں اس کو کسی غار میں پھینک آئی کہ شاید اسی طریقہ سے اس کی جان بچ جائے۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی پرورش حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے کی۔ جبرائیل اپنی دو انگلیاں اس کے منہ میں ڈالتے تھے جن میں سے ایک انگلی سے دودھ اور دوسری سے شہد نکلتا تھا جو اس نوزائیدہ بچے کی خوراک بنتا تھا بعض تین انگلیوں کا ذکر کرتے ہیں کہ اس تیسری انگلی سے مکھن برآمد ہوتا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق کسی شاعر نے بڑی پتے کی بات کی ہے ؎

مُوسَى الَّذِي رَبَّاهُ جِبْرِيلُ كَافِرٌ
وَمُوسَى الَّذِي رَبَّاهُ فِرْعَوْنُ مُرْسَلٌ

جس موسیٰ کی پرورش جبریل علیہ السلام نے کی، وہ تو کافر ہوا، مگر جس موسیٰ کی پرورش فرعون کے ہاتھوں ہوئی اُس کو رسالت کا مرتبہ عطا ہوا۔ بہر حال یہ شخص اسرائیلیوں میں سے ہی تھا اور انہیں میں ملا ہوا تھا۔ اس کی مثال شیطان کی ہے جو جن ہو کر فرشتوں میں ملا ہوا تھا۔ اور جس کے متعلق اللہ نے وضاحت فرمادی كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ط (الکھف۔ ۵۰) جس طرح شیطان نے موقع ملنے پر اپنی کرتوت ظاہر کی اور فرشتوں کی صحبت سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا بلکہ مردود ٹھہرا، اسی طرح سامری بھی بنی اسرائیل سے تعلق کے باوجود موقع ملنے پر اپنی خباثت سے باز نہ آیا اور لوگوں کو بچھڑے کی پوجا پر لگا دیا۔ اور اس طرح ہمیشہ کے لیے ملعون ٹھہرا۔

موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے دورانِ اعتکاف ہی اطلاع دے دی

تھی کہ آپ کی قوم فتنے میں مبتلا ہو چکی ہے۔ چنانچہ جب چالیس دن کی مدت پوری ہوئی فَرَجَعَ مُوسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا تو واپس لوٹے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف اس حالت میں کہ وہ غصے سے بھرے ہوئے اور غمگین تھے۔ آپ نے آکر دیکھا کہ لوگ بچھڑے کی پوجا کر رہے ہیں تو سخت ناراض ہوئے۔ سورۃ اعراف میں بھی گذر چکا ہے اور آگے بھی آرہا ہے کہ اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر بڑی خفگی کا اظہار کیا کہ اُن کی موجودگی میں قوم شرک میں مبتلا ہو گئی ہے۔ قوم کو بھی سخت ڈانٹ ڈپٹ کی کہ تم نے یہ کیا کام شروع کر دیا ہے۔ توحید کا سبق دینے والے اللہ کے نبی کے لیے یہ بات واقعی اندوہناک تھی کہ اُن کی چند دن کی علیحدگی کے دوران ہی قوم گناہ میں مبتلا ہو گئی۔ اللہ کے نبی کے لیے اس سے بڑھ کر کیا غم ہو سکتا تھا کہ اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والے ہزاروں لوگ شرک جلی میں مبتلا ہو جائیں۔

ہر اہلِ ایمان کے لیے یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ کوئی شخص اُس کے سامنے دینِ حق کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔ مگر آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ معاشی بدحالی کی وجہ سے بنگلہ دیش کے دس لاکھ مسلمان عیسائیت قبول کر چکے ہیں۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ نہ انفرادی حیثیت سے مسلمان ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ حکومتی سطح پر ایسے بے بس لوگوں کو کوئی تعاون حاصل ہوتا ہے۔ دراصل اس وقت دنیا کی سپر پاورز نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو بے بس کر رکھا ہے جس کی وجہ سے کوئی بھی ایک دوسرے کی مدد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ ہمارے اس پاکستان میں بہت سے لوگوں کو عیسائی اور بعض کو مرزائی بنا لیا گیا ہے مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ دنیا میں عیسائیت نے وسیع جال پھیلا رکھا ہے۔ اُدھر دہریت بھی منہ کھولے مسلمانوں کو ہڑپ کر جانا چاہتی ہے جو کہ مسلمانوں کے لیے بہت بڑا حادثہ ہے۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام

کا اپنی قوم کے خلاف غضب اور افسوس فطری امر تھا۔

خدائی غضب کو دعوت

قوم کی یہ حالت دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کا ردِّ عمل یہ تھا۔ قَالَ يٰقَوْمِ فرمایا اے میری قوم کے لوگو! اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا کیا تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ وعدہ تو یہی تھا کہ اپنے منتخب آدمیوں کے ساتھ کوہِ طور پر چالیس دن تک عبادت و ریاضت میں مصروف رہو تو تمھیں تمھاری مطلوبہ کتاب عطا کروں گا۔ چنانچہ اس وعدے کے مطابق ہم طور پر چلے گئے اور پھر تم نے پیچھے کیا گل کھلائے فرمایا اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ کیا تم پر کوئی زمانہ دراز گزر گیا تھا۔ کہ تم شرک میں مبتلا ہو گئے۔ کل چالیس دن کی مدت میں سے صرف بیس دن میں ہی تم بگڑ گئے اور بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ فرمایا کیا مدّت دراز ہو گئی تھی، اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یا تم نے جان بوجھ کر یہ ارادہ ہی کر لیا تھا کہ تم پر خدا تعالیٰ کا غضب اترا ہے تم نے تو خود اللہ کے غیظ و غضب کو دعوت دی ہے۔ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ پس تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ میں نے تمہیں تاکید کی تھی کہ راہِ راست پر قائم رہنا اور توحیدِ خداوندی کا دامن نہ چھوڑنا میں نے ہارون علیہ السلام کو بطور نائب بھی تمہارے پاس چھوڑا، اور میں نے صاف کہا تھا وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (الاعراف۔ ۱۴۲) کہ فسادیوں کی راہ پر نہ چلنا مگر تم تو حد سے تجاوز کر گئے اور میری بات پر عمل نہ کیا۔

بچھڑے کی مجسمہ سازی

موسیٰ علیہ السلام کی ملامت کے جواب میں قَالُوْا اُن لوگوں نے کہا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا اے موسیٰ (علیہ السلام)! ہم نے آپ کے ساتھ کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی۔ ملک کا لفظ تین قرأتوں سے کیا جاتا ہے۔ یعنی مُلک

مُلک اور مِلک ۔ مِلک اور مِلک کا معنیٰ کسی چیز کا قبضہ اور تصرف ہوتا ہے جبکہ مُلک کا معنیٰ بادشاہی ہے ۔ تاہم اس مقام پر ملک سے مراد اختیار اور طاقت ہے ۔ کہنے لگے ہم نے وعدے کی خلاف ورزی خود بخود نہیں کی ۔ بات یہ ہے وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ بلکہ ہم سے قوم کی زینت کے بوجھ اٹھوائے گئے ۔ اوزار جمع وزر ہے جس کا معنیٰ بوجھ یا گناہ ہوتا ہے ۔ اس سے مراد وہ زیورات ہیں جو مصر سے چلتے وقت اسرائیلیوں نے قبطیوں سے تقریب میں شرکت کے لیے مستعار لیے تھے ۔

پھر کیا ہوا ، کہنے لگے فَقَذَفْنٰهَا ہم نے ان زیورات کو پھینک دیا چونکہ ان کے مالک قبطی لوگ غرق ہو چکے تھے ، اس لیے یہ ان کو واپس نہیں کیے جا سکتے تھے اور نہ ہی ان کا استعمال ہمارے لیے جائز تھا ، لہٰذا ہم نے ان زیورات کو کسی جگہ دفن کر دیا یا پھینک دیا تاکہ یہ استعمال میں نہ آسکیں ۔ فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ اور اسی طرح سامری نے بھی ان کو پھینک دیا ۔ اس کے بعد سامری کے شیطانی ذہن نے کام کیا ۔ اس نے ان تمام زیورات کو جمع کیا ، سناروں کا کام تو جانتا ہی تھا فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا اس نے ان زیورات کو ڈھال کر بچھڑے کی ایک صورت بنا ڈالی وہ بچھڑا کیا تھا ؟ جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ایک مجسمہ تھا جس سے بچھڑے کی سی آواز نکلتی تھی ۔ جب اسرائیلیوں نے سونے کے بنائے ہوئے بچھڑے کو بولتے ہوئے دیکھا فَقَالُوْا تو کہنے لگے هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود تو یہ ہے ۔ فَنَسِيَ پس موسیٰ علیہ السلام بھول کر طور پر کہاں چلے گئے ہیں ؟

مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بات بنی اسرائیل کے بعض بیوقوف اور غالی قسم کے لوگوں نے کی تھی ، ورنہ سمجھدار لوگ ایسی بات نہ کر سکتے تھے ۔ مفسرین یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جب بچھڑے سے آواز نکلتی تھی تو یہ

لوگ اُس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے تھے بعض رقص کرتے اور کئی دوسری بیہودہ حرکات کرتے۔ اس طرح سامری کی تحریک پر یہ لوگ شرک کی لعنت میں گرفتار ہو گئے۔

اس آیت کریمہ میں زیورات کو بوجھ اور گناہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان کا استعمال اسرائیلیوں کے لیے جائز نہ تھا۔ کیونکہ وہ قبطیوں سے عاریتاً لائے تھے مگر اُن کو واپس نہ کر سکے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ زیورات اسرائیلیوں نے مانگ کر نہیں لیے تھے بلکہ جب فرعونی غرق ہوئے تو اللہ کے حکم سے سمندر نے اُن کے زیورات باہر پھینک دیئے تھے جو ان کو بطور غنیمت حاصل ہوئے۔ مگر پہلی قوموں میں مالِ غنیمت کا استعمال بھی جائز نہیں تھا، یہ صرف آخری امت کے لیے اللہ نے جائز قرار دیا ہے۔ مال غنیمت کے متعلق پہلی قوموں کے لیے دستور العمل یہ تھا کہ وہ سارا مال اکٹھا کر کے کسی ٹیلے پر رکھ دیتے تھے جسے آگ آ کر خاکستر کر دیتی تھی۔ بہرحال قبطیوں کے زیورات کو گناہ اور بوجھ اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کا استعمال اسرائیلیوں کے لیے روا نہیں تھا۔

گائے پرستی

دراصل اسرائیلی، بچھڑے کی پوجا پر اس لیے آسانی سے مائل ہو گئے کہ گائے پرستی پرانی اقوام مشمولہ مصریوں میں قدیم زمانے سے رائج تھی اور اسرائیلی اس سے واقف تھے۔ اِس برصغیر میں بھی ہندو گائے کو مقدس جانور سمجھ کر اس کی پوجا کرتے ہیں، حتیٰ کہ اس کے پیشاب اور گوبر کو بھی نہ صرف پاک سمجھتے ہیں بلکہ ناپاک کو پاک بنانے والا مادہ سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان ہندوؤں کے باورچی خانے میں چلا جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمان کے ہاتھ یا پاؤں لگنے سے یہ جگہ ناپاک ہو گئی ہے، چنانچہ اُس کی طہارت کے لیے اس پر گائے کے گوبر کا لیپ کرتے ہیں۔ بہرحال اس تصور کے پس منظر میں جب بچھڑے کے مجسمے سے بچھڑے کی آواز نکلی تو اسرائیلی اُس پر

لٹو ہو گئے اور اُسے معبود تسلیم کر لیا۔ انسانی دماغ کی کمزوری اور اُس کی بے عقلی کی یہ انتہا ہے کہ جب ماننے پر آتا ہے تو بچھڑے کو معبود بنا لیتا ہے اور جب انکار کرتا ہے تو اللہ کے نبیوں کو بھی جھٹلا دیتا ہے۔ اللہ نے یہاں پر بچھڑے کے متعلق اجمالاً بات کی ہے۔ اس کے دوسرے اجزاء آگے آ رہے ہیں۔

بچھڑے کے پجاریوں پر اظہار تاسف کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ہے۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا کیا یہ بیوقوف لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے کہ یہ بچھڑا اِن کی بات کا جواب بھی نہیں دیتا۔ وَلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اور نہ اُن کے لیے کسی نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہے اس جاہل قوم نے اِس کو کیسے معبود تسلیم کر لیا، جو نہ خالق ہے، نہ قدرت تامہ کا مالک ہے، نہ عالم الغیب ہے، نہ اِن کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے۔ یہ صفات تو خداوند تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں، لہٰذا معبودِ برحق وہی ہے۔ ایسے ہی کفار و مشرکین کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ (الانفال۔۲۲) اِن کی مثال گونگے بہرے بدترین جانوروں کی ہے جو عقل سے خالی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ شرک عقلاً بھی درست نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی جنگل یا پہاڑ کی چوٹی پر ہو جہاں کسی نبی یا مبلغ کا گذر نہ ہو، تو اس سے نماز روزے وغیرہ کی پوچھ تو نہیں ہوگی، لیکن اگر اُس نے شرک کیا تو پکڑا جائے گا کیونکہ اللہ نے اُسے عقل جیسی نعمت عطا کی ہے جسے بروئے کار لا کر وہ اپنے اردگرد پھیلے ہوئے دلائل قدرت کو دیکھ کر اللہ کی وحدانیت کو پہچان سکتا تھا۔ اگر اُس نے اپنی عقل کو صحیح استعمال نہیں کیا اور شرک میں مبتلا ہو گیا تو قابلِ مؤاخذہ ہو گا، کیونکہ خدا کی توحید کو عقلی طور پر ماننا بھی ضروری ہے۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا
فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا
اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى
يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ
رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾
قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ
خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾

ترجمہ :- اور البتہ تحقیق کہا اُن کے لیے ہارون علیہ السلام نے اس سے پہلے ، اے میری قوم کے لوگو! بیشک تم (بچھڑے کی وجہ سے) فتنے میں مبتلا کر دیے گئے ہو۔ اور بیشک تمہارا پروردگار خدائے رحمٰن ہی ہے پس میرا اتباع کرو ، اور میرے حکم کی تعمیل کرو (۹۰) انہوں نے کہا ہم ہرگز نہیں ٹلیں گے ، اِسی پر رُکے رہیں گے یہاں تک کہ واپس آئیں ہماری طرف موسیٰ علیہ السلام (۹۱) (جب موسیٰؑ واپس آئے) انہوں نے کہا ، اے ہارونؑ! کس چیز نے روکا تجھ کو جب تو نے دیکھا اِن کو گمراہ ہوتے (۹۲) کہ تم میرے پیچھے نہ آئے۔ کیا تم نے

میرے حکم کی نافرمانی کی (۹۳) کہا (ہارونؑ نے) اے میری ماں
کے بیٹے! نہ پکڑو میری داڑھی کو اور نہ سر کو۔ میں نے
خوف محسوس کیا کہ تم کہو گے کہ تم نے پھوٹ ڈال دی
ہے بنی اسرائیل کے درمیان۔ اور تو نے انتظار نہیں کیا میری
بات کا (۹۴)

ربطِ آیات

اِس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر جانے اور تورات لانے کا ذکر ہو چکا ہے۔ آپ کی غیر حاضری میں سامری نے سونے کا بچھڑا بنا ڈالا اور قوم کو شرک میں مبتلا کر دیا۔ اللہ نے اُن کی بے عقلی کا ذکر کیا کہ بچھڑے کے مجسمے سے کرشماتی آواز سُن کر اُسی پر لٹو ہو گئے اور اسے معبود تسلیم کر لیا حالانکہ وہ نہ تو کسی بات کا جواب دے سکتا تھا اور نہ کسی نفع و نقصان کا مالک تھا۔ اب آج کی آیات میں ہارون علیہ السلام کی طرف سے قوم کو تبلیغ اور موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر ہارون علیہ السلام کو سرزنش کا بیان ہے اس کے ساتھ ہارونؑ کے عذر کا ذکر بھی ہے جو انہوں نے اپنی برادۃ میں موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔

ہارون علیہ السلام کی تبلیغ

موسیٰ علیہ السلام کی کوہِ طور پر موجودگی کے دوران ہارون علیہ السلام نے حق نیابت ادا کرتے ہوئے لوگوں کو سمجھانے کی حتی الامکان کوشش کی مگر وہ لوگ بچھڑے کی پوجا میں ملوث ہو گئے۔ اسی واقعہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ موسیٰ علیہ السلام کی کوہِ طور سے واپسی سے قبل ہارون علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھایا اور فرمایا يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ اے میری قوم! تم اِس بچھڑے کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو چکے ہو، اور کفر و شرک کا فتنہ تو بہت بڑا فتنہ ہے۔ پھر ہارون علیہ السلام نے اُن کو حکیمانہ طریقے سے نہایت نرمی کے ساتھ فرمایا وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ تمہارا پروردگار تو خدائے رحمٰن ہے، تم نے بچھڑے کو معبود کیسے بنا لیا ہے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمٰن کا ذکر کیا گیا ہے

جس کی رحمتوں کی بارش تم پر ہر آن ہو رہی ہے۔ مگر تم نے خدائے رحمان کی بجائے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ہے یہ کتنی زیادتی کی بات ہے، آپ نے قوم سے یہ بھی فرمایا فَاتَّبِعُوْنِیْ تم میرا اتباع کرو، میرے نقش قدم پر چلو، میری بات مانو اور بچھڑے کی پوجا نہ کرو۔ نبی مامور من اللہ ہوتا ہے جس کا اتباع فرض ہوتا ہے۔ سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آیت - ۳۱) اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دیگا۔ نبی کے اتباع سے خدا کا قرب اور اُسکی محبت نصیب ہوتی ہے۔ چونکہ ہر نبی کا اتباع ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے ہارون علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ میری پیروی کرو، میرے راستے پر چلو وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِیْ اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی نیابت میرے سپرد کر گئے ہیں۔ اُن کی نیابت میں نظامِ شریعت اور نظامِ حکومت دونوں شامل ہیں، لہٰذا اُن کی غیر حاضری میں میری اطاعت تمھارا فرض ہے۔ نیابت کے متعلق سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے فرمایا اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (آیت - ۱۴۲) میرے بعد میری قوم میں میری خلافت کا حق ادا کرنا، ان کی اصلاح کرنا، اور فسادیوں کے راستے پر نہ چلنا۔ اسی فرض کی ادائیگی کرتے ہوئے ہارون علیہ السلام نے لوگوں کو شرک کی نجاست سے بچانے کی ہر چند کوشش کی مگر قوم نے آپ کی بات پر کان نہ دھرا بلکہ کہنے لگے قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ ہم ہرگز نہیں ٹلیں گے بلکہ اسی (شرک) پر جمے رہیں گے حَتّٰى يَرْجِعَ

اِلَیۡنَا مُوۡسٰی یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے پاس واپس آجائیں۔
قوم نے صاف کہہ دیا کہ جب تک موسیٰ طور سے واپس نہیں آجاتے ہم تمہاری بات ماننے کو تیار نہیں بلکہ اسی طرح اپنے نظریے پر قائم رہیں گے۔ عکوف کا معنی رک جانا یا ٹھہر جانا ہوتا ہے۔ اعتکاف بھی اسی مادے سے ہے لوگ خانہ خدا میں رُک جاتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کر کے اپنے گناہوں کی معافی حاصل کر سکیں۔ بہرحال بنی اسرائیل کے لوگوں نے ہارون علیہ السلام کی بات ماننے کی بجائے ان کیساتھ سختی سے پیش آنا شروع کر دیا۔

تورات میں تحریف

یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ قرآن پاک کے مطابق بچھڑے کی پوجا کا فتنہ سامری نے شروع کیا تھا جس کا اصل نام موسیٰ بن ظفر تھا اور جس کا تفصیلی تذکرہ کل کے درس میں ہو چکا ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ موجودہ تورات میں اس واقعہ کو غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے جس سے اصل تورات میں تحریف کی واضح نشان دہی ہوتی ہے۔ موجودہ تورات میں طلائی بچھڑا سازی اور اُسے معبود بنانے کے عمل کو سامری کی بجائے ہارون علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے (العیاذ باللہ) بائیبل میں بعض دوسری تحریفات کا پتہ بھی چلتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں کے کہنے پر گھر میں بت رکھے اور اسی طرح بت پرستی کا ارتکاب کیا۔ آپ تو اللہ کے نبی اور صاحب صحیفہ رسول ہیں، آپ سے بت پرستی کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے؟ یہ سب یہودیوں اور عیسائیوں کی تحریفات ہیں۔ جو انہوں نے اللہ کی کتابوں میں کی ہیں۔ اللہ کے نبیوں کے متعلق بائیبل میں بعض دیگر بداخلاقی کی باتیں بھی داخل کر دی گئی ہیں جن کی قرآن پاک صراحت کے ساتھ تردید کرتا ہے۔ اللہ کے پاک نبی ایسی خرافات سے بالکل پاک تھے۔

ہارون علیہ السلام کو سرزنش

جب موسیٰ علیہ السلام طور سے واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ خود

سامنے بچھڑے کے گرد جمع ہیں، کوئی سجدہ کر رہا ہے کوئی رقص کر رہا ہے اور کوئی اس کے سامنے مناجات کر رہا ہے۔ ایسی بے ہنگم حالت دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو سرزنش کی۔ اُن کا خیال تھا کہ شاید بھائی نے حقِ نیابت ٹھیک طور سے انجام نہیں دیا جس کی وجہ سے قوم شرک میں مبتلا ہو گئی ہے۔ قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا اے ہارون! تجھے کس چیز نے روکا جب کہ تو نے قوم کو گمراہ ہوتے دیکھا اَلَّا تَتَّبِعَنِ کہ تم میرے پیچھے نہ آئے۔ جب تم نے دیکھا کہ قوم شرک میں مبتلا ہو رہی ہے تو تم نے فوراً آکر مجھے خبر دار کیوں نہ کیا اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ کیا تو نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی ہے؟ میں نے تو تجھے کہا تھا کہ میری غیر موجودگی میں لوگوں کی اصلاح کرنا اور مفسدین کے راستے پر نہ چلنا، مگر یہاں تو شرک جیسا قبیح فساد برپا ہے تم نے اسے کیونکر برداشت کیا، اور میرے پاس نہ آئے؟ موسیٰ علیہ السلام چونکہ جلالی طبیعت کے آدمی تھے، انہیں اپنے بھائی پر اس قدر غصہ آیا کہ اُن کی داڑھی اور سر کے بالوں کو پکڑ کر يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ (اعراف ۱۵۰) اپنی طرف کھینچا۔

ہارون علیہ السلام کا عذر

اس سرزنش کے جواب میں قَالَ ہارون علیہ السلام نے کہا يَبْنَؤُمَّ اے میری ماں کے بیٹے! ظاہر ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام آپس میں حقیقی بھائی تھے۔ اگرچہ عمر میں ہارون علیہ السلام بڑے تھے مگر اللہ نے مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ عطا فرمایا تھا۔ تو ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو "بھائی" کی بجائے "ماں کے بیٹے" کہہ کر مخاطب کیا تاکہ اُن میں جذبہ ترحم پیدا ہو اور اُن کا غصہ ٹھنڈا ہو۔ پھر کہا لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ بھائی! میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑو یعنی مجھ پر سختی نہ کرو۔ بلکہ اس معاملہ میں

میرا عذر تو سن لو کہ میں آپ کے پیچھے کیوں نہ چلا آیا۔ کہنے لگے کہ میں نے تو ان لوگوں کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ بے شک یہ قوم تو مجھے کمزور سمجھتے ہوئے قتل کرنے کے درپے تھی۔ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ (اعراف۔۱۵۰) آپ میری سرزنش کرکے دشمنوں کو خوش نہ کریں، یہ کہیں گے کہ دیکھو بھائی بھائی آپس میں لڑ پڑے ہیں، لہٰذا آپ میری معذرت پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور اس کے بعد کوئی کاروائی کریں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں آپ کے پیچھے اس وجہ سے نہیں آیا اِنِّیْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ مجھے ڈر تھا کہ آپ یوں نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفرقہ ڈال دیا ہے ظاہر ہے کہ اگر میں قوم کی شکایت لے کر آپ کے پاس آتا تو کچھ لوگ میری حمایت کرتے اور کچھ اِن مشرکین کی پارٹی میں شامل ہو جاتے اور اس طرح قوم دو واضح گروہوں میں بٹ جاتی۔ میں ان کو اکٹھا رکھنے کے خیال سے آپ کے پاس نہیں آیا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ یہ بھی نہ کہہ دیتے وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ کہ تو نے میرے حکم کا انتظار نہیں کیا یعنی بغیر اجازت کیوں آ گئے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اجتہادات مختلف تھے۔ ہارون علیہ السلام کا اجتہاد یہ تھا کہ انہیں قوم کے درمیان رہ کر ہی اُن کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے، اُن کا خیال تھا کہ اگر میں اِن سے علیحدہ ہو گیا تو شاید پھر قوم کی اصلاح کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔ برخلاف اس کے موسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد یہ تھا کہ جب قوم اس قدر بیہودگی پر کمربستہ ہو گئی تھی تو ہارون علیہ السلام کو اُن سے علیحدگی اختیار کر لینی چاہیئے تھی۔

بہر حال ہارون علیہ السلام نے یہ عذر پیش کیا کہ میں نے قوم میں تفریق کے خوف سے اُن سے علیحدہ ہونا پسند نہ کیا۔ اب ایک طرف شرک ہو رہا تھا اور دوسری طرف قوم میں تفرقہ بازی کا ڈر تھا مگر ہارون علیہ السلام نے فرقہ بندی کے مقابلے میں شرک کو برداشت کر لیا کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ اکٹھے رہ کر اِن کو سمجھاتے بجھاتے رہیں گے تو معاملہ درست ہو جائے گا۔ اور قوم شرک سے باز آ جائے گی۔ اور اگر اُن سے علیحدہ ہو جاتے تو اصلاح کا امکان بالکل ہی ختم ہو جاتا ہے۔

ہارون علیہ السلام نے پارٹی بازی کو پسند نہ کیا کیونکہ یہ بہت بڑی لعنت ہے۔ اِس وقت دنیا بھر کے مسلمان سیاسی اور مذہبی پارٹی بازی کا شکار ہیں، جس کی وجہ سے اِن کی ساکھ ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ پارٹی بازی ملکی ہو یا بین الاقوامی دونوں تباہ کن ہیں۔ ایک پارٹی دوسری پارٹی کی جائز بات بھی سننے کے لیے تیار نہیں ہوتی اور "مخالفت برائے مخالفت" کے نظریہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے ہارون علیہ السلام نے تفرقہ بازی کو قبول نہ کیا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر نبی اور رسول تھے مگر انہوں نے بھائی کی اس قدر تذلیل کیوں کی کہ انہیں سر اور داڑھی سے پکڑ کر گھسیٹا۔ یہ تو بظاہر گناہ معلوم ہوتا ہے جس کی توقع اللہ کے نبی سے نہیں کی جا سکتی۔ دراصل گناہ کا ارتکاب نیت اور ارادے سے ہوتا ہے۔ اگر ارادہ نہ ہو تو یہ گناہ نہیں بلکہ خطا یا نسیان ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے بھائی کی جو تحقیر کی تھی، ان کی یہ ناراضگی اللہ کی خاطر تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید ہارون علیہ السلام سے کوتاہی ہوئی ہے۔ اور جو ناراضگی اللہ کی رضا کے لیے کی جائے وہ گناہ میں شمار نہیں ہوتی۔

اس قسم کی صورت حال موسیٰ علیہ السلام کو ایک قبطی کے قتل کے معاملہ میں بھی پیش آئی تھی۔ آپ سے قتل ضرور ہوا تھا مگر آپ کی نیت یا ارادہ قتل کا

نہیں بلکہ اسرائیلی کو ظلم سے نجات دلانے کا تھا۔ وہاں بھی قتل کرنا ظاہری طور پہ سخت گناہ کا کام تھا مگر حقیقت میں ایسا نہیں تھا کیونکہ آپ نے ارادۃً یہ قتل نہیں کیا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو بھی اس قسم کے حالات سے گزرنا پڑا انتیس ۲۹ سال تک کے طویل وعظ و نصیحت کرنے کے باوجود جب آپکی قوم راہِ راست پہ نہ آئی اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا (الانبیاء۔ ۸۷) تو غصے میں آ کر قوم سے علیحدہ ہو گئے۔ آپ کا یہ غصہ بھی اپنی ذات کے لیے نہیں تھا بلکہ خدا تعالیٰ کے لیے تھا کہ قوم کو سمجھاتے ہوئے اتنا طویل عرصہ ہو گیا ہے مگر ان کی سمجھ میں کوئی بات آتی ہی نہیں۔ یہ لوگ کفر و شرک سے باز نہیں آتے۔ تو یونس علیہ السلام کی لغزش بھی گناہ کے زمرے میں نہیں آتی اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بھائی کو سرزنش کرنا بھی کوئی گناہ کی بات نہیں تھی کیونکہ انہوں نے یہ کام اللہ کی خاطر ناراضگی کی وجہ سے کیا تھا۔ پھر جب ہارون علیہ السلام کا عذر آپ پہ واضح ہو گیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے معافی کی درخواست بھی پیش کر دی اور عرض کیا رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ (الاعراف۔ ۱۵۱) اے پروردگار! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر لے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا
لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ
فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾ قَالَ فَاذْهَبْ
فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ
لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ
ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي
الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾

ترجمہ :- کہا (موسیٰ علیہ السلام نے) پس کیا حال ہے تیرا اے سامری ﴿٩٥﴾ اُس نے کہا کہ میں نے دیکھا اس چیز کو جس کو دوسروں نے نہیں دیکھا، پس میں نے بھر لی ایک مٹھی رسول (جبرائیل علیہ السلام) کے قدم سے، پس میں نے اُس کو ڈال دیا اور اس طریقے سے آمادہ کیا مجھے میرے نفس نے ﴿٩٦﴾ کہا (موسیٰؑ نے) دُور ہو جاؤ۔ پس بیشک تمہارے لیے دنیا میں (یہ سزا ہے) کہ تم کہو گے "مت چھوؤ" اور بیشک تیرے لیے ایک وعدہ ہے۔ ہرگز نہیں ہو گا اُس کے خلاف۔ اور دیکھ تو اپنے اِس معبودؑ کی طرف جس پر تو جھک گیا تھا۔ ہم اس کو ضرور جلائیں گے، پھر ہم اس

کو ضرور اڑائیں گے سمندر میں اڑانا (۹۷) بیشک تمہارا معبود
وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ
وسیع ہے ہر ایک چیز پر علم کے اعتبار سے (۹۸)

ربط آیات

موسیٰ علیہ السلام کتاب لے کر کوہِ طور سے واپس آئے تو قوم کو شرک میں مبتلا دیکھ کر سخت برہم ہوئے۔ پہلے اپنے بھائی کو سرزنش کی لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو بے قصور ہیں۔ انہوں نے تو افہام و تفہیم کی پوری کوشش کی تھی مگر قوم نہ مانی اور الٹا اُن کے قتل کے درپے ہوئے۔ ہارون علیہ السلام نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ایمان والوں کو ساتھ لے کر باقی قوم سے الگ ہو جائیں اور کوہِ طور کی طرف چل دیں۔ انہیں خطرہ تھا کہ جماعت میں ایسا تفرقہ پیدا ہو جائے گا جس کی اصلاح ناممکن ہو جائے گی۔ بہرحال جب موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بھائی کی بے گناہی کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے اور بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی کہ اللہ تعالیٰ اُن دونوں کو معاف کر دے۔

سامری کی کرشمہ سازی

ہارون علیہ السلام کی سرزنش کے بعد موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ اطلاع تو آپ کو طور پر ہی اللہ نے بذریعہ وحی دے دی تھی کہ آپ کی قوم کو فتنے میں ڈال دیا گیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے سامری سے خطاب کیا قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ فرمایا، کیا حال ہے تیرا اے سامری! یعنی تم نے بچھڑا بنا کر گمراہی کا یہ سلسلہ کیوں شروع کیا؟ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر نبی اور خلیفہ وقت بھی تھے لہٰذا انہیں باز پرس کا پورا حق تھا۔ اس کے جواب میں قَالَ سامری نے کہا کہ بچھڑا سازی کی وجہ یہ بنی بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ میں نے وہ کچھ دیکھا جو دوسرے لوگ نہ دیکھ سکے فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ پس میں نے مٹھی بھر لی رسول (جبرائیل) کے نقشِ قدم سے۔ فَنَبَذْتُهَا پس میں نے اس کو ڈال دیا اس بچھڑے کے اندر۔ وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ کہنے لگا کہ میرے نفس نے مجھے اس چیز پر آمادہ کیا۔ بعض اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ مجھے وہ

بات سوجھی جو دوسروں کو نہیں سوجھی تھی۔ میں نے پہلے تو رسول کا اتباع کیا مگر پھر چھوڑ دیا، اور میرے نفس نے اسی طریقے سے مجھے آمادہ کیا تھا، چنانچہ میں نے یہ بچھڑا بنا ڈالا۔

تاہم عام مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں پر رسول سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ سامری نے گھوڑے کے نقشِ پا سے کچھ مٹی اٹھالی تھی جسے اس نے سونے سے بنائے ہوئے بچھڑے میں ڈال دیا تو اس سے یہ کرشمہ معرضِ وجود میں آگیا اور بچھڑے سے آواز آنے لگی۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جس سونے کا بچھڑا بنایا گیا وہ اسرائیلیوں کے پاس قبطیوں کی امانت تھا اور اسرائیلیوں کا اس پر کوئی حق نہ تھا۔ اُدھر جب اس سونے پر جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے پاؤں کی بابرکت مٹی پڑی تو حق و باطل کے اختلاط سے یہ کرشمہ بن گیا۔ اس میں سے زندہ بچھڑے کی سی آواز آنے لگی۔

سامری نے یہ مٹی کیسے حاصل کی؟ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جب فرعونی لشکر موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں بحر قلزم پر پہنچا تو اس وقت وہ سمندر کے خشک راستے پر اترنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا جو انسانی شکل میں گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ انہوں نے اپنا گھوڑا سمندری راستے پر ڈال دیا جسے دیکھ کر فرعون اور اس کا لشکر بھی سمندر میں اُتر گیا۔ سامری قریب کھڑا دیکھ رہا تھا کہ جس جگہ پر جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کا قدم لگتا ہے۔ وہاں جگہ سرسبز ہو جاتی تھی۔ اس نے جان لیا کہ یہ کوئی غیر معمولی چیز ہے چنانچہ اس نے گھوڑے کے نقشِ قدم سے مٹھی بھر مٹی اٹھا کر اپنے پاس محفوظ رکھ لی جو بعد میں سونے کے بچھڑے کے منہ میں ڈالی تو وہ بولنے لگا۔

بعض مفسرین سامری (موسیٰ بن ظفر) کی غیر معمولی پرورش کے واقعہ

کی طرف بھی گئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سامری کی پیدائش پر فرعون کے خوف سے اُس کی ماں سامری کو غار میں پھینک آئی تھی۔ وہاں پر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا۔ وہ آکر اس کے منہ میں تین انگلیاں ڈالتے تھے، ایک میں سے دودھ، دوسری میں سے شہد اور تیسری انگلی میں سے مکھن نکلتا تھا۔ جس سے سامری کی پرورش ہوئی۔ تو بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ سامری نے غار میں قیام کے دوران جبرائیل کی کوئی خصوصیت دیکھ کر اِن کے قدموں کی مٹی حاصل کر لی ہو، اور پھر یہ مٹی سونے کے بچھڑے میں ڈال دی ہو جس سے وہ بولنے لگا۔ تاہم عام مفسرین بحرِ قلزم میں جبرائیل کے گھوڑے کے نقش پا والی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔

اگلی بات میں مفسرین کا قدرے اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ مذکورہ مٹی ڈالنے سے سونے کا بنا ہوا بچھڑا فی الواقع گوشت پوست کا بنا ہوا زندہ بچھڑا بن گیا تھا اور اُس کی فطرتی آواز آنے لگی تھی۔ البتہ دوسرے مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ بچھڑے کی ہیئت نہیں بدلی تھی، وہ بدستور سونے کا مجسمہ تھا مگر اُس میں سے آواز بچھڑے کے بولنے کی آرہی تھی۔ قرآن پاک کے ظاہری الفاظ اسی نظریہ کی تائید کرتے ہیں۔ اس بچھڑے کے لیے جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچھڑے کی شکل و صورت کا ایک ڈھانچہ تھا جس سے بچھڑے کے بولنے کی آواز آتی تھی۔

سامری کی دنیوی سزا

سامری کا جرم اس قدر سنگین تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اُسے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا کہ اسمیں خاص مصلحت تھی۔ اس کی مثال جنگ حنین میں بھی ملتی ہے جس شخص نے اعتراض کیا تھا، وہ واجب القتل تھا حضرت خالدؓ نے عرض کیا کہ حضور!

اجازت دیں تو میں اس شخص کی گردن اڑا دوں، آپ نے فرمایا، ایسا نہ کرو، اس کی اولاد اور پیروکاروں میں سے ایسے گمراہ لوگ نکلیں گے جو ایسی نمازیں پڑھیں گے کہ تم ان کے مقابلے میں اپنی نمازوں کو ہیچ سمجھو گے ہمسلمانوں والی شکل وصورت ہو گی مگر وہ اسلام سے اس طرح نکل چکے ہوں گے، جس طرح تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے۔

جس طرح حضور علیہ السلام نے اس شخص کے قتل کی اجازت نہ دی اسی طرح سامری کو بھی چھوڑ دیا گیا، البتہ اس کو دنیا اور آخرت دونوں جگہ سزا ملی۔ دنیوی سزا کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا قَالَ فَاذْهَبْ چلا جا، دور ہو جا فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ بیشک تیرے لیے اس دنیا میں سزا یہ ہے اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ کہ تو لوگوں سے کہتا پھرے گا۔ مجھے مت چھونا۔ تم پر ایک وحشت طاری ہو جائے گی اور تم انسانیت کے دائرہ سے نکل کر وحشی بن جاؤ گے۔ اِدھر اُدھر بھاگتے پھرو گے، ہر قریب آنے والے شخص سے کہو گے کہ میرے قریب نہ آنا اور مجھے ہاتھ نہ لگانا، وجہ یہ تھی کہ جو شخص سامری کو ہاتھ لگا دیتا تھا یا وہ کسی شخص کو چھو لیتا تھا تو دونوں کو شدید قسم کا بخار ہو جاتا تھا۔ دنیا میں چھوت چھات کی بیماری اسی سامری کے ذریعے پھیلی، اس بیماری کا موجد یہی شخص تسلیم کیا جاتا ہے۔

سامری کی اخروی سزا

یہ تو اس کی دنیوی سزا کا ذکر تھا، اب اخروی سزا کے متعلق فرمایا وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا اور تمہارے لیے ایک وعدہ ہے لَّنْ تُخْلَفَهٗ جس کی ہرگز خلاف ورزی نہیں ہوگی، یعنی یہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس وعدے سے مراد آخرت کا وعدہ ہے۔ جب قیامت کو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔ تو یہ وعدہ اس وقت سزا کی صورت میں پورا ہوگا، شاہ عبدالقادرؒ کا یہی قول ہے۔ اور شاید

اس وعدے سے دجال کا خروج بھی مراد ہو کیونکہ دجال یہود میں سے ہوگا اور سامری کے فساد کی تکمیل کرے گا۔

مجسمے کے ساتھ سلوک

اُدھر بچھڑے کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے فرمایا وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ذرا اپنے اس معبود کی طرف تو دیکھو جس پر تم جھکے پڑے تھے، اس کو معبود مان کر اس کے سامنے سجدہ اور رقص کرتے تھے۔ دیکھو! ہم اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ فرمایا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ہم اسے جلا ڈالیں گے ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا پھر ہم اس کی راکھ کو سمندر میں اڑا دیں گے یعنی بکھیر دیں گے۔ پھر اس مجسمے کے ساتھ یہی سلوک کیا گیا۔ اس کو آگ میں جلا کر راکھ بنا دیا گیا اور پھر اس راکھ کو دریاؤں میں بہا دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس بچھڑے کے متعلق مفسرین کی دو رائیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سامری کے مٹی ڈالنے سے یہ گوشت پوست کا بنا ہوا سچ مچ کا بچھڑا بن گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ مجسمہ ہی تھا مگر اس سے بچھڑے جیسی آواز آتی تھی۔ اگر وہ گوشت پوست کا بچھڑا بن گیا ہو تو اس کا جلانا آسان تھا کہ ایسے واقعات دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں، اور اگر وہ طلائی بچھڑا ہی تھا تو اس کا برادہ بنا کر جلا دیا گیا ہوگا۔ اگرچہ اس پہ زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ بہرحال اُسے جلا کر راکھ کر دیا گیا۔

شعارِ شرک کی تردید

قرآن پاک کے ان الفاظ سے ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس سونے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ نہ تو دوبارہ زیورات میں تبدیل کیا، نہ اس کے سکے بنا کر تقسیم کیے اور نہ کسی دوسری صورت میں اس سے استفادہ کیا۔ بلکہ اُسے جلا کر ضائع کر دیا، حالانکہ حضور علیہ السلام نے نَهٰى عَنْ اِضَاعَةِ الْمَالِ مال کو یونہی ضائع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ محققین اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ جب مال کے

ضیاع میں شعارِ کفر و شرک کی تذلیل پائے، وہ مال حقیقت میں ضائع نہیں ہوتا۔ چونکہ یہاں پر شرک کے شعار کی تذلیل مقصود تھی۔ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا، لہٰذا اس کی تذلیل و تحقیر کر کے اُسے ضائع کر دینا اس کے دنیوی طور پر مستفید ہونے سے بہتر تھا۔ چنانچہ اگر کسی قیمتی سے قیمتی بت کو بھی توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا جائے۔ تو یہ درست ہے۔ اس طرح کوئی تصویر خواہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو اُسے پھاڑ کر ضائع کر دینا چاہیئے۔ اسی طرح کپڑے وغیرہ کی بنائی ہوئی گڑیوں کا بھی یہی حکم ہے کہ انہیں جلا کر راکھ کر دو۔ اس طرح کا ضیاع جائز ہے خود حضور علیہ السلام نے بھی تمام بت پاش پاش کر دیئے۔ آپ نے ان کے پیتل تانبے یا سونے چاندی کا کوئی دوسرا مصرف نہیں نکالا بلکہ سب کو توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا۔ رافضیوں کے بنائے ہوئے تعزیے اور ذوالجناح بھی اسی تعریف میں آتے ہیں اور ضائع کرنے کے قابل ہیں، خواہ اُن پر کتنی بڑی رقم ہی کیوں نہ صرف ہوئی ہو اور اُن کی بعض چیزیں قابلِ استعمال ہی کیوں نہ ہوں۔

معبودِ برحق

فرمایا تمہارا معبود یہ بچھڑا نہیں بلکہ اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ تمہارا معبود تو وہ معبودِ برحق ہے کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ حقیقی معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو نفع نقصان اور قدرتِ تامہ کا مالک ہے۔ بھلا بچھڑا جو تمہاری کسی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ وہ معبود کیسے بن گیا؟ اور اس کا انجام تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جلا کر اس کی راکھ بھی پانیوں میں بکھیر دی گئی۔ جو خود اپنی ذات کی حفاظت نہیں کر سکا، وہ تمہیں کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے اور کیسے معبود بن سکتا ہے؟

فرمایا وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اُس معبودِ حقیقی کا علم تو ہر چیز پر حاوی ہے۔ وہ علیمِ کل ہے، خالق اور مربی ہے، نافع اور ضار ہے۔ وہی ہر چیز کا متصرف ہے۔ لہذا اُس کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنانا تو بڑی حماقت کی بات ہے، پھر اس بچھڑے کی وجہ سے اس کے پجاریوں کو بڑی خفت اٹھانا پڑی۔ اِن مشرکوں کی توبہ کی قبولیت کے لیے ان کے واسطے قتل کی سزا مقرر ہوئی۔ اللہ کے نبی ہارون علیہ السلام نے کھڑے ہو کر خدا کی حد اُن پہ جاری کی، چنانچہ بنی اسرائیل میں سے اہلِ ایمان نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے مشرک رشتہ داروں کو قتل کیا اور اس طرح ہزاروں اسرائیلی مارے گئے۔ اس طرح اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی اور وہ آخرت کے عذاب سے بچ گئے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ
اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۖۚ ﴿٩٩﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ
يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ﴿١٠٠﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ
لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي
الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۙ﴿١٠٢﴾
يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾
نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ
ع ٥ ١٥ ١٤ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۧ﴿١٠٤﴾

ترجمہ :- اسی طریقے سے ہم بیان کرتے ہیں آپ پر خبریں اُن کی جو پہلے گزرے ہیں۔ اور تحقیق ہم نے دیا آپ کو اپنی طرف سے ایک نصیحت نامہ ﴿٩٩﴾ جس نے اعراض کیا اِس سے، بیشک وہ اٹھائے گا قیامت والے دن بوجھ ﴿١٠٠﴾ ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ اور بُرا ہے ان کے لیے قیامت والے دِن کا بوجھ ﴿١٠١﴾ جس دِن کہ پھونکا جائیگا صور میں، اور ہم اکٹھا کریں گے مجرموں کو۔ اُس دِن نیلگوں آنکھوں والے ﴿١٠٢﴾ چپکے چپکے سے آپس میں بات کریں گے (اور کہیں گے) نہیں ٹھہرے تم مگر دس دِن ﴿١٠٣﴾ ہم خوب جانتے ہیں اُس بات

کو جو وہ کہتے ہیں۔ جب کہے گا اُن میں سے زیادہ بہتر طریقے والا کہ نہیں ٹھہرے تم مگر ایک دن (۱۰۴)

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے واقعہ کے سلسلے میں سامری کا ذکر کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے کتاب لیکر کوہِ طور سے واپس آئے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اللہ کی توحید کو ماننے والے بعض لوگ شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں وہ لوگ سونے کے بنے ہوئے بچھڑے کی پوجا کرنے لگے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو ڈانٹ ڈپٹ کی کہ تمہاری موجودگی میں قوم کیسے گمراہ ہو گئی؟ جب انہوں نے اپنی صفائی پیش کر دی تو موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف متوجہ ہوئے اُس نے بچھڑا سازی کا سارا واقعہ بیان کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُسے دھتکار دیا، اور فرمایا کہ جاؤ تمہیں اس جرم کی دنیا میں بھی سزا ملے گی اور تم چھوت چھات کی لعنت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ جب بھی کوئی شخص تمہیں مس کرے گا، وہ خود بھی تپ میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور تمہیں بھی کر دے گا۔ نیز فرمایا کہ وعدے کے مطابق تمہیں آخرت میں بھی ضرور سزا ملے گی۔

سونے کے مجسمے کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم اس کو چورا چورا کر کے جلا کر راکھ کر دیں گے اور بچھڑے سے پانی میں بہا دیں گے۔ تاکہ شرک کے اس شعار کی تذلیل ہو اور لوگ دیکھ لیں کہ ان کے خود ساختہ معبود کا کیا حشر ہوا ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے خبردار کیا کہ تمہارا معبودِ برحق اللہ تعالیٰ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے۔ قادرِ مطلق، خالق، مالک، مربی، مدبر اور متصرف فی الامور ہے۔ وہ نبیوں کو مبعوث کرتا ہے، اُن پر کتابیں نازل کرتا ہے اور خیر و شر کے انجام سے آگاہ کرتا ہے۔ اس کا علم محیط اور قدرت تام ہے، لہٰذا معبود ہونے کا حق بھی صرف اسی کو حاصل ہے۔ جو کوئی مخلوق میں سے کسی کو معبود بنائے گا، وہ شرک میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کی ناکامی کا منہ دیکھے گا۔ ایسے شخص کو تائب ہو کر

توحید خداوندی پر ایمان لے آنا چاہیئے۔

پہلے لوگوں کا حال

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں سابقہ اقوام کی سرکشی کے حالات بیان کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو آگاہ کیا ہے کہ وہ سرکش لوگوں کے برخلاف اپنے مشن کو جاری رکھیں۔ نیز انہیں نافرمان لوگوں کے انجام سے نصیحت پکڑنی چاہیئے کہ کہیں اُن کے نقش قدم پر چل کر یہ بھی ناکامی کا منہ نہ دیکھیں۔ چونکہ سابقہ اقوام کے حالات کا علم بجز وحی الٰہی ممکن نہیں اور وحی انبیاء پر نازل ہوتی ہے، لہٰذا اس میں ضمناً نبوت و رسالت کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ معاد اور نزول کتاب کے مضامین بھی آ گئے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ جس طرح ہم نے اِس مقام پر موسیٰ، ہارون علیہما السلام اور فرعون کا حال بیان کیا ہے، اسی طرح ہم آپ پر اُن لوگوں کی خبریں بیان کرتے ہیں جو اِن سے پہلے گزر رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تو نسبتاً قریبی زمانہ ہے ہم اس سے پہلی اقوام کا حال بھی بیان کرتے ہیں کہ انہیں اللہ کے نبی کس طرح پیغام حق پہنچاتے رہے اور انہوں نے اس کا کیا جواب دیا اور پھر اُن کا کیا حشر ہوا۔ اس قسم کے واقعات کا بیان کرنا معجزہ ہے کیونکہ سابقہ اقوام کے صحیح صحیح حالات تاریخ سے تو معلوم نہیں ہوتے اور یہ صرف اور صرف وحی الٰہی کے ذریعے ہی معلوم ہو سکتے ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ جس طرح ہم نے یہ واقعات آپ کو ٹھیک ٹھیک پہنچائے ہیں، اسی طرح اِن سے پہلے لوگوں کا حال بھی بیان کرتے ہیں۔

قرآن بطور ذکر

اس کے بعد قرآن پاک کی حقانیت کا ذکر ہو رہا ہے وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا اور البتہ تحقیق ہم نے دیا ہے آپ کو اپنی طرف سے ایک نصیحت نامہ۔ اس نصیحت نامہ سے مراد

قرآن پاک ہے۔ قرآن حکیم کے مختلف اسماء مثلاً قرآن، فرقان، ہدایت، نور، تذکرہ وغیرہ کی طرح ذکر بھی اس کا ایک نام ہے۔ قرآن پاک ایک عظیم نصیحت نامہ ہے جس کی نصیحت آموز باتوں، اصول و قوانین پر عمل پیرا ہو کر انسان دنیوی اور اخروی فلاح حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کتاب الٰہی میں عبرت آموز واقعات ہیں، اس میں تاریخی حقائق ہیں، حظیرۃ القدس یعنی عالمِ بالا کے حالات ہیں، خدا کی ذات و صفات کا بیان ہے، تمام انبیاء کے شرائع اور دیگر بہت سی باتوں کا ذکر ہے، لہذا یہ بہت بڑا نصیحت نامہ ہے۔

قرآن پاک سے اعراض

ارشاد ہوتا ہے مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ جس نے قرآن حکیم جیسے نصیحت نامے سے روگردانی کی، اس کی تکذیب کی یا اس کو زندگی کا لائحہ عمل نہ بنایا فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا بیشک ایسا شخص قیامت کے دن بوجھ اٹھائے گا۔ ظاہر ہے کہ جس نے اللہ کے اس آخری پروگرام سے فائدہ نہ اٹھایا، وہ کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا ہو گا، لہذا آخرت میں یقیناً اپنے گناہوں کا بوجھ اپنی گردن پر اٹھائے گا۔ جو شخص قرآن سے اعراض کرتا ہے۔ اس میں عقیدے کی پاکیزگی اور اخلاق و اعمال کی تہذیب کیسے آ سکتی ہے۔ لہذا وہ لازماً خدا کی ناراضگی خرید کر گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا

فرمایا خٰلِدِیْنَ فِیْهِ ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی بوجھ میں جکڑے رہیں گے اور اس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔ وَسَآءَ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ حِمْلًا اور قیامت والے دن ان کے لیے یہ بہت ہی بڑا بوجھ ہو گا جو وہ اٹھائیں گے۔ وزر اور حمل دونوں کا معنی بوجھ ہے۔ تاہم وزر گناہ کے بوجھ پر اور حمل عام بوجھ پر بولا جاتا ہے جس میں گناہ کا بوجھ بھی شامل ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ دنیا میں کمائے گئے برے اعتقاد اور اعمال قیامت والے دن انسان کے اوپر سوار ہوں گے اور کہیں گے کہ

دنیا میں تم ہم پر سوار تھے، آج ہم تمھاری گردن پر سوار ہوں گے۔ انسان دنیا میں جو بھی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ گویا اُس پر سوار ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس کی تشریح فرمائی ہے کہ دنیا میں جس شخص نے کسی کا حق تلف کیا ہوگا، وہ قیامت کے دن اُس پر بوجھ بن کر سوار ہوگا۔ اگر کسی شخص نے کسی کا مال یا جانور غصب کر لیا ہے تو قیامت کے دن وہ اُسے اٹھا کر لائے گا حتیٰ کہ اگر کسی نے بالشت بھر زمین چھینی ہے تو زمین کا وہ حصہ ساتوں زمینوں تک اکھاڑ کر اُس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا اور وہ اسے کھینچتا ہوا میدان محشر میں آئے گا۔ اگر کسی نے گائے بھینس چوری کی ہے، مکان پر ناجائز قبضہ کیا ہے، کپڑے کی گانٹھ چرالی ہے تو وہ ہر چیز گردن پر اٹھائے ہوئے حاضر ہوگا جس سے غاصب کو بڑی تکلیف اور اس کی بڑی تذلیل ہوگی۔ بعض بوجھ سفید بھی ہوتے ہیں۔ مگر اس مقام پر گناہوں کے جس بوجھ کا ذکر ہے اس میں تباہی و بربادی کا سامان ہی ہوگا۔

قرآن پاک سے اعراض کے متعلق سورۃ الزخرف میں ہے وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (آیت ۳۶) جو شخص خدائے رحمٰن کے اس نصیحت نامے سے اعراض کرتا ہے ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں جو مرتے دم تک اس کو گمراہ کرتا رہے گا۔ اور پھر اسی حالت میں اُس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کلامِ الٰہی سے روگردانی کے متعلق آگے اسی سورۃ میں بھی آرہا ہے وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (آیت ۔ ۱۲۴) قیامت والے دن ہم ایسے شخص کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ مولا کریم! میں تو دنیا میں بینا تھا، تو نے مجھے نابینا کیوں اٹھایا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جس طرح تو نے دنیا میں میری آیتوں سے منہ موڑا، اسی طرح آج ہم نے تمھاری آنکھیں ہی اُچک لی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نصیحت نامے سے وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (آل عمران ۔ ۷) صرف اہلِ عقل و خرد ہی نصیحت پکڑتے

ہیں۔ جو لوگ صحیح عقل سے کام نہیں لیتے وہ دنیا میں بھی بھٹکتے رہتے ہیں۔
اور آخرت میں تو ان کے لیے سخت وعید آئی ہے۔

اعراض وسیع تر معنوں میں

اعراض سے مراد قرآن پاک سے کھلا انکار بھی ہے جیسا کہ کافر اور مشرک لوگ کرتے ہیں۔ اور اعراض یہ بھی ہے کہ منافقوں کی طرح زبان سے تو اقرار کر لیا مگر نہ تو دل سے تسلیم کیا اور نہ اسے اپنا دستور العمل بنایا مسلمانوں کو سنت اور کاہل بنا دیا گیا ہے، انہیں الٹی سیدھی رسومات میں الجھا دیا گیا ہے اور کفار نے ایسا غلط پروپیگنڈا کیا ہے کہ مسلمان قرآن پر عمل پیرا ہونے سے ہچکچانے ہیں۔ قرآن کی تعلیم و تعلم میں غفلت برتی جاتی ہے، اس کی غلط تفسیر کر کے لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے قرآن کی اشاعت سے اغماض برتا جا رہا ہے، یہ سب چیزیں قرآن سے اعراض میں شامل ہیں۔ مسلمانوں کو تو عملی نمونہ پیش کرنا چاہئے۔ تاکہ لوگ ایک پکے سچے مسلمان کو دیکھ کر اسلام اور قرآن کی حقانیت کو تسلیم کریں۔ اور اگر ایک مسلمان کے شرک، بدعات، اور معاصی کو دیکھ کر کوئی شخص اسلام اور قرآن سے متنفر ہوتا ہے تو اس کا وبال ایسے بدقماش شخص پر ہو گا۔ اور وہ قرآن سے اعراض کرنے کا مجرم سمجھا جائیگا۔

صورِ اسرافیل

فرمایا گناہوں کا بوجھ اٹھانے والا واقعہ اس دن پیش آئیگا يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّوْرِ جس دن صور میں پھونکا جائے گا۔ یعنی جب قیامت کا بگل بجے گا۔ اور محاسبے کا عمل شروع ہو گا تو اس دن گناہگاروں کو اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ حضور علیہ السلام[1] سے صور کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا قَرْنٌ يُّنفَخُ فِيهِ یہ ایک سینگ کی شکل و صورت کی چیز ہے جس میں قیامت کے دن پھونک ماری جائے گی۔ اس سینگ کا باریک حصہ اسرافیل نے منہ میں لے رکھا ہے اور منتظر ہے کہ کب اللہ کا حکم ہو تو وہ اس میں پھونک مارے۔ حدیث[2] میں آتا ہے کہ صور میں دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی دفعہ پھونکنے سے کائنات کی ہر چیز فنا ہو جائے گی

---

[1] ترمذی ص ۴۶۷ ج ۲ [2] مسلم ص ۴۰۵ ج ۲ و بخاری ص ۷۳۵ ج ۲ (فیاض)

اور دوسری مرتبہ پھونکا جائے گا تو تمام لوگ حساب کتاب کی منزل کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، شیخ ابن عربیؒ جو صاحب کشف بزرگ ہوئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ یہ صور اسرافیل اتنا بڑا ہے کہ ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان اس کے دہانے میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب اس میں پھونک ماری جائے گی تو ساری کائنات درہم برہم ہو جائے گی، اتنی خوفناک آواز ہو گی۔

نیلگوں آنکھوں والے مجرم

فرمایا، یہ اُس دن کا واقعہ بیان ہو رہا ہے جس دن صور میں پھونکا جائے گا وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا اور اس دن ہم مجرموں کو نیلگوں آنکھوں کے ساتھ اکٹھا کریں گے۔ کرنجی آنکھوں والے یہ لوگ نہایت ہی بدشکل ہوں گے۔ رومی لوگوں کی آنکھیں اکثر ایسی ہوتی ہیں اور عرب لوگ ان سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے عیب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ نیلگوں آنکھوں والی عورت کی اولاد کو بنی زرقا کا نام دیا جاتا تھا بعض فرماتے ہیں کہ زرقا سے مراد اندھے ہیں، یعنی ایسے لوگوں کو اندھا کر کے اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور امام ابن جریرؒ نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ البتہ بعض اس کو عیب ناکی پر محمول کرتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی آنکھیں عیب ناک ہوں گی اور ایسی بدنما ہوں گی کہ اُن کو دیکھنے سے نفرت پیدا ہو گی۔

دنیوی زندگی کی قلت

فرمایا، ان نیلگوں آنکھوں والے مجرموں کی حالت یہ ہو گی يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ وہ آپس میں سرگوشی کریں گے۔ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا کہ تم نہیں ٹھہرے دنیا میں یا برزخ میں مگر صرف دس دن۔ اس سے دنیا اور برزخ دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ یہ ساری طوالت دس دن سے زیادہ نہیں تھی۔ جب انہیں اگلی دنیا کی طویل مسافت نظر آئے گی تو اس دنیا کی زندگی بمع برزخی زندگی کے بالکل قلیل نظر آئے گی۔ اسی لیے آپس میں کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں صرف ہفتہ عشرہ ہی رہے ہیں، مگر اللہ نے فرمایا

۱؎ عرف شذی صفحہ ۴۶۹ طبع مکتبہ رحیمیہ دیوبند (فیاض)

نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ لوگ کہیں گے۔ فرمایا یہ تو دس دن کی بات کرتے ہیں اِذۡ يَقُوۡلُ اَمۡثَلُهُمۡ طَرِيۡقَةً ان میں سے بہتر طریقے والا یا زیادہ دانشمند آدمی یوں کہے گا اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا يَوۡمًا کہ تم تو دنیا میں صرف ایک دن ٹھہرے ہو۔ سورۃ الروم میں ہے کہ مجرم لوگ قسم اٹھا کر کہیں گے مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ (آیت۔ ۵۵) کہ وہ ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے بات تو دونوں کی خلاف واقعہ ہے کیونکہ دنیا میں تو انسان دس، بیس، پچاس یا سو سال کا عرصہ بھی گزارتا ہے اور پھر زمانہ برزخ کا کوئی شمار نہیں جو قرنوں تک طویل ہو سکتا ہے مگر آخرت کی دائمی زندگی کے مقابلے میں دنیا و برزخ کی زندگی بالکل قلیل محسوس ہوگی۔ بعض شاعر لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کا زمانہ تو صرف دو دن کا ہوتا ہے یعنی ایک دن رضا کا اور دوسرا ناراضگی کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ بہتر روش والا آدمی دنیا و برزخ کی پوری زندگی کو ایک دن کے برابر خیال کریگا۔ جیسے سورۃ النساء میں ہے قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ (آیت۔ ۷۷) آپ کہہ دیں کہ دنیا کا سازو سامان تو بالکل تھوڑا ہے کیونکہ ابدی زندگی کے مقابلے میں یہاں کے ہزاروں سال بھی کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ سورۃ النّٰزِعٰت میں دنیا کی زندگی کی قلت کے متعلق فرمایا کہ لوگ اُس دن محسوس کریں گے لَمۡ يَلۡبَثُوۡا اِلَّا عَشِيَّةً اَوۡ ضُحٰهَا (آیت۔ ۴۶) کہ وہ دنیا میں صرف اتنا عرصہ ٹھہرے جتنا دن کا پچھلا پہر یا دوپہر کا وقت ہوتا ہے۔ قیامت والے دن یہ زندگی مع اپنے تمام تر لوازمات اتنی قلیل نظر آئے گی۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ
نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيْهَا
عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ
لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا
تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ
اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا
يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ :- اور سوال کرتے ہیں آپ سے یہ لوگ پہاڑوں
کے بارے میں ۔ پس آپ کہہ دیجئے ، بکھیر دیگا اُن کو
میرا پروردگار بکھیر دینا ﴿۱۰۵﴾ پس کر دے گا اُن کو صاف
ہموار زمین ﴿۱۰۶﴾ نہیں دیکھے گا تو اُس میں کوئی کجی اور
نہ کوئی ٹیلہ ﴿۱۰۷﴾ اُس دن پیچھے لگیں گے پکارنے والے کے
اس کے لیے کوئی کجی نہیں ہو گی ۔ اور دب جائیں گی
آوازیں خدائے رحمٰن کے ڈر سے ۔ پس نہ سنے گا تو
مگر ہلکی آواز ﴿۱۰۸﴾ اُس دن نہ فائدہ پہنچائے گی سفارش مگر
اس کو کہ اجازت دی اس کے لیے خدائے رحمٰن

والے ، اور پسند کیا اُس کی بات کو (۱۰۹) جانتا ہے جو
کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے
ہے ۔ اور نہیں احاطہ کرتے یہ اس کے بارے میں
علم کے ساتھ (۱۱۰)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن پاک ایک نصیحت نامہ ہے جو شخص اس سے اعراض کرے گا وہ قیامت والے دن گناہوں کا بہت بڑا بوجھ اٹھائے گا۔ اور قیامت کے دن کے متعلق فرمایا کہ یہ اُس وقت واقع ہوگا جس دن صور پھونکا جائے گا اور مجرموں کو نہایت ہی قبیح شکل میں اکٹھا کیا جائے گا۔ وہ ذلت کے مارے سرگوشی میں بات کریں گے۔ اُن میں سے کوئی کہے گا کہ ہم دنیا اور برزخ میں صرف دس دن ٹھہرے اور جو زیادہ سمجھدار ہوگا، وہ کہے گا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم دنیا میں ایک دن سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں دنیا و برزخ کا عرصہ بالکل قلیل محسوس ہوگا۔

مضبوط پہاڑوں کی شکستگی

اب آج کے درس میں اللہ نے وقوعِ قیامت ہی کے ضمن میں پہاڑوں کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کافر اور مشرک استہزاء کے انداز میں کہتے تھے کہ تمہارے کہنے کے مطابق قیامت کو ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی تو ان پہاڑوں کا کیا ہوگا جو اتنے مضبوط ہیں اور اپنی تخلیق کے دن سے لیکر آج تک اپنی جگہ پر قائم و دائم ہیں۔ اس دنیا میں پہاڑوں کو مضبوطی کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اسی لیے کسی چیز کی پختگی اور مضبوطی کو ظاہر کرنے کے لیے اُسے پہاڑ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے کہتے ہیں کہ اپنا عقیدہ پہاڑ کی طرح مضبوط رکھو، اس میں ذرہ بھر لغزش نہیں آنی چاہیے۔ عرب لوگ اپنے عہد و پیمان کی پختگی کے متعلق کہتے ہیں ۔

تَزُولُ الْجِبَالُ الرَّاسِيَاتُ وَقَلْبُنَا
عَلَى الْعَهْدِ لَا يَلْوِي وَلَا يَتَغَيَّرُ

پہاڑوں جیسی مضبوط چیز تو اپنی جگہ سے ہل سکتی ہے۔ مگر ہمارے عہد و پیمان اتنے پختہ ہیں کہ ان میں تغیر و تبدل نہیں آسکتا، ہمارے قومی شاعر علامہ اقبال نے بھی کہا ہے

بخود خزیدہ و محکم چو کوہساراں زی
چو خس مزی کہ ہوا تند و شعلہ بیباک است

مستقل مزاج بن کر پہاڑوں کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہو، تنکے کی طرح مت بنو کہ ہوائیں تیز اور شعلہ بیباک ہے۔ اگر تم نے تنکے کی طرح کمزوری دکھائی تو ہوائیں تمھیں لے اڑیں گی اور بکھیر دیں گی جب کہ بیباک شعلہ آگ تمھیں جلا کر خاکستر کر دے گا۔ اگر تمہارا عقیدہ اور اخلاق پہاڑوں کی طرح مضبوط ہوگا تو پھر تمھیں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی بلکہ ہر مضر چیز تمہاری پختگی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گی۔ غرضیکہ پہاڑوں کی مضبوطی کا تصور قدیم زمانے سے پایا جاتا ہے، اسی لیے حضور علیہ السلام کے مخاطبین نے آپ سے سوال کیا تھا کہ قیامت کے دن اتنے مضبوط پہاڑوں کا کیا بنے گا۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار ان کو بکھیر دیگا، بکھیر دینا۔ مطلب یہ کہ جب قیامت برپا ہوگی تو مضبوط اور بلند و بالا پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر اڑ جائیں گے۔ سورۃ القارعہ میں ہے وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنفُوشِ مختلف رنگوں کے پہاڑ اس طرح پیس دیے جائیں گے کہ وہ ایسے معلوم ہوں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگین اون ہوتی ہے۔ دنیا میں مختلف رنگوں کے پہاڑ پائے جاتے ہیں، کوئی سرخ ہیں اور کوئی سفید، کوئی سیاہ ہیں اور کوئی براؤن۔ جب قیامت کا حادثہ پیش آئے گا تو یہ

لہ پیام مشرق صـ ۱۰۸ (نیاض)

سب دھنک دیے جائیں گے اور مختلف رنگوں کے مرکب سے اِن کا کچھ اور ہی رنگ ہو گا، گویا یہ دھنکی ہوئی اون ہے۔

زمین بصورت چٹیل میدان

جب پہاڑ اور چھوٹے موٹے ٹیلے گرد و غبار کی صورت میں فضا میں بکھر جائیں گے فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا تو اللہ تعالیٰ زمین کو چھوڑ دے گا۔ بطور چٹیل میدان۔ قاعًا کا معنی چٹیل میدان جس میں اونچ نیچ نہ ہو اور صَفْصَفًا کا معنی ہموار اور چکنی جگہ۔ مطلب یہ ہے کہ پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جائیں گے اور اپنی جگہ پر نظر نہیں آئیں گے۔ فرمایا پھر زمین کی حالت یہ ہو گی لَا تَرٰی فِيهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا کہ تو نہیں دیکھے گا اس میں کوئی ٹیڑھا پن اور نہ کوئی ٹیلہ مطلب یہ ہے کہ زمین بالکل ہموار اور راستہ سیدھا ہو گا، اس میں کوئی موڑ یا ٹیلہ وغیرہ نہیں ہو گا، ساری زمین برابر کر دی جائیگی۔ خدا تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، اُس نے اِن چیزوں کو مضبوطی اور پائیداری بخشی ہے اور وہ اس سارے نظامِ شمسی (SOLAR SYSTEM سولر سسٹم) کو تبدیل بھی کر دے گا، کسی چیز کو اُس کی موجودہ حالت پر نہیں رہنے دے گا۔ دوسری سورتوں میں آسمانی کروں (PLANETS پلینٹس) کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ بھی سارے درہم برہم ہو جائیں گے۔

دوڑتے ہوئے جائینگے

فرمایا جب حساب کتاب کی منزل آئیگی يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ اُس دن پکارنے والے کے پیچھے لگیں گے۔ جب خدا کے حکم سے فرشتہ بارگاہِ رب العزت میں پیشی کے لیے بلائیگا تو سب لوگ آواز کی سمت پر دوڑتے ہوئے جائیں گے۔ اور ایسے سیدھے جائیں گے جیسے تیر اپنے نشانے پر جاتا ہے لَا عِوَجَ لَهٗ اور دوڑنے والوں میں کوئی ٹیڑھا پن بھی نہیں ہو گا، اور نہ ہی آواز میں کوئی کجی ہو گی۔ اس دُنیا میں تو لوگوں نے کجی اختیار کی اور اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کا انکار کیا، تمسخر کیا اور طرح طرح کی تاویلیں کر کے اُس پکار کو ٹالنے کی کوشش کی مگر جب سے

والے دن ایسی کوئی بات نہیں ہوگی بلکہ سب کے سب بلا چون وچرا دوڑے چلے جائیں گے۔

آوازیں پست ہوجائیں گی

فرمایا اُس دن یہ انقلاب بھی آئے گا وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ خدائے رحمٰن کے سامنے ساری کی ساری آوازیں دب جائیں گی۔ اللہ کے خوف سے کوئی شخص اونچی آواز میں بات نہیں کر سکے گا۔ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا پس تم نہیں سنو گے مگر ہلکی سی آواز۔ جب کوئی بات چیت ہوگی تو اتنی پست آواز ہوگی جیسے کانا پھوسی ہوتی ہے یا پاؤں کی ہلکی سی آہٹ ہوتی ہے۔ ہموس شیر کو بھی کہتے ہیں، وہ جب چلتا ہے، تو اس کے پاؤں کی آہٹ بالکل مدہم سی ہوتی ہے۔

قبولیت سفارش کی دو شرائط

فرمایا یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اُس دن کوئی سفارش بھی فائدہ نہیں دے گی مگر دو شرطوں کے ساتھ۔ پہلی شرط یہ ہے اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ کہ اُس شخص کے لیے خدائے رحمٰن نے اجازت دی ہو۔ اور دوسری شرط یہ کہ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا کہ اُس کی بات پر اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اور اللہ راضی اُس بات پر ہوگا جو اُس کو پسند ہوگی اور اُسی شخص کے حق میں اللہ تعالیٰ سفارش کی اجازت دیں گے۔ اللہ کی پسندیدہ بات ایمان اور عقیدے کی پاکیزگی ہے، سورۃ الزمر میں اللہ کا فرمان ہے۔ وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ (آیت۔ ۷) اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو گے تو وہ تم سے راضی ہو جائے گا۔ اسی طرح ایمان لاؤ گے، کلمۂ توحید قبول کرو گے۔ تو اللہ راضی ہوگا۔ اگر ناشکری کرو گے، کفر اور شرک کا ارتکاب کرو گے تو اللہ راضی نہیں ہوگا۔ غرضیکہ سفارش کی قبولیت کے لیے خدا تعالیٰ کی رضا اور بات کی پسندیدگی کے ساتھ سفارش کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت کی بھی ضرورت ہے، تب جا کر سفارش مفید ہوگی۔

سفارش کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بہت سی جگہوں پہ بیان فرمایا ہے

مثلاً سورۃ البقرہ میں ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ (آیت - ۲۵۵) کون ہے جو اس کے پاس سفارش کرے، مگر اس کی اجازت سے سفارش پیش کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اجازت کی ضرورت ہے - اللہ کے نبی، فرشتے، شہید، اولیاء اللہ ہو منین کاملین سفارش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی پیشگی اجازت کے ساتھ حتیٰ کہ سید المرسلین اور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہی شفاعت صغریٰ اور شفاعت کبریٰ کر سکیں گے۔

جبری سفارش کی تردید

سفارش کے معاملہ میں مشرکین نے غلط عقیدہ بنا رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اُن کے شرکاء اللہ کے محبوب ہیں، خدا تعالیٰ اُن کی بات کسی صورت میں بھی رد نہیں کر سکتا، اُسے وہ سفارش ماننی ہی پڑتی ہے امام رازیؒ اپنی تفسیر میں ایسی سفارش کو جبری سفارش کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر لیا ہے۔ دنیا میں بادشاہوں اور بڑے بڑے ڈکٹیٹروں کو بعض اوقات اپنی مرضی کے خلاف بھی سفارش قبول کرنا پڑتی ہے، وہ جانتے ہیں کہ اگر فلاں بااثر امیر کی بات نہ مانی تو وہ اس کے لیے مشکلات کھڑی کر سکتا ہے، لہٰذا وہ بادلِ نخواستہ بھی سفارش منظور کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، وہ ہر چیز پر غالب ہے اُسے اپنی سلطنت کے زوال کا کوئی خطرہ نہیں، لہٰذا وہ کسی کی سفارش قبول کرنے پر مجبور بھی نہیں۔ جو شخص اللہ کو بادشاہوں پر قیاس کرتا ہے۔ وہ مخلوق کی صفت خدا تعالیٰ میں مان کر تشبیہہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ نے ہر نبی کو اجازت دی ہے کہ وہ ایک ایک دعا کر لیں جو قبول کی جائے گی۔ سارے انبیاء نے وہ دعا دنیا میں ہی کر لی اور وہ قبول ہو گئی، مگر میں نے یہ دعا قیامت کے دن کے لیے

موخر کر رکھی ہے۔ اُس دن میں یہ دُعا اپنی امت کے گنہگاروں کے حق میں مانگوں گا مگر ساتھ یہ بھی فرمایا فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَّاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا[1] (مسلم) یہ دُعا میری امت کے اُس شخص کے حق میں ان شاء اللہ مقبول ہوگی جس نے اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنایا ہوگا۔ کافر، مشرک، منافق، ملحد، بد اعتقاد اور فاسد العقیدہ کے حق میں سفارش قبول نہیں ہوگی، اور نہ اس کی اجازت ملیگی۔

اس مقام پر یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ مطلقاً شفاعت کا انکار بھی کافروں والا عقیدہ ہے۔ فتاوٰی بزازیہ میں ہے مَنْ أَنْكَرَ شَفَاعَةَ الشَّافِعِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَهُوَ كَافِرٌ۔ کوئی شخص یہ کہے کہ شفاعت کا کوئی تصور ہی نہیں تو یہ عقیدہ باطل ہوگا، کیونکہ شفاعت قرآن وسنت سے ثابت ہے مگر بعض شرائط کے ساتھ جن کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح میزان کا انکار بھی کفر ہے کیونکہ اس کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے۔ میزان قائم ہوگا، اور اعمال تولے جائیں گے۔ جو شخص کوئی الٹی سیدھی تاویل کرتا ہے، وہ بدعتی اور گمراہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ علیم کل ہے

آگے ارشاد ہوتا ہے يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو خوب جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز انسان آخرت کی زندگی کے لیے آگے بھیجتے ہیں اور جو کچھ اس دُنیا کے لیے پیچھے رکھتے ہیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اگر آگے پیچھے سے جہت مراد لی جائے تو یہ بھی درست ہے کہ انسان اپنے آگے پیچھے کی ہر چیز کو نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ ہر شئے سے واقف ہے۔ وہ علیم کل ہے اور اُسے ذرے ذرے کا علم ہے، کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے۔ سورۃ النبا میں موجود ہے کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے يَوْمَ

[1] مسلم ص۱۱۳ ج۱ (فیاض)

يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ (آیت۔ ۴۰) جس دن ہر آدمی آگے بھیجی گئی چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ اگر کوئی نیکی بھیجی ہے تو وہ بھی نظر آئے گی اور اگر برائی بھیجی ہے، تو وہ بھی دیکھ لے گا۔ اگر کوئی غلط رسم چھوڑ آیا ہے، حرام کی کمائی پیچھے چھوڑی ہے، خدا تعالیٰ سب کو جانتا ہے، ہر شخص کے حالات اس کی نگاہ میں ہیں اور انہی کے مطابق اُس کے ساتھ سلوک کیا جائے گا۔

فرمایا وَلَا يُحِيطُونَ بِهٖ عِلْمًا اور انسان علم کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ انسان نہ تو اللہ تعالیٰ کے مقدورات کا احاطہ کر سکتے ہیں، نہ معلومات کا، نہ مخلوقات کا، نہ اُس کی مصنوعات کا اور نہ ہی اُس کی ذات اور صفات کا۔ انسان کا علم بالکل محدود ہے جبکہ خدا کا علم غیر محدود ہے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ہر چیز کا احاطہ کرنے والی تو اللہ کی ذات ہے مخلوق اس کے علم کا احاطہ کیسے کر سکتی ہے اللہ نے فرمایا وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل۔ ۸۵) تمہیں تو بالکل قلیل علم دیا گیا ہے اور تم اتنا ہی جانتے ہو جتنا علم تمہیں دیا گیا ہے۔ علم محیط کا مالک صرف خدا تعالیٰ ہے۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ
ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى
اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ
اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾
ع ۶ ۱۱/۱۵ وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ
نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ع

ترجمہ :- اور پست ہو جائیں گے چہرے حیّ اور قیوم کے سامنے۔ اور تحقیق ناکام ہوا وہ شخص جس نے ظلم اٹھایا ﴿۱۱۱﴾ اور جو شخص عمل کرے گا نیکیوں میں سے بشرطیکہ وہ ایماندار ہو، پس نہ خوف کھائے گا وہ زیادتی کا اور نہ کسی نقصان کا ﴿۱۱۲﴾ اور اسی طرح اتارا ہے ہم نے اُس قرآن کو عربی زبان میں، اور ہم نے اس میں پھیر پھیر کر بیان کی ہیں ڈرانے والی باتیں تاکہ یہ لوگ بچ جائیں، یا یہ ظاہر کرے اِن کے لیے نصیحت ﴿۱۱۳﴾ پس بلند ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو بادشاہ ہے سچا۔ اور (اے پیغمبر!)

آپ جلدی نہ کریں قرآن کے ساتھ قبل اس کے کہ پوری
کی جائے آپ کی طرف اس کی وحی۔ اور آپ یوں کہیں
"اے پروردگار! زیادہ کر میرا علم" (۱۱۴) اور البتہ تحقیق ہم
نے عہد کیا آدم علیہ السلام کی طرف اس سے پہلے۔ پس
وہ بھول گئے اور نہ پائی ہم نے اُن کے لیے پختگی (۱۱۵)

ربطِ آیات

یہ سورۃ بنیادی طور پر تسلی کے مضمون میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی فرعون کے ساتھ کشمکش کا ذکر کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دی کہ آگے آنے والی مشکلات اور مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد کیا۔ رسالت اور قیامت کے مسائل بیان کیے۔ اِسی ضمن میں کل کی آیات میں پہاڑوں کا ذکر ہوا کہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت برپا ہونے کے بعد پہاڑوں جیسی مضبوط چیز کا کیا حال ہوگا؟ اللہ نے اس کا جواب بھی مرحمت فرمایا کہ آج بلند و بالا اور مضبوط نظر آنے والے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور زمین بالکل ہموار ہو جائے گی۔ اُس میں کوئی اونچ نیچ یا گڑھا، کھائی باقی نہیں رہے گی۔ اُس دن کسی میں بلند آواز سے بات کرنے کی ہمت نہیں ہوگی، اور نہ ہی کوئی سفارش مفید ہوگی۔ تاوقتیکہ اُس کے لیے خدائے رحمٰن کی طرف سے اجازت ہو اور جس شخص کے لیے سفارش مطلوب ہو، اُس کی بات اللہ کو پسند ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کا ذکر ہوا، اور یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ کی ذات، اُس کی صفات، اس کی مخلوقات اُس کے مقدورات غرضیکہ کسی چیز کا بھی احاطہ نہیں کر سکتی۔

چہروں کی ذلت

آج کی پہلی آیت میں قیامت ہی کے ضمن میں ارشاد ہوتا ہے وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ اُس دِن چہرے پست اور ذلیل ہو جائیں گے آج دنیا میں بڑے بڑے سرکش اور متکبر لوگ موجود ہیں مگر قیامت کے دِن جب اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے

تو اُن کے چہرے ذلّت کے مارے جُھکے ہوئے ہونگے ظاہر ہے کہ خوشی، غمی یا فخر و نخوت کے آثار چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کے چہرے اس دنیا میں سرکشی اور تکبر کی وجہ سے کِھلے ہوئے معلوم ہوتے تھے، وہ چہرے قیامت کے دن کمزور، ذلیل اور پست ہو جائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے یُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ كَاَمْثَالِ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرْهَقُ وُجُوْهَهُمُ الذِّلَّةُ وَالصِّغَارُ جو لوگ دنیا میں تکبر کرتے ہیں انہیں قیامت والے دن چیونٹیوں کی سی حالت میں اٹھایا جائے گا اور ان کے چہروں پر ذلّت و رسوائی چھائی ہوئی ہوگی۔ تکبر روحانی بیماریوں میں سے بدترین قسم کی بیماری ہے جو کہ اکثر لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اگر کسی کے پاس مال زیادہ آگیا یا علم کی فراوانی ہوگئی ہے تو ذرا ذرا سی بات پر اکڑ دکھاتا ہے اور سیدھے طریقے سے بات کرنے کی بجائے منہ پُھلا پُھلا کر بات کرتا ہے۔ اس غرور و تکبر کا نتیجہ قیامت والے دن ظاہر ہوگا۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم زمین پر اکڑ کر چلوگے تو اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (بنی اسرائیل۔ ۳۷) نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ تمہارا سر پہاڑوں کی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے بلکہ تم وہی پانچ چھ فٹ کے آدمی ہی رہوگے۔ غرور و تکبر ابلیس کی صفت ہے، اسی لیے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے۔ اے ایمان والو! ایک دوسرے کے سامنے سرکشی نہ کیا کرو، تکبر اور غرور نہ کرو بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آؤ۔

تکبر ایک ایسا موذی مرض ہے کہ انسان اولاً اس کا اظہار انسانوں کے سامنے کرتا ہے، اور پھر جب اس میں پختہ ہو جاتا ہے تو پھر خدا کے سامنے بھی کرنے لگتا ہے۔ اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور خدا تعالےٰ

کے حکم کی تعمیل میں اکثر دکھانے لگتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا شخص بالآخر ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ بہرحال فرمایا کہ قیامت والے دن ساری اکڑ نکل جائیگی اور جس طرح اُس دن متکبرین کی آوازیں پست ہو جائیں گی۔ اسی طرح اُن کے چہرے بھی ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔

حیّ اور قیوم

فرمایا چہروں کی یہ پستگی اُس ذات کے سامنے ہوگی لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ جو زندہ اور قائم ہے۔ حی سے مراد وہ ذات ہے جو خود زندہ ہے اور دوسروں کو زندگی بخشنے والی ہے۔ زندگی اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اُس نے یہ حیات کسی سے مستعار نہیں لی۔ اس کے برخلاف پوری مخلوق کی زندگی اللہ کی عطا کردہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یہ صفت اپنی کسی مخلوق سے چھین لیتا ہے تو اُس مخلوق پہ موت طاری ہو جاتی ہے۔ انسان ہوں یا جن، فرشتے ہوں یا چرند، پرند اور نباتات سب کو اللہ تعالیٰ ہی زندگی بخشتا ہے۔ پھر اِن میں سے ہر ایک کی زندگی کو زوال ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات لازوال ہے اور یہی حی کا معنیٰ ہے۔

اِسی طرح قیوم اُس ذات خداوندی کی صفت ہے جو خود قائم ہے اور اُس نے دوسری مخلوق کو قائم کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ دوسروں کا سہارا ہے مگر اُسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں۔ تو فرمایا کہ قیامت والے دن اُس ذات کے سامنے چہرے پست اور ذلیل ہوں گے جو زندہ اور قائم ہے حضور علیہ السلام نے اللہ کی انہی صفات کے ساتھ ورد بھی بتایا ہے يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ اے زندہ اور قائم و دائم خدا میں تیری رحمت کا سوالی ہوں، اپنی رحمت کو ہمیشہ میرے شامل حال رکھو۔

ظلم کا بدلہ

چہروں کی درماندگی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا اور تحقیق وہ ناکام ہوا جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔ ظلم کا معنیٰ ہے وَضْعُ الشَّيْءِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ کسی چیز

کو اپنے اصل مقام کی بجائے کسی دوسری جگہ پر رکھ دینا۔ تاہم اس مقام پر ظلم سے مراد کفر اور شرک ہے، اور اس کے بعد معصیت کا نمبر آتا ہے تو جس نے کفر، شرک اور معصیت کا بوجھ اٹھالیا، وہ یقیناً ناکام ہوگیا۔ قیامت والے دن خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اُسے کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کے متعلق فرمایا ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان۔ ۱۳) بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اسی طرح کفر کے متعلق فرمایا وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ۔ ۲۵۴) کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں۔ سورۃ آل عمران میں ہے وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ (آیت۔ ۱۳۵) جنہوں نے بے حیائی کی بات کی یا اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ یہاں بھی ظلم سے مراد کفر، شرک یا بدعقیدگی ہے۔ بہرحال جس نے قیامت والے دن ظلم کا بوجھ اٹھایا، وہ ناکام ہوجائے گا۔

معتبر اعمال صالحہ

اس کے بالمقابل فرمایا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ جس نے عمل کیا نیکیوں میں سے، یعنی اچھے اعمال انجام دیے۔ ہر اچھا عمل وہ ہے جسے شریعت مطہرہ اچھا قرار دے اور عقلِ سلیم بھی اُس کی اچھائی کو تسلیم کرے۔ مثلاً عبادتِ خداوندی ایک نیک کام ہے۔ جسے عقل بھی مانتی ہے۔ اسی طرح مخلوق کے حقوق کی ادائیگی نیک اعمال میں سے ہے جسے شریعت ضروری قرار دیتی ہے اور عقل تسلیم کرتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں نیکیوں کا ذکر ہے اس سے مراد چار بنیادی عبادات، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ ہیں۔ ان عبادات کو انجام دینے والا آدمی یقیناً کامیاب ہوگا۔ باقی ساری نیکیاں چاہے ان کا تعلق فرائض سے ہو یا واجبات سے، سنن سے ہو یا مستحبات سے ان چار بنیادی نیکیوں کے تحت آتی ہیں۔

فرمایا جس شخص نے نیک اعمال کیے وَهُوَ مُؤْمِنٌ بشرطیکہ وہ

مومن ہو۔ گویا نیکی کی قبولیت کے لیے ایمان شرط ہے۔ ایمان کے بغیر کسی نیکی کا کوئی اعتبار نہیں۔ انسان کا عقیدہ صحیح اور فکر کفر، شرک اور نفاق سے پاک ہونی چاہیئے تب اس کے اعمال صالحہ معتبر ہوں گے، ورنہ رائیگاں جائیں گے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت[1] میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا حضور! عبداللہ ابن جدعان سرداران مکہ میں سے بڑا سخی آدمی تھا، وہ ایک ایک مجلس میں سو سو اونٹ بخش دیتا تھا۔ تو کیا ایسے شخص کی سخاوت اُس کے لیے مفید ہوگی؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن اس کی یہ نیکی اس کے لیے کچھ فائدہ مند نہ ہوگی، کیونکہ اِنَّهٗ لَمْ يَقُلْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ اُس نے زندگی میں ایک دن بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی۔ اس کا قیامت کے دن پہ یقین ہی نہیں تھا۔ حالانکہ توحید، رسالت، ملائکہ، کُتب سماویہ کی طرح قیامت کے دن پر ایمان لانا بھی اجزائے ایمان میں سے ہے۔ چونکہ اس کا ایمان ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اُس کی سخاوت جیسی نیکی کا بھی کچھ اعتبار نہیں ہوگا اور اُسے اِس کا کچھ فائدہ نہیں پہنچے گا۔ آگے سورۃ الانبیاء میں بھی آرہا ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ (آیت ۹۴) جو کوئی نیک کام کرتا ہے بشرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کے عمل کی ناقدری نہیں کی جائیگی۔

بہرحال نیکی کی قبولیت کے لیے پہلی بنیاد تصحیح عقائد ہے۔ اس کے بعد تصحیح عمل، تصحیح اخلاق اور تصحیح نیت آتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا طریق بھی رہا ہے کہ وہ سب سے پہلے لوگوں کے عقیدے کی اصلاح کرتے ہیں اور اس کے بعد دوسری چیزیں آتی ہیں۔ چشتی، قادری، سہروردی اور نقشبندی سلسلے والے بھی جب کسی کو بیعت کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس سے توبہ

[1] مسلم ص ۱۱۵ ج ۱ (فیاض)

کرواتے ہیں اور اس کا ایمان درست کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کفر، شرک سے بیزاری کا اعلان کرو۔ کیونکہ آگے نیکی کی بنیاد اسی پر موقوف ہے۔ غرضیکہ تمام انبیاء اور صلحاء کی تعلیم میں تصحیح عقائد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

فرمایا جس نے نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ مومن ہو فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وہ شخص ظلم کا خوف نہیں کھائے گا وَلَا هَضْمًا اور نہ اُسے نقصان کا ڈر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جس نے بنیادی طور پر اپنے ایمان کو صحیح بنا لیا اور پھر نیک اعمال انجام دیے، اس کے ساتھ کوئی زیادتی یا ناانصافی نہیں ہوگی، نہ اُس کی کسی نیکی کو ضائع کیا جائے گا۔ اور نہ کوئی ناکردہ گناہ اس کے سر ڈالا جائے گا۔ وہ ہر قسم کی زیادتی اور نقصان سے مامون ہوگا۔

قرآن در عربی زبان

اس سے پہلے پانچویں رکوع میں گزر چکا ہے كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کا حال بھی بیان کرتے ہیں۔ اب یہاں پر قیامت کے بعض واقعات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر مذکورہ بالا مضمون کے ساتھ ربط کیا ہے اور فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا اور اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام اور آپ سے پہلے لوگوں کے واقعات کو بیان کرنے کے لیے ہم نے قرآنِ حکیم کو عربی زبان میں اُتارا ہے۔ اُس کے ذریعے نہ صرف سابقہ واقعات کی نشاندھی ہوتی ہے بلکہ آنے والے واقعات کی ضروری جھلک بھی پیش کی جاتی ہے۔ وقوعِ قیامت کی تمام تفصیلات اسی عربی قرآن کے ذریعے ہی معلوم ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم عربی زبان میں نازل کر کے اس زبان کو بڑی فضیلت بخشی ہے۔ قرآن کا معنی ہی ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک

کی تلاوت کی بار بار تلقین کی ہے۔ سورۃ المزمل میں ہے فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (آیت۔ ۲۰) جتنا ممکن ہو اس قرآن کو پڑھو، نماز میں پڑھو، اس کے علاوہ تلاوت کرو، یہ بڑی بابرکت کتاب ہے۔ جسے اللہ نے عربی زبان میں نازل کیا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو عربی زبان میں ہی پڑھنے سے حقِ تلاوت ادا ہوگا۔ اگر اس کا ترجمہ دنیا کی کسی بھی زبان میں پڑھا جائے گا تو اللہ کے حکم قرآن خوانی کا حق ادا نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ نماز بھی غیر زبان میں ادا نہیں کی جاسکتی کیونکہ نماز میں قرآن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور وہ عربی میں ہے۔

قرآن ذریعہ تقوٰی و نصیحت

فرمایا، ہم نے قرآن کو عربی زبان میں اُتارا ہے وَصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ اور ہم نے پھیر پھیر کر اس میں ڈرانے والی اور تنبیہ والی باتیں بیان کی ہیں اور اس سے مقصود یہ ہے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ تاکہ لوگ برائی سے بچ جائیں۔ متقی وہ شخص ہے جس کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہو جائے اور وہ کفر، شرک اور معاصی سے بچ جائے۔ امام شاہ ولی اللہؒ تقوٰے کے متعلق فرماتے ہیں "تقوٰی محافظت بر حدود شرع است" یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کا نام تقوٰی ہے۔ جب تک انسان کفر، شرک، نفاق، بدعات اور معاصی سے نہ بچے، وہ متقی نہیں کہلا سکتا۔ اگر کوئی شخص جزیات ایمان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرتا ہے تو کافر ہوگا۔ اور اگر وہ شریعت کے کسی حکم میں شک یا تردد کا شکار ہے تو منافق ہے۔

فرمایا ہم نے قرآن پاک میں پھیر پھیر کر مثالیں بیان کی ہیں کہ لوگ متقی بن جائیں اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا یا لوگوں میں اس قرآن کے ذریعے نصیحت کی بات ہی آجائے۔ گذشتہ رکوع میں بھی گزر چکا ہے وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا (آیت۔ ۹۹) ہم نے اپنی طرف سے آپ کو ایک مکمل "نصیحت نامہ" عطا فرمایا ہے۔ تو یہاں بھی فرمایا کہ ایک،

مضمون کو مختلف عنوانات سے بار بار بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس کے ذریعے نصیحت حاصل کریں اور پھر اس کے احکام و فرامین پر عمل کرکے دنیا و آخرت دونوں جگہ سرخرو ہو جائیں۔ اور اس قرآن پاک کو نازل کرنے والی ذات کون ہے، فرمایا فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات ہے جو سچا بادشاہ ہے۔ اُسی نے یہ عظیم الشان کتاب نازل فرمائی ہے جو تقویٰ اور نصیحت کا ذریعہ ہے۔

ضبطِ قرآن میں تعجیل

آپ آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر آخر الزمان کو ضبطِ قرآن سے متعلق ایک بات سمجھائی ہے۔ جب جبرائیل علیہ السلام قرآن پاک کا کوئی حصہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ اس کو جلدی جلدی پڑھنے کی کوشش کرتے تاکہ وہ آیات ازبر ہو جائیں اور ان کے بھول جانے کا کوئی امکان نہ رہے۔ مگر اللہ نے فرمایا وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ آپ قرآن کے ضبط کرنے میں جلدی نہ کریں مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ قبل اس کے کہ آپ کی طرف وحی مکمل کر دی جائے۔ مطلب یہ کہ آپ قرآن کو بھول جانے کا خطرہ محسوس نہ کریں کیونکہ اس کا ضبط اور حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ اسی مضمون کو اللہ نے سورۃ القیامہ میں اس طرح بیان کیا ہے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ (آیت۔ ۱۶) آپ قرآن کو ضبط کرنے کے لیے زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیں۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (آیت۔ ۱۷) کیونکہ اس کا اکٹھا کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعلیٰ میں مزید تسلی دلائی سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ہم آپ کو ایسا پڑھائیں گے کہ آپ ایک حرف بھی نہیں بھولنے پائیں گے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (آیت۔ ۷) ماسوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود کسی حصہ کو بھلانا چاہے یا منسوخ کرنا چاہے۔ لہٰذا آپ اطمینان رکھیں اور

جلدی جلدی ضبط کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ آپ اس طرح دعا کریں وَقُل رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا اے میرے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔ علم اللہ تعالیٰ کی غیر محدود صفت ہے لہٰذا اس میں اضافہ کی ہر آن دعا کرنی چاہیئے۔ قرآن پاک کے علوم و معارف نہ ختم ہونے والے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے لَا تَنْقَضِيْ عَجَائِبَاتُ الْقُرْآنِ یعنی قرآن کے عجائبات، علوم و معارف اور حقائق و دقائق کبھی ختم نہیں ہوں گے اور قیامت تک آنے والے لوگ ان سے فیض حاصل کرتے رہیں گے۔ چونکہ قرآن پاک خدا تعالیٰ کی صفت ہے لہٰذا اس کے علوم و معارف کا اختتام اللہ کی صفت کے اختتام کے مترادف ہے جب خدا کی صفت غیر محدود ہے اور یہ کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

آدم علیہ السلام کی مثال

اس جلد بازی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی مثال بیان فرمائی ہے وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ اور البتہ تحقیق اس سے پہلے ہم نے آدم علیہ السلام کی طرف عہد کیا فَنَسِيَ پس وہ بھول گئے۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ اللہ نے آدم علیہ السلام سے عہد کیا تھا کہ جنت میں رہو مگر ایک خاص درخت کے قریب نہ جانا، مگر وہ غفلت کی وجہ سے بھول گئے اور درخت کے قریب چلے گئے۔ اگر آپ احتیاط کرتے تو شیطان کی وسوسہ اندازی سے بچ جاتے مگر انہوں نے جلدی کی اور ممنوعہ درخت کا پھل چکھ لیا۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کو بھی جلد بازی سے منع فرمایا گیا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول جاتی ہے۔ آدمؑ نے انکار کیا تو ان کی اولاد بھی ایسا کرتی ہے۔ عربی محاورہ ہے اَوَّلُ النَّاسِ اَوَّلُ نَاسٍ یعنی سب سے پہلا انسان سب سے پہلے بھولنے والا بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے اَلتُّؤَدَةُ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ یعنی آہستگی

خدائے رحمٰن کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔
آدم علیہ السلام بھول گئے، اِن میں احتیاط اور پختگی کا فقدان تھا، مگر یہ آپکا گناہ شمار نہیں ہوتا کیونکہ گناہ نیت اور ارادے کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ تو محض بھول تھی، اس میں نیت اور ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا مگر اس کے باوجود اللہ نے آزمائش میں ڈال دیا کیونکہ بڑے لوگوں کے لیے معمولی سی بات بھی بڑے امتحان کا باعث بن جاتی ہے آدم علیہ السلام پہلے انسان اور اللہ کے ذی شان نبی تھے، لہٰذا معمولی سی لغزش سے اُن پر ابتلا آگئی
اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ضبطِ قرآن میں جلد بازی سے منع فرمایا ہے اور ساتھ آدم علیہ السلام کی مثال بیان کی ہے کہ وہ بھی اسی جلد بازی کی وجہ سے بھول گئے جو کہ بے احتیاطی کا نتیجہ تھا۔ جلد بازی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ اس کی وجہ سے بعض اوقات انسان کو ندامت اٹھانا پڑتی ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط
اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ
فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ
اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا
فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ:- اور (اس بات کو دھیان میں لاؤ) جب کہ ہم نے کہا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کے لیے۔ پس انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے انکار کیا ﴿۱۱۶﴾ ہم نے کہا اے آدم! بیشک یہ تیرا دشمن ہے اور تیری بیوی کا۔ پس یہ نہ نکالے تم دونوں کو جنت سے، پس تم مشقت میں پڑ جاؤ گے ﴿۱۱۷﴾ بیشک تمہارے لیے (اس جنت میں یہ ہے) کہ نہ تم بھوکے ہو گے اس میں اور نہ برہنہ ﴿۱۱۸﴾ اور تم نہ اس میں پیاسے ہو گے اور نہ تم دھوپ کی تکلیف اٹھاؤ گے ﴿۱۱۹﴾

ربطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور اُن کی فرعون کے ساتھ کشمکش کا حال بیان کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے لیے تسلی کا سامان پیدا کیا۔ پھر رسالت کا ذکر ہوا اور ساتھ ساتھ قیامت کا حال بھی بیان ہوا۔ مومنین اور کافروں کو پیش آنے والے حالات کا ذکر ہوا۔ پھر قرآن پاک کے متعلق اللہ

نے فرمایا کہ یہ ایک نصیحت نامہ ہے، اللہ نے اس کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے۔ پھر آپ سے فرمایا کہ آپ اس کو پڑھنے میں جلدی نہ کریں کیونکہ اس کا ضبط اور بیان ہمارے ذمہ ہے، ہم اس میں سے ایک حرف بھی نہیں رہنے دیں گے بلکہ آپ کو پورا پورا یاد کرا دیں گے۔ فرمایا جلدی کرنے کی بجائے آپ اللہ تعالیٰ سے اضافہ علم کے لیے دعا کرتے رہیں۔ پھر اللہ نے اسی ضمن میں آدم علیہ السلام کا ذکر کیا کہ وہ جلد بازی میں غلطی کر بیٹھے جس کا خمیازہ انہیں مشقت کی صورت میں بھگتنا پڑا۔

انابت اور سرکشی کا تقابل

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور اُن کی ابلیس کے ساتھ کشمکش کا ذکر فرمایا ہے۔ آدم علیہ السلام میں انابت تھی جب کہ ابلیس میں سرکشی تھی۔ اِن دونوں کا تقابل دراصل مومن اور کافر کا تقابل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ جب اُن سے لغزش ہوئی تو انہوں نے فوراً اللہ کے حضور گڑگڑا کر معافی طلب کر لی۔ دوسری طرف ابلیس کی سرکشی کا تذکرہ ہے کہ اُس نے حکم خداوندی سے سرتابی کی تو اُس پر اڑ گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ذرا اُس واقعہ کو یاد کرو وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ جب کہ ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرو۔ فَسَجَدُوْٓا اُن سب نے سجدہ کیا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى سوائے ابلیس کے کہ اُس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ آدم علیہ السلام کے لیے یہ سجدہ اُن کی فضیلت اور برتری کے اظہار کے لیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا تھا اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرۃ۔۳۰) چونکہ اس خلافت کے اہل فرشتے نہیں بلکہ انسان تھے، اس لیے اللہ نے فرشتوں سے آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کروایا، تاکہ اس تعظیم کی وجہ سے آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر برتری ثابت ہو جائے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے فرشتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سجدہ تعظیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ سورۃ صٓ میں ہے فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (آیت ۷۳) یعنی سب کے سب فرشتوں نے سجدہ کیا اس سے بعض مفسرین نے یہ استدلال کیا ہے کہ تمام کے تمام فرشتوں کو سجدے کا حکم دیا گیا تھا اور سبھی نے سجدہ کیا خواہ اُن کا تعلق ملاءِ اعلیٰ سے تھا یا ملاءِ سافل سے، مگر امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے سارے فرشتے مراد نہیں بلکہ ملاءِ سافل کے فرشتوں نے سجدہ کیا تھا، اور ابلیس انہی فرشتوں میں شامل تھا۔ جہاں تک ابلیس کا تعلق ہے، وہ تو فرشتوں کی نوع میں ہی شامل نہیں تھا۔ کیونکہ ہم سورۃ کہف میں پڑھتے ہیں كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (آیت ۵۰) وہ جنات کی نوع میں سے تھا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی۔ اصل بات یہ ہے کہ ابلیس تھا تو جنات میں سے ہی مگر اس کا رہن سہن فرشتوں کے ساتھ تھا اور فرشتوں کے ساتھ جنات کو بھی سجدے کا حکم ہوا تھا۔ چنانچہ سورۃ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ابلیس سے یہ خطاب موجود ہے۔ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (آیت ۱۲) تو ابلیس فرشتوں میں ملا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتا تھا۔ حضرت یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات میں ہے کہ ابلیس نے سات لاکھ برس خدا تعالیٰ کی عبادت کی مگر ایک حکم کی نافرمانی سے راندۂ درگاہ ٹھہرا۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ فرشتوں میں سب سے اعلیٰ درجہ ملاءِ اعلیٰ کا ہے جن میں حاملینِ عرش فرشتے، عرش کے گرد طواف کرنے والے فرشتے اور علیین کے فرشتے ہیں اس کے بعد آسمانوں کے درجہ بدرجہ فرشتے ہیں اور پھر فضا کے فرشتے اور آخر میں زمین والے فرشتے ہیں جو ملاءِ سافل کہلاتے ہیں۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے والے ملاءِ سافل کے فرشتے

تھے اور ابلیس بھی انہی میں شامل تھا۔
ابلیس کے متعلق سورۃ البقرہ میں اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ کے الفاظ آتے ہیں یعنی اُس نے سجدے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ تکبر بھی کیا، کہنے لگا کہ میں آدم علیہ السلام کو کیسے سجدہ کروں جب کہ میں اُس سے افضل ہوں۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (الاعراف ۱۲) مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا جب کہ آدم کو مٹی سے۔ کہنے لگا میرے مادۂ تخلیق میں بلندی کا عنصر پایا جاتا ہے اور مٹی میں پستی کی صفت ہے، لہذا میں اعلیٰ ہو کر ادنیٰ کے سامنے کیسے سجدہ کروں۔ یہ تکبر اولین اخلاقی بیماری ہے جو کائنات میں ابلیس کے ذریعے ظاہر ہوئی۔ ابلیس میں حسد کا مادہ بھی بدرجہ اتم موجود تھا۔ اس لیے اللہ نے آدم علیہ السلام کو ابلیس کی دشمنی سے آگاہ فرما دیا۔ اس مقام پر اللہ نے مکمل تفصیلات بیان نہیں کیں، صرف اتنا حصہ بیان کیا ہے جس سے آدم علیہ السلام کی انابت اور ابلیس کی سرکشی کا اظہار ہوتا ہے۔

تعظیمی سجدہ

سجدہ دو قسم کا ہوتا ہے، ایک عبادت کا اور دوسرا تعظیم کا۔ سجدۂ عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے روا ہے، البتہ تعظیمی سجدہ اللہ کے سوا دوسروں کے سامنے بھی ہوتا رہا ہے۔ سابقہ شریعتوں میں سجدہ تعظیم روا تھا، چنانچہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو تعظیمی سجدہ ہی کیا تھا۔ قدیم زمانوں میں بادشاہوں اور دیگر امراء کے سامنے بھی تعظیمی سجدہ ہوتا تھا آخری شریعت میں یہ سجدہ بھی حرام ہو چکا ہے۔ تو فرشتوں کا آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ تعظیمی سجدہ ہی تھا۔

دونوں سجدوں میں نیت کا ہی فرق ہوتا ہے۔ عبادت کا سجدہ وہ ہے جو بندے اپنے پروردگار کے حضور معبود برحق سمجھ کر کرتے ہیں، اور تعظیمی سجدہ وہ ہے جو ملاقات کے وقت کسی بڑے آدمی کی تعظیم کے لیے کیا

جاتا ہے، اور اسے آداب میں شمار کیا جاتا ہے، نہ کہ عبادت کے طور پر۔
اب ہماری شریعت میں یہ دونوں سجدے ناجائز ہیں۔ سجدۂ عبادت غیر اللہ کے سامنے تو ہر حالت میں کفر و شرک ہے اور سجدۂ تعظیم حرام ہے۔ اسی لیے محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بت کے سامنے سجدہ کرتا ہے تو اس پر کفر کا قطعی حکم عاید ہوگا۔ اس نے بت کی وہی تعظیم کی جو بندے اپنے پروردگار کی کرتے ہیں، لہذا ایسا شخص کافر ٹھہرا۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی بزرگ یا قبر کے سامنے سجدہ کرتا ہے تو ایسے شخص سے وضاحت طلب کی جائیگی۔ کہ اس نے کیسا سجدہ کیا۔ اگر وہ کہے کہ اس سجدہ کے لیے میری نیت اسی تعظیم کی تھی جو بندے اپنے رب کے لیے کرتے ہیں، تو ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگے گا۔ اور اگر وہ کہے کہ میری نیت ملاقات پر محض اکرام کی تھی تو پھر اس فعل کو حرام سمجھا جائے گا۔ اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ تعظیمی سجدہ ایک ایسا فعل ہے جس کے متعلق فیصلہ نیت کی بنیاد پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ ہماری شریعت میں اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان موجود ہے لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ (حٰم السجدہ - ۳۷) نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ اللہ تعالیٰ کو کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے مطلب یہی ہے کہ اگر کسی شخص نے عبادت کا سجدہ کیا ہے تو کفر ہوگا اور اگر تعظیمی سجدہ کیا ہے۔ تو پھر یہ حرام ہوگا۔

ابلیس کی آدم دشمنی

اللہ نے فرمایا کہ جب ابلیس نے آدم علیہ السلام کے لیے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو ہم نے آدم علیہ السلام کو خبردار کر دیا فَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ ہم نے کہا، اے آدم! یہ ابلیس تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے بلکہ پوری نوعِ انسانی کا دشمن ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ یٰس میں اسطرح

بیان کیا اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اے بنی آدم! کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا کہ یہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ اس نے بہت سوں کو گمراہ کیا، لہٰذا اس سے بچنے کی کوشش کرنا۔ تو یہاں بھی اللہ نے فرمایا ہے کہ اے آدم! ابلیس تمھارا اور تمھاری بیوی کا دشمن ہے۔ اس سے خبر دار رہنا فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے۔ اگر یہ ایسا کرنے میں کامیاب ہوگیا فَتَشْقٰى تو تم مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ جنت میں تمہیں ہر چیز بلا مشقت مفت حاصل ہو رہی ہے، اور جنت سے نکل گئے تو پھر تمھیں محنت کر کے یہ چیزیں حاصل کرنا پڑیں گی۔

انسان کے بنیادی حقوق

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اُن چار بنیادی حقوق کا ذکر کیا ہے جو آدم علیہ السلام کو جنت میں حاصل تھے۔ فرمایا اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا جنت میں تمھیں بھوک کی پریشانی نہیں ہوگی، یعنی تمھارے لیے خوراک کا انتظام ہوگا۔ یہاں پر دوسری سہولت یہ ہوگی وَلَا تَعْرٰى کہ تم برہنہ بھی نہیں ہو گے، یعنی تمھیں لباس مہیا کیا جائے گا۔ فرمایا تیسری سہولت یہ ہوگی وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا کہ تمھیں یہاں پیاس بھی نہیں ستائے گی کہ تمھارے لیے پانی کا وافر انتظام ہوگا۔ اور چوتھی چیز یہ ہے وَلَا تَضْحٰى کہ تم دھوپ کی شدت سے بھی محفوظ رہو گے یعنی تمھارے رہنے کے لیے مکان ہوگا جو تمہیں گرمی سردی سے بچائے گا۔

یہ چاروں چیزیں جو آدم علیہ السلام کو جنت میں میسّر تھیں، دنیا میں اُسکی اولاد کے لیے بنیادی حقوق میں شامل ہیں یعنی خوراک، لباس، پانی اور مکان اس میں دو چیزیں تعلیم اور صحت بھی شامل کر لی جائیں تو انسان کے کل چھ بنیادی حقوق (BASIC RIGHTS) بن جاتے ہیں جو انسان

کو ہر حالت میں کسی نہ کسی صورت میں ملنے چاہئیں۔ آجکل عالمی ادارے یونیسکو (UNESCO) والے اِن بنیادی حقوق کا سہرا اپنے سر باندھنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ حقوق تو اللہ نے انسان کو قرآن و سنت کے ذریعے عطا کیے ہیں۔ مذکورہ چار حقوق کے علاوہ جن کا ذکر اِن آیات میں کیا گیا ہے، باقی دو حقوق کا ذکر بھی قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر موجود ہے۔ تعلیم کے متعلق مولانا عبید اللہ سندھیؒ سورۃ البقرہ کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (آیت ۱۵۹) کا حوالہ دیتے ہیں کہ اس آیت کے ذریعے اللہ کا حکم چھپانے والوں پر لعنت کی گئی ہے، لہٰذا کتمانِ احکام کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام باتوں کی تعلیم عام ہونی چاہیئے۔ اس لحاظ سے یہ انسان کا بنیادی حق بنتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے لیے اتنی تعلیم جبری ہونی چاہیئے کہ جس سے اُس کی ضروریاتِ دین پوری ہو سکیں۔ اگر اہل حل و عقد اس کا انتظام نہیں کرتے تو وہ خدا اور خدا کی مخلوق کی لعنت کے مستحق بنتے ہیں۔

جہاں تک صحت کا تعلق ہے، یہ بھی ہر انسان کے لیے ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان نہ عبادت کر سکتا ہے اور نہ جہاد کا فریضہ ادا کر سکتا ہے۔ عبادت کا حکم اللہ نے جگہ جگہ دیا ہے۔ وہی عبادات اربعہ جو ہر اہل ایمان پر اللہ نے فرض کی ہیں اور جہاد کے متعلق بھی اللہ نے سخت تاکید فرمائی ہے۔ سورۃ الانفال میں یہ حکم موجود ہے وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (آیت ۶۰) دشمن کے مقابلے کے لیے حسبِ استطاعت قوت فراہم کرو۔ بیمار آدمی تو دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا صحت کی برقراری بھی انسان کے بنیادی حقوق میں داخل ہے۔

مذکورہ بالا پہلے چار بنیادی حقوق کے متعلق ترمذی شریف[1] کی روایت میں آتا ہے لَيْسَ لِابْنِ آدَمَ حَقٌّ سِوَىٰ هٰذِهِ الْخِصَالِ یہ چار بنیادی ضروریات ہر انسان کا بنیادی حق ہیں ۔ البتہ یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان کو یہ اشیاء اعلیٰ درجے کی ہی حاصل ہوں، تاہم جیسی کیسی بھی ہوں، ملنی چاہئیں۔ خوراک کے لیے جِلْفِ الْخُبْزِ کے الفاظ آتے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے مرغن غذا ہی لازمی نہیں، خشک روٹی تو ہونی چاہیئے ۔ اس سے کوئی انسان محروم نہیں رہنا چاہیئے ۔ اسی طرح پانی بھی خوراک کا حصہ ہے وہ بھی ہر شخص کے لیے ضروری ہے ۔ اللہ نے لباس کے متعلق فرمایا ہے يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا (الاعراف ـ ۲۶) اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے لباس نازل کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہاری ستر پوشی بھی ہو اور تمہارے لیے زینت کا باعث بھی ہو ۔ لباس بہرحال ہر شخص کو ملنا چاہیئے خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو ۔ اسی طرح گرمی سردی سے بچنے اور آرام و سکون کے لیے گھر کا ہونا بھی ضروری ہے اور کوئی شخص اس سے محروم نہیں رہنا چاہیئے، یہ مکان ذاتی ملکیت نہ بھی ہو سکے تو کم از کم کرائے کا تو ہونا چاہیئے ۔

جنت میں یہ چیزیں آدم علیہ السلام کو فری حاصل تھیں اور دنیا میں اللہ نے بعض چیزیں عام رکھی ہیں جن سے ہر شخص بغیر مشقت کے فائدہ اٹھا سکتا ہے ۔ مثلاً روشنی ہر جاندار کے لیے ضروری ہے اور یہ ایسی چیز ہے جو ہر ایک کو مفت میسر آتی ہے ۔ اس پر کسی شخص کا کنٹرول نہیں ہے ۔ دوسرے نمبر پر ضروری چیز ہوا ہے ۔ یہ بھی کسی مخلوق کے قبضہ میں نہیں ہے بلکہ ہر جاندار کو فری ملتی ہے ۔ ہوا کے ذریعے انسانی جسم میں آکسیجن پہنچتی ہے جو کہ انسانی اور حیوانی زندگی کا لازمی جزو ہے : پھر تیسرا نمبر پانی کا ہے جو کہ ہر جاندار کے لیے لازمی ہے ۔ اس کے بغیر کوئی ذی روح زندہ نہیں

[1] ترمذی ص ۳۹۹ (فیاض)

رہ سکتا۔ اطباء کے بیان کے مطابق انسانی زندگی کا دارومدار دورانِ خون پر ہے جس میں اسی۸۰ فیصد پانی اور بیس۲۰ فیصد باقی معدنیات وغیرہ ہیں۔ لہذا ہوا اور روشنی کی طرح پانی بھی ہر شخص کے لیے فری ہونا چاہیئے۔ پانی پر کوئی ٹیکس عاید نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہر شخص کے لیے فری واٹر سپلائی کا انتظام کرے۔

البتہ خوراک ایسی چیز ہے جس کے حصول کے لیے ہر جاندار کو کچھ نہ کچھ محنت مشقت کرنی پڑتی ہے۔ کوئی مزدوری کرتا ہے، کوئی زراعت پیشہ ہے۔ کوئی کارخانہ میں کام کرتا ہے اور کوئی ملازمت اختیار کرتا ہے صنعت اور تجارت وغیرہ سب حصول رزق کا ذریعہ ہیں اور انسان ان ذرائع کو بروئے کار لاکر خوراک حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح مکان بھی ہر شخص کے لیے ضروری ہے اور اس کے لیے خود محنت کرنے کی ضرورت ہے اس کا بالکل فری ملنا محال ہے۔ یہ سب بنیادی ضروریات ہیں جو آدم علیہ السلام کو جنت میں مفت حاصل تھیں۔ تو اللہ نے خبردار کیا کہ اگر شیطان کے بہکاوے میں آکر جنت سے نکل گئے تو پھر تمہیں یہ نعمتیں فری حاصل نہیں ہوں گی بالکل۔ ان کے حصول کے لیے محنت مشقت کرنا ہوگی۔

درجات میں تفاوت

یہ چھ بنیادی سہولتیں ہر شخص کو ملنی چاہیئں مگر ان میں مساوات قائم نہیں کی جاسکتی بلکہ لوگوں کے درجات میں تفاوت ضرور ہوگا۔ خود قرآن نے اس تفاوت کو قائم رکھا ہے۔ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (الزخرف۔ ۳۲) ہم نے بعض کے درجات بعض کے مقابلے میں بلند کیے۔ ہر شخص کی دماغی اور جسمانی صلاحیتیں مختلف ہیں، لہذا ان کے درجات میں بھی تفاوت ہے۔ کسی کو وافر رزق ملتا ہے اور کسی کو کم۔ کسی کو زیادہ سہولتیں ملتی ہیں اور کسی کو کم۔ البتہ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ کوئی تو خوب پیٹ بھر کر کھائے اور کوئی بالکل بھوکا رہے۔ چاہے روکھی سوکھی ملے، ہر شخص کو ملنی چاہیئے۔

اسی طرح اگر کوئی محلات میں رہتا ہے تو دوسرے کو کم از کم جھونپڑی تو ملنی چاہیئے کہ اُس کا بنیادی حق ہے۔ ہر شخص کی صحت کی برقراری کا انتظام ہونا چاہیئے، بنیادی اور ضروری تعلیم سے کوئی شخص محروم نہیں رہنا چاہیئے ایک اچھی حکومت کی یہی علامت ہے کہ وہ انسانوں کے بنیادی حقوق کس حد تک ادا کرتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ وَاٰتِ کُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّہٗ ہر شخص کو اس کا حق ملنا چاہیئے۔ جس نظام حکومت میں لوگ بنیادی حقوق سے محروم ہیں، وہ ظالمانہ نظام ہے۔ اشتراکی نظام میں بھی سراسر الحاد ہے جس میں دین، شریعت اور خدا کا کوئی تصور نہیں، ان کا مساوات کا دعویٰ بھی محض فریب ہے۔ وہاں تو جبر و تشدد کا دور دورہ ہے جو ظلم ہے غرضیکہ نظام وہی بہتر ہے جس میں انسان کے بنیادی حقوق کی ضمانت موجود ہو۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ
عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا
مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ
عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾
ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ
اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا
يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى ۵ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا
يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ :- پھر وسوسہ ڈالا اُس (آدم) کی طرف شیطان نے کہا ، اے آدم ! کیا میں تجھے بتلاؤں ایک ہمیشگی کا درخت اور ایسی بادشاہی جو کبھی بوسیدہ نہ ہو ﴿۱۲۰﴾ پھر اِن دونوں (میاں بیوی) نے کھایا اُس (درخت) سے ۔ پس ظاہر ہو گئے دونوں کے لیے جسم کے مستور حصے ، اور شروع کیا دونوں نے ڈھانپنا اپنے اُوپر جنت کے پتوں سے اور نافرمانی کی آدم نے اپنے رب کی ، پس بے راہ ہوئے ﴿۱۲۱﴾ پھر منتخب کیا اُن کو اُن کے پروردگار نے پس رجوع کیا اُس کی طرف مہربانی کے ساتھ اور راہ دکھائی ﴿۱۲۲﴾ فرمایا (اللہ نے) اُتر جاؤ تم دونوں اِس

سے اکٹھے، بعض تمہارے بعض کے لیے دشمن ہوں گے۔
پس جب آئے گی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت
پس جس نے پیروی کی میری ہدایت کی، پس نہ وہ گمراہ ہوگا
اور نہ وہ تکلیف میں مبتلا ہوگا (۱۲۳)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی انابت، کمال اور فضیلت اور اس کے ساتھ ساتھ ابلیس کی سرکشی کا ذکر کیا۔ آدم علیہ السلام کو جنت میں جو سہولتیں حاصل تھیں اُن کا بیان ہوا، مگر شیطان نے وسوسہ اندازی کے ذریعے آدم علیہ السلام اور حواؑ کو جنت سے نکلوا دیا۔ اللہ تعالیٰ تو پہلے ہی خبردار کر چکے تھے کہ اے آدم! ابلیس نے نہ تو میرے حکم کی تعمیل کی ہے اور نہ تمہاری فضیلت کو تسلیم کیا ہے، یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، اس سے بچتے رہنا، کہیں یہ تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے۔ اس کے بعد ابلیس نے آدمؑ اور حواؑ کو بہکانا شروع کیا اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور آدمؑ اور حواؑ کو زمین پر اُترنا پڑا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ سورۃ بقرہ، سورۃ اعراف اور کئی دوسری سورتوں میں مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں یہ واقعہ آدم علیہ السلام کی خلافت و نیابت کے اعتبار سے بیان کیا گیا تھا، اور اس سورۃ میں یہ واقعہ بیان کرتے وقت آدم علیہ السلام کی انابت اور ابلیس کی سرکشی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یہ واقعہ اللہ نے انجام کار کے اعتبار سے بیان کیا ہے۔ اس سے پہلے رسالت کا بیان ہوا، اور اس سے پہلے اللہ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون نازل فرمایا معاد کے سلسلے میں پھر آدم علیہ السلام کا ذکر ہوا کہ انہوں نے جلد بازی کی اور بھول گئے، جس کے نتیجہ میں مشقت میں پڑ گئے۔

شیطان کی وسوسہ اندازی

اب آج کی آیات میں شیطان کی طرف سے وسوسہ اندازی اور اس کے نتیجے میں آدمؑ اور حواؑ کے جنت سے نکل جانے کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ پھر وسوسہ اندازی کی شیطان نے آدم علیہ السلام کی طرف۔ وسوسہ

پوشیدہ اور مخفی آواز کو کہا جاتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ شیطان نے نہایت ہی مخفی انداز میں آدم علیہ السلام کو بہکانا شروع کیا۔ سورۃ اعراف میں ہے۔ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ شیطان نے آدمؑ اور حواؑ دونوں کے سامنے قسم اٹھا کر کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، میری بات پر عمل کرو گے تو فائدے میں رہو گے، اور اس طرح اُن دونوں کو بہکانے میں کامیاب ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی اللہ کی قسم اٹھا کر بات کرتا ہے تو اُس پر یقین کرنا ہی پڑتا ہے۔

مفسرین کرام اس مسئلہ میں بحث کرتے ہیں کہ شیطان تو جنت سے باہر تھا، پھر اُس نے آدم علیہ السلام و حواؑ کی طرف وسوسہ اندازی کیسے کی اس ضمن میں بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اُس وقت تک علیحدگی کا حکم نہیں ہوا تھا، شیطان جنت کے اندر باہر آتا جاتا تھا جس کی وجہ سے اُسے وسوسہ ڈالنے کا موقع مِل گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ وسوسہ اندازی کے لیے قریب جانا ضروری نہیں۔ شیطان اگرچہ جنت کے دروازے سے باہر ہی رہتا تھا مگر اُس نے دُور سے ہی وسوسہ ڈال دیا اور اس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔

دائمی زندگی کا تصور

ارشاد ہوتا ہے کہ شیطان نے آدم علیہ السلام کو اس طرح بہکایا قَالَ یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ کہنے لگا، اے آدم! کیا میں بتاؤں تجھے ہمیشگی کا درخت؟ یعنی میں تجھے ایک ایسے درخت کی نشاندہی کرتا ہوں کہ اگر اس کا پھل کھالو گے تو تمہیں دائمی زندگی حاصل ہو جائیگی، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس جنت میں آرام و آسائش سے رہو گے اور کبھی بھی یہاں سے نکالے نہیں جاؤ گے۔ ہمیشگی کا تصور انسان کے لیے بڑا خوش کُن ہے، لہٰذا آدم علیہ السلام بھی اس کے لیے مائل ہو گئے۔

ہمیشہ رہنے کی خواہش پرانی قوموں میں بھی پائی جاتی تھی۔ سورۃ الشعرآء میں اللہ

نے قوم عاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تم بڑی بڑی عمارات، گنبد، مینار اور حوض وغیرہ بناتے تھے لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ گویا کہ تمھیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے۔ تو شیطان نے بھی آدم علیہ السلام کو اسی بات سے ورغلایا کہ میں تمہیں ایک ایسا نسخہ بتا سکتا ہوں جس کے ذریعے تم جنت کی دائمی زندگی پا سکو۔

لازوال سلطنت

دوسری چیز جس کا لالچ شیطان نے آدم علیہ السلام کو دیا، وہ تھا ۔ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى کہنے لگا کیا میں تمھیں ایک ایسی بادشاہی نہ بتاؤں، جو بوسیدہ نہ ہو۔ یعنی ایسی سلطنت کی نشاندہی کروں جس کو کبھی زوال نہ آئے۔ سلطنتوں کے عروج وزوال کی داستانوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ جس سلطنت کا دنیا میں کبھی لوہا مانا جاتا ہے وہ ایک نہ ایک دن شکست وریخت کا شکار بھی ہو جاتی ہے۔ آج تک دنیا کی کسی بادشاہت کو دوام حاصل نہیں ہوا۔ پرانے مصریوں، ایرانیوں، کلدانیوں اور بابلیوں کی بڑی بڑی سلطنتیں تھیں مگر آخر اُن کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ آج سے پچاس سال پہلے سلطنت برطانیہ کا طوطی بولتا تھا۔ اپنی وسعت وقوت کے اعتبار سے برطانیہ عظمیٰ (گریٹ بریٹن GREAT BRITAIN) کہلاتی تھی۔ کہتے ہیں کہ برطانیہ کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، مگر آج اس کی یہ عالت ہے کہ انگلینڈ کے چھوٹے سے جزیرے میں مسدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اب جزیرہ آئرلینڈ بھی علیحدگی کی کوشش کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت بھی بالآخر زوال کا شکار ہو جاتی ہے مگر شیطان نے آدم علیہ السلام کو ایسی سلطنت بتلانے کا وعدہ کیا جس کو کبھی زوال نہ آئے۔

بادشاہی کے اسی تصور کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بھی جنتیوں کے لیے بادشاہی کا ذکر کیا ہے۔ قرآن میں دیے گئے بعض اشارات سے پتہ چلتا ہے کہ جنت میں جانے والا ہر انسان بادشاہ ہو گا۔ اُس کو بادشاہوں جیسا اعزاز

اکرام حاصل ہوگا، خدمت گار، عملہ، محلات، آرام و آسائش کی تمام سہولتیں اور وسیع ملک حاصل ہوگا، اُس کے ہر حکم کی بغیر کسی رکاوٹ کے تعمیل ہوگی، جس طرح دنیا کا بادشاہ خود مختار ہوتا ہے اسی طرح ہر جنتی کی ہر خواہش پوری ہوگی۔ غرضیکہ شیطان نے ایسی ہی لازوال بادشاہی کا آدم علیہ السلام کو لالچ دیا۔ اور اس طرح انہیں بہکا کر جنت سے نکلوا دیا۔

آدم اور حوا کا پھل کھانا

سورۃ بقرہ میں آدم علیہ السلام کے جنت میں جانے کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے وَقُلْنَا يَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ہم نے آدم علیہ السلام سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، وہاں سے بافراط کھاؤ جہاں سے تمہارا جی چاہے، مگر اس درخت کے قریب نہ جانا مبادا کہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ۔ مگر شیطان نے یہی وسوسہ ڈالا کہ اس درخت کا پھل کھا لو گے تو دائمی زندگی اور لازوال بادشاہت نصیب ہو جائیگی۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اس پیش کش کے متعلق آدم علیہ السلام نے کچھ پس و پیش کیا مگر حضرت حواؑ اس سے زیادہ ہی متاثر ہوگئیں اور انہوں نے پھل کھا لیا اور اس کے بعد آدم علیہ السلام کو بھی اس بات پر آمادہ کر لیا۔ اور انہوں نے بھی وہ پھل کھا لیا۔ اسی واقعہ کے متعلق اللہ نے یہاں فرمایا فَاَكَلَا مِنْهَا، اُن دونوں نے وہ پھل کھا لیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر حوا خیانت نہ کرتی یعنی پھل کھانے میں پہل نہ کرتی تو دنیا کی کوئی عورت اپنے خاوند کیساتھ خیانت کا ارتکاب نہ کرتی۔ غرضیکہ اُن دونوں نے شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا۔

برہنگی اور ستر پوشی

مفسرین فرماتے ہیں کہ جب حضرت حواؑ نے پھل کھایا تو اُن کے معمول میں کوئی فرق نہ آیا۔ پھر جب وہی پھل آدم علیہ السلام نے کھایا اور دونوں کے متعلق شیطان کی سازش مکمل ہوگئی فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا

پس دونوں کے مستورہ حصے ظاہر ہو گئے یعنی دونوں میاں بیوی کا جلتی لباس اُتر گیا اور وہ بالکل برہنہ ہو گئے۔ سَوْأَۃ انسان کے اگلے پچھلے مستورہ حصول کو کہا جاتا ہے۔ سُوْءٌ کا لفظی معنی برائی ہوتا ہے، اور اعضائے مستورہ کو سَوْأَ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کا ظاہر ہونا انسان کو ناگوار گزرتا ہے یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے لہٰذا ان اعضا کا ڈھانپنا فرض ہے مسند احمد کی روایت کے مطابق ناف سے لیکر گھٹنے تک کا حصۂ جسم ستر میں داخل ہے جس کا کھل جانا سخت عیب کی بات ہے۔ متمدن دنیا کے انسان خواہ مومن ہوں یا کافر کسی قوم یا قبیلے سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی رنگ اور نسل کے لوگ ہوں برہنگی کے عیب ہونے پر سب کا اتفاق ہے انسان کا لباس جہاں اس کی ستر پوشی کرتا ہے، وہاں اس کے لیے باعث زینت بھی ہے۔ اس کے باوجود دنیا میں بعض ایسے سر پھرے لوگ بھی ہوئے ہیں جنہوں نے اپنی فطرت کے خلاف برہنگی کو پسند کیا۔ ۱۹۲۹ء میں جرمنی میں "انجمن الوانِ فطریہ" (نیچرل سوسائٹی NATURAL SOCIETY) کے نام سے ایک انجمن معرضِ وجود میں آئی تھی جس کی ممبر شپ کے لیے برہنہ ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ جب یہ لوگ اپنی مخصوص جگہ میں جاتے تھے تو مرد و زن سب اپنا لباس اتار کر برہنہ ہو جاتے تھے۔ شیطان نے ان کو اس طرح اغوا کیا کہ وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو گئے۔ مگر جن میں فطرت کی ذرا بھی رمق باقی ہے وہ ہمیشہ پردہ پوشی کرتے ہیں حتیٰ کہ وحشی قبائل، جن کو لباس میسّر نہیں، وہ بھی گھاس پھونس ستر پوشی کے لیے استعمال کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی شائع ہونے والی بعض تصاویر سے ان کے تمدن کا پتہ چلتا ہے۔ بہر حال جب آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی کے اعضائے مستورہ کھل گئے تو انہیں شرم محسوس ہونے لگی۔

میاں بیوی ایک دوسرے کو برہنگی کی حالت میں دیکھ رہے تھے اور اُدھر فرشتے بھی ان کی یہ حالت مشاہدہ کر رہے تھے۔ تو پھر کیا ہوا وَطَفِقَا

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے ٹانکنے لگے اور اس طرح اپنے اعضائے مستورہ کو ڈھانپنے کی کوشش کی۔ سورۃ اعراف میں بھی ایسا ہی ذکر ہے اور یہی چیز بتلا رہی ہے کہ برہنگی انسان کو فطرتًا ناگوار گزرتی ہے بشرطیکہ اس کا انسلاخ نہ ہو جائے یعنی وہ بالکل فطرت سے باہر نہ نکل جائے۔ اگر انسان فطرت کے اندر رہے تو اُسے برہنگی ضرور عیب نظر آئے گی۔

عصیان اور غوی

آدم علیہ السلام اور حوا کا شجر ممنوعہ کا پھل کھانا اور اُن کے لباس کا اُتر جانا شیطان کے اغوا کی وجہ سے ہوا۔ اللہ نے اُن کو اُس درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا مگر انہوں نے جلد بازی کی اور اُس حکم کو بھول گئے۔ اللہ نے فرمایا وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی، پس وہ بے راہ ہو گئے۔ یہاں پر عصیان سے یہ مراد نہیں ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی نیت اور ارادے سے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی بلکہ پہلے گزر چکا ہے لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا انہوں نے اپنے ارادے سے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ بھول گئے تھے۔ اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ بڑے آدمی کی معمولی لغزش پر بھی سخت گرفت آتی ہے۔ آدم علیہ السلام اولین انسان اور اللہ کے جلیل القدر نبی تھے۔ آپ نبیٔ مُکَلَّم تھے یعنی اللہ نے آپ سے کلام کیا تھا، لہٰذا آپ کی اس لغزش پر بھی سخت گرفت آئی، حالانکہ وہ گناہ نہیں تھا بلکہ اللہ کے نبی سے تو گناہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے وہ اللہ کے منتخب بندے اور معصوم ہوتے ہیں۔ تو یہاں پر عصیان سے نہ تو حقیقی نافرمانی مراد ہے اور نہ غوٰی سے حقیقی گمراہی، بلکہ غوٰی سے مراد بے راہ ہونا ہے یعنی آدم علیہ السلام جو چیز پانا چاہتے تھے، اُسے نہ پا سکے اور بے راہ ہو گئے۔

بعض لوگوں نے آدم علیہ السلام کی اس لغزش کو فی الواقع گناہ پر محمول

کیا ہے۔ مثلاً مولانا مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب ضبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی پڑی تو آدم علیہ السلام اطاعت کے بلند مقام سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ مودودی صاحب ہمارے زمانے کے مفسرِ قرآن ہیں مگر انہوں نے تفسیر میں بہت سی غلطیاں بھی کی ہیں۔ مولانا سید احمد رضا بجنوری جو حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے داماد ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے تفہیم القرآن میں ایک سو غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ مولانا مودودی ذہین وفطین آدمی تھے، مگر اُن کی کمزوری یہ تھی کہ انہوں نے اساتذہ سے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور محض مطالعہ کے زور پر چلتے تھے۔ آپ صحافی تھے، بہت سی کتابوں کے مصنف تھے مگر تفسیر میں غلطیاں بھی کی ہیں۔

مفسر قرطبی، مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ انبیاء کی لغزشوں کا بھی موقع بے موقع ذکر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ جہاں قرآن میں اس کا تذکرہ آجائے، اُس کو بیان کر دینا درست ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ غیر ضروری باتوں کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیئے، جو ایسا کرے گا، نقصان اٹھائے گا۔ دائمی زندگی والی بات بھی غیر ضروری تھی مگر آدم علیہ السلام اس کے پیچھے پڑ کر مشقت میں مبتلا ہو گئے۔ سورۃ الاعراف میں شیطان کا یہ بہکاوا بھی موجود ہے کہ اُس نے آدم علیہ السلام اور حوا سے کہا تھا کہ تم اس درخت کا پھل کھالو، اللہ نے اس سے اس لیے منع کیا ہے۔ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ۔ آدم علیہ السلام کے لیے یہ بھی غیر ضروری بات تھی، کیونکہ ملکیت تو آدم علیہ السلام کی مطلوبہ چیز نہیں تھی مگر آدم علیہ السلام اس کے پیچھے بھی پڑ گئے تو نقصان اٹھایا۔

لغزش کی معافی

جب آدم علیہ السلام اور حوا سے غلطی کا ارتکاب ہو گیا تو پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس طرح معافی طلب کی، کہنے لگے رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ

مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف - ۲۳) اے ہمارے پروردگار! ہم نے واقعی اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے یعنی ہم سے لغزش ہوگئی ہے، اب اگر تو مہربانی نہیں فرمائے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا فَتَابَ عَلَيْهِ اور آپ کی طرف مہربانی کے ساتھ رجوع کیا اور نہ صرف آپ کی لغزش کو معاف کیا بلکہ وَهَدٰى آپ کو راہ بھی دکھائی کہ سیدھا راستہ یہ ہے اس پر چلے جاؤ۔ یہاں پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ جب توبہ اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے مہربانی کے ساتھ رجوع کرنا۔ اور جب یہی لفظ بندے کے لیے استعمال ہو تو معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ بندہ ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

پھر کیا ہوا؟ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا تم دونوں (آدم اور حوا) یہاں سے اکٹھے اُتر جاؤ۔ اُس وقت یہ دونوں میاں بیوی ہی تھے۔ لہٰذا انہی کے لیے اُتر جانے کا حکم ہوا، اُن کی باقی اولاد تو زمین پر آکر ہوئی۔ لہٰذا یہ حکم ساری نوعِ انسانی کے لیے نہیں تھا۔ سورۃ البقرہ میں جمع کا صیغہ بھی ہے وَقُلْنَا اهْبِطُوْا (آیت - ۳۶) ہم نے کہا سب اُتر جاؤ۔ یہاں پر آدم علیہ السلام حوا اور شیطان تینوں مراد ہیں کہ سب زمین پر اُتر جاؤ۔ البتہ یہ بات یاد رکھنا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ بعض تم میں سے بعض کے دشمن ہوں گے۔ مرد عورت کا دشمن ہوگا، بھائی بھائی کا، باپ بیٹے کا اور ایک قرابتدار دوسرے قرابتدار کا۔ چنانچہ اُس وقت سے لے کر عداوت کا سلسلہ چلا آرہا ہے سب سے پہلی عداوت آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں پیدا ہوئی جس کا ذکر سورۃ مائدہ میں موجود ہے۔ اس کے بعد سالقہ تاریخ پڑھ لیں، کس قدر قتل و غارت گری نظر آتی ہے، اور آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ دشمنی اور عداوت

ہر روز کتنے گل کھلاتی ہے۔

ہدایت کی پیروی

اللہ نے فرمایا، میری یہ بات بھی سن لو فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًى جب تمہارے پاس یعنی تمہاری اولاد کے پاس دنیا میں میری ہدایت آئے گی۔ میرے نبی آئیں گے، میری کتابیں آئیں گی، شریعت اور احکام نازل ہوں گے تو فرمایا فَمَنْ اتَّبَعَ هُدَایَ جس شخص نے میری ہدایت کی پیروی کی فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰى وہ نہ تو گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑیگا۔ ایسے شخص کو بلاشبہ فلاح نصیب ہوجائیگی اور وہ اس جنت میں سیدھا چلا آئیگا جس سے اب تمہیں اُترنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (اعراف۔۴۳) یہ جنت تمہارے جدامجد کی وراثت ہے جو تمہیں نیکی کرنے پر حاصل ہوگی۔ ایمان لاؤ گے، نیک اعمال انجام دوگے تو جنت کا راستہ بالکل آسان ہوجائے گا۔ اگر خداتعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کروگے دنیا میں گمراہ نہیں ہوگے تو آخرت میں اللہ کی رحمت کے مقام جنت میں پہنچ جاؤ گے۔ اس بات سے اللہ نے اسی وقت آگاہ کردیا تھا جب آدم علیہ السلام کو جنت سے اُتر جانے کا حکم دیا۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا
وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ
حَشَرْتَنِىْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ
كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ
تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ
يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾
اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ
يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّاُولِى النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ ع ٧ ١٢ ١٦

ترجمہ :۔ اور جس شخص نے اعراض کیا میرے ذکر سے ، پس بیشک اُس کے لیے گزران ہو گا تنگی کا ، اور اٹھائیں گے ہم اُس کو قیامت کے دن اندھا ﴿١٢٤﴾ وہ کہے گا ، اے میرے پروردگار ! تو نے کیوں اٹھایا مجھے اندھا ، اور بیشک میں تو دیکھنے والا تھا ﴿١٢٥﴾ فرمائے گا (اللہ تعالیٰ) اسی طریقے سے آئیں تیرے پاس ہماری آیتیں ، پس تو نے اُن کو فراموش کر دیا ، اور اسی طرح آج کے دِن تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا ﴿١٢٦﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اُس

کو جو اسراف کرتا ہے اور اپنے رب کی آیتوں کے ساتھ ایمان
نہیں لاتا۔ اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ شدید اور زیادہ باقی
رہنے والا ہے (۱۲۷) کیا واضح نہیں ہوئی ان لوگوں کے لیے
یہ بات کہ اِن سے پہلے ہم نے بہت سی قومیں ہلاک
کی ہیں۔ چلتے پھرتے ہیں یہ لوگ اُن کے ٹھکانوں میں،
بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں عقل رکھنے والے لوگوں کے
لیے (۱۲۸)

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کی حقیقت بیان کرنے کے بعد معاد کا مسئلہ بیان فرمایا، اور اس سلسلے میں آدم علیہ السلام کی تخلیق اور اُن کی انابت کا ذکر ہوا۔ ابلیس کے انکار اور اس کی سرکشی کا بیان ہوا۔ آدم علیہ السلام کو جنت میں ملنے والی سہولتیں شیطان کی وسوسہ اندازی کے نتیجے میں چھین لی گئیں اور دونوں میاں بیوی کو زمین پر اُترنے کا حکم ہوا۔ اللہ نے ساتھ ساتھ یہ بھی تبلا دیا کہ تم میں سے بعض ایک دوسرے کے دشمن ہوگے۔ نوعِ انسانی کے لیے ایک مقررہ وقت یعنی قیامت تک کے لیے زمین پر رہائش پذیر ہونا ہوگا۔

اس غلطی پر آدم علیہ السلام سخت نادم ہوئے۔ انہوں نے گڑگڑا کر اللہ سے معافی مانگی تو اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمائی، اُن کو برگزیدہ بنایا اور پھر اُن کو راستہ دکھایا۔ اب اِس جنت کے مقام تک پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آئے، اُس کے پیغمبر آئیں اور کتابیں نازل ہوں، تو جو کوئی اس ہدایت کی پیروی کرے گا وہ گمراہ نہیں ہوگا، اور پھر آخرت میں جنت کے مقام تک پہنچنے میں کوئی مشقت بھی نہیں اٹھائے گا۔

ذکرِ الٰہی سے اعراض

اَب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری ضروری بات کا ذکر کیا ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ جس نے میری یاد سے روگردانی کی۔ ذکر سے

مراد یاد بھی ہے اور نصیحت بھی۔ پہلے گزر چکا ہے کہ قرآن پاک اور دیگر کتب سماویہ اور صحائف نصیحت نامے اُس وقت کے لوگوں کے لیے باعثِ فوز و فلاح تھے۔ قرآن پاک کے متعلق خاص طور پر اللہ نے فرمایا وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ہم نے اپنی طرف سے آپ کو ایک ذکر یعنی نصیحت نامہ عطا کیا ہے۔ جہاں تک خدا تعالیٰ کی یاد سے غفلت کا تعلق ہے تو یاد بھی جبھی ہوگی جب اُس پر ایمان لائیں گے اور ایمان لانے کا ذریعہ بھی وحی الٰہی یعنی قرآن پاک ہے۔ تو فرمایا جس نے اعراض کیا میری یاد سے یا میرے نصیحت نامے سے فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا تو اُس کے لیے تنگی والا گزران ہوگا۔

تنگیٔ معیشت کی توجیہات

آیت ہذا کا ظاہری مفہوم تو یہی ہے کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کرے گا۔ اُس کی معیشت تنگ ہو جائیگی اور وہ دنیا میں عسرت کی زندگی بسر کریگا، مگر ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کے بڑے بڑے نافرمان اور سرکش لوگ اور حکومتیں بڑی آسودہ حال ہیں اور یہ لوگ نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ برخلاف اس کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے[1] اَشَدُّ الْبَلَاۗءِ الْاَنْبِیَاۗءِ دنیا میں سب سے زیادہ مصائب انبیاء علیہم السلام پر آتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزاروں اور مقربین کے لیے اس دنیا کی معیشت زیادہ تنگ ہے۔ اِس اشکال کے پیشِ نظر مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی تین توجیہات بیان کی ہیں۔

(۱) بے اطمینانی

فرماتے ہیں کہ اس مقام پر معیشت کی تنگی سے مراد عسرت کی زندگی نہیں بلکہ بے اطمینانی اور بے سکونی مراد ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص قوم یا ملک اللہ کی یاد اور اس کے نصیحت نامے سے اعراض کرے گا۔ اُس کو اطمینان اور سکون نصیب نہیں ہوگا خواہ اس کے پاس آرام و راحت کے کتنے ہی سامان کیوں نہ موجود ہوں۔ چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ حکمران ہوں

[1] موارد الظمآن صـ۱۸۰ و ابن ماجہ صـ۲۹۱ و ترمذی صـ۳۴۶ (فیاض)

یا امرا، سرمایہ دار ہو یا کارخانہ دار، دولت مند ہو یا لینڈ لارڈ ان کے ہاں سکھ اور چین ہمیشہ مفقود رہتا ہے، ایسے لوگ ہر وقت پریشان اور مضطرب رہتے ہیں۔ کیونکہ اطمینانِ قلب اور سکون کے لیے تو اللہ کی یاد کی ضرورت ہے جو ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ کا فرمان ہے اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد - ۲۸) دل کی تسکین تو ذکرِ الٰہی سے ہوتی ہے۔ اگر کسی کے پاس سونے کے پہاڑ بھی ہوں تو ان سے اطمینانِ قلب نہیں خریدا جا سکتا، اسی لیے ان کی زندگی کو تنگی سے موسوم کیا گیا ہے۔ اطمینان اور سکون والی حیاتِ طیبہ کا نسخہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النحل میں بیان فرمایا ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً جس شخص نے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال انجام دیے ہم اُسے پاکیزہ زندگی عطا کرتے ہیں جس میں اُسے سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے ذکرِ الٰہی سے اعراض کرنے والوں کے حصے میں حیاتِ خبیثہ آتی ہے۔ جس میں برائیاں ہی برائیاں ہوتی ہیں۔ حرص اور لالچ ہوتا ہے جو اُن کے دل و دماغ پر مسلط ہو کر انہیں بے سکونی کی زندگی گزارنے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ جو شخص نہ حقوق ادا کرتا ہے اور نہ فرائض، اُسے اطمینانِ قلب کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اسی لیے فرمایا کہ میری یاد سے منہ موڑنے والوں کی معیشت تنگ کر دی جائے گی۔ یہ پہلی توجیہہ ہے۔

(۲) معصیت کی زندگی

مفسرین کرام معیشت کی تنگی کی دوسری توجیہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ذکرِ الٰہی سے اعراض کرنے والے معصیت کی زندگی بسر کریں گے۔ اُن کی فکر فاسد اور عقیدہ بگڑا ہوا ہوگا، اخلاق خراب اور اعمال قبیح ہوں گے۔ ایسے لوگوں کا نیکی میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اس لیے یہ معصیت کی زندگی گزاریں گے اور معیشت تنگ ہو جانے سے یہی مراد ہے۔

(۳) برزخ کی زندگی

مفسرین کرام کا ایک طبقہ منجملہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ وغیرہم فرماتے ہیں کہ معیشت کی تنگی سے مراد برزخ کی زندگی کی تنگی ہے اس دُنیا کی زندگی تو کسی نہ کسی طرح کٹ جائے گی، لیکن درمیان میں برزخ یعنی قبر کی زندگی بھی درپیش ہے۔ اس زندگی کا کچھ نمونہ حضور علیہ السلام نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ بعض آدمیوں کی قبر اس قدر تنگ ہو جائے گی کہ وہ اس شخص کو اتنا دبوچے گی کہ اُس کی پسلیاں ایک دوسری میں داخل ہو جائیں گی۔ اور بعض کے متعلق فرمایا کہ اُن پر ننانوے ۹۹ سانپ مسلط کر دیے جائیں گے جو صاحبِ قبر کو ہر وقت ڈستے رہیں گے۔ کہیں بچھوؤں کا ذکر بھی آتا ہے کہیں یہ بھی فرمایا کہ نافرمانوں پر ہتھوڑا بردار فرشتے مسلط کر دیے جائیں گے، اُن کے پاس اتنے زبردست ہتھوڑے ہوں گے کہ اگر کسی پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔ فرمایا کہ ذکرِ الٰہی سے اعراض کرنے والوں کو اتنی سخت سزا دی جائے گی۔ اس کو معیشت کی تنگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کے برخلاف اہلِ ایمان اور ذکرِ الٰہی سے شغف رکھنے والوں کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو گی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ نیک آدمی کی قبر ستر ستر ہاتھ کشادہ ہو جائے گی، جنت کی طرف اس میں کھڑکی کھل جائے گی جس کے ذریعے جنت کی خوشبو آنے لگے گی اور اُس شخص کے نیک اعمال بہترین شکل میں متشکل ہو کر اُس کے سامنے آئیں گے، یہ اُس کی برزخ کی حیاتِ طیبہ ہو گی، قبر میں اُن کے پاس فرشتے بھی آئیں گے مگر انہیں کسی قسم کی وحشت نہیں ہو گی کیونکہ حضور علیہ السلام کا ارشادِ مبارک ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والے کسی شخص پر وحشت نہیں ہو گی۔

آخرت میں بدترین سلوک

جب برزخ کی زندگی ختم ہو جائے گی تو آخرت کی منزل آئے گی۔ اس منزل میں اللہ نے اعراض کرنے والوں کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قیامت کے دن ایسے شخص کو ہم

اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ یہ اندھا پن ایک خاص وقت تک کے لیے بطور
سزا ہوگا اور جب حساب کتاب کا وقت آئے گا تو بینائی واپس کر دی جائے گی
بہرحال ایسے لوگوں کو اندھا پن کی یہ ذلت و رسوائی برداشت کرنا پڑے گی

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا وہ کہے گا اے میرے پروردگار
تو نے کیوں اٹھایا مجھے اندھا اور بیشک میں تو دیکھنے والا تھا قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ
اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسی طریقے سے
آئیں تیرے پاس ہماری آیتیں پس تو نے ان کو فراموش کر دیا اور اسی طرح آج کے دن
تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ
يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں اس کو جو اسراف کرتا
ہے اور اپنے رب کی آیتوں کے ساتھ ایمان نہیں لاتا

پھر حساب کتاب کے بعد فرمایا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۝
ذکرِ الٰہی سے اعراض کرنے والے کے لیے آخرت کا عذاب شدید اور دیرپا
ہوگا۔ ایسے شخص کو جو سزا برزخی زندگی میں ملی یا حشر کے دن اٹھتے وقت ملی
وہ اس کے جرائم کے مقابلے میں ناکافی تھی، لہٰذا آخرت کی سخت اور دائمی سزا
میں بھی مبتلا ہوگا۔ اللہ نے یہ انجام بھی بیان فرما دیا۔

مقاماتِ عبرت

فرمایا اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ
الْقُرُوْنِ کیا ان لوگوں کے لیے یہ بات واضح نہیں ہوئی کہ ہم نے
ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا۔ نزولِ قرآن کے زمانے کے لوگ
ہوں یا بعد والے، سب کے لیے ایک ہی حکم ہے۔ جب انہوں نے ظلم،
زیادتی اور نافرمانی کو شعار بنا لیا تو اللہ نے فرمایا کہ ہم نے انہیں ہلاک کر کے
نیست و نابود کر دیا۔ آج ان کی حالت یہ ہے يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ
لوگ ان کے مسکنوں پر سے گزرتے ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی تہذیبوں کے شہر
اب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ لوگ قدیم مصری، یونانی، ایرانی، بابلی،

کلدانی، گندھارا، ہڑپہ وغیرہ کے لوگوں کی تباہ حال بستیوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ کبھی یہ لوگ بھی دنیا میں برسرِ اقتدار تھے۔ ان کے علم، فن اور ہنر کا طوطی بولتا تھا مگر آج اُن کا نام لیوا بھی کوئی نہیں ہے۔ یہ عبرت کے مقامات ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے۔

فرمایا، یاد رکھو! اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی ؂ ان باقیات میں عقلمند لوگوں کے لیے نشانیاں اور دلائل ہیں۔ ان کو دیکھ کر اہلِ خرد سمجھ جاتے ہیں کہ نافرمانی، غرور اور تکبر کا نتیجہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے اور اس سے بچنا چاہیئے۔ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا چاہیئے، اُس کی اطاعت کو شعار بنانا چاہیئے۔ اُس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر ایمان لانا چاہیئے اور اس کے ارسال کردہ نصیحت نامے کو دستور العمل کے طور پر قبول کر لینا چاہیے۔ اسی میں حیاتِ طیبہ پا جانے کا راز ہے اور اسی میں انسانیت کی فلاح ہے۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا
وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ
وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ
تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

ترجمہ :- اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے ہو چکی ہے تیری پروردگار کی طرف سے ، اور ایک مقررہ وقت ، تو البتہ ہلاکت لازم ہو جاتی ﴿۱۲۹﴾ پس آپ صبر کریں اُن باتوں پر جو یہ کہتے ہیں۔ اور آپ تسبیح بیان کریں اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ سورج کے طلوع سے پہلے ، اور سورج کے غروب سے پہلے ، اور رات کی گھڑیوں میں۔ پس تسبیح بیان کریں ، اور دن کے اطراف میں ، تاکہ آپ راضی ہو جائیں ﴿۱۳۰﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ذکر اور نصیحت سے اعراض کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا تھا۔ ایک تو اُن کی معیشت تنگ ہو جائے گی ، یعنی وہ سکون اور اطمینان سے محروم ہو جائیں گے اور اُن کی قبر کی زندگی بھی بڑی تنگی میں گزرے گی۔ اور دوسری بات یہ کہ جب حشر میں اٹھیں گے تو اندھے ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت کے طور پر سابقہ قوموں کی ہلاکت اور بربادی کا حال بھی

بیان فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ان واقعات میں صاحب عقل لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ دراصل یہ آیات سورۃ ہذا کی ابتدائی آیات کے ساتھ مربوط ہیں وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ قرآن آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں نازل کیا گیا، بلکہ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى (آیت۔۳) یہ تو ایک نصیحت نامہ ہے اُس شخص کے لیے جو ڈر گیا۔

اس سورۃ مبارکہ کا بیشتر حصہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور دوسری طرف فرعون اور اُس کے حواریوں کے حالات پر مشتمل ہے۔ درحقیقت یہ واقعات بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی دلائی ہے کہ دیکھو! اللہ کے پہلے نبیوں کو کس قدر تکالیف آئیں مگر وہ اپنے مشن پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی۔ اِسی طرح آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو بھی بڑے مشکل حالات سے گزرنا پڑ رہا ہے مگر بالآخر کامیابی آپ کی ہوگی۔ مشکلات کے یہ سارے بادل چھٹ جائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کو دنیوی اور اخروی فلاح نصیب کرے گا۔

قانونِ امہال و تدریج

آج کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس کے نافرمانوں کی ہلاکت و تباہی تو یقینی ہے مگر اللہ تعالیٰ اُن کو خاص وقت تک مہلت بھی دیتا ہے تاکہ لوگ توبہ کر کے معصیت سے باز آجائیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ امہال و تدریج ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ (اعراف۱۸۲) ان کو بتدریج پکڑیں گے۔ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (اعراف۔۱۸۳) میں اِن کو مہلت دیتا ہوں۔ بیشک میری تدبیر مضبوط ہے اگر اللہ کا قانونِ امہال و تدریج نہ ہوتا تو یہ لوگ فوری طور پر سزا کے مستحق ہو جاتے مگر اللہ کا یہ طے شدہ قانون ہے کہ وہ مجرموں کو مہلت دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اگر تیرے پروردگار کی طرف سے یہ بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی، اور طے شدہ

بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانونِ امہال و تدریج کے ذریعے نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی لَكَانَ لِزَامًا تو افراد اور قوموں کی ہلاکت لازم ہو جاتی اور دوسری یہ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى کہ ہر کام کیلئے ایک وقت مقرر ہے۔ ہر شخص اور قوم کے عروج و زوال کا وقت مقرر ہے۔ مجرموں کی سزا اور صالحین کی جزا کا وقت مقرر ہے، پیدائش اور موت کا وقت مقرر ہے۔ جس طرح ہر انسان کی انفرادی طور پہ عمر مقرر ہے اسی طرح بحیثیت مجموعی قوموں کی عمر بھی مقرر ہوتی ہے۔ تو فرمایا اگر خدا تعالیٰ کا قانونِ امہال و تدریج اور ہر کام کا مقرر وقت نہ ہوتا۔ تو افراد اور قوموں کی ہلاکت لازم ہو جاتی۔

صبر کی تلقین

آگے تسلی کے مضمون کے طور پر حضور علیہ السلام سے خطاب ہے کہ اگر کفار و مشرکین آپ کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں طعن و تشنیع کرتے ہیں تو آپ دل برداشتہ نہ ہوں بلکہ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کریں۔ مشرک اور کافر لوگ اہل ایمان پر طعن کرتے تھے۔ اُن کے دین کو بُرا بھلا کہتے تھے اور جسمانی تکلیفیں بھی پہنچاتے تھے، تو اللہ نے فرمایا کہ آپ اس کے جواب میں صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھیں۔

صبر بہت بڑی حقیقت اور ملتِ ابراہیمیہ کا اہم ترین اصول ہے۔ جس طرح توحید، شکر، ذکر، تعظیم شعائر اللہ وغیرہ ملتِ ابراہیمیہ کے اصول ہیں، اسی طرح صبر بھی ایک اصول ہے۔ ہر تکلیف کے مقابلے میں صبر کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مشکل وقت میں نماز اور صبر سے استعانت حاصل کرنے کی تلقین کی ہے، اور واضح طور پہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرہ - ۱۵۳) اللہ تعالیٰ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دشمن کی ایذا رسانیوں اور طعنہ زنی پہ آپ صبر کا دامن تھامے رکھیں۔

قرآن میں صلوٰۃ خمسہ کا ذکر

فرمایا مصائب و آلام کے مقابلے میں ایک تو صبر کریں اور دوسرا کام وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کریں اُس کی تعریف کے ساتھ۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس تسبیح و تحمید سے مراد نماز کا التزام ہے کیونکہ نماز تسبیح و تحمید اور مناجات سے ہی عبارت ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کی کئی آیات میں صلوات خمسہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ مفسرِ قرآن فرماتے ہیں کہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ میں پانچوں نمازوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک کے عرصہ میں چار نمازیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء آجاتی ہیں جب کہ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ میں فجر کی نماز کا بیان ہے۔ تو اس طرح گویا پانچوں نمازوں کا ذکر اس ایک آیت میں آگیا ہے۔ اور پھر حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (البقرہ ۲۳۸) تمام نمازوں اور خاص طور پر نمازِ عصر کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اوقات کا ذکر اور تسبیح و تحمید کا ذکر کر کے بھی نماز کی ادائیگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ نماز کی ابتداء ہی تسبیح و تحمید سے ہوتی ہے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ..... الخ

اس آیت کریمہ میں بھی تسبیح و تحمید کے عنوان سے پانچوں نمازوں کے اوقات کا تعین کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، اپنے پروردگار کی تسبیح و تنزیہ بیان کرو قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے۔ ظاہر ہے کہ اس سے فجر کی نماز مراد ہے کیونکہ طلوع شمس سے پہلے یہی نماز ادا کی جاتی ہے۔ پھر فرمایا

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا سورج کے غروب سے پہلے اللہ کی تسبیح و تحمید بیان کرو یعنی نماز پڑھو، اور یہ وقت نماز عصر کا ہے یہ دو نمازوں کا ذکر ہو گیا، جو کہ بڑی اہم نمازیں ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ اللہ کا دیدار ایمان والوں کو نصیب ہوگا۔ اور اس کا سب سے قوی ذریعہ فجر اور عصر کی نمازیں ہیں، لہٰذا کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ دونوں نمازیں کسی طرح فوت نہ ہونے پائیں۔ صبح کے وقت نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور نماز کے فوت ہو جانے کا خطرہ۔ اور عصر کا وقت کاروبار کا وقت ہوتا ہے اور اس مصروفیت کی وجہ سے نماز رہ جاتی ہے، لہٰذا ان دونوں نمازوں کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ ایک روایت[1] میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ دَخَلَ الْجَنَّةَ ان نمازوں کو صحیح طور پر بروقت ادا کرنے والے جنت کے مستحق ہو جائیں گے۔

آگے فرمایا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ اور رات کی گھڑیوں میں بھی اللہ کی تسبیح بیان کرو، یعنی نماز پڑھو۔ اور یہ عشاء کی نماز ہے جسے عربی میں عتمہ بھی کہتے ہیں۔ جب مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، رات کی نمازوں میں تہجد کی نماز بھی آتی ہے مگر وہ نفلی نماز ہے جس کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں اس طرح آیا ہے وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ بہرحال اس مقام پر اٰنَآئِ الَّيْلِ سے عشاء کی نماز مراد ہے جو کہ فرض ہے۔ یہ تین نمازیں ہو گئیں۔

پھر فرمایا وَاَطْرَافَ النَّهَارِ اور دن کی دونوں اطراف میں بھی تسبیح و تحمید کرو یعنی نماز پڑھو۔ ظاہر ہے کہ دن کے ابتدائی نصف کے اختتام پر ظہر کا وقت ہوتا ہے اور دوسرے نصف کے اختتام پر مغرب کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ تو گویا اطراف النہار سے ظہر اور مغرب کی نمازیں مراد ہیں۔ اس طرح گویا اس ایک آیت میں پانچوں نمازوں کا ذکر

[1] بخاری ص۸۱ ج۱ (فیاض)

آگیا ہے۔ صحیحین کی روایت[1] میں فرضیت نماز کے متعلق آتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ افۡتَرَضَ عَلَیۡکُمۡ خَمۡسَ صَلَوٰتٍ فِیۡ یَوۡمٍ وَّ لَیۡلَۃٍ اللہ تعالیٰ نے تم پر شب و روز میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں انہی صلوات خمسہ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔

شریعت کے چار ماخذ

چکڑالوی اور پرویز جیسے منکرین حدیث ہر چیز کا ثبوت قرآن پاک سے طلب کرتے ہیں حالانکہ اُن کا یہ مطالبہ سراسر باطل ہے کیونکہ شریعت مطہرہ کا ماخذ صرف قرآن نہیں بلکہ فقہائے کرام نے اس کے چار ماخذ بیان کیے ہیں یعنی قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ پانچ نمازوں کے متعلق قرآن پاک سے صرف مذکورہ اشارات ملتے ہیں جب کہ مکمل تصریح سنت رسول سے حاصل ہوتی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ قرآن میں پانچ نمازوں کی صراحت موجود نہیں ہے، قابلِ قبول نظریہ نہیں ہے۔ بہرحال شریعت کا کوئی مسئلہ ان چاروں ماخذوں میں سے کسی ایک سے بھی ثابت ہو جائے تو وہ ہمارے لیے حجت ہوگا۔ اگر کوئی چیز اِن ماخذوں میں سے کسی ایک سے بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی تو پھر وہ خلافِ دین سمجھی جائے گی۔ جو چیز قرآن پاک سے صراحتاً ثابت ہو، وہ تو بہرصورت قابلِ قبول ہے۔ اور اگر کوئی چیز قرآن سے صراحتاً ثابت نہیں ہوتی مگر حضور علیہ السلام کے قول یا عمل سے ثابت ہوتی ہے تو وہ بھی دین کا جزو ہے اگر کوئی مسئلہ سنت سے بھی پوری طرح واضح نہیں ہوتا مگر اُس پر صحابہ کا اتفاق ہے، تو بھی ہمارے لیے عین دین ہے۔ اگر کوئی چیز اِن تینوں ذرائع سے پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتی تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اجتہاد کا قانون بتلا دیا ہے اس قانون کے مطابق آئمہ مجتہدین اجتہاد کرتے ہیں اور مطلوبہ مسئلہ کا حل قرآن و سنت سے استنباط کر کے پیش کر دیتے ہیں، اور ایسا حل بھی امت کے لیے ایسا ہی قابلِ قبول اور حجت ہوتا ہے جیسے پہلے تین ذرائع سے حل

[1] مسلم ص۲۶ ج ۱ (فیاض)

ہونے والے مسائل۔ بہرحال یہ سارے ماخذ شریعت کی دلیل ہیں۔ اس کے باوجود اگر کوئی پانچوں نمازوں کا ثبوت صرف قرآن پاک سے طلب کرے تو اس کا یہ مطالبہ ہی غلط ہے اگرچہ صلوات خمسہ کے اشارات قرآن پاک میں بھی موجود ہیں۔

حضرت عمران ابن حصین رض حضور علیہ السلام کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ تیس ۳۰ سال تک ناسور اور بواسیر کی بیماری میں مبتلا رہے مگر کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے بلکہ ہمیشہ اللہ کا شکر ہی ادا کرتے رہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے فرشتے آکر ان کو سلام کرتے تھے کسی شخص نے آپ سے سوال کیا کہ مجھے فلاں مسئلہ قرآن کی رُو سے بتائیں تو آپ سخت ناراض ہو گئے۔ فرمایا، تم ہر چیز قرآن سے کیسے معلوم کر سکتے ہو فرمایا اللہ نے قرآن میں تو اصول بیان کیے ہیں۔ جبکی تشریح حضور علیہ السلام نے اپنے قول اور عمل سے کر دی ہے اور وہی ہمارے لیے حجت ہے قرآن میں ہر چیز کی جزئیات نہیں ہیں۔ بھلا بتاؤ تو نماز کی رکعتوں کی تعداد قرآن کی کس آیت میں ہے، اور زکوٰۃ کا نصاب کہاں مذکور ہے؟ یہ تو اللہ کے نبی نے بتایا ہے کہ فلاں فلاں نماز کی اتنی اتنی رکعتیں اور ہر رکعت کے ہر رکن میں فلاں فلاں کلمات پڑھنے ہیں۔ اسی طرح سونے چاندی یا بھیڑ، بکریوں اور اونٹوں کے نصاب بھی حضور علیہ السلام کی سنت سے معلوم ہوئے ہیں۔ پھر فرمایا بتلاؤ حج کے جملہ احکام کس سورۃ میں آئے ہیں۔ وہاں اصول تو موجود ہے وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرۃ ۱۹۶) یعنی حج اور عمرہ اللہ کی رضا کے لیے کرو، مگر یہ کہاں لکھا ہے کہ کس تاریخ کو کس مقام پر جانا ہے اور فلاں جگہ پر کون کون سی مناجات کرنی ہے اور کون کون سا عمل بالفعل ادا کرنا ہے۔ اسی طرح حج کی جنایات کی تفصیل بھی قرآن میں موجود نہیں۔ مگر یہ سب باتیں حدیث نبوی سے معلوم ہیں، لہٰذا

یہ عین حق ہیں۔ غرضیکہ ہر معاملہ کا ثبوت قرآنِ پاک سے طلب کرنا کسی طور پر بھی مناسب نہیں اور نہ ایسا ثبوت مہیا کیا جاسکتا ہے۔

نماز ذریعہ رضا

فرمایا مذکورہ اوقات میں اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید بیان کریں یعنی نماز پڑھیں لَعَلَّكَ تَرْضٰى تاکہ آپ راضی ہوجائیں مطلب یہ کہ صبر اور نماز کے التزام کا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ خوش ہوجائیں گے۔ صبر کے ذریعے آپ میں برداشت کا مادہ پیدا ہوگا جس کی وجہ سے آپ مصائب کا مقابلہ کر سکیں گے اور بہت سی قباحتوں سے بچ جائیں گے اور نماز ادا کرنے سے روحانی طاقت پیدا ہوگی اور آپ کا تعلق باللہ درست رہیگا۔ یہ دونوں فلاح کے اصول ہیں۔ لہذا آپ دنیا میں بھی کامیاب رہیں گے اور آخرت میں چل کر بھی بلند مرتبہ حاصل ہوگا۔ یہ تو ان الفاظ کے عام معانی ہیں۔ اور اگر اسے حضور علیہ السلام کی ذات کے ساتھ مخصوص کیا جائے تو بلند مرتبے کا مطلب یہ ہوگا۔ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل ۷۹) اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز کریگا اور آپ کو شفاعت کا مقام نصیب ہوگا۔ سورۃ الضحیٰ میں ہے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو اتنا دیگا کہ آپ راضی ہوجائیں گے۔ یہ بھی شفاعت کے مقام کی طرف اشارہ ہے۔ آگے اسی رکوع میں نماز کے متعلق مزید ہدایات آرہی ہیں۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ
زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ
رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ﴿١٣١﴾ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ
عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ
لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾

ترجمہ:- اور نہ دراز کریں آپ اپنی آنکھیں اُس کی طرف جو فائدہ دیا ہم نے اُس چیز کے ساتھ مختلف قسم کے لوگوں کو اُن میں سے۔ یہ رونق ہے دنیا کی زندگی ہے تاکہ ہم آزمائیں اُن کو اس میں۔ اور تیرے رب کی (دی ہوئی) روزی بہتر ہے اور دیرپا ہے (۱۳۱) اور حکم دیں آپ اپنے متعلقین کو نماز کا اور خود بھی اس پر قائم رہیں۔ ہم نہیں سوال کرتے آپ سے روزی کا بلکہ ہم ہی آپ کو روزی دیتے ہیں اور اچھا انجام ہمیشہ تقویٰ کے لیے ہے (۱۳۲)

ربط آیات

دراصل یہ ساری سورۃ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کی تسلی کے لیے نازل فرمائی۔ اہل ایمان کفار و مشرکین کے ہاتھوں سخت پریشانی اور ایذا رسانی میں مبتلا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بیان کر کے مسلمانوں کو تسلی دلائی کہ اہل ایمان کو ہمیشہ ایسے ہی حالات سے گزرنا پڑتا ہے لہذا آپ بد دل نہ ہوں بلکہ اپنا کام کرتے رہیں، آخری فتح تمہاری ہی ہوگی۔

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کی طرف سے دی جانیوالی تکالیف پر صبر کرنے کی تلقین کی تھی۔ اور ساتھ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس میں اللہ نے پانچوں نمازوں کا اشارتاً ذکر کر کے نماز پر مداومت اختیار کرنے کے لیے کہا تھا۔

آزمائش بذریعہ رفاہیت بالغہ

اسلام کے ابتدائی دور میں اہل ایمان دنیوی لحاظ سے بڑی عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے جب کہ اللہ اور اس کے رسول کے باغی اور نافرمان لوگ عیش و آرام میں کھیل رہے تھے۔ اُن کے پاس مال و دولت، جانور، مکان، سواریاں سب کچھ تھا مگر اللہ کی توحید کو ماننے والے اِن چیزوں سے محروم تھے اور وہ مالدار منکرین کی طرف رشک آمیز نظروں سے دیکھتے تھے۔ اللہ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ اور نہ دراز کریں آپ اپنی آنکھیں اُس فائدے کی طرف جو ہم نے طرح طرح کے لوگوں کو دیا ہے۔ یعنی آپ کفار و مشرکین کو عطا کردہ دنیوی مال و متاع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں کیونکہ یہ چیز اِن لوگوں کے حق میں فائدہ مند نہیں ہے بات کفار و مشرکین کی ہو رہی ہے اور طرح طرح کے لوگوں کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین بھی کئی قسم کے لوگوں پر مشتمل تھے۔ بعض یہودی تھے۔ بعض نصاریٰ بعض بت پرست اور بعض مادہ پرست، اسی طرح بعض مجوسی تھے، اور بعض ستارہ پرست۔ فرمایا، اِن میں سے کسی کو بھی آسودہ حال دیکھ کر آپ اُس کی طرف رشک آمیز نظریں نہ اٹھائیں زَهْرَةَ الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا یہ تو محض دنیا کی رونق ہے جو کہ قلیل اور عارضی ہے اور ہم نے یہ کچھ وقت کے لیے اِن کو اس لیے عطا کی ہے لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ تاکہ اس کے ذریعے اِن کو آزمایا جائے کہ یہ مال و متاع حاصل کرنے کے بعد ان میں سے کون ہے جو ہمارا شکر ادا کرتا ہے اور کون ہے جو ناشکری کا مرتکب

ہوتا ہے۔ زہرہ دراصل کسی درخت یا پھول کے شگوفے کو کہتے ہیں۔ جس میں وقتی طور پر تو بڑی شادابی اور رونق ہوتی ہے مگر یہ جلدی ہی مرجھا کر ختم ہو جاتا ہے کفار و مشرکین کی رفاہیت بالغہ کو بھی اللہ نے اسی شگوفے کی مثال بیان کیا ہے کہ شگوفے کی طرح دنیا کا مال و اسباب، عیش و آرام اور تمام چیزیں جلد ہی ختم ہو جانے والی ہیں۔ انسان کے لیے کارآمد اور دیرپا چیز ایمان اور نیکی ہے اگر کسی کو یہ چیز حاصل نہیں تو پھر اس کی ساری رونق اس کے لیے باعث وبال ہے کیونکہ اس کے ذریعے ہم ان کی آزمائش کر رہے ہیں۔ فرمایا آپ ان کے جاہ و حشمت پر تعجب نہ کریں اور نہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں کہ یہ چیز ان کے حق میں مفید نہیں ہے۔

رشک کی ممانعت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ کسی نافرمان، باغی اور سرکش کی اچھی حالت دیکھ کر رشک نہیں کرنا چاہیئے اور نہ اپنے لیے ایسی حالت کی دعا کرنی چاہیئے کیونکہ اس کا آخری نتیجہ پشیمانی کی صورت میں نکلتا ہے فرمایا، تم نہیں جانتے کہ اللہ کے ہاں ایسے لوگ کس چیز سے ملنے والے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے محبوب نہیں بلکہ مبغوض ہیں کیونکہ یہ چیزیں ان کو آزمائش کے واسطے عطا کی ہیں اور چند دن بعد ان کے لیے نقصان کا باعث بننے والی ہیں۔ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں اور جاہ و اقتدار پر بھی رشک نہیں کرنا چاہیئے کہ یہ بھی چند دن کی بات ہے اور پھر ان کے لیے اندھیری رات ہے۔ آخرت میں یہ چیزیں ان کے لیے سخت مضر ثابت ہوں گی۔ اللہ کی محبوبیت کی علامت نیکی، ایمان اور تقوےٰ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر دنیا میں بھی حصہ مل گیا تو خوش بختی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کو بھی دنیا میں سے حصہ دیتا ہے اور بُرے لوگوں کو بھی دیتا ہے۔ کس کو کتنا حصہ ملتا ہے۔ اس کی مصلحت اور حکمت خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی مخلوق نہیں جانتی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے رفاہیتِ بالغہ کے متعلق فرمایا کہ یہ نافرمانوں کو حاصل ہے

مگر ہم نے اِن کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔

دیرپا روزی

فرمایا اِن نافرمانوں کا مال و اسباب تو عارضی ہے اور اِن کے لیے وبال جان ہے مگر یاد رکھو! وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى آپ کے پروردگار کی عطا کردہ روزی بہتر اور دیرپا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ رِزْقُ رَبِّكَ سے مراد حلال اور طیب روزی ہے جو اللہ تعالیٰ ایمان اور نیکی والوں کو عطا کرتا ہے ورنہ رزق تو سب کو اللہ ہی دیتا ہے چاہے کوئی ایمان والا ہو یا باغی اور سرکش۔ فرق یہ ہے کہ نافرمانوں کی روزی عارضی اور مضر ہے جبکہ ایمان والوں کی روزی بہتر اور دیرپا ہے۔ اکثر مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس روزی سے مراد جنت کی روزی ہے جو اہل ایمان کو وہاں حاصل ہو گی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ روزی دنیا کی روزی کی نسبت ہزار درجے بہتر اور دائمی بھی ہو گی جو کبھی چھینی نہیں جائے گی۔

بہتر رزق کا اطلاق اُس رزق پر بھی ہوتا ہے جس میں سے تمام حقوق ادا کر دیے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ثروت پر اس کے بندوں کے حقوق بھی عائد کیے ہیں۔ اگر اُس نے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے۔ عزیز و اقارب، یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کے حقوق ادا کر دیے ہیں تو پھر باقی ماندہ روزی اس کے لیے بہترین روزی ہے جس کے اثرات ابدالآباد تک قائم رہیں گے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہی کہا تھا کہ لوگو! ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو۔ لوگوں کو اُن کا حق پورا پورا ادا کرو۔ اور پھر بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (ھود-۸۶) جو کچھ تمہارے پاس بچ جائے وہی تمہارے لیے بہتر ہے بشرطیکہ تم مومن ہو۔ برخلاف اس کے اگر تم ایسا مال استعمال کرتے ہو جس میں دوسرے لوگوں کے حقوق بھی شامل ہیں تو پھر یہ مال تمہیں مفید نہیں ہو سکتا۔ ترمذی[1] اور ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے کہ دنیا کا مال و اسباب

[1] ترمذی ص۳۳۲ (فیاض)

زینت اور خوشحالی دیکھ کر کوئی شخص دھوکے میں نہ آئے کیونکہ یہ تو نری آزمائش ہے۔ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَّا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شُرْبَةَ مَاءٍ اگر خدا تعالیٰ کے ہاں دنیا کی قدر و منزلت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ کرتا۔ مطلب یہ کہ دنیا کی حقیقت تو مچھر کے پر سے بھی کم تر ہے۔ سورۃ النساء میں اللہ کا فرمان ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ (آیت ۔۷۷) آپ لوگوں کو بتا دیں کہ دنیا کا مال و متاع تو بالکل قلیل ہے اور دنیا کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گا، لہٰذا اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔

نماز کی پابندی

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نماز جیسی اہم عبادت کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اہل کا اطلاق نہ صرف بیوی بچوں پر ہوتا ہے بلکہ دیگر تمام لواحقین، خویش و اقارب اور ماتحت بھی اس تعریف میں آتے ہیں، سب کو نماز کی تلقین کرنے اور اس پر مداومت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمانِ مبارک ہے کہ جب بچہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کو وضو کا طریقہ بتلاؤ، نماز سکھاؤ اور پھر اُسے نماز کے لیے کھڑا کرو، جب بچہ دس سال کا ہو جائے تو اُسے سزا دے کر بھی نماز کا پابند بناؤ۔ اُس کی نگرانی اس کی بلوغت تک جاری رہنی چاہیئے اس کے بعد وہ اِس حکم کا خود جوابدہ ہو جائے گا۔

فرمایا، نماز کے لیے نہ صرف اپنے متعلقین کو حکم دیں، بلکہ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا خود بھی اس پر کاربند رہیں۔ نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار ہوتا ہے اور یہ تعلق جس قدر مستحکم ہوگا۔ اسی قدر انجام کے لحاظ سے بہتر ہوگا۔ نماز کا اثر اور اجر دونوں دیرپا ہیں۔ صبح کی دو سنت کے متعلق

حضور علیہ السلام[1] کا ارشاد مبارک ہے رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا یہ دو رکعتیں پوری دنیا اور اس کے ساز و سامان سے بہتر ہیں۔ ظاہر ہے کہ دنیا تو فانی ہے، اس نے ایک نہ ایک دن ختم ہو جانا ہے مگر نماز کا اجر و ثواب ابدی ہے اور یہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ فجر کے فرائض سے پہلے ان سنتوں کو اہتمام کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے، حضور علیہ السلام نے ان کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ خود حضور علیہ السلام کا عمل یہ تھا کہ اذان ختم ہوتی تو آپ فوراً دو سنتیں ادا کر لیتے اور اس کے بعد دو فرضوں کے لیے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

نماز ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ یہ ام العبادات المقربہ یعنی اللہ کا قرب دلانے والی عبادات میں سے سب سے افضل عبادت نماز ہے۔ یہ اہل ایمان کا شعار ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[2] ہے ۔ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ یعنی بندے اور کفر کے درمیان فرق صرف ترکِ نماز کا ہے، جس شخص نے نماز ترک کر دی، اس نے گویا کفر میں قدم رکھ دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ واقعی کافر بنتا ہے یا نہیں مگر کفر کی طرف اس نے قدم توڑ ال دیا۔ ایمان کے بعد دوسرا سوال قیامت کے دن نماز ہی کے متعلق ہوگا۔ لہٰذا نماز کو بالالتزام ادا کرنا چاہیئے۔ اسی لیے فرمایا کہ اپنے متعلقین کو بھی نماز کا حکم دیں اور خود بھی اس پر قائم رہیں۔

روزی بذمہ خدا تعالےٰ

ہر ذی روح کی روزی کا ذمہ خود خدا تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ہم آپ سے روزی طلب نہیں کرتے، بلکہ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ہم آپ کو روزی دیتے ہیں۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ بڑی عجیب بات ہے کہ دنیا کے آقا اپنے غلاموں سے کمائی کر وا کے خود کھاتے ہیں، مگر اللہ فرماتا ہے کہ ہمیں تمہاری کمائی کی ضرورت نہیں

[1] مسلم ص۲۵۱ ج۱ [2] ترمذی ص۳۷۶ (فیاض)

بلکہ تمہیں بھی روزی ہم خود دیتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کا معاملہ کلیتہً اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے ۔ وہ اسباب مہیا کرتا ہے تو بندوں کو رزق ملتا ہے یہ نہ سمجھنا کہ کوئی کارخانہ دار، زمیندار، جاگیردار، وڈیرا یا حکومت کا کوئی عہدہ دار روزی کا ذمہ دار ہے ۔ یہ چیز اللہ نے مخلوق کے ہاتھ میں نہیں دی۔ آپ سورۃ بنی اسرائیل میں پڑھ چکے ہیں۔ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (آیت - ۱۰۰) اگر روزی کا انتظام بندوں کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ خرچ ہو جانے کے ڈر سے روک رکھتے اور لوگ بھوکوں مرنے لگتے ، انسان تو تنگ دل ہی واقع ہوا ہے اللہ نے رزق کی بہم رسانی خود اپنے قبضہ قدرت میں رکھی ہے هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (الذٰریٰت - ۵۸) رازق تو خدا تعالیٰ ہے جو زبردست قوت والا ہے اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ (العنکبوت - ۶۰) کتنے جانور، پرندے، کیڑے مکوڑے ہیں جو اپنی روزی اپنی پشت پر نہیں لادے پھرتے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ انہیں بھی روزی دیتا ہے ، اور تمہیں بھی۔ اسباب رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے ، اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ خدا کے سوا تم جن بتوں کی پوجا کرتے ہو، وہ تو کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ وہ تمہاری روزی کا بندوبست نہیں کر سکتے۔ روزی کی بہم رسانی قبضہ خداوندی میں ہے فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ (العنکبوت ۔ ۱۷) لہذا روزی اللہ کے ہاں ہی تلاش کیا کرو۔ آج کل دنیا کی حکومتیں خوراک کے بڑے بڑے منصوبے بناتی ہیں تقسیم رزق کے بڑے بڑے نعرے بھی کرتی ہیں مگر ان کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہوتا، بلکہ لوگ مزید خرابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ روزی کے جائز ذرائع اختیار کرے اور پھر نتیجہ خدا تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ روزی کا بندوبست خود کریگا۔ اور نماز پڑھتے رہو، خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو تو اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (طلاق۔ ۲، ۳) خدا تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال لیگا۔ اور ایسی جگہ سے روزی دیگا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگی۔

نماز اور کسب معاش

ایک اور بات بھی ہے کہ اگر فرض نماز اور کسب معاش میں تعارض واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے کسب کے مقابلے میں نماز کو ترک کرنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ روزی بہم پہنچانا خدا تعالیٰ کی ذمہ داری ہے، لہٰذا فرائض عبودیت مقدم ہیں۔ فرمایا روزی کے معاملہ میں اعتقاد کو پختہ رکھو۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى اور یاد رکھو کہ اچھا انجام ہمیشہ پرہیزگاری کو ہی حاصل ہوگا۔ فسق، فجور، کفر، شرک اور نافرمانی کا انجام کبھی اچھا نہیں ہو سکتا۔ بہتر انجام توحید، ایمان، اخلاص اور تقویٰ والوں کا ہی ہوگا۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم
بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم
بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ
إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ
وَنَخْزَىٰ ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ۖ
فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ
وَمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿١٣٥﴾ ع ٧ ٨

ترجمہ:- اور کہا (نافرمان لوگوں نے) کہ کیوں نہیں آتی ہمارے پاس نشانی اس کے رب کی طرف سے ۔کیا نہیں آئی اِن کے پاس واضح نشانی جو پہلے صحیفوں میں ہے (١٣٣) اور بیشک اگر ہم اِن کو ہلاک کرتے عذاب کے ساتھ اس سے پہلے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف رسول ۔ پس ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ورسوا ہوں (١٣٤) (اے پیغمبرؐ!) آپ کہہ دیجئے کہ ہر ایک انتظار کرنے والا ہے ، پس تم بھی انتظار کرو ۔پس عنقریب تم جان لو گے کہ کون ہیں سیدھے راستے پر چلنے والے ، اور کون ہیں ہدایت یافتہ (١٣٥)

ربطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے لیے تسلی کا مضمون بیان فرمایا ہے اور آپ کو جرأت دلائی ہے کہ اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کے لیے حقِ تبلیغ ادا کرتے رہیں۔ اور مخالفوں کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کریں۔ دیکھیں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے کس طرح فرعون اور اس کی قوم کے سرکش لوگوں کا مقابلہ کیا، کیسی کیسی تکلیفیں برداشت کیں اور بالآخر کامیاب ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نافرمان کفار و مشرکین کی بیہودہ باتوں اور طعن و تشنیع کے مقابلے میں صبر اختیار کرنے اور نماز پر مداومت کی نصیحت کی۔ اس کے بعد اللہ نے دنیا میں نافرمان لوگوں کی رفاہیت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ آپ اُن کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ اُن کا یہ ظاہری مال و اسباب، زیب و زینت اور آسودہ حالی محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔ یہ چیزیں دے کر اللہ تعالیٰ انہیں آزمانا چاہتا ہے کہ ان میں سے کون ہے جو شکریہ ادا کرتا ہے اور کون ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے۔ اللہ نے رزق کے متعلق یہ اصول بھی بتلا دیا کہ ہر جاندار کو روزی کی فراہمی اُس کی اپنی ذمہ داری ہے، اسبابِ رزق وہی فراہم کرتا ہے جس سے لوگوں کو ضروریاتِ زندگی میسر آتی ہیں۔ نیز فرمایا کہ اچھا انجام ہمیشہ متقیوں کا ہی ہوگا۔

نشانی کا مطالبہ

اب آج کی آیات میں پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی طرف سے اُن کی من پسند نشانی کے مطالبے کا ذکر کر کے اُس کا جواب دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَقَالُوا یہ عنادی لوگ کہتے ہیں لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ط ہمارے پاس اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں آتی یعنی کوئی ایسی نشانی ظاہر ہونی چاہیے جو ہماری پسند کی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بات کو نہ ماننا ہو تو پھر اسی قسم کے بے معنی اعتراضات اور مطالبات پیش کیے جاتے ہیں سورۃ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے کہ اس قسم کے ضدی لوگوں نے حضور علیہ السلام

کے سامنے مطالبہ پیش کیا تھا کہ ہمارے لیے زمین میں چشمے بہا دو۔ ہمارے سامنے آسمان سے کتاب لے کر آؤ۔ تمھارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات ہونے چاہئیں، تب ہم ایمان لائیں گے۔ تو یہاں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُن لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارے پاس ہماری مرضی کی نشانی کیوں نہیں آتی۔ اگر ہماری من پسند نشانی ظاہر ہو جائے۔ تو ہم ایمان لے آئیں گے۔

حضور علیہ السلام بطور نشانی

اللہ تعالیٰ نے اس مطالبے کے جواب میں فرمایا کہ ان کا یہ مطالبہ محض نہ ماننے کا ایک بہانہ ہے۔ بھلا بتلاؤ تو سہی اَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولٰى کیا اِن کے پاس وہ واضح نشانی نہیں آچکی جس کا ذکر پہلے صحائف میں موجود ہے؟ سابقہ کتب سماویہ میں جو نشانی بیان کی گئی ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ پہلی کتابوں میں موجود ہے کہ آخری زمانے میں اللہ کا ایک عظیم الشان رسول آئے گا، جس پر خدا تعالیٰ ایک عظیم الشان کتاب نازل فرمائے گا۔ ظاہر ہے کہ نشانی تو حضور علیہ السلام کی شکل میں آچکی ہے، لہٰذا اب یہ مزید کون سی نشانی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ یہ پیشن گوئی حضرت شعیب علیہ السلام کے صحیفے میں بھی تھی۔ اِنِّیْ سَابَعَثُ نَبِیًّا اُمِّیًّا فِی الْاُمِّیِّیْنَ یعنی میں امی قوم میں ایک امی نبی بھیجوں گا۔ تورات میں یہ بات موجود تھی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، اے موسیٰ! میں تیرے بھائی بندوں میں تیرے جیسا عظیم الشان رسول بھیجوں گا۔ اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ بھائی بندوں سے مراد دوسرا خاندان بنی اسماعیل اور کلام ڈالنے کا مطلب قرآن پاک عطا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ حضور علیہ السلام کی آمد کی پیشن گوئی انجیل، زبور اور دوسرے صحائف میں بھی موجود تھی۔ قرآن پاک شاہد ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ میں تمھاری طرف رسول

بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں تورات کا مصدق ہوں وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف - ٦) اور اپنے بعد تمہیں ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ کون سی نشانی طلب کرتے ہیں، کیا حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نشانی نہیں آچکی؟

اس کے علاوہ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ کیا یہ نبی وہی بات نہیں کرتا جو اس سے پہلے نبی کرتے آئے ہیں۔ تمام انبیاء کا دین متفقہ دین ہے، لہذا نبی آخر الزمان نے بھی وہی تعلیم پیش کی جو پہلے نبی پیش کرتے رہے ہیں۔ لہذا دین کی حقانیت کے ثبوت کے لیے تو یہ نشانی بھی کافی ہے کہ اللہ کے آخری نبی کا دین سابقہ انبیاء کے دین سے مطابقت رکھتا ہے۔

قرآن بطور نشانی

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کیا اُن کے پاس واضح نشانی نہیں آئی، تو اس نشانی سے مراد قرآن پاک ہے۔ سورہ العنکبوت میں موجود ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی، تو اللہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیں نشانیاں ظاہر کرنا تو اللہ کا کام ہے، میں تو ڈرسنانے والا ہوں اور کھول کر بیان کرنے والا ہوں۔ آگے واضح نشانی کے متعلق فرمایا اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (آیت - ۵۱) کیا ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ کی طرف ایک کتاب یعنی قرآن پاک نازل فرمایا ہے جو اُن کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ بیشک اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے اور ایمان لانے والی قوم کے لیے یاد دہانی ہے۔ گویا سب نشانیوں سے بڑھ کر نشانی اللہ کی یہ کتاب ہے اس کی موجودگی میں باقی کون سی نشانی رہ جاتی ہے۔ سورۃ الاعلیٰ میں اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی ﴿۱۹﴾ قرآن کی بیان کردہ باتیں تو پہلی کتابوں یعنی صحائف ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام میں بھی موجود ہیں۔ گویا قرآنِ پاک تمام صحیفوں کی تعلیمات کا جامع ہے۔ تو کیا قرآن پاک جیسی عظیم نشانی کے علاوہ کسی اور نشانی کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ یہ لوگ محض ضد اور عناد کی وجہ سے من پسند نشانیاں طلب کرتے ہیں۔ ورنہ واضح نشانیاں تو موجود ہیں۔ قرآن اس لحاظ سے بھی بیّنہ ہے کہ یہ پہلی کتابوں کا مصدق ہے جیسے فرمایا مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ (آل عمران۔۳) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے قرآن پاک کو نازل فرمایا جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے

"بینہ" وسیع تر معنوں میں

اس آیتِ کریمہ میں آمدہ لفظ بینہ کا ترجمہ ہم نے واضح نشانی کیا ہے تاہم یہ لفظ کثیر المعانی ہے اور مختلف مقامات پر اس کے مختلف معانی آئے ہیں۔ مثلاً سورۃ بینہ میں ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین اس وقت تک کفر سے باز نہیں آئیں گے حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ یہاں تک کہ اُن کے پاس بینہ یعنی واضح چیز آجائے اور وہ واضح چیز یا نشانی کیا ہے؟ اللہ کا رسول ہے جو پاکیزہ صحیفے پڑھتا ہے۔ تو اس مقام پر بینہ سے مراد حضور علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ گویا آپ اس لحاظ سے بھی واضح نشانی ہیں کہ آپ قرآنی تعلیمات کا مجسم نمونہ ہیں۔

بینہ سے مراد معجزہ بھی لیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے آپ سے کہا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ (ہود۔۵۳) اے ہود! آپ ہمارے پاس کوئی معجزہ نہیں لائے۔ آپ نے جواب دیا کہ معجزات تو آچکے ہیں مگر تم ضد اور عناد کی بنا پر ایمان نہیں لاتے۔ اسی طرح بینہ کا معنیٰ واضح دلیل، واضح حکم یا واضح اصول بھی ہوتا ہے سورۃ البقرہ

میں ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَالۡہُدٰی (۱۵۹) بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ بینات اور ہدایت میں سے چھپاتے ہیں، فرمایا ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ بینات اور ہدایت میں فرق یہ ہے کہ بینات سے مراد وہ واضح چیزیں ہیں جنہیں کوئی شخص معمولی توجہ سے بھی سیکھ سکتا ہے۔ مثلاً اللہ کی توحید بڑی واضح چیز ہے جسے فطرت سلیم اور عقل سلیم رکھنے والا ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اور ہدایت وہ چیز ہے جس کو استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے سیکھنا پڑتا ہے۔ مثلاً حلال حرام، جائز ناجائز، تعظیم شعائر اللہ وغیرہ ایسے مسائل ہیں جنہیں بغیر استاد کے نہیں سیکھا جا سکتا۔ سورۃ فتح میں ہے هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ (آیت ۲۸) اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔ گویا یہ باتیں اللہ کے پیغمبر یا اُن کے پیروکاروں سے سیکھنی پڑتی ہیں غرضیکہ بینہ کا اطلاق ان سب باتوں پر ہوتا ہے جن کا میں نے ذکر کر دیا ہے۔

اتباع رسل کا دعویٰ

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے ایک باطل دعوے کا ذکر کیا ہے وَلَوۡ اَنَّاۤ اَہۡلَکۡنٰہُمۡ بِعَذَابٍ مِّنۡ قَبۡلِہٖ اگر ہم ان کو اس کتاب کے نزول سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے۔ ظاہر ہے کہ کتاب تو نبی پر نازل ہوئی تو مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم انہیں نبی کی بعثت سے پہلے ہی عذاب میں مبتلا کر دیتے لَقَالُوۡا رَبَّنَا لَوۡلَاۤ اَرۡسَلۡتَ اِلَیۡنَا رَسُوۡلًا تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہ بھیجا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّذِلَّ وَنَخۡزٰی تاکہ ہم تیری آیتوں کا اتباع کرتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہو جاتے اگر اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دینا چاہتا تو بغیر نبی بھیجے بھی دے سکتا تھا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل جیسا جوہر عطا کیا ہے۔ جس کے ذریعے وہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکتے تھے مگر اللہ نے نبی بھیج کر اور کتابیں نازل فرما کر اتمامِ حجت کر دی تاکہ کسی کے پاس یہ عذر باقی نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ سورۃ النساء میں بھی ہے کہ ہم نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (آیت - ۱۶۵) تاکہ نبیوں کے آنے کے بعد کوئی عذر نہ کر سکے۔ سورۃ المائدۃ میں بھی ہے کہ اے اہل کتاب ہمارے رسول تمہارے پاس آ چکے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ (آیت - ۱۹) کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا، غرضیکہ اللہ نے تمہارے پاس نبی اور رسول بھیجے، کتابیں آئیں، واعظ اور مبلغ پہنچے، عقل دی، اللہ کی پہچان کے سارے اسباب مہیا کیے تاکہ کل کو کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ اگر ہمارے پاس کوئی رسول آجاتا تو ہم ضرور ایمان لے آتے۔ فرمایا اب اتمامِ حجت کے بعد صورت حال یہ ہے لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال - ۴۲) کہ جس نے ہلاک ہونا ہے وہ واضح دلیل کے بعد ہلاک ہو، اور جس نے زندہ رہنا ہے وہ واضح دلیل کے بعد زندہ رہے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ اُن کا اتباعِ رسل کا دعویٰ باطل ہے۔ جہاں تک اُن کی ذلت و رسوائی کا تعلق ہے تو جب کوئی شخص یا گروہ دنیا میں مغلوب ہو جاتا ہے تو وہ ذلت اٹھاتا ہے اور جب آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔ تو سخت رسوائی ہوگی۔ ابدی سزا کے مستحق کافروں پر بڑی ذلت اور رسوائی ہوگی۔

نتیجے کا انتظار

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ اِن لوگوں سے کہہ دیں كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ہر شخص راہ دیکھتا ہے یعنی منتظر ہے، لہٰذا تم بھی انتظار کرو۔ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ

السَّوِيِّ تمہیں جلدی ہی پتہ چل جائے گا کہ سیدھے راستے پر چلنے والا کون ہے وَمَنِ اهْتَدٰى اور ہدایت یافتہ کون شخص ہے مطلب یہ ہے کہ تم اپنے طریقے پر رہ کر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں پھر دیکھنا اچھا نتیجہ کس کے حق میں نکلتا ہے۔ سورۃ ہود میں ہے وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (آیت - ۱۲۲) فرمایا تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔ میر تقی میر نے پوری زندگی کو انتظار کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

ے
بود نقش و نگار سا ہے کچھ
اور صورت اک اعتبار سا ہے کچھ
یہ مہلت جسے کہیں ہیں عمر
دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ

فرمایا، آج تو مخالفت کرتے اور دین حق پر اعتراضات کرتے ہو تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا کہ صراطِ مستقیم پہ کون ہے اور ہدایت یافتہ کون ہے۔

اس مقام پر صراطِ مستقیم والا اور ہدایت یافتہ دو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں حالانکہ بظاہر ایک ہی شخص دونوں صفات سے متصف ہوتا ہے اِن دونوں میں فرق یہ ہے کہ جو صراطِ مستقیم پر ہے، وہ ابھی راستے پر چل رہا ہے اور جس کو ہدایت یافتہ کہا گیا ہے، وہ منزلِ مقصود تک پہنچ چکا ہے۔ جو شخص ابھی چل رہا ہے اس کے منزل پر پہنچنے کا پورا یقین تو نہیں ہو سکتا، البتہ جو ہدایت یافتہ ہے وہ منزل پہ پہنچ کر کامیاب ہو چکا ہے۔

سُورة الأنبياء مُكمل

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاِثْنَتَا عَشَرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا سَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ انبیاء مکی ہے اور یہ ایک سو بارہ آیات اور اس میں سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ
مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ
مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ②
لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ڰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ
هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ
تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ
اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ښ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ
كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ
مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ⑥

ترجمہ:- قریب آگیا ہے لوگوں کے لیے ان کا حساب
اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کر رہے

ہیں ① نہیں آتی اُن کے پاس کوئی نصیحت اُن کے رب کی طرف سے نئی (اور تازہ) مگر وہ سنتے ہیں، اور کھیل میں لگے ہوئے ہیں ② کھیل میں پڑے ہوئے ہیں، اُن کے دل، اور اُن لوگوں نے پوشیدہ طور پر میٹنگ کی جنہوں نے ظلم کیا (اور کہنے لگے) نہیں ہے یہ شخص مگر انسان تمہارے جیسا۔ کیا تم پھنستے ہو جادو میں، اور تم دیکھ رہے ہو ③ کہا (پیغمبر نے) میرا پروردگار جانتا ہے بات کو آسمانوں میں اور زمین میں، اور وہ سُننے والا اور جاننے والا ہے ④ بلکہ اِن لوگوں نے کہا کہ یہ تو پریشان خواب ہیں (جو یہ پیش کرتا ہے) بلکہ اِس کو گھڑ لیا ہے اس نے۔ بلکہ یہ تو شاعر ہے۔ پس لائے ہمارے پاس نشانیاں ایسی جیسا کہ بھیجے گئے تھے پہلے لوگ ⑤ نہیں ایمان لائے اِس سے پہلے کسی بستی والے۔ جن کو ہم نے ہلاک کیا ہے۔ کیا یہ ایمان لائیں گے؟ ⑥

نام اور کوائف

اِس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الانبیاء ہے۔ اگرچہ اس میں لفظ "انبیاء" کا ذکر تو کہیں نہیں آیا، تاہم اس میں بہت سے انبیاء علیہم السلام مثلاً حضرت نوح، ادریس، یونس، ایوب، ابراہیم، موسیٰ، عیسےٰ علیہم السلام اور آخر میں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک مذکور ہے اسلئے اس سورۃ کو سورۃ الانبیاء کے نام سے موسوم کیا گیا۔ بعض سورتیں جیسے سورۃ مزمل، مدثر، ق، فاتحہ وغیرہ تو مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئیں مگر یہ سورۃ مبارکہ مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی۔ اِس کی ایک سو بارہ (۱۱۲) آیات سات رکوع ۱۱۳۸ الفاظ اور ۴۱۶۸ حروف ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ کہف، سورۃ مریم اور سورۃ الانبیاء کے متعلق ارشاد فرمایا اِنَّهُنَّ مِنَ الْعِتَاقِ الْأُوَلِ وَهُنَّ مِنْ تِلَادِي یعنی یہ سورتیں میرا پرانا اور قیمتی مال ہیں جن کی میں حفاظت کرتا ہوں یعنی اِن کو دُہراتا رہتا ہوں۔

مضامین سورۃ

اِس سورۃ کے مضامین گزشتہ سورۃ طٰہٰ سے ملتے جلتے ہیں۔ ویسے بھی تمام مکی سورتیں عام طور پر عقائد کے بارہ میں ہی بحث کرتی ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ میں بھی توحید، رسالت اور قیامت کا ذکر ہے جو کہ اس سورۃ کے مرکزی مضامین ہیں۔ اس سورۃ میں رسالت کے ضمن میں بشریت انبیاء کا خاص طور پر ذکر ہے۔ سارے نبی اللہ کے مقرب اور برگزیدہ بندے مگر انسان تھے۔ علاوہ ازیں وحدتِ ملتِ انبیاء کا ذکر ہے یعنی اللہ کے تمام نبیوں کی ملت ایک ہی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا ذکر بھی اس سورۃ میں آیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کا پیغام اُس کی مخلوق تک پہنچاتے تھے، اور اپنی حاجات میں کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع کا اظہار کرتے تھے اور کس طرح اُس کی مناجات کرتے تھے اور اپنی ضرورتیں پیش کرتے تھے۔ اس ضمن میں رسالت کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کرنے والے یا اُس کا انکار کرنے والوں کا رد بھی ہو گا۔ ضمناً ملائکہ کا ذکر بھی آئے گا۔ یاجوج ماجوج کا تذکرہ بھی ہے۔ گذشتہ سورۃ میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا طریقہ تبلیغ کا تفصیل کے ساتھ ذکر تھا، مگر اس سورۃ میں یہ ذکر اجمال کے ساتھ آئے گا، البتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اس سورۃ میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔ بعض دوسرے انبیاء کا مفصل ذکر بھی موجود ہے۔

قربِ قیامت میں غفلت

اکثر سورۃ کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے حروفِ مقطعات سے کی ہے اور بعض کی ابتداء میں تسبیح و تحمید بطور تمہید آئی ہے۔ البتہ بعض سورتیں بغیر تمہید کے شروع کر دی گئی ہیں۔ اِن میں یہ سورۃ اور آگے سورۃ تدریجاً ل

له بخاری ص ۶۸۳ (فیاض)

ہے۔ اِس سورۃ مبارکہ میں نافرمانوں کو اُن کے انجام سے براہ راست ڈرایا گیا ہے، لہذا اسے بغیر تمہید کے شروع کیا گیا ہے۔ گذشتہ سورۃ طٰہٰ کے آخر میں بیان ہوا تھا کہ ہر ایک انتظار کرنے والا ہے تم بھی انتظار کرو اور پھر جلدی ہی جان لو گے کہ سیدھے راستے پر چلنے والا کون آدمی ہے اور منزل مقصود پہ پہنچنے والا کون ہے۔ اب اس سورۃ کی ابتدائی آیت گذشتہ سورۃ کی اختتامی آیت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ لوگوں کے لیے حساب کتاب کی منزل قریب آپہنچی ہے وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ۝ اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کرنے والے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت اور محاسبہ اعمال کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حساب کتاب کے قریب آ لگنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا آخری نبی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس کی آخری کتاب قرآن حکیم آچکے ہیں تو اب قیامت آنے میں کیا دیر رہ گئی ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ علامات آنے کے بعد بھی چودہ صدیاں گذر چکی ہیں مگر ابھی تک تو حساب کتاب کی منزل نہیں آئی۔ اس کے جواب میں اللہ کا یہ ارشاد موجود ہے اِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ۝ وَّنَرٰىهُ قَرِيبًا (المعارج - ۶، ۷) یعنی لوگ قیامت کو دور سمجھ رہے ہیں مگر ہمارے حساب سے وہ قریب آچکی ہے۔ اللہ کا آخری نبی آچکا ہے، اس نے اللہ کا آخری پروگرام پیش کر دیا ہے۔ اب نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نئی کتاب۔ صرف محاسبے کی منزل باقی ہے لہذا کہہ سکتے ہیں کہ یہ قریب آچکی ہے۔

یہ تو اجتماعی محاسبے کی بات ہے کہ قیامت برپا ہو جائیگی اور پھر تمام لوگوں کو حساب کتاب کے لیے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ البتہ حساب کتاب کی ایک انفرادی منزل بھی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَنْ مَّاتَ

فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ جو مر گیا اس کی قیامت تو برپا ہو گئی جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو عالمِ برزخ میں اُس کے حساب کتاب کا سلسلہ تو قبر میں ہی شروع ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں کا محاسبہ تو قریب آچکا، صرف مرنے کی دیر ہے، مگر وہ غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کر رہے ہیں، گویا انہیں اپنے محاسبہ اعمال کی خبر ہی نہیں ہے۔ وہ نہ صرف اپنے دنیا کے اعمال و اشغال میں منہمک ہیں، بلکہ اس محاسبے کی منزل کی طرف توجہ دلانے والے کی مخالفت بھی کر رہے ہیں۔

نصیحت سے اعراض

آگے اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کی تعدی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ اُن کے پروردگار کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی اِلَّا اسْتَمَعُوهُ مگر وہ اسکو سنتے ہیں وَهُمْ يَلْعَبُونَ مگر کھیل کود میں مشغول ہیں۔ مطلب یہ کہ اللہ کے نافرمانوں نے یہ شیوہ بنا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے کسی حکم یا نصیحت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ وہ اس کو سنتے تو ضرور ہیں مگر نہ اس پر غور کرتے ہیں اور نہ عمل کی نوبت آتی ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ آخرت کی تیاری سے بالکل ہی غافل ہیں۔

فرمایا، نہ صرف اُن کے ظواہر کھیل کود کی طرف راغب ہیں بلکہ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ اُن کے دل بھی لہو و لعب میں مشغول ہیں۔ اُن کے دل و دماغ میں کوئی اچھی بات آتی ہی نہیں۔ اس کے برخلاف وہ کھیل تماشے، گانے بجانے، کھانے پینے اور دیگر دنیاوی اشغال ہی کے پروگرام بناتے رہتے ہیں اور پھر انہی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ تو قرآن پاک کے نزول کے زمانے کی بات کی ہے، آج کے دور میں لہو و لعب کے سامان تو ہزاروں گنا بڑھ چکے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جنہیں ریڈیو اور ٹیلیویژن کے پروگرام سے فرصت نہیں۔ آدھی آدھی رات تک ان کے سامنے بیٹھے فحش فلمیں، گانے

اور ڈراموں سے دل بہلاتے رہتے ہیں، نہ نماز کی فکر ہے، نہ روزے کی اور نہ کسی دیگر نیکی کے کام کی۔ اس کے علاوہ بین الاقوامی میچوں کی وباء نے دنیا بھر کو اپنی لپیٹ میں رکھا ہے۔ ہمارے جیسے غریب ملک کے لوگ بھی کئی کئی دن تک کرکٹ میچ سے دل بہلاتے رہتے ہیں اور اس دوران انہیں کسی دوسری چیز کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں ملتی، نہ فیکٹریوں میں کام ہوتا ہے اور نہ دفتروں میں۔ تمام کام ٹھپ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ ان کے دل کھیل کود میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

بشریت رسل سے انکار

نافرمانوں کی دوسری خصلت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے۔ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا اور ان لوگوں نے پوشیدہ میٹنگ کی جنہوں نے ظلم کیا۔ سازشی لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ حق کو مٹانے کے لیے خفیہ میٹنگیں کرتے ہیں، اُن میں منصوبہ بندی ہوتی ہے اور پھر اس پہ عملدرآمد شروع ہو جاتا ہے۔ حق و باطل کی یہ کشمکش شروع سے ہی چلی آرہی ہے۔ بہرحال ان ظالموں نے نہ تو قرآن پاک جیسے نصیحت نامے کی طرف توجہ کی اور نہ ہی اُس نصیحت نامہ لانے والے نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان لائے، بلکہ یہ کہہ کر ان کا انکار کر دیا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے، بھلا اس معمولی سے آدمی کو ہم کیسے رسُول تسلیم کریں مشرکین اور پرانے نافرمان اللہ کے نبیوں پہ ہمیشہ سے یہی اعتراض کرتے چلے آرہے ہیں کہ ان کی مالی پوزیشن اچھی نہیں۔ ان کے پاس کوٹھی اور کار نہیں، نوکر چاکر اور باغات نہیں، بھلا ان کو ہم رسالت کی گدی پہ کیسے بٹھا دیں۔ مکے کے مشرک تو خاص طور پہ کہتے تھے لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ (الزخرف - ۳۱) بھلا یہ قرآن حکیم مکے اور طائف کی دو بڑی بستیوں کے کسی بڑے آدمی پہ کیوں نہ نازل ہوا۔ مکے میں ابوالحکم، مغیرہ اور شیبہ جیسے سردار ہیں۔ طائف میں

عید یا لیل موجود ہے مگر اللہ تعالیٰ کو ابو طالب کے یتیم بھتیجے کے علاوہ نبوت کے لیے کوئی دوسرا آدمی ہی نہ ملا، اُن کی نگاہ میں مال و دولت، جاہ و اقتدار اور اعلیٰ سوسائٹی ہی معیار نبوت تھا۔ جب کہ اللہ کے نزدیک نبوت و رسالت کا معیار ایمان، نیکی، تقویٰ اور اخلاق ہے۔ تمام انبیا علیہم السلام میں یہ چیزیں کمال درجے کی پائی جاتی ہیں۔ تمام انبیاء سے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اخلاق سب سے بلند فرمایا ہے۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم۔۴) یعنی آپ خلق عظیم کے مالک ہیں انبیاء کا تقویٰ، نیکی، عمل، مخلوقِ خدا سے ہمدردی اور کلام ایک معیار ہوتا ہے لہذا اُن کا یہ اعتراض باطل ہے کہ یہ تو ہمارے جیسا ایک انسان ہی ہے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ پر یہی اعتراض کیا تھا فَقَالُوٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (القمر۔۲۴) کہنے لگے کیا ہم اپنے میں سے ایک انسان کا اتباع کر لیں۔ یہ تو بڑی ہی بیوقوفی کی بات ہوگی۔ کہتے تھے کہ اس کا اتباع کرنا تو بیوقوفوں کا کام ہے۔ بھلا ہم اس کو کیسے رسول مان لیں؟ اس بات کا جواب اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں دیا ہے۔

جادوگری کا الزام

کہتے تھے کہ یہ ہے تو معمولی حیثیت کا آدمی مگر اس کی بات میں اثر ضرور ہے، ہو نہ ہو یہ جادو کا اثر ہے۔ پھر دوسرے لوگوں سے کہنے لگے۔ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ کیا تم جادو میں پھنستے ہو؟ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ تو ایک معمولی حیثیت کا آدمی ہے۔ گویا مشرکین مکہ نے حضور علیہ السلام کے کلام کو سحر سے تعبیر کیا والعیاذ باللہ اور بعض دیگر ناروا اعتراضات بھی کیے۔ ان کے جواب میں قٰلَ اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ میرا پروردگار خوب جانتا ہے

اس بات کو جو آسمان میں ہو یا زمین میں مطلب یہ کہ ایسی بات کرنے والا کوئی آسمان پہ ہو یا زمین پہ ہو، اللہ تعالیٰ ان سب کے اقوال کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ یہ لوگ محض تعصب اور عناد کی بنا پر سحر گری کا الزام لگاتے ہیں۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وہ ہر بات کو سنتا بھی ہے اور ہر چیز کو جانتا بھی ہے۔ اِن منکرین کی باتیں اور حالات اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہیں۔ وہ ایک مقررہ وقت میں ان سے ضرور انتقام لے گا۔

انکار کے بہانے

فرمایا اِن بدبختوں نے نہ صرف حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا آدمی خیال کیا اور ان کے کلام کو سحر سے تعبیر کیا بلکہ بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ کہنے لگے یہ تو پریشان خواب ہیں۔ اِس شخص کو مختلف قسم کے پریشان کن ڈراؤنے خواب آتے ہیں جنہیں یہ قرآن کہہ کر پیش کر دیتا ہے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مرنے کے بعد قبر، برزخ اور آخرت کے حالات بیان کرتے، جنت اور دوزخ کے ثواب و عذاب کی بات کرتے، تو منکرین کہتے کہ یہ تو اِس کے پریشان خواب ہیں جو بیان کرتا رہتا ہے ورنہ اِن کی حقیقت کچھ نہیں۔ حتیٰ کہ بعض نے یہ بھی کہہ دیا بَلِ افْتَرَاهُ کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے۔ خود طبع آزمائی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ کی نازل کردہ آیات ہیں، لہٰذا اس کی بات کا اعتبار نہ کرو اور اپنے راستے پہ چلتے رہو۔ یہ تمہیں تمہارے آباؤ اجداد کے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔

اس کے علاوہ بعض لوگوں نے یوں کہا بَلْ هُوَ شَاعِرٌ یہ شخص تو شاعر ہے شاعروں جیسی تخیلاتی اور بے تکی باتیں کرتا ہے، اس کے پیچھے مت لگو۔ یہ تمہیں گمراہ کر دے گا۔ پھر کہنے لگے کہ اگر یہ اپنے دعوے میں سچا ہے کہ یہ واقعی خدا کا نبی ہے فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ تو پھر یہ بھی کوئی نشانی لے آئے جیسا کہ پہلے رسول لاتے رہے

ہیں۔ اُن کا مطلب یہ تھا کہ نشانی کے طور پر حضرت صالح علیہ السلام نے پتھر سے اونٹنی نکال دی۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر عصا اور ید بیضا جیسے معجزات ظاہر ہوئے۔ تو اس طرح یہ بھی کوئی نشانی یا معجزہ پیش کرے یہ سب نہ ماننے کے بہانے تھے ورنہ حضور علیہ السلام تو بہت سی نشانیاں پیش کر چکے تھے اور سب سے بڑی نشانی خود قرآن تھا مگر جنہوں نے نہیں ماننا تھا وہ اس قسم کے اعتراضات کرتے رہے۔ اس کے برخلاف حضرت ابوذرؓ جیسے منصف مزاج لوگ بھی انہی میں موجود تھے جنہوں نے آپ کی صداقت کو فوراً پہچان لیا اور ایمان لے آئے۔ آپ کے بھائی انیسؓ مکے میں آئے حضور علیہ السلام کے متعلق دیکھا سُنا اور پھر واپس جاکر حضرت ابوذر غفاریؓ کو رپورٹ پیش کی کہ وہ شخص کاہن نہیں کیونکہ کاہن لوگ جھوٹ بولتے ہیں، غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور فیس وصول کرتے ہیں مگر اس مدعی نبوت میں یہ خصلتیں نہیں پائی جاتیں۔ میں نے خود کاہنوں کی باتیں سُنی ہیں، مگر اس شخص میں وہ بات نہیں ہے۔ کہنے لگا کہ یہ شخص جادوگر بھی نہیں ہے کیونکہ وہ بھی اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے غلط باتیں کرتے ہیں۔ یہ شاعر بھی نہیں کیونکہ شاعر لوگ تُک بندی کرتے ہیں، کسی کی مدح کر دی، کسی کی قدح کر دی۔ یہ تخیل کی وادیوں میں گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں جس کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ شاعروں کے کلام میں صحیح اور غلط ہر قسم کی باتیں ہوتی ہیں۔ اِس میں قافیہ اور ردیف ہوتا ہے، بحر ہوتے ہیں مگر اس شخص کی بات مختصر اور اثر انگیز ہوتی ہے۔ میں نے اس کے کلام کو شاعروں کے اوزان کے ساتھ بھی پرکھا مگر یہ کوئی اور ہی چیز ہے۔ شعر جس قدر جھوٹا ہوتا ہے، اتنی ہی زیادہ داد ملتی ہے۔ مگر یہ شخص حق کے سوا زبان سے کچھ نہیں نکالتا۔ یقیناً یہ شخص اپنے دعوے میں سچا اور خدا کا نبی ہے۔

بہر حال منکرین نے انکار کے لیے کئی بہانے تراش رکھے تھے، ورنہ نشانیاں تو بہت سی دیکھ چکے تھے۔ جیسا کہ گذشتہ سورۃ میں گزر چکا ہے قرآن سے بڑی کون سی نشانی ہو سکتی ہے۔ پہلی کتابوں میں اس کی پیشن گوئیاں موجود تھیں اس کے علاوہ بھی حضور علیہ السلام کے دستِ مبارک پہ بہت سے معجزے ظاہر ہوئے مگر بدنصیب لوگ ہمیشہ انکار ہی کرتے رہے۔

گذشتہ آیت میں منکرین کا یہ اعتراض بھی گزر چکا ہے کہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمارے جیسا انسان ہی ہے، ہم اس پہ کیسے ایمان لے آئیں تو اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا مَآ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا ان سے پہلے کسی بستی والے ایمان نہیں لائے کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا ہو۔ مطلب یہ کہ انکار کا وطیرہ صرف مشرکین مکہ تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ اس سے پیشتر جس قوم کو بھی ہم نے ہلاک کیا وہ اپنے اپنے انبیاء پر ایمان نہیں لائے تھے، لہٰذا آپ ان لوگوں سے بھی زیادہ توقع نہ رکھیں کہ شاید یہ ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ مکے کے سرکردہ آدمیوں میں اکثر ایمان کی نعمت سے محروم رہے اور ہلاک ہوئے۔ یہ لوگ قرآن کو شعر و شاعری سے تعبیر کر رہے ہیں، کوئی جادو بتا رہا ہے اور کوئی بدبخت نبی آخر الزمان کو مجنون کا لقب دے رہا ہے، یہ سب انکار کے بہانے ہیں اور ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ فرمایا کیا آپ ایسے لوگوں سے توقع رکھتے ہیں اَفَهُمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ کہ یہ ایمان لے آئیں گے۔ فرمایا، ایسا نہیں ہے۔ آپ اپنا حقِ تبلیغ ادا کرنے کے بعد انہیں ان کے حال پہ چھوڑ دیں، یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا
اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۷ وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ
جَسَدًا لَّا یَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوۡا خٰلِدِیۡنَ ۝۸
ثُمَّ صَدَقۡنٰهُمُ الۡوَعۡدَ فَاَنۡجَیۡنٰهُمۡ وَمَنۡ نَّشَآءُ
وَاَهۡلَكۡنَا الۡمُسۡرِفِیۡنَ ۝۹ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكُمۡ كِتٰبًا
فِیۡهِ ذِكۡرُكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۝۱۰ ع

ترجمہ:۔ اور نہیں بھیجے ہم نے اس سے پہلے رسول مگر مرد جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ پس پوچھ لو (اے انکار کرنے والو) علم والوں سے اگر تم نہیں جانتے ⑦ اور ہم نے نہیں بنایا اُن (رسولوں) کو ایسے اجسام کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ ہی وہ ہمیشہ رہنے والے تھے ⑧ پھر ہم نے سچا کیا اُن کے ساتھ وعدہ۔ پس ہم نے اُن کو نجات دی، اور اُس کو بھی جس کو ہم نے چاہا، اور ہلاک کیا ہم نے اسراف کرنے والوں کو ⑨ البتہ تحقیق ہم نے نازل کی ہے تمہاری طرف ایک کتاب جس میں تمہارے لیے نصیحت کا سامان ہے۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے ؟ ⑩

ربطِ آیات سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے توحید، رسالت اور قیامت کا ذکر فرمایا ہے

اور نبیوں کے طریقہ تبلیغ کو واضح کیا ہے ۔ اس میں نافرمانوں کو بُرے انجام سے ڈرایا گیا ہے اور اس سلسلے میں نبوت و رسالت پر اعتراضات اور شکوک و شبہات کو رفع کیا گیا ہے ۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے منکرین کے بارے میں دو چیزوں کا بطور خاص ذکر فرمایا ۔ انہوں نے پوشیدہ طور پر میٹنگ کی اور پیغمبر اور قرآن کے متعلق غلط نظریہ قائم کیا ، قرآن پاک کے متعلق کہا کہ یہ شعر و شاعری ، سحر یا پریشان خواب ہیں ۔ اللہ کے آخری نبی کو کاہن ، ساحر اور شاعر کہا گیا ، اور اس طرح دینِ حق کا انکار کر دیا گیا ۔

اسلامی پروگرام کی مخالفت

گذشتہ آیات میں آمدہ الفاظ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى بڑی اہمیت کے حامل ہیں ۔ مشرکین نے قصی ابن کلاب کے مکان دار الندوہ کو اپنا اسمبلی ہال بنا رکھا تھا جہاں اسلام کے خلاف خفیہ اجلاس ہوتے اور اسلام کے راستے کو روکنے کے لیے طرح طرح کے منصوبے بنتے ۔ آج بھی دنیا میں غیر مسلم اقوام اسلام کے پروگرام کو ناکام بنانے کے لیے طرح طرح کی سکیمیں سوچتی رہتی ہیں ۔ یہودی ، عیسائی ، دہریے ، ملحد ، کمیونسٹ ، ہنود اور دیگر باطل مذاہب والے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کام کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ۔ مگر اسلام اللہ کا سچا دین ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے ۔ وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جس سے اسلام دشمن طاقتوں کو مکمل طور پر کامیابی حاصل نہیں ہوتی ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اسلام کی حفاظت صرف مسلمانوں کے ذمے ہوتی ، تو یہ کب کے معدوم ہو چکے ہوتے تاریخی لحاظ سے دیکھ لیں کہ مسلمان کس قدر زوال کا شکار ہیں ۔ گذشتہ آٹھ صدیوں سے مسلمان سیاسی ، اقتصادی اور اخلاقی لحاظ سے انحطاط کا شکار ہیں ۔ تمام اسلامی سلطنتیں کمزور ہیں ۔ غرضیکہ تاتاریوں کے زمانے میں جب سے مسلمانوں کا پاؤں پھسلا ہے پھر سنبھل نہیں سکا ۔

بشریتِ انبیاء

گذشتہ درس میں گزر چکا ہے کہ منکرین کا ایک اعتراض یہ تھا ۔ هَلْ

هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ شخص تو تمھارے ہی جیسا انسان ہے۔
بھلا اس کو تم رسول کیسے مان لو گے؟ اس میں تو کوئی خاص بات نہیں
ہے۔ کوئی فرشتہ ہوتا جس میں انسانی لوازمات نہ ہوتے تو ہم مان بھی لیتے۔
مگر ایک انسان کو نبی مان کر ہم خسارے میں کیوں پڑیں؟ تو اس اعتراض
کے جواب میں اللہ نے یہاں فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا
رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ اور نہیں بھیجے ہم نے اس سے پہلے نبی اور
رسول مگر وہ مرد ہی تھے اور ہم ان کی طرف وحی نازل کیا کرتے تھے۔
مطلب یہ کہ نبی آخر الزمان کا انسان ہونا کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ اس
سے پہلے ہم نے جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے وہ انسان تھے اور مردوں
میں سے تھے۔ کوئی جن یا فرشتہ یا کوئی دوسری مخلوق انسانوں کی طرف نبی
بن کر نہیں آیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ انسان انسان ہی سے استفادہ حاصل کر
سکتے ہیں اور یہ چیز کسی دوسری مخلوق سے ممکن نہیں۔ لہٰذا اس میں مشرکین
کافرین اور منکرین کو کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔
فرمایا اگر تم اس حقیقت سے نابلد ہو اور تمہیں یقین نہیں ہے کہ
سابقہ تمام انبیاء بھی انسانوں میں سے آئے ہیں تو پھر فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ
الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اہلِ ذکر یعنی علم والے لوگوں
سے دریافت کر لو، اگر تم خود نہیں جانتے۔ تمھارے پاس اہل کتاب
موجود ہیں جو سابقہ کتب کا علم رکھتے ہیں، وہ تمہیں بتا دیں گے کہ سابقہ
انبیاء واقعی انسان تھے۔ تم میں تاریخ دان حضرات بھی ہوں گے جو کہ پرانی
تاریخ سے واقف ہوں گے، ان سے تصدیق کر لو۔ انبیاء علیہم السلام کی
انسانیت، آدمیت اور بشریت کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ حضرت نوح
ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سب انسان ہی تو تھے، حتیٰ کہ پوری
نبی نوع انسان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام بھی سب سے اولین انسان اور بشر تھے

ایک بات تو یہ ہوگئی کہ ہر نبی انسان ہوتا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے وہ رِجَالاً یعنی مرد ہوتے ہیں۔ کوئی عورت کبھی منصب نبوت پہ فائز نہیں ہوئی، بلکہ ایک لاکھ سے زائد تمام انبیاء اور رسل مردوں میں سے مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بھی بڑی فضیلت بخشی ہے حتیٰ کہ انہیں نبوت کے بعد دوسرے درجے صدیقیت کا مقام عطا کیا ہے مگر نبوت عطا نہیں کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان[1] ہے

كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَّلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ وَخَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ وَآسِيَةَ بِنْتِ مُزَاحِمٍ اِمْرَأَةَ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ

مردوں میں سے تو بہت سے کاملین گزرے ہیں (یعنی انبیاء، رسل اور صدیق) مگر عورتوں میں سے اللہ نے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون کو فضیلت بخشی ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پہ ایسی ہے جیسے ثرید کھانے کی باقی کھانوں پہ (کہ یہ عربوں میں بڑا مرغوب کھانا ہے)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت آپ کی ظاہری حسن وجمال، فقاہت اور دین میں سمجھ کی وجہ سے ہے۔ آپ نے دین کی بڑی خدمت کی۔ امت کی عورتوں کی تربیت کی اور اُن کو دین سکھایا۔ اللہ نے حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا ہے وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ صدیقہ تھیں۔ اللہ نے آپ کو اتنی بڑی فضیلت عطا فرمائی تھی۔ تاہم کسی عورت کو اللہ نے نبی نہیں بنایا۔ امام شعرانی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ تمام اہل حق اس بات پہ متفق ہیں کہ اللہ نے ارشاد یعنی ہدایت اور راہنمائی کا کام اصلاً مردوں کے سپرد کیا ہے اور عورتوں کو مردوں کے تابع رکھا ہے۔

[1] بخاری ص ۵۳۲ ج ۱ (بیاض)

عورتوں کو کارِ تبلیغ کا مکلف نہیں بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اجتماعیت کے سارے کام بشمولہ نظامِ حکومت، جمعہ، عیدین اور نماز کے لیے جماعت کا قیام اور فریضۂ جہاد اللہ نے براہ راست مردوں کی ذمہ داری میں دیا ہے۔

زن و مرد کا دائرہ کار

بعض عورتوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! مرد جہاد میں براہِ راست حصہ لے کر بڑی فضیلت حاصل کرتے ہیں مگر ہم عورتیں اس سے محروم ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ[1] تمہارا جہاد حج ہی ہے، جنگ میں براہ راست حصہ لینا تمہارے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ ہاں اگر دورانِ جنگ غیر معمولی حالات پیش آجائیں تو بحیثیت عورتیں لڑائی کے دوران بالواسطہ حصہ لے سکتی ہیں، مثلاً مجاہدین کو پانی پلانے یا اُن کی مرہم پٹی کے کام میں ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ عورتیں اور مرد ہر میدان میں برابر سرابر ہیں۔ عورتیں مکلف ہونے میں تو مردوں کے مساوی ہیں مگر احکام میں نہیں۔ اللہ نے وراثت میں ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر رکھا ہے عورتوں پر نماز باجماعت فرض نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے اس حد تک فرمایا ہے کہ جب تمہاری عورتیں مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو انہیں اجازت دے دیا کرو وَبُيُوتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ مگر اُن کے گھر ہی اُن کے لیے بہتر ہیں۔ عورت کی نماز مسجد کی نسبت گھر میں زیادہ فضیلت رکھتی ہے اگر راستہ پُر امن ہو، عورت نے بھڑکیلا لباس نہ پہن رکھا ہو، خوشبو نہ لگائی ہو، تو اُسے مسجد میں جانے کی اجازت ہے تاہم عورت جتنی تاریکی اور بند کمرے میں نماز ادا کرے گی اتنا ہی زیادہ اجر کی مستحق ہوگی۔

نئی تہذیب میں عورتوں کے حقوق کی بات کی جاتی ہے۔ انہیں اسمبلیوں میں نمائندگی کا حق دیا جاتا ہے، مردوں کے شانہ بشانہ چلنے کی حمایت کی جاتی ہے، یہ تو انگریزی سیاست اور جہالت کا نظریہ ہے کیونکہ اللہ نے

[1] بخاری ص ۴۰۲ ج ۱ (فیاض)

عورتیں مردوں کے تابع رکھی ہیں۔ فوج، پولیس، نظام حکومت عورتوں کا کا دائرہ کار نہیں ہے۔ البتہ بعض غیر معمولی حالات میں عورتیں ضروری معاملات میں تعاون تو کر سکتی ہیں مگر یہ اُن کی ذمہ داری نہیں ہے۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے جتنے بھی نبی اور رسول بھیجے ہیں سب کے سب مرد تھے، کسی دوسری جنس سے نہیں تھے۔ فرمایا اگر تمھیں کسی قسم کا شک و تردد ہو تو اہل علم سے دریافت کر لو، وہ تمھیں تبلا دیں گے کہ یہ بات درست ہے۔

ذکر کے مختلف معانی

ذکر کے کئی معانی آتے ہیں۔ صاحب قاموس کہتے ہیں کہ ذکر کا معنے کسی چیز کو یاد کرنا ہوتا ہے اور اس کا معنیٰ شہرت بھی ہوتا ہے۔ ذکر شرف کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم قریش کے لیے باعث عزت و شرف ہے۔ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ قسم ہے عزت اور شرافت والے قرآن کی۔ اسی طرح قرآن کا معنیٰ کتاب بھی آتا ہے جس میں دینی مسائل اور ملل کا ذکر ہو۔

بہرحال فرمایا کہ سارے نبی انسان اور مرد ہوئے ہیں، اگر تمھیں اس بات کا علم نہیں تو اہل علم سے اس بات کی تصدیق کر لو۔ نبی اور رسول کا انسان ہونا کوئی عیب کی بات نہیں ہے بلکہ یہ تو باعث شرف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کو بشر کہنے سے نعوذ باللہ اُن کی توہین ہو جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہے نبی کا مقام بحیثیت انسان، دینی، اخلاقی علمی اور عملی لحاظ سے ہوتا ہے۔ نبی کی روحانیت اور عمل اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے۔ اُس کا ایک ہی عمل ساری امت کے اعمال پر بھاری ہوتا ہے نبوت کا تعلق روحانیت اور اخلاق کی بلندی سے ہوتا ہے۔ انسان ہونا منصب نبوت کے ہرگز منافی نہیں۔

انبیاء میں انسانی لوازمات

آگے ارشاد ہوتا ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ

الطَّعَامَ۔ ہم نے انبیاء کے جسم ایسے نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں انسان ہونے کے ناطے سے انبیاء کو بھوک بھی لگتی تھی اور بعض اوقات بھوک کی وجہ سے بے چین بھی ہو جاتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات پیٹ پر پتھر بھی باندھنا پڑتے تھے۔ مطلب یہ کہ کھانا پینا کمال کے منافی امر نہیں ہے۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر سے باہر نکلے۔ دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ بھی گھر سے باہر ہیں۔ پوچھا تم کیسے آئے ہو؟ عرض کیا آپ کی زیارت کے لیے اس کے تھوڑی دیر بعد حضرت عمر رضؓ بھی آ گئے۔ ان سے دریافت کیا کہ تم کیسے گھر سے باہر آئے؟ عرض کیا، بھوک نے ستا رکھا ہے مگر گھر میں کچھ نہیں ملا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، میں بھی ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا چلو ابوالہیثم انصاری رضؓ کے باغ میں چلتے ہیں۔ آپ وہاں تشریف لے گئے اُس صحابی نے ٹھنڈا پانی پلایا، کھجوریں کھلائیں اور بکری ذبح کر کے گوشت بھی پیش کیا جو کہ حضور اور آپ کے دونوں جاں نثاروں نے تناول فرمایا۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ ٹھنڈا پانی اور کھجوریں ایسی نعمتیں ہیں کہ جن کے متعلق قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا۔

ایک موقع پر حضور ایک دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے۔ ایک صحابی آئے وَهُوَ مُقْعٍ مِّنَ الْجُوعِ ان کا پیٹ بھوک کی وجہ سے جھک گیا تھا۔ حضرت جابر رضؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے حضور علیہ السلام بڑے کمزور معلوم ہو رہے ہیں۔ آپ فوراً گھر گئے اور بیوی سے پوچھا کہ کیا گھر میں کھانے کے لیے کچھ ہے کیونکہ حضور علیہ السلام بھوک کی وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں اور پھر آگے حضور اور بہت سے صحابہ کو کھانا کھلانے کا واقعہ آتا ہے۔ غرضیکہ بھوک نبیوں کو بھی لگتی ہے اور اُن پر دیگر امورِ طبعیہ جیسے پیاس، فضلاتِ حاجت، سونا جاگنا، بیماری، تندرستی، زخمی ہونا، ہنسنا،

رونا ہوت اور حیات وغیرہ بھی وارد ہوتے ہیں۔

فرمایا، ہم نے انبیاء کو کھانا کھانے سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ انبیاء اولاد اور بیویوں سے بھی پاک نہیں تھے، اللہ کا فرمان ہے وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (الرعد ۔ ۳۸) انبیاء شادی بھی کرتے ہیں اور اُن کے ہاں اولاد بھی ہوتی ہے اور دیگر انسانوں کی طرح وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہوتے بلکہ اپنا دنیا کا یہ دور ختم کر کے اپنے پروردگار کے ہاں چلے جاتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ (الانبیاء ۔ ۳۴) اگر آپ فوت ہو جائیں گے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ یہ بھی تو مرنے والے ہیں۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ (الزمر ۔ ۳۰) آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور یہ لوگ بھی۔ اس دنیا میں کسی کو بھی دوام حاصل نہیں۔ اللہ کا عام قانون بھی یہی ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران ۱۸۵) ہر نفس کو موت آنی ہے سب نے اللہ کے حضور پیش ہو کر حساب کتاب دینا ہے۔ غرضیکہ تمام انبیاء علیہم السلام انسان اور مرد تھے، اللہ نے اُن پر وحی نازل فرمائی، کتاب دی، علم اور شریعت دی، اُن کو امت کے لیے نمونہ بنایا اُن کا اخلاق بلند کیا۔ وہ اپنے علم، عمل اور اخلاق کے ذریعے مخلوقِ خدا کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دیتے تھے۔ اللہ نے ان کو عام انسانوں کی نسبت بلند مرتبہ عطا فرمایا تھا۔ یہی اُن کی خصوصیت تھی، تاہم ان کے انسان ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اہل ایمان کے ساتھ وعدہ

ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ پھر ہم نے اُن سے سچا وعدہ کیا۔ اہل ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ تھا کہ وہ انہیں خلافت عطا کرے گا اور ان کے مشن کو کامیاب بنائے گا۔ اللہ نے اپنا وہ وعدہ پورا فرمایا۔ فَأَنجَيْنَاهُمْ وَمَن نَّشَاءُ پھر اُن کو بھی

نجات دی دشمن کے مقابلے میں اور اُن کو بھی جن کو ہم نے چاہا۔ جو بھی ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے، اللہ نے اُن کو دشمنوں سے نجات دی۔ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ اور حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں بہت سے انبیاء کے واقعات بیان کیے ہیں اور پھر اُن کی اقوام کی ہلاکت کا ذکر کیا ہے جیسے قومِ نوحؑ، قومِ ہودؑ، قومِ لوطؑ، قومِ شعیبؑ، قومِ صالحؑ وغیرہ۔

قرآن بطور نصیحت

آگے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک جیسی عظیم نعمت کا تذکرہ فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا اور البتہ تحقیق ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے۔ فِيْهِ ذِكْرُكُمْ جس میں تمہارے لیے نصیحت کا سامان ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ذکر سے مراد شرف بھی ہے یعنی یہ قرآن تمہارے اور تمہاری قوم کے لیے باعثِ عزت و شرف بھی ہے۔ اس سے بڑی عزت کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک قریش کی زبان عربی میں نازل فرمایا اور اُن کو دین کا اولین داعی بنایا۔ آپ کی قوم کو ساری دنیا کا استاد بنایا۔ سورۃ بقرہ میں موجود ہے۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (آیت ۱۴۳) تم نبی سے تعلیم حاصل کر کے آگے پوری امت کے معلم بن جاؤ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (یوسف-۲) ہم نے قرآنِ حکیم کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ سب سے پہلے عرب لوگ خصوصاً قریش اس سے مستفید ہوں، اور پھر اس مشن کو آگے چلائیں۔

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں جنگ صفین تک صحابہ کرامؓ قرآنِ پاک کے پیغام کو لے کر آگے بڑھتے رہے۔ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں کے حالات میں اجتماعی جمود (DEAD LOCK

پیدا ہوگیا۔ ان کی ترقی رُک گئی اور زوال کا دَور شروع ہوگیا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نشاۃِ ثانیہ میں اسلام کو بہتری عطا فرمائے یقین ہے کہ آخری دور میں پھر اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا۔ اور باقی تمام ادیان مغلوب ہوجائیں گے۔ بہرحال فرمایا کہ ہم نے تمھاری طرف ایک کتاب نازل کی ہے جس میں تمھارے لیے نصیحت ہے، شرف اور عزّت ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ کیا تم اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اللہ نے یہ کتنی بڑی نعمت تمھیں عطا کی ہے اللہ کے انعام کا شکریہ ادا کرو اور قرآن پاک اور رسالت پر اعتراض نہ کرو بلکہ اِن پر ایمان لے آؤ۔ اسی میں تمھاری فلاح و کامیابی ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا
بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا
هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى
مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾
قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ
تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾
لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ
اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى
الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ
مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ:- اور ہم نے بہت سی بستیاں ہلاک کیں کہ وہاں
کے رہنے والے ظالم تھے۔ اور اٹھائے ہم نے اس کے
بعد دوسرے لوگ ﴿۱۱﴾ پھر جب انہوں نے محسوس کیا
ہماری گرفت کو تو اچانک وہ اس سے بھاگنے لگے ﴿۱۲﴾
(ارشاد ہوا) مت بھاگو، اور لوٹو اُس خوشحالی کی طرف جس
میں تم ڈالے گئے تھے اور اپنے گھروں کی طرف تاکہ

تم سے سوال کیا جائے (۱۳) انہوں نے کہا، افسوس ہمارے لیے بیشک تھے ہم ظلم کرنے والے (۱۴) پس برابر رہی یہی بات اُن کی یہاں تک کہ ہم نے کر دیا اُن کو کٹے ہوئے کھیت اور بجھی ہوئی آگ کی طرح (۱۵) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کھیلتے ہوئے (۱۶) اور اگر ہم چاہتے کہ ہم بنائیں اس کو کھیل، تو بناتے ہم اس کو اپنے پاس، اگر ہم کرنے والے ہوتے (۱۷) بلکہ ہم پھینکتے ہیں حق کو باطل کے اُوپر پس وہ اُس کے سر کو پھوڑ ڈالتا ہے۔ تو اچانک وہ (باطل) زائل ہونے والا ہوتا ہے۔ اور تمہارے لیے ہلاکت ہے اُن باتوں سے جو تم بیان کرتے ہو (۱۸)

ربط آیات

سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے محاسبہ اعمال کا ذکر کیا کہ لوگوں کے حساب کتاب کی منزل قریب آچکی ہے مگر یہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ قرب قیامت کا احساس اس وجہ سے ہے کہ اللہ کا آخری نبی اور اُس کی آخری کتاب آچکی ہے اور اب قیامت کبریٰ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ جہاں تک انفرادی حساب کتاب کا تعلق ہے تو یہ انسان کی انفرادی موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے لہٰذا حساب کتاب کی منزل کا قریب ہونا اس لحاظ سے بھی درست ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کی خفیہ میٹنگوں کا ذکر کیا کہ وہ اسلام کو ناکام بنانے کی ہر ممکن منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ اُن کا ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ ہم ایک انسان کو کیسے پیغمبر تسلیم کر لیں۔ اللہ نے اُن کے اس نظریہ کا رد فرمایا اور واضح کیا کہ ان سے پہلے تمام انبیاء اور رسل انسانوں میں سے ہی آتے رہے ہیں، لہٰذا نبی آخر الزمان علیہ السلام کا انسان ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ فرمایا اگر تمہیں اس حقیقت کا علم نہیں ہے

تو اہلِ علم سے تصدیق کر لو۔ تاریخ دانوں سے پوچھ لو، وہ تمہیں بتائیں گے کہ سابقہ انبیاء بھی واقعی انسان ہی تھے، کوئی نبی کسی غیر مخلوق سے نہیں آیا، اور نہ ہی غیر انسان سے کسی انسان کی راہنمائی کی توقع کی جا سکتی ہے۔

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ سے مفسرین کرام تقلید کا مسئلہ بھی ثابت کرتے ہیں۔ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ایک ناواقف آدمی کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کا اسے علم نہ ہو وہ علم والے سے پوچھ کر عمل کرے۔ چونکہ ایک عام آدمی خود اجتہاد نہیں کر سکتا، لہٰذا اس کے لیے صاحبِ علم کی تقلید ضروری ہو جاتی ہے۔ اس قسم کی آیات دوسرے مقامات پر بھی موجود ہیں۔

اللہ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ان کے اجسام ایسے نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں۔ یہ تو فرشتوں کی خاصیت ہے کہ وہ کھانے پینے اور معاشرت کی ضروریات سے پاک ہیں۔ البتہ دیگر انسانوں کی طرح لوازماتِ بشریہ نبیوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور وہ اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آتے۔ اپنی طبعی عمر پوری کر کے باقی انسانوں کی طرح وہ بھی اپنے رب کے پاس چلے جاتے ہیں۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اہلِ ایمان کے ساتھ کامیابی کا اور نافرمانوں کے ساتھ ناکامی کا جو وعدہ کیا ہے، اس کو پورا کریں گے۔ درمیان میں اللہ نے بطور نصیحت فرمایا کہ تمہارے لیے ایک ایسی عظیم کتاب نازل کی گئی ہے جس میں تمہارے لیے سراسر نصیحت ہے، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ تمہارے لیے کتنی عزت اور شرف کا مقام ہے کہ اللہ نے تمہاری زبان میں ایک عظیم الشان نصیحت نامہ نازل فرمایا ہے۔ اور تمہیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔

نافرمانوں کے لیے انذار

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کا حال بیان کر کے انذار کیا ہے کہ خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ اگر تم بھی نافرمانی کرو گے تو خدا کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ ارشاد ہوتا ہے وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ

ہم نے کتنی ہی بستیوں کو پیس ڈالا کَانَتْ ظَالِمَةً جن کے رہنے والے ظالم لوگ تھے۔ ظلم و تعدی اور کفر و شرک کرنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ قصم کا لفظی معنی توڑنا ہوتا ہے۔ یعنی ہم نے ان بستیوں کو توڑ پھوڑ کر چکنا چور کر دیا۔ وَاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ اور اس کے بعد ہم نے دوسرے لوگوں کو ان کی جگہ کھڑا کر دیا۔ جب ایک نافرمان قوم کو صفحۂ ہستی سے ناپید کیا تو دوسری قوم کو عروج دے دیا۔ قوم نوح کو ہلاک کیا تو انکی جگہ قوم ہود اور قوم صالح کو کھڑا کر دیا۔ پھر جب انہوں نے بھی ظلم و تعدی کا بازار گرم کیا تو انہیں بھی نیست و نابود کر دیا گیا اور ان کی جگہ دوسری قومیں برسر اقتدار آگئیں۔ فرمایا تم یہ نہ سمجھو کہ تمہیں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اگر تم بھی اپنی قبیح حرکات سے باز نہ آئے تو تمہارا انجام بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

اللہ نے سابقہ اقوام کے متعلق فرمایا فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ جب انہوں نے ہماری گرفت اور عذاب کو محسوس کیا یعنی جب ان پر ہمارے عذاب کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ تو اچانک وہ ان سے ایڑھی لگا کر بھاگنے لگے۔ رکض کا معنی گھوڑے کو ایڑھی لگا کر تیز دوڑانا ہوتا ہے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ عذاب دیکھ کر نافرمانوں نے اس سے بچنے کے لیے گھوڑے کی سی تیزی کے ساتھ ادھر ادھر بھاگنے کی کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا لَا تَرْكُضُوْا اب مت بھاگو۔ تم بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے۔ اس طرح بھاگنے کی بجائے وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ واپس آؤ اس خوشحالی اور آسودگی کی طرف جس میں تم ڈالے گئے تھے۔ اِتراف کا معنی خوشحالی، آسودگی اور تن آسانی ہوتا ہے۔ فرمایا تمہیں ہر قسم کی سہولتیں حاصل تھیں۔ وَمَسٰكِنِكُمْ تم اپنے گھروں اور باغات میں سکونت پذیر تھے۔ اللہ نے تحکماً فرمایا، اب کدھر

جاتے ہو، جاؤ اپنی انہی جائیدادوں اور ان آسائشوں کی طرف جن کی وجہ سے اللہ کے نبیوں کی تکذیب کرتے تھے اور اللہ کے سچے پروگرام اور دین کی مخالفت کرتے تھے۔ اب اُدھر ہی جاؤ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ تاکہ تم سے پوچھا جائے۔ اللہ نے فرمایا کہ تمہاری ذہنیت کے لوگ پہلے بھی موجود تھے اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ (الواقعۃ - ۴۵) اس سے پہلے یہ بھی اسی اتراف یعنی خوشحالی میں مبتلا تھے دنیا کی ہر چیز میسر تھی مگر آخرت کی فکر نہیں تھی۔ انہوں نے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم نہ کیا اور اس کے حکم کی تعمیل نہ کی، لہذا اُن پر اللہ کا عذاب آیا اور وہ صفحۂ ہستی سے نابود کر دیے گئے۔

مفسرین کرام تُسْـَٔلُوْنَ کی دو طرح سے تفسیر بیان کرتے ہیں پہلا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مجرمین سے اُن کی سزا کے متعلق پوچھا جائے گا، کہ اب تمہاری کاریں اور کوٹھیاں کہاں گئیں، تمہارے آرام و آسائش اور لہو و لعب کے سامان کا کیا ہوا؟ اب یہ چیزیں تمہیں عذاب الٰہی سے کیوں نہیں بچاتیں؟ استفسار کا دوسرا معنی مفسرین یہ بیان کرتے ہیں کہ دنیا میں تم اپنی اپنی قوم کے سردار تھے، پورا خاندان اور برادری تمہارے ماتحت تھی، سب تمہارے حکم کے منتظر رہتے تھے۔ تم صاحب رائے تھے اور لوگ تم سے مشورہ طلب کرتے تھے۔ اب عذاب کو دیکھ کر کہاں بھاگتے ہو؟ چلو اپنی قوم کے پاس شاید اب بھی وہ تمہارے مشورے کے منتظر ہوں کہ عذاب الٰہی سے کیسے بچا جا سکے۔ اب اُن کو مشورہ دو کہ وہ کیا کریں۔

ظالموں کا اعتراف جرم

اس کے جواب میں قَالُوْا اُن مجرموں نے کہا جو کہ عذاب میں مبتلا ہوئے يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ہائے افسوس! ہائے ہماری بدبختی، بیشک ہم ظلم کرنے والے تھے، اس وقت اعتراف کریں گے کہ دنیا میں ہم واقعی ظلم کرتے رہے، شرک اور کفر میں مبتلا رہے۔ اللہ

کے نبیوں سے استہزا کیا، کتاب الٰہی کا انکار کیا اور اپنی آسودہ حالی میں ہی مگن رہے۔ ہم نے غلط پروگرام کی کامیابی کے لیے سرمایہ اور قوت لگائی، بیشک ہم ہی ظالم تھے۔

ارشادِ خداوندی ہے فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ اُن کی یہ پکار برابر جاری رہی یعنی وہ اعترافِ جرم کرتے رہے حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ یہاں تک کہ ہم نے کر دیا اُن کو کٹا ہوا کھیت اور بجھ جانے والی آگ کی مانند۔ جب کھیت پک کر تیار ہو جاتا ہے تو فصل کاٹ لی جاتی ہے اور باقی کچھ نہیں بچتا۔ حصیدًا کا یہی معنیٰ ہے۔ اور جب آگ خوب بھڑکنے کے بعد بالکل بجھ جاتی ہے اور اس کی حرارت اور روشنی کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا تو اُس کو خٰمد کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اعترافِ جرم کے بعد ہم نے انہیں بالکل نیست و نابود کر دیا، گویا کہ وہ دنیا میں کبھی آئے ہی نہ تھے۔ اِس قسم کی بہت سی قوموں کا اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ہے، اور بعض کا نہیں کیا کیونکہ اُس کا اپنا فرمان ہے۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (النساء ۱۶۴) کتنے ہی رسول ہیں جن کا ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے اور ایسے بھی ہیں جن کا ذکر ہم نے نہیں کیا ہے۔ یہ بات اللہ نے تنبیہ اور انذار کے طور پر فرمائی ہے تاکہ نزولِ قرآن کے زمانے اور بعد میں آنے والے لوگ سابقہ اقوام کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

مقصدِ تخلیقِ کائنات

آگے ارشاد ہوتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اِن دونوں کے درمیان ہے کھیلتے ہوئے۔ یعنی پوری کائنات اللہ نے محض کھیل تماشے کے لیے پیدا نہیں فرمائی ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (ص ۲۷) یہ تو کافروں کا گمان ہے کہ یہ کائنات کھیل

تماشہ ہے۔ ہم نے تو اس کارخانہ حیات اور اس کی تمام مصنوعات کو خاص حکمت کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور اسکی کوئی غرض اور مصلحت ہے جو کہ ظاہر ہونے والی ہے۔ اس کائنات کا آغاز بھی ہے اور اس کا انجام بھی۔ یہ سارا سلسلہ اللہ نے بنی نوع انسان کو بام عروج تک پہنچانے کے لیے قائم کیا ہے۔ اہلِ ایمان اچھی طرح جانتے ہیں اور کہتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران - ۱۹۱) اے ہمارے پروردگار! تو نے اس کائنات کو بے سود نہیں پیدا کیا، اس کی کوئی غرض و غایت ہے اور وہ یہی ہے کہ انسان ترقی کی منازل طے کرے اور خدا تعالٰی کی گرفت سے بچ جائے۔ لہذا ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں دوزخ کی سزا سے بچا لے۔

مزید ارشادِ خداوندی ہے لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اگر ہم اس کائنات کو کھلونا ہی بنانا چاہتے تو یقیناً ہم اُسے اپنے پاس بنا لیتے اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس کائنات کو کھیل تماشہ بنانا ہوتا تو ہم اسے اپنے پاس ہی رکھ لیتے، اسے مخلوق کے سامنے کیوں رکھتے؟ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں روم اور یونان بڑی متمدن سلطنتیں سمجھی جاتی تھیں وہاں کے لوگ تھیٹروں میں بیٹھے کھیل تماشے میں مصروف رہتے تھے۔ اُن کی دل لگی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ زندہ غلاموں کو شیر کے آگے ڈال دیتے تھے۔ شیر اُن کو دیکھتے ہی دیکھتے چیر پھاڑ کر کھا جاتے تھے اور بڑے بڑے امراء اس کھیل سے محظوظ ہوتے تھے۔

آج بھی دنیا میں اسی قسم کے کھیل کھیلے جا رہے ہیں۔ قتل، اغواء اور ڈکیتی کی وارداتیں سرِعام ہو رہی ہیں، بیگناہ لوگوں کو قتل کیا جا رہا ہے اور صاحبانِ اقتدار اپنی آنکھوں سے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا، اللہ تعالٰی

نے اس قسم کے کھیل تماشے کے لیے کائنات کو تخلیق نہیں کیا۔ آج دنیا میں جس قدر ظلم و زیادتی ہو رہی ہے، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ انصاف کے دن کا مالک پروردگار ایک دن ضرور انصاف کرے گا اور کسی ظالم کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔ بہرحال فرمایا کہ اگر ہم کائنات کو لہو و لعب کا ذریعہ بناتے تو پھر مخلوق کے سامنے پیش نہ کرتے بلکہ اسے اپنی صفات کے مشاہدے تک ہی محدود رکھتے۔

حق و باطل کی کشمکش

آگے اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی کشمکش کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ حقیقت یہ ہے کہ ہم حق کو باطل کے اوپر پھینکتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ پھر حق باطل کے دماغ کو پھوڑ ڈالتا ہے اور اس طرح حق و باطل کی کش مکش شروع ہو جاتی ہے اور پھر حق کے مقابلے میں باطل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ باطل کی کش مکش اور پھر اس کی ناکامی کا ذکر اللہ نے سورۃ الرعد میں بھی کیا ہے اللہ نے باطل کی مثال سیلاب میں اٹھنے والی جھاگ سے دی ہے کہ وقتی طور پر جھاگ میں بڑا جوش و خروش ہوتا ہے مگر وہ جلدی ہی ختم ہو جاتی ہے، اور زرخیز مٹی نیچے رہ جاتی ہے۔ اسی طرح جب کسی دھات سونے چاندی وغیرہ کو پگھلایا جاتا ہے تو اس کے اوپر بھی جھاگ آجاتی ہے جو جلدی ہی ختم ہو جاتی اور اصل چیز باقی رہ جاتی ہے۔ حق و باطل میں یہی فرق ہے۔ باطل میں وقتی طور پر بڑا جوش ہوتا ہے مگر وہ جلدی ہی مغلوب ہو جاتا ہے اور حق باقی رہتا ہے

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ہر انسان میں حق و باطل کی کشمکش ہر وقت جاری رہتی ہے ایک طرف انسان میں موجود ملکیت کا مادہ ہوتا ہے اور دوسری طرف بہیمیت کا۔ چنانچہ حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو بہیمیت کو کمزور کیا جائے اور ملکیت کو طاقتور بنایا جائے تاکہ انسان کو ابدی فلاح حاصل ہو جائے۔ اگر اس کے برخلاف بہیمیت کو غلبہ حاصل ہو گیا تو انسان ہمیشہ

کے لیے ناکام ہو جائے گا۔ اِس دنیا میں حق و باطل ہمیشہ آپس میں ٹکراتے رہتے ہیں اور پھر نتیجے کے اعتبار سے غلبہ حق کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ باطل دنیا میں پھیلا ہوا ہے لیکن اس کا جوش و خروش جھاگ کی طرح ہے جو جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فہم اور انجام کے اعتبار سے بھی حق کو ہی غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ ہم حق کو باطل کے اوپر پھینکتے ہیں، پھر حق باطل کا سر پھوڑ ڈالتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باطل زائل ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی اللہ نے یہ عام قانون بتلایا ہے وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل - ۸۱) اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ حق آ گیا اور باطل چلا گیا، باطل جانے والی چیز ہی ہے۔

سورۃ مؤمن میں اللہ کا یہ فرمان بھی موجود ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (آیت - ۵۱) نتیجے اور مشن کے اعتبار سے ہم اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کو ہی غلبہ عطا فرمائیں گے۔ اگرچہ اُن پر کڑی آزمائشیں آتی ہیں مگر بالآخر مشن انہی کا کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اِس دنیا میں انہیں کامیابی حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں بھی وہی سرخرو ہوتے ہیں۔

فرمایا وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ اے منکرین! حق کا مقابلہ کرنے والو! قرآن کو پریشان خواب کہنے والو! نبی کو اپنے جیسا انسان کہنے والو! ہلاکت اور تباہی تمہارے مقدر میں ہے اِن باتوں کی وجہ سے جو تم کہتے ہو، خدا تعالیٰ کی توحید کے بارے میں تمہارا نظریہ درست نہیں تم اللہ کے نبیوں کی توہین کرتے ہو۔ اللہ کی نازل کردہ کتاب کو ماننے کے لیے تیار نہیں، انہی باتوں کی وجہ سے تمہارے لیے تباہی اور بربادی ہے۔ اللہ نے یہ تنبیہ اور وعید بھی فرما دی ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝۱۹
يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝۲۰ اَمِ اتَّخَذُوْٓا
اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝۲۱ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ
اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ
عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۲۲ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ
يُسْـَٔلُوْنَ ۝۲۳ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ
هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ
قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ۝۲۴

ترجمہ:- اور اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ۔ اور وہ جو اُس کے نزدیک ہیں ، نہیں تکبر کرتے اُس کی عبادت سے اور نہ وہ تھکتے ہیں (۱۹) تسبیح بیان کرتے ہیں رات اور دن اور وہ کوتاہی نہیں کرتے (۲۰) کیا اِن لوگوں نے بنا لیے ہیں معبود زمین سے ۔ کیا وہ زندہ کرکے اٹھائیں گے (۲۱) اگر ہوتے اِن دونوں (زمین اور آسمان) میں معبود اللہ کے سوا ، تو البتہ یہ (زمین و آسمان) بگڑ جاتے

پس پاک ہے اللہ تعالیٰ ، جو عرش کا مالک ہے ، اُن چیزوں
سے جو یہ لوگ بتلاتے ہیں (۲۲) نہیں پوچھا جا سکتا اُس سے
جو وہ کرتا ہے ، اور اِن سے سوال کیا جائے گا (۲۳)
کیا اُن لوگوں نے بنا لیے ہیں اُس کے ورے اور معبود ؟
آپ کہہ دیجئے کہ لاؤ اپنی دلیل ۔ یہ ذکر ہے اُن کا جو
میرے ساتھ ہیں ، اور ذکر ہے اُن کا جو مجھ سے پہلے
گزرے ہیں ۔ بلکہ اِن میں سے اکثر نہیں جانتے حق بات
کو ، پس وہ اعراض کرنے والے ہیں (۲۴)

ربط آیات

گذشتہ درس تک کا زیادہ تر حصہ رسالت کے تذکرے پر مشتمل تھا۔ کافر اور مشرک اللہ کے نبیوں پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ تو انسان ہیں ، بھلا ہم ان کا اتباع کیسے کریں ۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کا تردیدی جواب دیا۔ پھر پہلے لوگوں کا حال بیان کیا اور عذاب کی وعید سنائی ۔ نافرمانوں کا انجام بھی بیان فرمایا۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کا رد کیا ہے ۔ گذشتہ درس میں بیان ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ارض وسما کے کارخانے کو محض لہو ولعب کے لیے نہیں بنایا بلکہ یہ اُس کی حکمت پر مبنی ہے ۔ اس کائنات کا آغاز بھی ہے اور اس کا انجام بھی ۔

اللہ تعالیٰ کی تسبیح

ارشاد ہوتا ہے وَلَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اُسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۔ ہر چیز کو پیدا بھی اُسی نے کیا ہے اور ہر چیز کی تدبیر بھی وہی کرتا ہے ۔ وہ سب چیزوں کا مالک ہے اور ہر چیز پر اُسے تصرف حاصل ہے ۔ قدرت کے کارخانہ کو محض کھیل تماشہ سمجھنا بیوقوفی کی بات ہے ۔ اُس نے کسی چیز کو بیکار نہیں بنایا بلکہ ہر چیز کے ساتھ اُس کی حکمت اور مصلحت وابستہ ہے ۔

اس کے علاوہ وَمَنۡ عِنۡدَهٗ جو مخلوق اُس کے نزدیک ہے ، یعنی ملائکہ جنہیں اللہ کا قرب نصیب ہے ، وہ بھی اُسی کی ملکیت میں ہیں ۔ فرشتے اپنے پروردگار

کے تابع فرمان ہیں لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ جب مقربین خدا اُس کی عبادت سے سرتابی نہیں کرتے تو پھر باقی مخلوق کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں غفلت کریں۔ انسان تو فرشتوں کی نسبت زیادہ محتاج ہیں، لہٰذا اِن کا بطریق اولیٰ فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہ کریں۔ تو فرشتوں کے متعلق فرمایا کہ ایک تو وہ اپنے رب کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور دوسرا یہ کہ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ وہ تھکتے بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرنے کے باوجود اُن پر تھکاوٹ کے اثرات پیدا نہیں ہوتے۔ اُن کا کام یہ ہے يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وہ رات دن اپنے پروردگار کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں لَا يَفْتُرُوْنَ مگر ذرہ برابر بھی سستی نہیں کرتے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں۔

یہاں پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بعض دیگر فرائض بھی سونپ رکھے ہیں تو وہ یہ فرائض اور عبادت اکٹھے کیسے انجام دیتے ہیں۔ بادی النظر میں تو ایک وقت میں ایک کام ہی ہو سکتا ہے۔ یا تو اپنے رب کی عبادت کریں یا دیگر فرائض انجام دیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا عبادت کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی انسان غیر ارادی طور پر ہر وقت سانس لیتا رہتا ہے یا وقفے وقفے سے آنکھ جھپکتا ہے۔ ہر شخص دنیا کے سارے کام محنت مزدوری، کھیتی باڑی، تجارت، ملازمت، کھانا پینا، سونا جاگنا وغیرہ انجام دیتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ سانس بھی لیتا رہتا ہے جس کے لیے اُسے کوئی محنت مشقت نہیں کرنا پڑتی کسی دوسرے کام کو چھوڑ کر سانس لے لے یا آنکھ جھپک لے۔ فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا عبادت کرنا بھی بالکل اسی طرح ہے۔ وہ انسان کے سانس لینے اور آنکھ جھپکنے کی طرح بلاتکلف اللہ کی عبادت، اس کی تسبیح و تحمید بھی ادا کرتے

رہتے ہیں اور اپنی دیگر ڈیوٹی بھی دیتے رہتے ہیں۔ فرشتوں کی توجہ ہر وقت ذات خداوندی کی طرف لگی رہتی ہے اور وہ باقی فرائض بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اُن کی زبان سے خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اسی طرح بے اختیار جاری ہو جائیگی۔ جس طرح اس دُنیا میں کوئی انسان یا حیوان بغیر اختیار و ارادہ کے سانس لیتا ہے جس طرح سانس لینا باقی اشغال کے مانع نہیں اسی طرح فرشتوں کا عبادت کرنا بھی اُن کے دیگر فرائض کی انجام دہی میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

شرک کی تردید

اب اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا اثبات اور شرک کی تردید بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے أَمِ اتَّخَذُوٓا۟ ءَالِهَةً مِّنَ ٱلْأَرْضِ کیا اِن کفار و مشرکین نے زمین سے معبود بنالیے ہیں؟ هُمْ يُنشِرُونَ کیا وہ انسانوں کو اُن کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کر سکیں گے؟ ظاہر ہے کہ دوبارہ زندہ کرنے کا اختیار تو اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا۔ اور جو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ وہ معبود بھی نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا زمین کی کسی چیز کو معبود بنانا نہایت ہی حماقت کی بات ہے۔ مشرک لوگ زمینی مخلوق میں سے پتھروں اور پہاڑوں کو معبود بنا لیتے ہیں۔ پتھروں سے تراشے ہوئے بت تو نزول قرآن کے زمانہ میں عام تھے، یہاں ہندوستان کے مشرک بندھیاچل یا بعض دوسرے پہاڑوں کو بھی الٰہ مانتے ہیں اور اُن کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسی معبود برحق کی کرنی چاہیئے۔ بعض گنگا، جمنا جیسے دریاؤں کی پوجا کرتے ہیں، سانپ کی پوجا کرنے والے ناگ پنچھی بھی موجود ہیں۔ بعض لوگ شمس و قمر اور بعض پانی کی پرستش کرتے ہیں۔ بعض آگ کے پجاری ہیں اور بعض ہوا کے، بندروں کی پوجا کرنیوالے ہنومان کو مقدس سمجھتے ہیں۔ گائے، بلی اور درختوں کے پجاری بھی برصغیر میں ملتے ہیں۔ الغرض! فرمایا کہ اِن لوگوں نے زمینی چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ اِن کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا جاتا ہے۔

بعض فرشتوں جیسی آسمانی مخلوق کو بھی الٰہ مانتے ہیں۔ بعض جنات کے پجاری ہیں۔ کراچی اور بعض دوسری جگہوں پر سورج پرست پائے جاتے ہیں جو ساحل سمندر پر کھڑے ہو کر طلوع شمس کے وقت اسکی تعظیم کرتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ کیا انہوں نے زمین کی مخلوق کو معبود بنا رکھا ہے؟ کیا یہ معبود قیامت کے دن انہیں زندہ کریں گے؟ نہیں، یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان میں سے بعض تو مٹی اور پتھر کی بے جان چیزیں ہیں، اور جو جاندار بھی ہیں۔ ان کو کچھ اختیار حاصل نہیں۔ لہٰذا وہ کسی کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کر سکتے قدرت تامہ کا مالک صرف خدا تعالیٰ ہے۔

ردِّ شرک پہ دلیل

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ردِّ شرک پہ ایک دلیل قائم کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اگر زمین و آسمان میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرے معبود بھی ہوتے تو کائنات کا نظام بکھر بگڑ جاتا۔ زمین و آسمان اپنی موجودہ حالت پر قائم نہ رہتے۔ متکلمین اور علم اصول والے اس دلیل کو دلیل تمانع کے ساتھ موسوم کرتے ہیں جس کی بنیاد تزاحم اور تضاد پر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایک سے زیادہ معبود ہوں گے تو ہر معبود مختلف امور کا ارادہ کرے گا۔ ایسی صورت میں اگر یہ ارادے پورے ہو جائیں تو ان میں تضاد ہوگا۔ مثال کے طور پر ایک معبود کسی چیز کو پیدا کرتا ہے اور دوسرا اس کو فنا کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اور اگر فرض کرلو کہ دونوں معبود آپس میں کسی امر پر اتفاق کر لیتے ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں کی قوت برابر برابر ہے یا کم و بیش۔ اگر برابر ہے تو اتفاق مشکل ہے اور اگر کم و بیش ہے تو پھر کمزور معبود عاجز ہوگا اور الٰہ بننے کے قابل نہیں ہوگا۔ بالآخر ماننا پڑے گا کہ الٰہ صرف ایک ہے جو خالق، مدبر، متصرف اور سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ قدرت کا موجودہ نظام پورے قرینے اور نظم کے ساتھ

قیامت تک چلتا رہے گا جو کہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ارض و سما میں کئی معبود ہوتے تو اُن کا آپس میں تصادم (CLASH) ہو جاتا اور کائنات کا نظام نہ چل سکتا۔

ویسے بھی دنیا کا دستور ہے کہ ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں سما سکتے۔ شیخ سعدیؒ کا مقولہ تو زبان زدِ عام ہے کہ "دس درویش ایک گودڑی میں تو سما سکتے ہیں لیکن دو بادشاہ ایک ملک میں اکٹھے نہیں ہو سکتے" اللہ نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا (بنی اسرائیل ۴۲) اگر اللہ کے سوا دوسرے معبود بھی ہوتے تو وہ عرش والے کی طرف مقابلہ کرنے کے لیے جاتے اور اس طرح بڑا فساد برپا ہوتا۔ مشہور ہے کہ عبدالملک ابن مروان نے اپنے ایک حریف کو قتل کر دیا کیونکہ وہ بھی حکومت کرنے کا خواہشمند تھا۔ قتل کرنے کے بعد کہنے لگا کہ مقتول مجھے بڑا ہی عزیز تھا لیکن مشکل یہ ہے کہ دو سانڈھ تو ایک خشک اونٹنی پر اکٹھے نہیں ہو سکتے، بھلا ہم ایک سلطنت میں کیسے اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے یہ دلیل بیان فرمائی ہے کہ دیکھو! اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود بھی ہوتا تو ارض و سما کا سارا نظام بگڑ جاتا۔ چونکہ یہ نظام احسن طریقے سے چل رہا ہے لہذا ثابت ہوا کہ معبودِ برحق بھی ایک ہی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ[1] اس مسئلہ کی تقریر اس طرح کرتے ہیں کہ عبادت نام ہے کامل درجے کے تذلل اور انتہائی درجے کی عاجزی کا۔ یہ دونوں چیزیں صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کی جا سکتی ہیں جو اپنی ذات اور صفات میں ہر طرح سے کامل ہو اور اختیار رکھتا ہو۔ اس ذات کو ہم اللہ یا خدا کہتے ہیں۔ یہ ایسی ذات ہے جو نہ عاجز ہے، نہ کمزور اور نہ مغلوب۔ وہ کسی کام کے لیے کسی دوسری ہستی سے مدد نہیں لیتا، بلکہ سب کچھ اپنی مرضی اور ارادے سے کرتا ہے۔ اس کے ارادے میں

---

[1] تفسیر عثمانی ص ۴۱۹ (فیاض)

کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اگر زمین میں ایک کی بجائے دو خدا ہوتے تو ظاہر ہے کہ دونوں بے عیب اور یکساں شان کے مالک ہوں گے۔ اگر پورے عالم بالا اور زیریں کی تخلیق و تدبیر میں دونوں متفق ہو جاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اکیلے خدا سے کام نہیں چل سکتا۔ لہٰذا دونوں نے مل کر اس کارخانہ قدرت کو بنایا اور چلایا۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دونوں خداؤں میں سے کوئی بھی کامل نہیں کیونکہ انہیں ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت ہے۔ ایسی صورت میں دونوں میں سے کوئی بھی الوہیت کے قابل نہیں۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ دونوں میں سے کوئی ایک بھی سارے کام انجام دے سکتا ہے تو پھر دوسرا خدا یقیناً بیکار ہوگا، پھر اس کی کیا ضرورت رہ گئی، لہٰذا ایسا بیکار محض خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر دو مساوی خداؤں میں کشمکش شروع ہو جائے تو ایک غالب ہوگا اور دوسرا مغلوب۔ تو اس حالت میں الوہیت کے لائق وہی ہوگا جو غالب آئے گا، اور اس طرح بھی ایک ہی خدا ماننا پڑے گا۔ اگر دو خداؤں کی آپس میں زور آزمائی کی نوبت آجائے تو جنگ و جدال میں ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور ارض و سما کا نظام قائم نہیں رہ سکے گا۔ چونکہ نظام کائنات مستحکم طریقے سے چل رہا ہے اس لیے معلوم ہوا کہ اس نظام کو چلانے والا وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ ہر لحاظ سے کامل اور ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔ وہ علیم کل اور قادر مطلق ہے، وہ خالق مدبر اور متصرف ہے، اس کے ارادے میں کوئی چیز مزاحم نہیں ہو سکتی۔

آگے ارشاد ہوتا ہے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ بس پاک ہے اللہ تعالیٰ جو عرش عظیم کا مالک ہے ان چیزوں سے جو لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کسی نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ دیا اور کسی نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا۔ یہ سب

باتیں غلط ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں سے پاک ہے۔ وہ مختار مطلق ہے
لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وہ جو چاہے کرے، اُس سے کوئی
باز پرس نہیں کر سکتا وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ بلکہ خود اِن لوگوں سے
پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا، اور فلاں کیوں نہ کیا ؟

تفویض اختیارات کی نفی

شرک کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کو حاکم اعلیٰ مان کر اس کے
ماتحت چھوٹے خداؤں کو بھی تسلیم کیا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ بڑے
خدا نے اپنے ماتحتوں کو بعض اختیارات تفویض کر رکھے ہیں۔ اگلی آیت میں
اسی بات کا رد ہے۔ فرمایا اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً
کیا انہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ کے ورے (ماتحت) معبود؟ ظاہر ہے، کہ
خدا تعالیٰ کے مقابلہ کا تو کوئی نہیں ہے مگر اُس نے اپنے کچھ کارساز بنا رکھے
ہیں اور انہیں اختیار دے دیا ہے کہ فلاں فلاں کام تم انجام دے لیا کرو۔
گویا ایسے معبود خدا تعالیٰ کے عطا کردہ اختیارات سے لوگوں کو نفع یا نقصان
پہنچاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی اختیار نہیں دیا
کہ وہ دوسروں کی مشکل کشائی یا حاجت روائی کرتا پھرے، ہر چیز کا مدبر
تو وہ خود ہے یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ
(الٓمّٓ سجدہ - ۵) بلندیوں سے پستیوں تک ہر چیز کا تدبیر کنندہ وہ
آپ ہے۔ اُسے کائنات کی نگرانی میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ پھر
وہ دوسروں کو اختیار کیوں دیگا۔ اس قسم کا اعتقاد پرانے مشرکین میں ضرور
پایا جاتا تھا۔ حج کے موقعہ پر جب وہ تلبیہ پکارتے تھے تو کہتے تھے۔
لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ اے اللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک
نہیں اِلَّا شَرِیْكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ البتہ تیرے
وہ شریک ضرور ہیں جن کا تو خود مالک ہے اور اُن چیزوں کا بھی مالک
ہے جن کا اختیار تو نے انہیں دے رکھا ہے۔ گویا مشرکین لات منات

وغیرہ کو خدا تعالیٰ کا شریک اس لحاظ سے سمجھتے تھے کہ اُس نے انہیں بعض اختیارات دے رکھے ہیں اور وہ بھی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔ فرمایا تم نے جو شریک بنا رکھے ہیں۔ اِن کا کیا ثبوت ہے۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ اِن سے کہہ دیں هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اُسے پیش کرو۔ کوئی کتاب، کوئی صحیفہ لاؤ جس میں لکھا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں فلاں ہستی کو فلاں فلاں اختیارات تفویض کر دیے ہیں اپنے دعوے کی تائید میں کوئی عقلی دلیل لاؤ یا کوئی نقلی دلیل لاؤ، تاکہ پتہ چلے کہ تم کس حد تک سچے ہو۔ مگر قیامت تک ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکے گی۔

معبودِ واحد پر اتفاق

آگے قرآن پاک کی صداقت کا تذکرہ ہے هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ اِس قرآن پاک میں میرے ساتھ والے لوگوں کا ذکر ہے وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ اور اُن لوگوں کا بھی ذکر ہے جو مجھ سے پہلے گزرے ہیں چنانچہ اگلے اور پچھلے سب اس بات پر متفق ہیں کہ معبودِ برحق صرف ایک ہی ہے نہ اُس کا مدِ مقابل کوئی شریک ہے اور نہ اُس کے ورے کوئی شریک ہے کہ جس کو اُس نے اختیار دے رکھا ہو۔ یہ سب جھوٹے دعوے ہیں۔ تمام آسمانی کتابیں، صحیفے اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ مگر اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے۔ انہیں اس حقیقت کا علم نہیں ہے فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ اور وہ اعراض کرتے ہیں۔ مشرکین مکہ جہالت کی بناء پر دھاندلی کرتے تھے جس کی وجہ سے انہوں نے قرآن پاک کو مسترد کر دیا۔ وہ اپنے عقلی ڈھکوسلے چلاتے تھے اور بیہودہ باتیں کرتے تھے۔ اکثر لوگ حق سے اعراض کرتے تھے۔ بہرحال تمام کُتبِ سماویہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر متفق ہیں اِس کے بعد اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کا ذکر کیا ہے۔

آیت ۲۵ تا ۲۹ درس پنجم ۵

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَيۡهِ
اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ
وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ
بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ
اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يَشۡفَعُوۡنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ
ارۡتَضٰى وَهُمۡ مِّنۡ خَشۡيَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنۡ
يَّقُلۡ مِنۡهُمۡ اِنِّیۡۤ اِلٰهٌ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَذٰلِكَ
نَجۡزِيۡهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۹﴾ ع ۲ / ۱۹

ترجمہ:۔ اور نہیں بھیجا ہم نے اس سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم وحی کرتے تھے اُس کی طرف کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر میں۔ پس میری ہی عبادت کرو ﴿۲۵﴾ اور کہا اُن لوگوں نے کہ بنا لیا ہے خدائے رحمان نے بیٹا۔ پاک ہے اُس کی ذات۔ بلکہ وہ تو بندے ہیں باعزت ﴿۲۶﴾ وہ نہیں جلدی کرتے اُس کے سامنے بات میں، اور وہ اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں ﴿۲۷﴾ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے، اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے اور وہ نہیں سفارش کرتے مگر

اس کے حق میں جس کو وہ (اللہ تعالیٰ) پسند کرتا ہے، اور وہ
اُس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں (۲۸) اور جو شخص کے
اُن میں سے کہ میں الٰہ ہوں، اُس کے سوا، پس ایسے
شخص کو ہم بدلہ دیں گے جہنم کا۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے
ہیں ظلم کرنے والوں کو (۲۹)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے اُن مشرکوں کا رّد فرمایا جنہوں نے زمین کی مختلف چیزوں کو معبود تسلیم کر لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ارض وسما میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود بھی ہوتا تو سارا نظام کائنات بگڑ جاتا چونکہ کائنات کا نظام بالکل ٹھیک چل رہا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ پورے نظام کو کنٹرول کرنے والا صرف ایک ہی خدا ہے اور اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی ذات اُن تمام لغویات سے پاک ہے جن کو وہ اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اور مختارِ مطلق ہے، لہٰذا اُس سے کسی بات میں باز پرس نہیں ہو سکتی بلکہ وہ ساری مخلوق کے محاسبے کا حق رکھتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ورے معبود بنا رکھے ہیں، وہ اِس پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل لائیں۔ تمام کُتب سماویہ اور صحائف اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہی پیغام اللہ کے تمام انبیائے کرام نے اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا۔

درسِ توحید

آج کی آیات میں بھی توحید ہی کا درس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ مگر اس کی طرف یہی وحی کی گئی اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا کہ بیشک میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ فَاعْبُدُوْنِ لہٰذا عبادت بھی صرف میری ہی کرو۔ اِسی بات کو اللہ نے سورۃ آل عمران میں اس طرح بیان فرمایا ہے وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ (آیت - ۶۲) اور نہیں ہے کوئی معبود مگر صرف اللہ۔ معبودِ برحق وہی ہو سکتا ہے۔ جو علیم کل، قادرِ مطلق اور نافع وضار ہو۔ وہ خالق اور مالک ہے، وہ رب العلمین ہے۔ اُس نے رسولوں

کو بھیجا، کتابیں نازل فرمائیں، انسان کو عقل، فہم اور شعور دیا اور اس طرح انسان کی ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیے۔ انبیاء کے علاوہ معلم اور منذر آئے جو لوگوں کی تعلیمی ضروریات پوری کر سکیں۔ ان تمام ذرائع ہدایت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا عبادت کے لائق کوئی ہستی نہیں کیونکہ اللہ کی صفات اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری ذات میں نہیں پائی جاتیں۔

الوہیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ خالق ہو مگر صفتِ خلق بھی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ سورۃ فاطر میں اللہ نے استفساریہ انداز میں فرمایا ہے هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (فاطر۔ ۳) کیا اللہ کے سوا کوئی دوسرا بھی خالق ہے جو تمہیں ارض وسما سے روزی پہنچاتا ہے؟ جب اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر الٰہ بھی وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہے۔ مخلوق میں سے خواہ فرشتے ہوں یا جنات، انسان ہوں یا حیوان یا چرند اور پرند کوئی بھی الوہیت کے قابل نہیں ہے۔ اسی طرح الٰہ وہ ذات ہو سکتی ہے جو اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ہو۔ یعنی وہ خود بھی زندہ ہو اور دوسروں کو بھی زندگی بخشتا ہو جو خود بھی قائم ہو اور دوسروں کو قائم رکھتا ہو۔ ان صفات کی حامل صرف ذاتِ خداوندی ہے، لہٰذا عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (آل عمران ۲) اسی لیے فرمایا کہ ہم نے نہیں بھیجا تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ میرے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔ میرے سوا نہ کوئی مشکل کشا ہے نہ حاجت روا، نہ علیم کل اور نہ قادر مطلق۔

خدا اولاد سے پاک ہے

آگے اللہ تعالیٰ نے عقیدہ ابنیت کا رد فرمایا ہے وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمان نے بیٹا بنا لیا ہے، حالانکہ وہ تو اولاد سے پاک ہے۔ خدا تعالیٰ کے لیے اولاد کا

عقیدہ رکھنے والے مشرکین عرب میں سے بھی تھے۔ قبیلہ بنو خزاعہ میں اس عقیدے کی نشاندہی ہوتی ہے۔ بعض فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے جیسا کہ دوسری سورتوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ بعض ایسے ظالم بھی تھے جو اسے حقیقی معانی پر محمول کہتے تھے۔ جیسے فرمایا وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (الصّٰفّٰت ـ ۱۵۸) انہوں نے خدا تعالیٰ اور جنات کے درمیان رشتہ ناطہ قائم کر لیا تھا جس کے نتیجے میں وہ فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ نے فرمایا اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا (بنی اسرائیل ـ ۴۰) ظالمو! کیا تمہارے لیے تو تمہارے رب نے بیٹے پسند کیے اور اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں تجویز کیا۔ یہ کتنی بیہودہ بات ہے کہ جس چیز کو تم خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ خدا کے لیے تجویز کرتے ہو۔ اُدھر یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ بھی اللہ نے بیان کیا۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ ـ ۳۰) یہودیوں نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اس وقت یہودیوں کی کل آبادی دو کروڑ کے لگ بھگ ہے مگر ان میں سے ایک قلیل فرقہ ابنیت کا قائل ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کے ایک خادم امیر شاہ خاں آج سے کوئی سو سوا سو سال پہلے شام و فلسطین کی سیاحت پر گئے تو انہوں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ وہ کون سے لوگ ہیں جو عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا یہاں شہر میں تو ایسا کوئی آدمی نہیں البتہ بعض دیہات میں ایسے لوگ مل جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک گاؤں میں چند آدمی اس عقیدہ کے نکل آئے۔

یہ بات امیر شاہ خاں رح نے مولانا شبیر احمد عثمانی رح کے سامنے بیان کی تھی۔

عیسائیوں میں عقیدہ ابنیت دو طرح سے پایا جاتا ہے۔ اکثر لوگ

(۱) تفسیر عثمانی صـ۲۰۴ (فیاض)

مسیح علیہ السلام کو مجازی معنوں میں خدا کا بیٹا مانتے ہیں یعنی یہ کہ آپ اللہ کے مقرب اور پیارے ہیں۔ جیسا کسی کا بیٹا کسی کو محبوب ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے پیارے کو اختیار دے رکھا ہے کہ وہ لوگوں کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کرے۔ اللہ نے اس کا بھی رد فرمایا ہے کہ اس نے مخلوق میں سے کسی کو کوئی اختیار دے رکھا ہے۔ عیسائیوں میں ایک قلیل تعداد ایسی بھی ہے جو مسیح علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا حقیقی بیٹا تسلیم کرتی ہے، چنانچہ وہ حضرت مریمؑ کو مادرِ خدا کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حقیقی اولاد مانی جائے تو خدا تعالیٰ حادث ثابت ہوتا ہے نہ کہ ازلی اور ابدی۔ اس لحاظ سے وہ عیبناک اور محتاج بھی ہوگا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اَللّٰهُ الصَّمَدُ (الاخلاص-۲) وہ بے نیاز ہے۔ هُوَ الْغَنِيُّ (یونس-۶۸) وہ غنی ہے نہ کہ محتاج۔ انسان اس لیے بیٹے کی خواہش رکھتا ہے کہ اس کی نسل قائم رہے اور وہ اسے بڑھاپے میں مددگار ثابت ہو مگر اللہ تعالےٰ کو تو نہ بقائے نسل کی ضرورت ہے اور نہ کسی سہارے کی وہ ازلی ابدی ہے ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ وہ قادرِ مطلق، علیم کل اور متصرف فی الامور ہے اسے کسی سہارے اور مدد کی کبھی ضرورت نہیں سہارے کی تلاش تو اس کی صمدیت کے خلاف ہے بلکہ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔

فرشتوں کی فرمانبرداری

فرمایا، یہ لوگ فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھتے ہیں، حالانکہ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ وہ تو اس کے عزت والے بندے ہیں، مقرب اور معصوم ہیں۔ گذشتہ آیات میں گزر چکا ہے کہ اس کے فرشتے ہر وقت اس کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور تھکاوٹ بھی محسوس نہیں کرتے ان کے لیے بندہ ہونا ہی باعثِ شرف ہے، نہ وہ خود الٰہ ہیں اور نہ خدا کی اولاد ان کی فرمانبرداری کا یہ عالم ہے لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وہ بات میں سبقت نہیں کرتے یعنی اللہ کے حکم کے بغیر بات بھی نہیں کرتے

وَهُمْ بِاَمْرِہٖ یَعْمَلُوْنَ اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہمہ تن مستعد رہتے ہیں۔ جو حکم ہوتا ہے، فوراً تعمیل کرتے ہیں۔

گنہگاروں کے حق میں سفارش

فرمایا یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ وہ ان کی پیدائش سے لے کر اگلے پچھلے تمام حالات سے واقف ہے فرمایا یہ ایسے بزرگ فرشتے ہیں وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وہ تو کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے سوائے اس کے کہ جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر فرشتے بھی کسی کی سفارش نہیں کرتے حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے نبی، فرشتے اور ایمان والے بھی گناہگاروں کے حق میں سفارش کریں گے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ میری سفارش میری امت کے حق میں کبیرہ گناہوں کے بارے میں ہوگی۔ صغیرہ گناہ تو اللہ تعالیٰ ویسے ہی معاف کر دیتا ہے یا انسان کی نیکیوں کے ذریعے معاف ہو جاتے ہیں، لہٰذا سفارش کبائر کے متعلق ہوگی، البتہ کفر اور شرک کے بارے میں کوئی سفارش قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ ایسے لوگوں کے حق میں راضی ہوگا جن کا عقیدہ پاک ہوگا حضور نے فرمایا میری سفارش اُن کے حق میں ہوگی لِمَنْ لَّا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ جنھوں نے شرک نہیں کیا ہوگا پچھلی سورۃ میں بھی گزر چکا ہے کہ سفارش اُس شخص کے حق میں ہوگی مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا (طٰہٰ۔ ۱۰۹) جس کے لیے خدائے رحمان اجازت دے گا اور جس کی بات بھی اللہ کو پسند ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بات اُس شخص کی پسند ہوگی جو توحید والا ہوگا، اللہ کا فرمان ہے وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْكُفْرَ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ (الزمر۔ ۷) اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے راضی نہیں ہوتا بلکہ اگر شکر کرو گے تو وہ

راضی ہوگا۔ اللہ اگرچہ کفر کرنے کی توفیق تو دے دیتا ہے مگر اس کو پسند نہیں کرتا۔ ارتضیٰ اس کے حق میں ہوگا۔ جس کا اعتقاد صحیح ہوگا۔

خوفِ خدا

فرمایا وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ فرشتے اللہ کے خوف سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ زمین پر ٹاٹ کی طرح نہایت عاجزی کے ساتھ پڑا ہوا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے انکاری کرنے والے اور ڈرنے والے ہیں۔ جس کو خدا کا جتنا قرب حاصل ہوگا، وہ اس کے جلال و عظمت سے اتنا ہی زیادہ ڈرتا ہوگا۔ حاملین عرش فرشتے، حافین حول العرش فرشتے، علیین کے فرشتے اور انبیاء علیہم السلام اسی لیے اللہ کا زیادہ خوف رکھتے ہیں کہ وہ مقام قرب میں ہوتے ہیں۔ انہیں خدا تعالیٰ کی شان اور عظمت کا علم ہوتا ہے

الوہیت کا دعویٰ

ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ اُن میں سے جو یہ کہے کہ میں خدا کے ورے الٰہ ہوں فرشتہ ہو نبی ہو یا کوئی مقرب ہو، جو بھی الوہیت کا دعویٰ کرے گا فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ہم اس کو جہنم میں ڈالیں گے۔ اگرچہ مقربین الٰہی سے الوہیت کا دعویٰ محال ہے مگر پھر بھی اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے گا۔ تو وہ جہنم رسید ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ فرمایا ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اور ظالم کون ہیں؟ فرمایا وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ۔۲۵۴) کافر ہی ظالم ہیں۔ نیز فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان ۱۳) شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور دیگر مقربین کی برأت کا ذکر کیا ہے کہ وہ تو صرف خدا تعالیٰ کی الوہیت کے قائل ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں، اسی کو اپنا ولی اور کارساز سمجھتے ہیں اور خود الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتے۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ج وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ:- کیا نہیں غور کیا اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ بیشک آسمان اور زمین بند تھے، پس ہم نے اُن کو کھول دیا۔ اور بخشی ہم نے پانی سے ہر چیز کو حیات۔ کیا یہ یقین نہیں رکھتے ﴿۳۰﴾ اور بنائے ہم نے زمین میں بوجھل پہاڑ تاکہ وہ اِن کے ساتھ مضطرب نہ ہو۔ اور بنائے ہم نے اس (زمین) میں کشادہ راستے تاکہ یہ لوگ راہ پائیں ﴿۳۱﴾ اور بنایا ہم نے آسمان کو ایک چھت محفوظ۔ اور یہ لوگ اس کی آیتوں سے اعراض کرنے والے ہیں ﴿۳۲﴾

ربطِ آیات

ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا ذکر کیا۔ پھر شرک کرنے والوں کی تردید فرمائی اور توحید کے دلائل بیان کیے۔ انبیاء کے متعلق فرمایا کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بیان کرنے پر متفق تھے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وحدانیت

کے حق میں بعض دلائل کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور کفر کرنے والوں کا ردّ کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ اگر یہ لوگ اِن دلائل میں غور و فکر کریں تو اللہ کی وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے مگر یہ لوگ ایسا نہیں کرتے۔

رؤیت کا مفہوم

ارشاد ہوتا ہے اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کیا نہیں دیکھا، ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ یہاں پر رؤیت کا معنی غور و فکر کرنا اور جاننا ہے۔ یعنی کیا ان لوگوں نے اس بات میں غور و فکر نہیں کیا؟ یا یہ کہ اِن لوگوں کو معلوم نہیں ہوا؟ رؤیت آنکھ سے بھی ہوتی ہے اور دل سے بھی۔ آنکھ کی رؤیت یعنی بصارت دیکھنے کے معنی میں آتی ہے جب کہ دل کی رؤیت یعنی بصیرت جاننے کے معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اِن اصطلاحات کا ذکر قرآن پاک میں کثرت سے ہوا ہے۔ جیسے سورۃ البقرہ میں ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ (آیت۔۲۴۳) کیا نہیں دیکھا آپ نے اُن لوگوں کو جو اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ اس آیت کریمہ میں حضور علیہ السلام کی توجہ ہزاروں سال پہلے پیش آنے والے واقعہ کی طرف مبذول کرائی گئی ہے جب کہ کسی پہلی امت کے لوگ موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ مگر وہ موت کو ٹال نہ سکے اور اللہ نے انہیں راستے میں ہی موت سے ہمکنار کر دیا اور پھر عجیب و غریب طریقے سے دوبارہ زندگی نصیب ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اُس وقت حضور علیہ السلام تو اس دنیا میں موجود نہیں تھے جب یہ واقعہ پیش آیا، لہٰذا اس رؤیت سے مراد رؤیت قلبی اور جاننے کے معنوں میں آئی ہے۔ یعنی آپ نے نہیں جانا کہ لوگ اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ اسی طرح کی دوسری مثال سورۃ بقرہ ہی کی آیت۔ ۲۵۸ میں ہے اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھِیْمَ فِیْ رَبِّہٖ کیا آپ نے نہیں دیکھا یعنی نہیں معلوم کیا اُس شخص کو جس نے ابراہیم علیہ السلام سے آپ کے رب کے بارے

میں جھگڑا کیا۔ اسی طرح سورۃ الفیل میں فرمایا اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ ۝۱ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ واقعہ بھی حضور علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کا ہے لہٰذا یہاں بھی رؤیت سے بصارت مراد نہیں بلکہ جاننا یا معلوم کرنا مراد ہے کہ ہم نے علم کے ذریعے آپ کو بتلا دیا ہے کہ فلاں فلاں واقعہ اس طرح پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی مزید وضاحت سورۃ یوسف میں فرمادی۔ سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ ۚ وَمَا كُنۡتَ لَدَيۡهِمۡ (آیت - ۱۰۲) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، کیونکہ آپ خود تو ان کے پاس اس وقت نہیں تھے۔ گویا یہ بات آپ کو بذریعہ علم معلوم ہوئی۔ بعض لوگ ایسی ہی آیات سے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا، کیا آپ نے دیکھا؟ اس کا مطلب ہے کہ آپ وہاں موجود تھے، جبھی تو دیکھا، مگر اللہ نے سورۃ یوسف کی مذکورہ آیت اور اس قسم کی بعض دوسری آیات میں اس مسئلہ کو حل فرمادیا ہے کہ ایسے واقعات آپ علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا علم آپ کو بذریعہ وحی عطا کیا تھا۔

رتق اور فتق

فرمایا کیا ان لوگوں کو اس بات کا علم نہیں؟ اگر معلوم نہیں تو اب ہو جائے گا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ كَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا کہ بیشک آسمان اور زمین دونوں بند تھے پھر ہم نے دونوں کو کھول دیا۔ یہاں پر رتق اور فتق کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ دونوں مصدر ہیں اور [illegible] کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی پہلے آسمان اور زمین مرتوق یعنی بند تھے، پھر مفتوح یعنی کھل گئے۔ آسمان و زمین کی بندش

اور کشادگی کے متعلق مفسرین کرام دو طرح سے تفسیر بیان کرتے ہیں۔
رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آسمانوں کی بندش کا مطلب یہ ہے کہ آسمان سے بارش کا نزول رُک گیا تھا اور زمین کی بندش یہ ہے کہ زمین سے روئیدگی ختم ہو چکی تھی۔ نہ بارش ہوتی تھی اور نہ سبزہ پھل اور اناج پیدا ہوتے تھے۔ خشک سالی کی وجہ سے زمین کے چشمے بھی خشک ہو چکے تھے۔ ایسی صورت میں اگر نہریں بھی نہ ہوں اور کنوئیں کا پانی بھی خشک ہو جائے تو سخت مشکل پیش آتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ خروج دجال کے زمانے میں بڑے قحط پڑیں گے۔ آسمان و زمین بند ہو جائیں گے اور سخت قسم کی خشک سالی ہوگی۔
اور فتق یعنی کھولنے سے مراد یہ ہے کہ پہلے تو آسمان اور زمین بند تھے پھر ہم نے ان کو کھول دیا یعنی آسمان سے بارش برسنے لگی اور زمین سے پھل، غلہ اور سبزہ اگنے لگا۔ فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ ایک حالت کو کس طریقے سے دوسری حالت میں بدل دیتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے جس کا لوگ ہر روز مشاہدہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آسمان کی طرف سے بارش برسانا اور زمین سے چارہ، سبزیاں اور غلہ اگانا اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کاملہ کا شاہکار ہے۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں مگر ان کافروں پر اس مشاہدۂ قدرت کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔
بعض دوسرے مفسرین کرام رتق اور فتق کو دوسرے معانی پر محمول کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رتق کا معنی اتصال ہوتا ہے۔ یعنی پہلے ارض و سماء آپس میں ملے ہوئے تھے۔ تخلیق سے پہلے ان کا مادہ ایک ہی تھا پھر فَفَتَقْنٰهُمَا ہم نے ان دونوں کو جدا جدا کر دیا۔ گویا فتق کا معنی جدا جدا کر دینا ہے۔ بعض دوسری سورتوں میں بھی ہے کہ زمین اور آسمان ابتداء میں ایک تاریک مادے کی شکل میں تھے۔ پھر زمین کو الگ اور آسمان کو الگ کر

دیا گیا اور ان کے طبقات بنا دیے گئے۔ بہرحال فرمایا کہ کیا کافر لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ قرآن پاک کی اطلاع کے مطابق ارض و سما ملے ہوئے تھے، پھر اللہ نے ان کو الگ الگ کر دیا۔ اور یہ کام صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کا ہی ہو سکتا ہے۔ جب زمین و آسمان کا موجودہ نظام اپنی مدت پوری کرے گا، تو اللہ تعالیٰ پھر انہیں گڈمڈ کر کے پورے نظام کو درہم برہم کر دیگا، آسمان زمین اور ان میں موجود تمام آسمانی کرے ٹوٹ پھوٹ جائیں گے اور پورا نظام شمسی ختم ہو جائے گا۔ تو فرمایا کیا یہ کافر لوگ اس بات کو نہیں جانتے یا اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ارض و سما پہلے ملے ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔

زندگی بخش پانی

پھر فرمایا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ہم نے پانی کے ذریعے ہر چیز کو زندگی بخشی۔ ظاہر ہے کہ تمام جانداروں بلکہ نباتات کی زندگی کا انحصار بھی پانی پر ہے۔ پانی کے بغیر نہ کوئی جاندار زیادہ دیر تک زندہ رہ سکتا ہے اور نہ درخت اور کھیتیاں۔ اللہ نے کچھ مخلوق ایسی بھی پیدا کی ہے جو ہمیشہ پانی میں رہتی ہے اور اگر وہ تھوڑی دیر کے لیے بھی پانی سے باہر آجائے تو زندہ نہیں رہ سکتی۔ مچھلیاں، مینڈک، مگرمچھ اور کیڑے مکوڑے اللہ کی کتنی ہی مخلوق ہے جو پانی کے اندر ہی پیدا ہوتی ہے، وہیں زندگی گزارتی ہے اور پھر وہیں مر جاتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ ہم نے پانی کے ذریعے ہر چیز کو زندگی بخشی، گویا پانی سبب حیات ہے۔

پانی سے مراد نطفہ بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ نے قطرۂ آب سے انسان جیسی اشرف المخلوقات ہستی کو پیدا کیا۔ اگرچہ فرشتوں کو نور سے اور جنات کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے مگر زمین کی اکثر مخلوق بشمول چرند، پرند، کیڑے مکوڑے اور ہر قسم کے حیوانات کو پانی کے ذریعے ہی حیات نصیب ہوتی ہے۔ ہر جاندار کے مادہ حیات میں پانی کی کثرت ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کا انحصار

دوران خون پر موقوف ہے اور جدید تحقیق کے مطابق خون میں اسی^۸۰ فیصد پانی اور باقی بیس^۲۰ فیصد دیگر اجزا ہیں۔ تو اس لحاظ سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ انسانی زندگی کا انحصار پانی پر ہے۔ اگر کسی جاندار کے جسم میں پانی کی کمی پیدا ہو جائے تو خون منجمد ہو کر رہ جاتا ہے اور انسان اور جانور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح جانداروں اور نباتات کو پانی کے ذریعے زندگی بخشی ہے۔ یہ اس کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

بوجھل پہاڑ

اللہ تعالیٰ نے یہ احسان بھی جتلایا وَجَعَلْنَا فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اور بنائے ہم نے زمین میں بوجھل پہاڑ۔ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ تاکہ زمین ان کے ساتھ مضطرب نہ ہو۔ زمین کا اضطراب دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ زمین جمی رہے اور ڈولنے نہ پائے یعنی اس کا توازن برقرار رہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ سمندروں اور دریاؤں میں چلنے والے جہازوں اور کشتیوں پر پتھر وغیرہ ڈال کر ان کو بوجھل بنا دیا جاتا ہے تاکہ کشتی یا جہاز پانی کی تند و تیز لہروں میں ڈولنے نہ پائے، زمین بھی دیگر کروں کی طرح ایک کرہ ہے جو فضا میں تیر رہا ہے چونکہ یہ کسی دوسری چیز پر ٹکی ہوئی نہیں ہے اس لیے اس میں اضطراب پیدا ہونا قدرتی امر ہے۔ تو اس امکان کو ختم کرنے کے لیے اللہ نے اس پر بڑے بڑے پہاڑوں کی صورت میں بوجھ ڈال دیا ہے، دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے پہاڑ ہیں وہ اسی مقصد کے لیے اللہ نے پیدا کیے ہیں۔

زمین کے اضطراب کا دوسرا معنیٰ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح یہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم نے زمین میں بوجھل پہاڑ قائم کر دیے ہیں تاکہ انسانی حیات میں اضطراب پیدا نہ ہو۔ اللہ نے پہاڑوں میں انسانی ضروریات کی بہت سی چیزیں مثلاً پتھر، درخت، چشمے، اور قسم قسم کی معدنیات پیدا کی ہیں جو انسان کی روزمرہ زندگی میں کام آتی ہیں۔ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو یہ چیزیں بھی

نہ ہوتیں اور اس طرح انسانی زندگی مضطرب رہتی۔

فرمایا ایک تو ہم نے زمین میں پہاڑ پیدا کیے۔ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا اور پھر اُن میں کشادہ راستے بھی بنا لئے۔ دنیا میں بڑے بڑے لمبے اور بڑے بڑے سر بفلک پہاڑ موجود ہیں۔ کوہ ہمالیہ کھٹمنڈو سے لے کر ایران تک تین ہزار میل لمبا ہے اور اس کی بلند ترین چوٹی مونٹ ایورسٹ دنیا کی بلند ترین چوٹی ہے۔ اگر ایسے دشوار گذار پہاڑوں میں راستے یعنی درے نہ ہوتے تو ایک ملک کے لوگ دوسرے ملک میں نہ جا سکتے اور لوگ ایک ہی جگہ میں محدود ہو کر رہ جاتے — ان دروں کی وجہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ آنا جانا ممکن ہوا، باہمی میل جول اور تبادلہ اشیاء کا موقع میسر آیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ہم نے درمیان میں کشادہ راستے بھی بنا دیے لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ تاکہ لوگ راہ پائیں اور آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہ سکے۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں غور و فکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے

کشادہ راستے

فرمایا نشاناتِ قدرت میں سے ایک یہ بھی ہے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا۔ آسمان کو زمین کے اوپر ایک قبے کی شکل میں کھڑا کر دیا جس میں کوئی سوراخ نہیں۔ یہ بڑا مضبوط اور بڑا محفوظ ہے۔ اللہ نے سورۃ البقرہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے زمین کو بچھونا بنایا وَالسَّمَآءَ بِنَآءً اور آسمان کو چھت بنایا۔ بناء دراصل قبے یا خیمے کے کھڑا کرنے کو کہتے ہیں، جیسے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اسلام کی پانچ بنائیں ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔ سورۃ الشمس میں ہے وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا قسم ہے آسمان کی اور اس کی بناوٹ کی۔ سورۃ قٓ میں فرمایا اَفَلَمْ يَنْظُرُوٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ

محفوظ چھت

فُرُوْجٍ ⑥ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اُن کے سروں پر آسمان کو کس کیفیت کا بنایا ہے، اور اس کو کیسی زینت بخشی ہے اور اس میں کوئی سوراخ تک نہیں۔ سورۃ حٰمٓ سجدہ میں ہے وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا (۱۲) ہم نے آسمان کو ستاروں سے زینت بخشی اور اس کو محفوظ رکھا۔ فرمایا اِن تمام شواہد کے باوجود وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ یہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کرنے والے ہیں یعنی اِن میں غور و فکر کر کے اللہ کی وحدانیت کو نہیں پہچانتے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ
كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ
مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾
كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ
فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ
كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۖ أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ
آلِهَتَكُمْ ۚ وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾
خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُورِيكُمْ آيَاتِي فَلَا
تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن
كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ
لَا يَكُفُّونَ عَن وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَن ظُهُورِهِمْ
وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ
فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ
اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ
۳/۱۲/۳ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٤١﴾ ع

ترجمہ :۔ اور وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا ہے رات اور

دِن کو اور سورج اور چاند کو۔ ہر ایک اپنے اپنے دائرے
میں تَیر رہے ہیں (۳۳) اور نہیں تجویز کیا ہم نے آپ سے
پہلے کسی انسان کے لیے ہمیشہ زندہ رہنا۔ پس اگر آپ
وفات پا جائیں تو کیا یہ لوگ زندہ رہیں گے (۳۴) ہر ایک
نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ اور ہم مبتلا کرتے
ہیں تم کو بُرائی اور بھلائی کے ساتھ آزمائش کے لیے۔ اور
ہماری طرف ہی تم سب لوٹائے جاؤ گے (۳۵) اور جب
دیکھتے ہیں تجھ کو وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار
کیا ہے تو نہیں بناتے تجھ کو مگر ٹھٹا کیا ہُوا (اور
کہتے ہیں) کیا یہی شخص ہے جو ذکر کرتا ہے تمہارے
معبودوں کا۔ اور یہ لوگ رحمان کے ذکر کے ساتھ انکار
کرنے والے ہیں (۳۶) پیدا کیا گیا ہے انسان جلدباز۔
میں دکھاؤں گا تم کو اپنی نشانیاں، پس جلدی نہ کرو (۳۷)
اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ کب ہو گا یہ وعدہ اگر تم
سچے ہو (۳۸) اگر جان لیتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا
جس وقت نہ روک سکیں گے اپنے چہروں سے آگ کو
اور نہ اپنی پشتوں سے۔ اور نہ اُن کی مدد کی جائے
گی (۳۹) بلکہ (یہ قیامت اور سزا) آئے گی اُن کے پاس
اچانک پس اُن کو حیران کر دے گی۔ پس نہ طاقت
رکھیں گے اُس کو ہٹانے کی اور نہ اُن کو مہلت
دی جائے گی (۴۰) اور البتہ تحقیق ٹھٹا کیا گیا رسولوں
کے ساتھ تجھ سے پہلے۔ پس گھیر لیا اُن کو جنہوں

ہنسی ٹھٹا کیا تھا اُن میں سے اس چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹا کیا کرتے تھے (۴۱)

رابطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کا ردّ فرمایا دلائلِ قدرت کا ذکر کیا۔ ان میں سے ایک دلیل یہ تھی کہ آسمان اور زمین ابتداء میں اکھٹے تھے، بعد میں اُن کو الگ الگ کر دیا گیا۔ پھر فرمایا کہ زمین پر بوجھل پہاڑ گاڑھ دیے تاکہ یہ ڈولنے نہ پائے۔ پھر ان پہاڑوں میں کشادہ راستے بنا دیے اور آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا۔ فرمایا کہ لوگ اِن نشانیوں کو دیکھ کر توحیدِ خداوندی کے قائل نہیں ہوتے بلکہ اِن نشاناتِ قدرت سے اعراض کرتے ہیں۔

شب و روز کی تخلیق

اب آج کے درس میں اللہ نے آسمان اور زمین کے درمیان پیدا کیے گئے بعض نشاناتِ قدرت کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے رات اور دن کو پیدا کیا ہے۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سورج اور چاند کو بھی پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ نے زمین کو نیچے اور آسمان کو اُوپر پیدا کیا ہے۔ اور پھر ان دونوں کے درمیان سورج اور چاند کو پیدا کر کے رات اور دن کا نظام قائم کیا ہے۔ زمین کے ایک حصے پر رات ہوتی ہے تو دوسرے حصے پر دن ہوتا ہے، اور اسی طرح رات اور دن بدل بدل کر ہر حصۂ زمین پر آتے رہتے ہیں اگرچہ زمین کی انتہائی اطراف میں رات اور دن بہت لمبے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ بعض مقامات پر چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن ہوتا ہے۔ تاہم عام متمدن دنیا میں رات اور دن چوبیس گھنٹے میں مکمل ہو جاتے ہیں۔ کبھی دن قدرے بڑے اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں اور کبھی راتیں بڑی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں۔ دن رات کی یہ کمی بیشی اللہ کی حکمت پر مبنی ہے جو سورج اور چاند کی گردش پر منحصر ہوتی ہے۔ پھر اسی گردش سے موسموں میں تغیر و تبدل پیدا ہوتا ہے، کبھی گرما کبھی سرما کبھی بہار اور کبھی خزاں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہکار اور

اُس کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔ رات اور دن کی حکمت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا (الانعام - ۹۷) ہم نے رات آرام کے لیے بنائی ہے وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (النبا - ۱۱) اور دن کو ذریعہ معاش بنایا ہے۔ دن کے وقت انسان کام کاج میں مصروف رہنے کی وجہ سے تھک جاتے ہیں لہٰذا رات کو آرام کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً (الفرقان - ۶۲) اللہ کی ذات وہ ہے جس نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا بنایا ہے اللہ نے یہ نظام اس کا ذکر اور شکر کرنے والوں کی سہولت کے لیے قائم کیا ہے۔ بہرحال دن کی روشنی میں انسان کے کام کاج اور دیگر مشاغل طے پاتے ہیں۔ انسان عبادت کرتا ہے، جہاد کا فریضہ انجام دیتا ہے، صنعت، تجارت، زراعت اور محنت مزدوری کرتا ہے اور جب تھک جاتا ہے تو رات کے وقت آرام کرتا ہے تاکہ اگلے دن کی محنت مشقت کے لیے پھر سے تازہ دم ہو جائے، غرضیکہ رات اور دن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نشانات قدرت کے طور پر متعارف کرایا ہے۔

سورج اور چاند

آگے فرمایا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ہم نے سورج اور چاند کو بھی اپنی نشانیوں کے طور پر تخلیق کیا ہے۔ ان دونوں کی تخلیق بھی کمال حکمت پر مبنی ہے ان کی گردش سے رات اور دن کا نظام قائم ہے۔ سورۃ یٰسٓ میں فرمایا ہے کہ سورج اور چاند اپنی اپنی مقررہ منازل پر چلتے رہتے ہیں۔ آج کل کی اصطلاح میں اسے اپنے اپنے مدار میں گردش کرنا کہتے ہیں۔ فرمایا کہ نہ سورج چاند کو پا سکتا ہے اور نہ رات دن سے سبقت کر سکتی ہے کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ سباحت پانی میں تیرنے کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ سورج اور چاند فضا میں گردش کر رہے ہیں۔ پرانے سائنسدان کہتے تھے کہ سورج اور چاند آسمان کے اندر واقع

ہیں جب کہ جدید سائنس نے ثابت کیا ہے کہ یہ آسمان اور زمین کے درمیان فضا میں محوِ گردش ہیں، مذکورہ بالا آیت بھی اسی نظریے کی تائید کرتی ہے کہ یہ اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ بہرحال سورج اور چاند نظامِ شمسی کا حصہ ہیں جن سے دن اور رات پیدا ہوتے ہیں اور موسموں کا تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں کہ کوئی ایسی ذات ضرور ہے جس نے اس سارے نظام کو قائم کر رکھا ہے اور وہ ہے بھی وحدہٗ لاشریک، کیونکہ اگر وہ ایک سے زیادہ ہوتے تو یہ نظام قائم نہ رہ سکتا۔ اس کی تشریح کسی پہلے درس میں بھی کی جا چکی ہے۔

موت کی گھاٹی

کفار و مشرکین حضور علیہ السلام کی رسالت پر مختلف طریقوں سے اعتراض کرتے تھے۔ بعض یہ بھی کہتے تھے کہ اگر یہ اللہ کا نبی ہے تو پھر اس پر موت طاری نہیں ہونی چاہیئے، یہاں اللہ نے اس بیہودہ اعتراض کا جواب دیا ہے وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ آپ سے پہلے ہم نے کسی انسان کے لیے اس دنیا میں ہمیشہ کی زندگی نہیں رکھی، وہ نبی ہو یا غیر نبی ہر ایک نے اس دنیا میں اپنا مقررہ وقت پورا کیا اور اگلے جہان میں منتقل ہو گیا۔ اس دنیا میں کسی کو بھی ہمیشہ نہیں رہنا۔ فرمایا، اے نبی علیہ السلام! اَفَاِئْنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ اگر آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ یہیں رہیں گے۔؟ آپ سے پہلے جتنے نبی اور رسول گزرے ہیں سب اللہ کی طرف لوٹ گئے، اور جس طرح ان کے آباؤ اجداد باقی نہیں رہے یہ لوگ بھی ضرور موت سے ہمکنار ہوں گے، ان کو دنیا میں دوام حاصل نہیں۔ بعض کافر اور مشرک کہتے تھے کہ اسلام کا مشن حضور علیہ السلام کی زندگی تک ہی چلے گا اور اس کے بعد خود بخود ختم ہو جائے گا۔ یہ محض آپ کے ساتھ ضد، عناد اور عداوت کی وجہ سے کہتے تھے، ورنہ موت کی گھاٹی تو ہر ایک نے عبور کرنی ہے۔ سورۃ الزمر میں اللہ کا یہ فرمان بھی موجود ہے۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (آیت ۔ ۳۰) اے نبی علیہ السلام!
موت آپ پر بھی وارد ہونی ہے اور ان پر بھی ۔ اس کے بعد سب کو اپنے
پروردگار کے سامنے حاضر ہوتا ہے اور سب کو جوابدہی کرنا ہے ۔

سعدی صاحب نے گلستان[1] میں ذکر کیا ہے کہ کسی نے نوشیروان بادشاہ
ایران کو خوشخبری سنائی کہ آپ کا فلاں دشمن اس دنیا سے رخصت ہوگیا ہے
خبر دینے والے شخص کا خیال تھا کہ یہ خبر سن کر بادشاہ خوش ہوگا مگر وہ عقلمند آدمی
تھا، اُس نے جواب دیا "ہیچ شنیدی کہ مرا بگزارد" اگر دشمن مرگیا ہے تو
تم نے کس سے سنا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ دے گا ۔ میں نے بھی تو بالآخر مرنا ہے

اگر عدو بمرد جائے شادمانی نیست
کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست

اگر دشمن مرجائے تو یہ کوئی خوشی کا مقام نہیں ہے کیونکہ ہمارے ساتھ بھی یہی
معاملہ پیش آنے والا ہے ۔ تو فرمایا اگر آپ وفات پاجائیں گے تو کیا انہوں نے
ہمیشہ رہنا ہے ۔ نہیں بلکہ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ہر جان نے
موت کا ذائقہ چکھنا ہے، موت سے کسی کو بھی فرار حاصل نہیں ۔

انسان کی آزمائش

پھر فرمایا وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ہم تمہیں آزماتے
ہیں برائی اور بھلائی کے ساتھ یعنی ہر حالت میں آزمائش کرتے ہیں کبھی سختی
کی حالت میں اور کبھی نرمی کی صورت میں ۔ کبھی تنگی کی حالت میں اور کبھی فراخی
کی حالت میں، کبھی بیمار کرکے اور کبھی تندرستی دے کر کبھی محتاجی دیکر اور کبھی
دولتمندی دے کر مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کا پتہ چل جائے کہ ان میں سے
کھرا کون ہے اور کھوٹا کون ۔ ان میں سے اللہ کا شکر گزار کون ہے اور
ناشکری کرنے والا کون ہے ۔ یہ بھی پتہ چل جائے کہ ہمارے عطا کردہ مال و دولت
کو عیش و عشرت اور کھیل تماشے میں لگاتا ہے یا محتاجوں کی دست گیری پر
رسومات باطلہ میں لگاتا ہے یا صدقہ و خیرات میں ۔ اللہ تعالیٰ ہر اچھی اور بری

[1] گلستان ص ۴۲ (فیاض)

حالت میں انسان کو آزماتا ہے، فرمایا، یہ نہ سمجھو کہ میری نعمتوں کے استعمال کے بعد تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی، بلکہ وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ تم سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی، اور تمہیں اپنے اپنے عقیدے اور عمل کا ریکارڈ پیش کرنا ہوگا اور پھر اسی کے مطابق کاروائی ہوگی۔

کفار کیطرف سے ٹھٹھا

فرمایا، کفار و مشرکین کا حال یہ ہے وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا تو آپ کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ دولت مند اور آسودہ حال کافر غریب مسلمانوں کو جاتا دیکھ کر مذاق کیا کرتے تھے۔ آپس میں کہتے کہ ان کا لباس دیکھو اور ان کی وضع قطع پر نظر ڈالو، پھٹا پرانا لباس، بال پراگندہ، نہ رہنے کو مکان، نہ کھانے کو روٹی اور نہ سفر کے لیے سواری، مگر یہ جنت کے مالک اور حوروں کے خاوند ہیں۔ اہل ایمان پہ آوازے کستے تھے وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ یَتَغَامَزُوْنَ (المطففین۔ ۳۰) جب پاس سے گزرتے تو کن انکھیوں سے اشارے کرتے۔ حضور علیہ السلام کے متعلق بھی اسی قسم کی باتیں کہتے تھے کہ اس شخص کے پاس نہ مال و دولت ہے، نہ باغات ہیں، نہ اچھا مکان ہے، نہ نوکر چاکر ہیں مگر دعوئ نبوت کا کر رہا ہے۔ اس طرح گویا کافر لوگ آپ اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ تمسخر کرتے تھے۔

یہ بدبخت یوں بھی کہتے اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے اور ان کو برا بھلا کہتا ہے۔ گویا تمہارے معبودوں کا حقارت کے ساتھ تذکرہ کرتا ہے فرمایا وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

هُمْ كٰفِرُوْنَ اور ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ خود خدائے رحمان کے ذکر کا انکار کرتے ہیں یعنی اُس کی توحید کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے حقیقت میں تعجب انگیز اور افسوسناک حالت تو ان کی اپنی ہے مگر یہ اُلٹا اللہ کے نبی کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔

انسان کی جلدبازی

ارشاد ہوتا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ انسان کو فطرتاً جلد باز پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا مرجع کافر اور اہل ایمان دونوں ہو سکتے ہیں۔ کفار کی جلدبازی یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ نبوت کا دعویدار ہمیں جس قیامت اور عذاب سے ڈراتا ہے، وہ آکیوں نہیں جاتی؟ اگر یہ اپنے دعوے میں سچا ہے تو پھر ہم سے انتقام کیوں نہیں لیا جاتا؟ اُدھر اہل ایمان بھی بعض اوقات خواہش کرتے تھے کہ ان نافرمانوں پر گرفت جلدی کیوں نہیں آتی کہ یہ خود بھی گمراہ ہیں اور آگے دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ انسان کی پیدائش میں ہی جلدبازی رکھی ہوئی ہے۔ فرمایا سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دوں گا فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ لہٰذا اس معاملہ میں جلدی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی تمام ضروری نشانیاں ظاہر کر دے گا۔ پھر جب اتمام حجت ہو جائے گی تو مجرموں کو سزا بھی مل جائے گی اور اہل ایمان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے۔ فرمایا جلدی نہ کرو یہ اچھی چیز نہیں ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے اَلتُّؤَدَةُ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ یعنی آہستگی خدائے رحمان کی طرف سے ہے اور جلدبازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ گذشتہ سورۃ طٰہٰ میں بھی گزر چکا ہے کہ شیطان کے بہکانے کی وجہ سے آدم علیہ السلام نے بھی جلدی کی جس کی وجہ سے انہیں جنت سے نکلنا پڑا۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ جلدبازی کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔ اگرچہ انسان فطرتاً جلدباز پیدا کیا گیا ہے۔

قیامت کا انتظار

پھر فرمایا وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

صٰدِقِیۡنَ اگر تم سچے ہو تو پھر یہ وعدہ کب پورا ہو گا۔ جب اہلِ ایمان کفار و مشرکین کو اُن کے کفر و شرک سے باز رکھنے کے لیے انہیں آخرت کے محاسبے اور عذاب سے ڈراتے، تو وہ نصیحت پکڑنے کی بجائے کہتے کہ لاؤ اپنا وعدہ پورا کرو۔ یعنی جس عذاب کی دھمکی ہمیں دے رہے ہو، وہ کب آئے گا؟ اللہ نے فرمایا کہ آج تو یہ خود عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں مگر یاد رکھو! لَوۡ یَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا حِیۡنَ لَا یَکُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنۡ ظُهُوۡرِهِمۡ اگر کفار اُس حالت کو جانتے جب کہ وہ اپنے چہروں اور پشتوں سے دوزخ کی آگ کو نہ روک سکیں گے۔ دوزخ کی آگ اِن کے جسموں کو جلا ڈالے گی مگر یہ اُسے خود روک نہ سکیں گے وَلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ اور نہ ہی کسی دوسرے ذریعے سے اُن کی مدد کی جائیگی کہ وہ عذابِ الٰہی سے بچ سکیں۔ فرمایا اگر اس حالت کو جانتے تو یقیناً اللہ کے نبیوں اور اہلِ ایمان کے ساتھ ٹھٹھا نہ کرتے اور نہ ہی یہ پوچھتے کہ وہ وعدہ کب پورا ہو گا۔

باقی رہا قیامت کے وقوع کا وقت، تو اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا۔ البتہ اتنا ضرور بتلا دیا ہے بَلۡ تَاۡتِیۡهِمۡ بَغۡتَةً یہ اِن کے پاس اچانک ہی آجائیگی۔ اس طرح انفرادی موت بھی اچانک ہی آجاتی ہے۔ فَتَبۡهَتُهُمۡ پھر یہ قیامت یا موت اِن کو حیران کر دیگی۔ ان کے ہوش و حواس گم کر دیگی فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ رَدَّهَا اور یہ اسکو روکنے کی طاقت بھی نہیں پائیں گے۔ وَلَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ پھر اِن کو مہلت بھی نہیں ملے گی کہ اپنی اصلاح کر سکیں۔ قیامت اچانک آکر اِن کے مطلوبہ وعدے کو پورا کر دیگی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ عام قانون ہے اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ فَلَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ (یونس - ۴۹) ہر قوم اور ہر فرد کی مدت مقرر ہے اور اسی طرح قیامت

کا بھی ایک دن مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر گھڑی بھر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ مقررہ وقت پر موت طاری ہو کر زندگی کے تمام اشغال کو ختم کر دیتی ہے، اور اسی طرح مقررہ وقت پر قیامت واقع ہو کر پوری کائنات کا نظام درہم برہم کر دیگی اور پھر محاسبے کا عمل شروع ہو جائے گا۔

اہل ایمان کے لیے تسلی

آگے حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کے لیے تسلی کا مضمون ہے وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ اور البتہ تحقیق استہزا کیا گیا رسولوں کے ساتھ آپ سے پہلے۔ ان کافروں نے اللہ کے ہر نبی اور رسول کے ساتھ اسی طرح مذاق کیا جس طرح حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ یہ تو کفار کی پرانی رسم اور ان کا پرانا شیوہ ہے کہ وہ انبیاء اور اہل ایمان کے ساتھ ٹھٹا کرتے آئے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے عذاب کو بھی اپنے مذاق کا نشانہ بنایا، تو اللہ نے فرمایا فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ پھر ان میں سے جن لوگوں نے ٹھٹا کیا تھا ان کو اسی چیز نے گھیر لیا جس کے ساتھ وہ ٹھٹا تمسخر کیا کرتے تھے۔ یعنی جس عذاب الٰہی کو کافر لوگ بعید خیال کرتے تھے، وہی عذاب ان پر نازل ہوا اور ان کو گھیرے میں لے لیا اور اس سے بچ نکلنے کے تمام راستے مسدود ہو گئے، اور اس طرح انہوں نے عذاب الٰہی کے ساتھ مذاق کرنے کا مزا چکھ لیا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن سے ٹھٹا کرتا ہے تو یہ گناہ کبیرہ ہے اور اگر کسی نے نبی کے ساتھ استہزا کیا تو اس نے گویا کفر کا ارتکاب کیا۔ استہزا میں دوسرے کی حقارت مقصود ہوتی ہے اور نبی کو حقیر سمجھنے والا انسان کافر ہو جاتا ہے۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ
بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ
اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ
مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ
الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ
اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ
بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾
وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ
لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ:۔ (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے، کون ہے جو تمہاری حفاظت کرتا ہے رات اور دن میں خدائے رحمان (کی گرفت) سے۔ بلکہ یہ لوگ اپنے رب کی یاد سے اعراض کرنے والے ہیں (۴۲) کیا ان کے لیے کوئی اور الٰہ ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہیں ہمارے سوا وہ تو طاقت نہیں رکھتے اپنے نفسوں کی مدد کی، اور نہ ہماری طرف سے اُن کی رفاقت کی جاتی ہے (۴۳) بلکہ ہم نے فائدہ دیا ان

لوگوں کو اور اِن کے آباؤاجداد کو یہاں تک کہ اِن کی عمریں دراز ہو گئیں ۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ بیشک ہم چلے آرہے ہیں زمین پر ، گھٹاتے ہیں اُس کو اُس کے اطراف سے کیا یہ لوگ غالب ہوں گے ؟ (۴۴) (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کہ بلیشک میں ڈراتا ہوں تم کو وحی الٰہی کے ساتھ اور نہیں سنتے بہرے لوگ پکار کو جس وقت کہ اُن کو ڈرایا جاتا ہے (۴۵) اور اگر پہنچے اِن کو کوئی چھینٹا تیرے رب کے عذاب کا تو پھر یہ ضرور کہیں گے ، اے افسوس ہمارے ، بلیشک تھے ہم ظلم کرنے والے (۴۶)

ربطِ آیات

سورۃ الانبیاء میں بنیادی طور پر تین مسائل کا ذکر ہے یعنی توحید ، رسالت اور معاد ۔ اس کے علاوہ اس سورۃ میں مختلف انبیاء علیہم السلام کے طریقہ تبلیغ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اُن کی مناجات کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی حوائج اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کس طرح پیش کرتے تھے ۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا ذکر اور کفار و مشرکین کا رد فرمایا ۔ اس کے ساتھ ساتھ توحید کے دلائل بھی بیان کیے اور رسالت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنے والوں کو مؤثر جوابات بھی دیے ۔ فرمایا ، یہ لوگ عذاب طلب کرنے میں جلد بازی کرتے ہیں ۔ اگر یہ لوگ اُس حالت کو دیکھ لیں جب یہ دوزخ کی آگ کو اپنے چہروں اور پشتوں سے نہیں ہٹا سکیں گے ، تو ایسی باتیں نہ کریں ۔ پھر اللہ نے تسلی کا مضمون بیان فرمایا کہ اگر پیغمبر اور آپ کے ساتھیوں کے ساتھ لوگ ہنسی مذاق کرتے ہیں ، تو یہ کوئی اچنبے کی بات نہیں کیونکہ پہلے ادوار میں بھی لوگ اپنے انبیاء کے ساتھ یہی سلوک کرتے رہے ہیں ۔ اس کے علاوہ وہ عذابِ الٰہی کی بات کو بھی تمسخر میں اڑا دیتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اُسی عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ۔

فی امان اللہ

گذشتہ آیت میں آخرت کے عذاب کے متعلق فرمایا تھا کہ تم عذابِ الٰہی سے

بچ نہیں سکو گے، اب اِس دنیا کے متعلق فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ط کون ہے جو رات دِن تمہاری نگرانی اور حفاظت کرتا ہے خدائے رحمان کی گرفت سے۔ کیا تم خود اپنی حفاظت کرتے ہو یا تمہارے معبودانِ باطلہ تمہاری حفاظت کے ذمہ دار ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اِس دنیا میں بھی نہ کوئی انسان کسی انسان کی حفاظت کرتا ہے اور نہ جن۔ بلکہ ساری مخلوق کی حفاظت کا انتظام خود خدا تعالیٰ نے ہی کر رکھا ہے۔ خاص طور پہ انسان کی حفاظت کے لیے تو اللہ نے اپنے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے۔ بعض فرشتے انسان کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور بعض انہیں جسمانی طور پر حوادثات سے بچانے پر مامور ہیں۔ سورۃ قٓ میں موجود ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (آیت۔ ۱۸) انسان کی زبان سے جو بھی لفظ نکلتا ہے، اللہ کے فرشتے اُسے فوراً ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ سورۃ الانفطار میں کراماً کاتبین کا خاص طور پہ ذکر آیا ہے وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ (آیت ۱۰، ۱۱) بیشک تم پہ محافظ مقرر ہیں، جنہیں کراماً کاتبین کہا جاتا ہے یعنی معزز لکھنے والے، جو کچھ تم کرتے ہو، وہ جانتے ہیں اور لکھتے چلے جاتے ہیں، اس طرح گویا تمہارے تمام اعمال محفوظ کیے جا رہے ہیں۔ جنہیں قیامت کے دِن اعمال نامے کی صورت میں تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا عَلَيْكُمْ اے آدم کی اولاد یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں ہم نے محفوظ کر رکھا ہے۔ اگر تمہارے یہ اعمال اچھے ہیں تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اگر بُرے ہیں تو اپنے آپ کو ملامت کرو۔ ہم نے تمہاری اس کمائی سے کوئی ذرہ بھی ضائع نہیں ہونے دیا۔

انسانوں کے اقوال و اعمال کی حفاظت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے

خود انسانوں کی حفاظت کا بھی مکمل انتظام کر رکھا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔
لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (الرعد-۱۱) اس کے آگے اور پیچھے خدائی چوکیدار ہیں جو خدا کے حکم سے اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ نے ایسے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو انسان کو مختلف آفات و بلیات، جنات اور شیاطین وغیرہ کے شر سے محفوظ رکھنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ پھر جب خدا تعالیٰ کی مشیت ہوتی ہے تو انسان سے حفاظت اٹھالی جاتی ہے اور وہ کسی حادثے کا شکار ہو جاتا ہے یا کسی تکلیف اور مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ فرمایا ذرا غور تو کرو کہ تمہیں خدائے رحمان کی گرفت سے شب و روز کون بچاتا ہے۔ اگر اسی معاملہ میں غور و فکر کر لو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ فرمایا، اللہ نے تو ان کی حفاظت کا انتظام کر رکھا ہے بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ مگر یہ لوگ اپنے پروردگار کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں۔ نہ تو یہ خدا تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کی طرف دھیان دیتے ہیں، اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف توجہ دیتے ہیں۔

غیر اللہ کی بے بسی

ارشاد ہوتا ہے اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ کیا اُن کے کوئی معبود ہیں۔ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا جو ہمارے سوا اُن کو بچاتے ہیں یعنی حوادثات سے اُن کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایسے معبود نہ تو جنوں میں ہیں اور نہ انسانوں میں، نہ شجر میں اور نہ حجر میں، جاندار چیزیں ہوں یا بے جان، کوئی بھی با اختیار نہیں ہیں۔ بے جان چیزیں تو ویسے ہی بے حس و حرکت پڑی رہتی ہیں وہ نہ کسی کا کچھ سنوار سکتی ہیں اور نہ بگاڑ سکتی ہیں۔ البتہ جو جاندار ہیں، وہ بھی اختیار سے خالی ہیں۔ اُن میں نفع یا نقصان پہنچانے کی صفت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ النافع اور الضار صرف ذاتِ خداوندی ہے، وہ قادرِ مطلق علیم کل،

خالق اور مدبر ہے، اُس کے علاوہ کوئی بھی اِن صفات کا حامل نہیں، اسی لیے فرمایا کہ کیا اُن کے لیے ہمارے سوا کوئی اور معبود بھی ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہیں؟ پھر خود ہی اِس کا جواب بھی دیا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِھِمْ وہ بیچارے تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ دوسروں کی مدد کر سکیں۔ بے جان چیزیں تو ویسے ہی ناکارہ ہیں۔ جہاں چاہا پھینک دیا۔ پڑی رہتی ہیں۔ اُن کے ساتھ جو سلوک چاہو کر لو، وہ تو فریاد بھی نہیں کر سکتیں۔ خواہ انہیں توڑ پھوڑ دیا جائے۔ اور جو جاندار ہیں مثلاً ملائکہ، جنات یا انسانوں میں سے انبیاء اور اولیا تو اُن کو بھی اختیار نہیں کہ وہ کسی کی غائبانہ مافوق الاسباب مدد کر سکیں، یا کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکیں۔ وہ تو خود اقرار کرتے ہیں اَنْتَ وَلِیُّنَا مولیٰ کریم! تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ مخلوق میں سے بزرگ ترین ہستی حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ ہے۔ اللہ نے آپ کی زبان سے بھی یہ اعلان کروا دیا لَآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ (الاعراف ۱۸۸) میں تو کسی نفع نقصان کا مالک نہیں سوائے اس کے کہ جو اللہ چاہے آپ نے یہ اعلان بھی فرما دیا کہ اے لوگو! اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَکُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا (الجن - ۲۱) میں تمہارے حق میں بھی کسی نفع نقصان کا مالک نہیں ہوں۔ ہر قسم کے اختیارات اللہ ہی کے پاس ہیں۔ میرا کام یہ ہے کہ میں وحی الٰہی کا خود بھی اتباع کروں اور تم تک بھی پہنچا دوں۔ کسی کو منزل مقصود تک پہنچا دینا یا نفع و نقصان پہنچانا میرے اختیار میں نہیں ہے فرمایا نہ تو وہ معبودانِ باطلہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں وَلَا ھُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ اور نہ ہماری طرف سے اُن کی تائید کی جاتی ہے کہ وہ جس طرح چاہیں کریں۔

منجانب اللہ آسودگی

فرمایا کہ جن معبودانِ باطلہ کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں۔ وہ تو کبھی

نفع نقصان کے مالک نہیں حقیقتِ حال یہ ہے بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ
وَاٰبَآءَهُمْ بلکہ ہم نے اِن مشرکوں اور کافروں اور اِن کے آباؤ اجداد کو
بھی فائدہ پہنچایا۔ اِن کو سامانِ زیست فراوانی کے ساتھ عطا کیا۔ رفاہیت ،
خوشحالی اور آسودگی عطا فرمائی حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ یہاں تک
کہ اِن کی عمریں دراز ہوگئیں یعنی اِن کو لمبی مدت تک خوشحالی عطا فرمائی۔ یہ آرام
طلب ہو کر غفلت میں مبتلا ہو گئے۔ اور عقیدہ توحید کے بجائے شرک میں
ملوث ہو گئے۔ پھر نبوت پر اعتراض کرنے لگے حتیٰ کہ اُس کا انکار کر دیا۔

کفار کا تنزل

فرمایا اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ
اَطْرَافِهَا کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اطراف سے گھٹاتے آرہے
ہیں یعنی کفار کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل رہی ہے۔ مطلب یہ کہ اسلام کی
ترویج کے ساتھ ساتھ کافروں کا تنزل شروع ہو چکا ہے اور انکے علاقوں پر مسلمانوں کا تسلط
قائم ہو رہا ہے۔ چنانچہ قبیلہ غفار اور اسلم کی مثال ہمارے سامنے ہے یہ کثیر آبادی کے قبیلے مکہ سے لیکر
شام تک کے علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی تبلیغ سے
آدھا قبیلہ غفار مسلمان ہو گیا۔ پھر جب حضور علیہ السلام ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے
آئے تو باقی آدھا قبیلہ بھی اسلام لے آیا۔ پھر جب اسلم قبیلہ والوں نے دیکھا کہ
قبیلہ غفار اسلام لے آیا ہے تو وہ سارے بھی مسلمان ہو گئے اور اس طرح بہت
بڑا علاقہ کفار کے قبضہ سے نکل کر مسلمانوں کے تسلط میں آگیا۔ پہلے یہ دونوں
قبیلے لوٹ مار کرتے اور ڈاکے ڈالتے تھے۔ جب مسلمان ہو گئے تو حضور علیہ السلام
نے ان کے حق میں دعا کی غِفَارُ غَفَرَ اللّٰهُ لَهَا اللہ تعالیٰ قبیلہ غفار
کی غلطیوں کو معاف فرمائے۔ وَاَسْلَمُ سَالَمَهَا اللّٰهُ اور قبیلہ اسلم
والوں کو اللہ تعالیٰ سلامتی میں رکھے۔ اِن دو قبائل کے بعد پھر یمن، خیبر اور
دیگر عرب کے خطے بھی مسلمانوں کے تسلط میں آ گئے حتیٰ کہ حضور علیہ السلام
کی وفات تک عرب کا سارا خطہ کفر سے پاک ہو چکا تھا۔ اس کے بعد عجم کے

بڑے بڑے ممالک بھی مسلمانوں کے زیرنگیں آ گئے اور اللہ کا یہ فرمان پورا ہو گیا
کہ کیا یہ کافر لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم اطراف سے زمین کو گھٹاتے چلے آرہے
ہیں یعنی اُن پر اللہ کی زمین تنگ ہو رہی ہے۔ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ
کیا اب بھی یہ غلبے کی توقع رکھے ہوئے ہیں؟

مسلمانوں کا زوال

واقعہ صفین تک مسلمانوں کی عالمی ترقی نقطۂ عروج تک پہنچ چکی تھی اور تقریباً نصف دنیا اِن کے زیرنگیں آ گئی تھی۔ پھر اس واقعہ نے مسلمانوں کے حالات میں تعطل (DEAD LOCK) پیدا کر دیا۔ اگرچہ اِن کی عالمی تنظیم کمزور پڑ گئی مگر ترقی کا دروازہ پھر بھی کھلا رہا۔ البتہ وہ حرکت جو تیزی سے بڑھ رہی تھی اس میں کمی آ گئی حتیٰ کہ چھ سو پچاس سال تک مسلمانوں کو عروج حاصل رہا اگرچہ ملوکیت کی وجہ سے کمزوریاں بھی آ گئیں۔ ساتویں صدی میں مسلمانوں پر زوال کی ابتدا ہوئی۔ تاتاریوں کے حملے میں ایک کروڑ مسلمان ذبح کر دیے گئے کتب خانے جلا دیے گئے اور بحیثیت مسلمان اِن پر بڑے مظالم ڈھائے گئے تنزل کا یہ سلسلہ آٹھ صدیوں سے جاری ہے اور ابھی تک مسلمانوں کا قدم نہیں جم سکا، کہیں تھوڑا بہت چند دِن کے لیے کوئی معاملہ درست ہو گیا، تو کام اچھا ہو گیا، ورنہ اس دَور میں اکثریت خود غرضوں، عیاشوں اور سفاکوں کی رہی ہے۔ مسلمانوں کی عالمی تحریک برباد ہو گئی ہے اور اس وقت دنیا میں پچاس سے زیادہ ریاستیں ہونے کے باوجود اِن کی کوئی وقعت نہیں ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ ابتدائی دَور میں لوگ اسلام میں فوج در فوج داخل ہوئے جیسا کہ فرمایا وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر۔۲) لیکن ایسا دَور بھی آنے والا ہے جب لوگ اسلام سے فوج در فوج ہی نکلیں گے۔ اس قسم کے حوادثات ہمارے زمانے میں بھی ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ ابھی تین چار سال کی بات ہے کہ بنگال کے دس لاکھ مسلمان عیسائی بن چکے ہیں۔ غربت و افلاس نے انہیں مرتد

ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت یہاں عیسائیوں کی تعداد بالکل قلیل تھی مگر اب ان کی تعداد ساٹھ لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ یہ محض بھوک اور افلاس کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ عیسائی مشنریاں لوگوں کو مالی امداد فراہم کرتی ہیں۔ انہیں تعلیم دلاتی ہیں، علاج معالجے کی سہولتیں بہم پہنچاتی ہیں تو لوگ اسلام چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ چیزیں مسلمانوں کے زوال پر شاہد ہیں۔ گذشتہ پانچ سالوں میں افغانستان میں بیس (٢٠) لاکھ آدمی مارے جا چکے ہیں اور جو بے گھر ہو چکے ہیں اُن کا کوئی شمار نہیں۔ عراق، فلسطین اور فلپائن میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ قبرص میں بیس لاکھ ترک ہلاک ہو چکے ہیں۔ آخر انہوں نے تنگ آ کر جزیرے کے پانچویں حصے پر قبضہ کر لیا اور وہیں سمٹ کر رہ گئے۔ یہ وہی قبرص ہے جسے مسلمانوں نے فتح کیا اور سارے کا سارا مسلمانوں کے زیرِ تسلط رہا۔ مگر اب وہاں پر مسلمانوں کی قلیل تعداد بھی زندگی گذارنے سے عاجز ہے۔

ہندوستانی مسلمان

ہندوستانی مسلمانوں کی حالت بھی کچھ کم ابتر نہیں۔ احمد آباد اور دوسرے صوبوں میں ہزاروں مسلمان موت کا شکار ہو چکے ہیں۔ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے ایک رسالے کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ مسلمان بہت سخت جان واقع ہوا ہے جو ہندو اکثریت کے سامنے ڈٹا ہوا ہے۔ اگر یہ خون آشام فسادات کسی اور قوم کے خلاف ہوتے تو ان میں سے فردِ واحد بھی زندہ نہ بچتا، مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس قدر قتل و غارت کے باوجود ہندوستان میں آج بھی پندرہ کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ گذشتہ تیس پینتیس سال میں نو ہزار سے زیادہ ہندو مسلم فسادات ہو چکے ہیں مگر پھر بھی مسلمان ہندوؤں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔ ہندوؤں کے تعصب کے متعلق مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ایک فقرہ کہا تھا کہ اگر دنیا دس لاکھ سال تک بھی قائم رہے تو ہندو کے ذہن سے تنگ نظری دُور نہیں ہو سکتی۔ اور مسلمانوں سے بدگمانی کبھی

نہیں جائے گی۔ یہ اچھے آدمیوں کے متعلق ہمیشہ بدگمان رہتے ہیں، اور بُرے آدمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ مولانا احمد سعید صاحب مرحوم نے سیرت کے جلسہ میں کہا تھا جس میں تقریباً ایک لاکھ کے قریب آدمی تھے اور ہندو بھی کم و بیش چالیس ہزار موجود تھے۔ آپ نے اس جلسے میں سرِ عام کہا تھا کہ ہندو کا دل منافق کی قبر سے بھی زیادہ تنگ ہے۔ الغرض! ہندوستان کے مسلمان بھی آئے دن مظالم کا شکار ہوتے رہتے ہیں مگر ہندوؤں کے سامنے ڈٹے ہوئے ہیں۔

بہرحال میں نے عرض کیا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں جس طرح زمین کافروں کے قبضے سے کھسک کر مسلمانوں کے قبضے میں آ رہی تھی اب زوال کے زمانے میں مسلمانوں کے پاؤں تلے سے نکل کر انگریزوں اور روسیوں اور دیگر کافروں کے قبضے میں جا رہی ہے۔

خوفِ خدا بذریعہ وحی

اللہ نے فرمایا قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں، میں تمہیں وحی کے ذریعے ڈراتا ہوں مگر بدقسمتی کی بات یہ ہے وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ کہ جتنا بھی ڈرایا جائے بہرے لوگ اس پکار کو سنتے ہی نہیں۔ جو لوگ اللہ کی دعوت پر توجہ ہی نہیں کرتے ان کا یہی حال ہے۔ اللہ نے کافروں کو مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ جو بظاہر زندوں کی بات نہ سنتے ہیں اور نہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ یا بہروں کے ساتھ جو سنتے ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی بات کو سنتا ہی نہیں، وہ اُس سے فائدہ کیا اٹھائیگا؟ مگر اللہ نے ساتھ یہ وعید بھی سُنا دی ہے وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ اور اگر ان کافروں اور مشرکوں پر عذابِ الٰہی کا ایک چھینٹا بھی پڑ جائے یعنی ذرا بھی گرفتِ خداوندی وارد ہو جائے لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ تو کہیں گے ہائے افسوس! بیشک ہم ہی زیادتی کرنے

والے تھے۔ یہ ہماری ہی غلطی کا نتیجہ ہے۔ اس وقت ان کا غرور، تکبر اور اکڑفوں سب ختم ہو جائیگی اور اپنی خباثت کا اقرار کریں گے۔ اللہ نے بعض دوسری قوموں کا بھی ذکر فرمایا کہ جب اُن پہ تباہی و بربادی آئی تو اُن کی زبانوں پہ یہی کلمہ تھا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ بیشک ہم ہی ظلم کرنے والے تھے۔ زیادتی ہمیں سے ہوئی جس کا نتیجہ آج بھگت رہے ہیں۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا
تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ
خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَلَقَدْ
اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ
وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ
مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۴ ۹ ۴

ترجمہ:۔ اور رکھیں گے ہم ترازو انصاف کے قیامت والے دن، پس نہ ظلم کیا جائے گا کسی نفس پر کچھ۔ اور اگر ہوگا ایک رائی کے دانے کے برابر بھی، تو ہم لائیں گے اُس کو۔ اور کافی ہیں ہم حساب کرنے والے ﴿۴۷﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے دی موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فیصلہ کرنے والی چیز، اور روشنی اور نصیحت متقیوں کے لیے ﴿۴۸﴾ وہ جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے بن دیکھے، اور وہ قیامت سے خوف رکھنے والے ہیں ﴿۴۹﴾ اور یہ ایک نصیحت ہے برکت والی جس کو ہم نے اتارا ہے۔ پس کیا تم انکار کرنے والے ہو؟ ﴿۵۰﴾

ربطِ آیات

اِس سورۃ مبارکہ کے اہم ترین مضامین توحید، رسالت اور جزائے عمل ہیں۔

گذشتہ درس میں اُن کفار و مشرکین کو تنبیہ کی گئی تھی جو بے ادبی اور گستاخی کرتے تھے۔ اللہ نے اپنے نبی آخر الزمان کو فرمایا کہ آپ کہہ دیجیے کہ میں وحی الٰہی کے ذریعے تمہیں ڈراتا ہوں مگر جو لوگ بہرے ہیں، وہ کہاں سنتے ہیں۔ فرمایا اگر خدا تعالیٰ کے عذاب کا ایک چھینٹا بھی اِن کفار و مشرکین پر پڑ گیا تو ان کی ساری اکڑ ختم ہو جائے گی۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جزائے عمل کا مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ یقیناً ایک دن ایسا آنے والا ہے جب لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ یہاں پر اعمال کے وزن کی بات کی گئی ہے اور آگے نبی علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون ہے

اعمال کا وزن

ارشاد ہوتا ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ اور ہم قیامت والے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے۔ جب محاسبہ اعمال کی منزل آئے گی تو اعمال کو تولنے کے لیے ترازو قائم کیے جائیں گے فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا پس کسی نفس پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملیگا۔ اگر اچھے اعمال کیے ہیں تو اُن کے مطابق درجات بلند ہوں گے اور اگر بُرے اعمال انجام دیے ہیں تو پھر سزا کا مستحق ہوگا۔ کسی کے ساتھ بلا وجہ زیادتی نہیں کی جائے گی۔ میزان کے متعلق سورۃ اعراف میں بھی موجود ہے وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ (آیت۔ ۸) اُس دن کا وزنِ اعمال برحق ہے۔ اِس آیت زیرِ درس میں اللہ تعالیٰ نے میزان کے لیے جمع کا صیغہ یعنی موازین استعمال فرمایا ہے بعض مفسرین اِس کی توجیہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے اور اُس دن کی ہولناکی کے پیشِ نظر لایا گیا ہے، تاہم ترازو ایک ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے وہ ایک ہی ترازو پر ساری مخلوق کے اعمال تولنے پر قادر ہے۔ مگر زیادہ قرین قیاس نظریہ یہ ہے کہ قیامت والے دن بہت سے ترازو قائم کیے جائیں گے حتیٰ کہ ہر مکلف کے لیے الگ میزان ہوگا۔

جس پر اس کے اعمال تولے جائیں گے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اعمال کے ہر گروپ کے لیے علیحدہ علیحدہ ترازو ہوں۔ مثلاً نماز کے لیے الگ اور روزے کے وزن کے لیے جدا جدا ترازو ہوں، اسی طرح جہاد کے لیے الگ اور صدقہ خیرات کے لیے الگ میزان ہو۔ یہاں پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اعمال تو اعراض ہوتے ہیں اور ان کا کوئی مادی وجود نہیں ہوتا، تو پھر ان کے تولنے کا کیا مطلب؟ اسی لیے معتزلہ وغیرہ وزنِ اعمال کو تسلیم ہی نہیں کرتے، ان کا نظریہ یہ ہے کہ اعمال کے تولنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اعمال کی کیفیت کو ظاہر کر دے گا اور کوئی عمل بھی مخفی نہیں رہے گا۔ مگر یہ نظریہ درست نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان برحق ہے اور تمام اہلِ حق اور اہلِ سنت اس بات پر متفق ہیں کہ میزان برحق ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے علمِ عقائد کے رسالہ فقہ اکبر میں میزان کو برحق تسلیم کیا گیا ہے۔ حدیث کی کتابوں میں بھی میزان کا ذکر موجود ہے اور تمام اہلِ حق اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ البتہ جو لوگ اس باریک نقطہ کو نہیں سمجھ پاتے اُن کے لیے مفسرین کرام نے یہ توجیہہ فرمائی ہے کہ اگر اعمال کی مادی شکل وصورت کی سمجھ نہیں آتی تو کم از کم اتنی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ جن کاغذات پر یہ اعمال درج ہوں گے، اُن کا وزن تو کیا جاسکے گا۔ ظاہر ہے کہ کاغذات کا کچھ نہ کچھ تو وزن ہوگا، اور پھر اسی وزن کے مطابق ہر شخص کا فیصلہ کیا جائے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ عالمِ مثال میں تمام اعمال کا تشخص ہوتا ہے اور وہ اپنے اجسام کے ساتھ نظر آتے ہیں، ہر عمل کا اپنا مخصوص وجود ہوتا ہے۔ جو اس مادی جہان میں نظر نہیں آتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو پھر موت کو ایک جانور کی شکل میں لایا جائے گا۔ اور پھر جنتیوں اور دوزخیوں سے پوچھا جائے گا کہ یہ کیا ہے؟

وہ جواب دیں گے کہ یہ فلاں جانور ہے۔ وہ در اصل موت ہوگی۔ جسے جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کر کے ذبح کر دیا جائے گا۔ مطلب یہ کہ عالمِ مثال میں تمام اعمال یا اعراض کا وجود ہوتا ہے جو ترازو میں تولا جائے گا۔ آجکل اس مسئلہ کو سمجھنا تو زیادہ آسان ہے۔ مثلاً گرمی اور سردی کا کوئی وجود نظر نہیں آتا ہے مگر تھرمامیٹر کے ذریعے پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں چیز میں کتنے درجے کی حرارت یا برودت ہے۔ اسی طرح بیرومیٹر کے ذریعے ہوا کا دباؤ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس کی کوئی شکل نظر نہیں آتی۔ تو اسی طرح اگر اعمال کا وزن بھی ہو سکے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے۔ اس میں شک کرنا گمراہی کی بات ہے۔ ہمارا ایمان ہونا چاہیئے کہ اعمال کا وزن پلصراط پر سے گزرنا وغیرہ برحق ہے اور ہر ایک کو اس مرحلے سے گزرنا پڑے گا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی درخواست

علامہ زمخشریؒ صاحب تفسیر کشاف لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے نبی، خلیفۃ اللہ اور صاحب کتاب رسول تھے۔ خود اللہ تعالے نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ (ص - ۲۶) اے داؤد علیہ السلام! ہم نے آپکو زمین میں خلیفہ (نائب) مقرر کیا ہے۔ آپ کے متعلق یہ بھی آتا ہے كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ یعنی آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ عبادت کرنے والے انسان تھے۔ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ وَكَانَ اِذَا لَقِىَ عَدُوًّا لَا يَفِرُّ جب دشمن سے مڈبھیڑ ہو جاتی تو کبھی پشت نہیں پھیرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی قوت عطا فرمائی تھی۔ غرضیکہ آپ بہت سی صفات کے ساتھ متصف تھے تو صاحب کشاف لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا، مولا کریم! میں وہ ترازو دیکھنا چاہتا ہوں جس پر قیامت کے دن لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جونہی وہ ترازو

آپ کو دکھایا آپ پر دہشت طاری ہوگئی۔ اور بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو عرض کیا، پروردگار! یہ ترازو تو بہت بڑا ہے۔ ہماری اتنی نیکیاں کہاں ہوں گی جو اتنے بڑے ترازو کو پُر کر سکیں؟ اللہ نے فرمایا، اے داؤد! اصل بات تو میری رضا ہے۔ اگر یہ کسی کے شامل حال ہو گئی تو کھجور کا ایک دانہ بھی اس ترازو کو بھر دے گا۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم انصاف کے ترازو رکھیں گے۔ دوسرے مقام پر یہ بھی آتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس صرف کفر، شرک اور معصیت ہی ہے، اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہے تو اس کے اعمال کو تولنے کی ضرورت نہیں ہوگی فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ (الرحمٰن - ۴۱) ایسے لوگوں کو سر اور پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ جیسا کہ سورۃ کہف میں ہے کہ جن کے نامۂ اعمال میں ایمان اور نیکیاں نہیں ہونگی، بلکہ کفر ہو گا۔ اُن کے اعمال نامے نہیں تولے جائیں گے فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا (الکہف - ۱۰۵) ہم ان کے لیے میزان قائم نہیں کریں گے۔ اسی طرح اگر کسی کی برائی نہیں ہے۔ صرف نیکیاں ہی نیکیاں ہیں تو اُن کو بھی تولنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ البتہ جن لوگوں کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی اُن کو اعراف میں رکھا جائے گا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے انہیں جنت میں داخل کر دے گا۔ اور جن کی نیکیاں کم اور برائیاں وزن میں بڑھ جائیں گی وہ جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ یہ ساری کیفیت صحیح احادیث میں موجود ہے۔

جزائے عمل

آگے ارشاد ہوتا ہے وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا اگر کسی کا رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہو گا تو ہم اس کو لے آئیں گے۔ رائی کا دانہ بطور محاورہ استعمال ہوتا ہے مطلب یہ کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی اگر ہو گا۔ تو وہ میزان میں رکھ دیا جائے گا۔

سورۃ الزلزال میں ہے فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ جو ذرہ بھر بھی اچھا یا بُرا عمل کرے گا، قیامت والے دن اس کو اپنے سامنے پالے گا۔ ذرہ دراصل چھوٹی سی سرخ چیونٹی کو کہتے ہیں۔ مطلب یہی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی پیش کر دیا جائے گا، اور کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔ فرمایا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيۡنَ اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔ یعنی ہمارے محاسبے سے نہ کوئی چھوٹا عمل بچ سکتا ہے اور نہ بڑا۔ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ قیامت والے دن پورا پورا حساب لے گا۔ جن چیزوں کو آج لوگ اپنی ناقص عقل کی وجہ سے بعید سمجھتے ہیں، وہ سب سمجھ میں آجائیں گے۔ مگر اس وقت کا پچھتانا کسی کام نہیں آئے گا۔

فرقان اور ضیاء

اب آگے تسلی کا مضمون ہے وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ الۡفُرۡقَانَ وَضِيَآءً اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فیصلہ کن چیز اور روشنی عطا فرمائی۔ فیصلہ کن چیز سے مراد اللہ کی کتاب تورات ہے جو حق اور باطل، نیکی اور بدی کے درمیان امتیاز کرتی ہے اور ضیاء سے مراد ایسی چیزیں ہیں جن سے روشنی پیدا ہوتی ہے یعنی معجزات۔ بعض اس کا الٹ معنی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرقان سے مراد معجزات ہیں جب کہ ضیاء سے مراد کتاب الٰہی ہے۔ چنانچہ قرآن کے بارے میں فرمایا ہے قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ (المائدہ۔ ۱۵) تمہارے پاس قرآن پاک کی صورت میں واضح کتاب آئی ہے جو تمہارے لیے روشنی کا سامان پیدا کرتی ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتداء میں فرمایا کہ یہ قرآن شک وشبہ سے پاک کتاب ہے جو کہ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ یعنی متقیوں کے لیے بمنزلہ ہدایت ہے۔ تورات کے متعلق بھی فرمایا اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ (المائدہ۔ ۴۴) ہم نے تورات کو نازل فرمایا جس میں ہدایت اور نور ہے۔ پھر فرمایا وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ فِيۡهِ هُدًى

وَّ نُوۡرٌ (المائدہ-۴۶) ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اللہ نے قرآن کے متعلق یہ بھی فرمایا ہے وَ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِہٖ وَ یَہۡدِیۡہِمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (المائدہ-۱۶) یہ لوگوں کو کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور نیکی کی روشنی میں لاتا ہے۔ اور انہیں صراطِ مستقیم کی طرف راستہ دکھاتا ہے۔ کفر، شرک، نفاق، معصیت، رسومات باطلہ سب اندھیرے ہیں۔ قرآن پاک انسانوں کے دلوں میں روشنی پیدا کرتا ہے فرمایا ھٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ (الاعراف-۲۰۳) یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں اور بصیرت کی بات وہ ہوتی ہے جو انسان کے دل کو روشن کرے اور وہ صحیح اور غلط میں امتیاز کر سکے۔ تو فرمایا ہم نے کتاب بھی دی ہے اور ساتھ معجزات بھی جو یقیناً روشنی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ وَ ذِکۡرًا لِّلۡمُتَّقِیۡنَ اور یہ خدا سے ڈرنے والوں کے لیے کتاب نصیحت بھی ہے۔ اس کتاب سے نصیحت پکڑ کر کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

آگے اللہ نے متقیوں کی تعریف بھی فرمائی ہے کہ وہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا اَلَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ جو اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرتے ہیں۔ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ (البقرہ-۳) کا یہی مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کو دیکھا تو نہیں، نہ جنت اور دوزخ کو دیکھا، نہ عالم برزخ کو دیکھا ہے مگر کتاب الٰہی کے بتانے پر اس پر ایمان لائے ہیں اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا ایک تو وہ اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور متقیوں کی دوسری صفت یہ ہے وَ ہُمۡ مِّنَ السَّاعَۃِ مُشۡفِقُوۡنَ اور وہ قیامت سے خوف کھاتے ہیں۔ محاسبہ اعمال کا مسئلہ ہمیشہ اُن کے پیش نظر رہتا ہے کہ معلوم نہیں وہاں کیا صورت پیش آئے لہٰذا وہ محاسبۂ اعمال سے بھی ڈرتے رہتے ہیں ظاہر ہے کہ جس شخص کے

دل میں خوف ہو گا، وہ اُس چیز کی فکر بھی کرے گا۔ اور جو کوئی بے خوف ہو گیا ہے وہ آخرت کی تیاری بھی نہیں کرے گا۔

بابرکت نصیحت

فرمایا جس طرح موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فیصلہ کن اور روشنی والی کتاب عطا فرمائی، اسی طرح وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ یہ قرآن پاک بھی ایک بابرکت نصیحت ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے۔ اس میں ہر قسم کی برکات رکھی ہیں۔ یہ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ہے۔ اس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی پنہاں ہے۔ اللہ نے اس میں روحانی، جسمانی اور ہر قسم کی مادی برکات رکھی ہیں۔ تمہارا فرض یہ ہے کہ اُسے تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ سورۃ ہذا کی ابتداء میں بھی اللہ نے فرمایا ہے مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ (آیت ۲) کتنی ناانصافی کی بات ہے کہ لوگ ہر نئی نصیحت کا انکار کر دیتے ہیں فرمایا اس عظیم نصیحت نامے کو رد نہ کرو بلکہ اس پر ایمان لاؤ۔ اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو اور اس کے مطابق اپنی فکر کو ڈھالو۔ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ کیا تم اس کا انکار کرنے والے ہو۔ یہ تو بہت بری بات ہے جس کا نتیجہ نہایت خراب نکلے گا، لہذا اس کو سینے سے لگا لو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ
عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ
التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا وَجَدْنَآ
اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ
وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ
اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ
مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ
بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ :۔ اور البتہ تحقیق دی ہم نے ابراہیم کو اُن کی سمجھ اس سے پہلے۔ اور تھے ہم اُن کے حالات کو جاننے والے ﴿۵۱﴾ جب کہا ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم سے ، کیا ہیں یہ مورتیاں جن کے لیے تم جھکے ہوئے ہو ﴿۵۲﴾ انہوں نے کہا ، پایا ہم نے اپنے آباؤاجداد کو اِن کی عبادت کرنے والے ﴿۵۳﴾ کہا (ابراہیم نے) البتہ تم اور تمہارے آباؤاجداد کھلی گمراہی میں ہو ﴿۵۴﴾ وہ کہنے لگے ، کیا تو لایا ہے ہمارے پاس ٹھیک بات

یا تو کھیل کرنے والا ہے (۵۵) کہا (ابراہیمؑ نے) بلکہ تمہارا
پروردگار وہی پروردگار ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے
اور جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اور میں اس بات میں
تمہارے سامنے گواہی دینے والوں میں سے ہوں (۵۶) اور
اللہ کی قسم میں ضرور تدبیر کروں گا تمہارے اِن بتوں کے
لیے بعد اس کے کہ تم پشت پھیر کر جاؤ گے (۵۷)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور قیامت کا ذکر کیا اور خاص طور پر رسالت کا بیان ہوا۔ انبیاء علیہم السلام کے تذکرے کے سلسلے میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر گذشتہ درس میں ہو چکا ہے۔ اور اب اِن آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ اس کے بعد نوح علیہ السلام اور بعض دیگر انبیائے کرام کا بیان ہو گا۔ انبیاء کے اس تذکرے میں ترتیب کو ملحوظِ خاطر نہیں رکھا گیا۔ تاہم اُن کی دعوت، طریقۂ تبلیغ، اللہ کے حضور اُن کی مناجات اور اُن کے ساتھ نافرمانوں کے سلوک کو بیان کیا گیا ہے تاکہ حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کے لیے تسلی کا ذریعہ بن سکے۔

ابراہیم علیہ السلام کی سمجھداری

اب ابتداء ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے ہوئی ہے۔ یہاں پر پہلے اللہ نے اُن کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور پھر اُن کا بتوں کے ساتھ سلوک اور مشرکین کے ساتھ مکالمے کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو سمجھ عطا فرمائی اِس سے پہلے۔ رشد کا معنی ہدایت، نیکی اور سمجھ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کمال درجے کی سمجھ اور فہم عطا فرمایا تھا۔ مِنْ قَبْلُ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی آخری کتاب قرآن اور اس کے لانے والے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو سمجھ عطا فرمائی۔ اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب تورات بھی مراد ہو سکتی ہے کہ تورات کے نزول سے پہلے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو خاص سمجھ عطا فرمائی۔

تاہم امام ابن کثیرؒ اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مِنْ قَبْلُ سے یہ معنی مراد ہو سکتا ہے کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بچپن ہی میں یہ فضیلت عطا فرمائی۔ آپ بچپن سے ہی شرک اور بت پرستی سے بیزار تھے سورۃ الانعام میں موجود ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آیت - ۷۶) اور اس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمان اور زمین کی عظیم بادشاہی دکھائی وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں ہو جائیں۔ اسی مقام پر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسے دلائل توحید سمجھائے جن کے سامنے مشرک لوگ لاجواب ہو گئے آپ میں کمال درجے کی علمی اور عملی استعداد تھی جو آپ کو بچپن میں ہی اللہ نے عطا کر دی تھی۔ فرمایا وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اور ہم اس استعداد اور صلاحیت کو بخوبی جانتے تھے۔ اللہ جو خالق ہے، وہ آپ کے حالات کو سب سے زیادہ جاننے والا تھا۔ آپ کو رشد و ہدایت نبوت کے بعد نہیں بلکہ پہلے ہی حاصل ہو چکی تھی، لہٰذا آپ نے بچپن میں بھی کبھی غیر معیاری بات نہیں کی تھی۔ تمام انبیاء میں بالعموم یہ بات ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداء ہی سے ان کے لیے کمال درجے کی تربیت کا سامان مہیا کر دیتا ہے۔

بتوں پر اعتراض

اب ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے دعوتِ توحید کا آغاز ہوتا ہے آپ اپنے باپ اور ساری قوم کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھ رہے تھے اور دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے کہ آخر یہ بت ان لوگوں کو کونسا فائدہ پہنچاتے ہیں جو یہ ان کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں، ان کے سامنے رکوع اور سجدہ کرتے ہیں۔ ان پر پھول چڑھاتے اور ان کو نذرانے پیش کرتے ہیں۔ آخر ایک روز آپ کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ جب آپ نے اپنے باپ اور قوم سے یوں کہا۔ اس مقام پر ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا

نام نہیں لیا گیا، البتہ سورۃ انعام میں آزر نام موجود ہے۔ بائبل میں اُن کا نام تارخ ذکر کیا گیا ہے۔ دراصل تارخ اُن کا ذاتی نام تھا اور آزر لقب تھا کیونکہ وہ مندر کے سردار اور کاہن تھے۔ گویا یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کے والد ہیں۔

اُس وقت پوری قوم بت پرستی میں مبتلا تھی۔ بتوں کے نام پر مندر بنائے ہوئے تھے جن میں اُن کے بُت رکھے ہوئے تھے اور اُن کی پوجا کی جاتی تھی بتوں کی خرید و فروخت عام تھی، لوگوں نے اپنے گھروں میں بھی بت رکھے ہوئے تھے جن کو اپنی حاجتیں پیش کرتے تھے اور اُن پر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ایک دن نہ رہ سکے تو اپنے باپ اور باقی قوم کے لوگوں سے فرمایا مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنتُمْ لَهَا عٰكِفُونَ اِن مورتیوں کی کیا حیثیت ہے جن پر تم جھکے پڑتے ہو۔ تم خود ہی یہ مجسمے تراشتے ہو اور پھر اِن کو بنا سنوار کر ایک جگہ رکھ کر اِن کی پوجا شروع کر دیتے ہو۔ بھلا جن بتوں کو تم خود اپنے ہاتھوں سے تراش کر بناتے ہو، وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں ذرا اپنی عقل کو بروئے کار لاؤ اور سوچو کہ تم کیا کھیل کھیل رہے ہو۔ یہ بے جان اور بے حس و حرکت بت تمہیں کیا فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور تمہاری کون سی حاجت پوری کر سکتے ہیں؟

اندھی تقلید

قَالُوا ابراہیم علیہ السلام کے سوال کے جواب میں آپ کے باپ اور باقی قوم نے کہا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عٰبِدِينَ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اِن کی پوجا کرتے ہوئے دیکھا ہے، لہٰذا ہم بھی اِن کی عبادت کر رہے ہیں، گویا ہم تو اپنے باپ دادا کے دین پر ہیں، جس طرح وہ کرتے آئے ہیں ہم بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے۔ اسی بات کا نام اندھی تقلید ہے کہ کسی بات کا جواب دلیل کے ساتھ دینے کی بجائے صرف یہ کہہ

دیا جائے کہ ہمارے باپ دادا ایسے ہی کرتے آئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے کے مشرک بھی اسی ڈگر پر چل رہے تھے۔ وہ بھی اپنے اباؤ اجداد کے طریقے کو اپنائے ہوئے تھے۔ چنانچہ سورۃ البقرہ میں یہ ذکر موجود ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (آیت ۔ ۱۷۰) جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کی اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی چیز کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے اباؤ اجداد کو پایا فرمایا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ یہ اسی لکیر کے فقیر رہیں گے خواہ ان کے اباؤ اجداد عقل و ہدایت سے یکسر خالی ہوں ظاہر ہے کہ یہ کوئی دلیل نہیں بلکہ بے عقلی کی بات ہے کہ بغیر سوچے سمجھے اپنے اباؤ اجداد، قوم، قبیلہ، برادری یا ملکی رواج کو اپنا لیا جائے ہاں اگر اباؤ اجداد صحیح راستے پہ ہوں اور اُن کا راہِ راست پہ ہونا عقلی اور نقلی دلیل کے ساتھ ثابت ہو تو پھر اُس کا راستہ ضرور اختیار کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا تھا وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (یوسف ۔ ۳۸) میں تو اپنے اباؤ اجداد ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے دین کی پیروی کرتا ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والے، خدا کے نبی اور نیکوکار بندے تھے۔ میں تو اُن کے راستے پر چلنے والا ہوں، مگر مشرک تو بے دلیل بات کرتے تھے کہ یہ شخص ہمیں خواہ مخواہ الجھا رہا ہے۔ بھلا قصی بن کلاب اور دیگر بزرگ بے وقوف تھے جن کے راستے سے ہمیں ہٹا رہا ہے۔ اس قسم کی اندھی تقلید آج کے دور میں بھی برابر جاری ہے، ہر اچھی بات کے مقابلے میں رسم و رواج کو پیش کیا جاتا ہے۔ شادی موت کی رسومات ہوں یا ملکی اور علاقائی تقریبات ہوں، قبروں پر چادر پوشی ہو یا عرس منانا ہو، سب کی واحد دلیل یہ ہے کہ ہمارے بزرگ ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی اُن کی تقلید میں کر رہے ہیں، اور

اسی کا نام اندھی تقلید ہے جس کی ابراہیم علیہ السلام نے واضح الفاظ میں مذمت بیان فرمائی قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ البتہ تحقیق تم اور تمھارے آبا و اجداد کھلی گمراہی میں ہو۔ تمھارا عقیدہ سو فیصد غلط ہے جو کہ عقل کے بھی خلاف ہے کہ تم نے ان بے جان مورتیوں کو الٰہ بنا رکھا ہے۔

دلائلِ توحید

ابراہیم علیہ السلام کی دوٹوک بات سن کر مشرکوں کے دلوں میں اضطراب پیدا ہوا، اور وہ کہنے لگے قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ کیا تو یہ بالکل سچ بات کہہ رہا ہے کہ ہم اور ہمارے باپ دادا گمراہی میں مبتلا ہیں یا تو ہمارے ساتھ کھیل یعنی دل لگی کر رہا ہے؟ کہنے لگے کیا آپ اپنے دعوے میں سنجیدہ ہیں۔ یا محض ہمارا تمسخر اڑا رہے ہیں؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا، میں آپ کے ساتھ کوئی ہنسی مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ پورے وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ یہ مٹی اور پتھر کی بنائی ہوئی مورتیاں، جن کو تم نے خود اپنے ہاتھوں سے گھڑا ہے، یہ تمھارے معبود نہیں ہیں۔ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بلکہ تمھارا پروردگار تو وہ ہے جو آسمان اور زمین کا پروردگار ہے۔ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ اور وہ وہی ہے جس نے ارض و سما کو پیدا کیا ہے۔ الٰہ وہی ہو سکتا ہے جو خالق، علیم کل، قادر مطلق اور مربی ہو۔ اور جن کو تم پوجتے ہو، یہ تو کسی بھی صفت کے مالک نہیں۔ پھر بھلا یہ کیسے الٰہ ہو سکتے ہیں۔ تمھارا پروردگار خالقِ ارض و سما وحدہٗ لاشریک ہے۔ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ اور میں اس معاملے میں پورے طریقے پر تمھارے سامنے بطور گواہ موجود ہوں۔ لہٰذا میری بات مانو اور ان بتوں کی پرستش چھوڑ کر خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے اپنا سر نیاز خم کردو کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

بت شکنی کا عزم

قوم کو یہ وعظ و نصیحت اور دلائل توحید سمجھانے کے ساتھ ساتھ ابراہیم
علیہ السلام نے بتوں کی بے بسی اور اُن کے غیر مفید ہونے کا عملی نمونہ پیش کرنے
کا عزم بھی کیا۔ فرمایا وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ
تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ۔ خدا کی قسم میں تمہارے بتوں کا ضرور علاج کروں گا
بعد اس کے کہ تم پیٹھ پھیر کر جاؤ۔ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ جب تم
یہاں موجود نہ ہو گے تو میں ان بتوں کو توڑ پھوڑ کر اِن کا ستیاناس کر دوں
گا۔ پھر دیکھنا کہ یہ تمہاری مدد تو کیا خود اپنی مدد آپ بھی نہیں کر سکیں گے
اور نہ اپنے آپ کا بچاؤ کر سکیں گے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بات شاید
ابراہیم علیہ السلام نے آہستگی سے کہی ہو اور کسی نے سنی ہو اور کسی نے نہ سنی ہو
بہر حال آپ نے اپنے عزم کا اظہار کر دیا۔ اور پھر جیسا کہ اگلی آیات میں
بیان ہو رہا ہے، آپ نے اِن مورتیوں کی خوب مرمت کی جس کے
نتیجے میں آپ پر سخت ابتلا آئی اور آپ نے صبر کا دامن تھامے رکھا۔ اس
واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو صبر کی تلقین مراد ہے
کہ ہر ابتلا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ کو اپنے پیش نظر رکھو۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ
يَرْجِعُوْنَ ۝۵۸ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ
لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۹ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ
يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝۶۰ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ
النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ۝۶۱ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ
هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝۶۲ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ
هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝۶۳ فَرَجَعُوْٓا
اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۶۴
ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ
يَنْطِقُوْنَ ۝۶۵ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا
يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝۶۶ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۷

ترجمہ :- پھر کر ڈالا (ابراہیمؑ نے) اُن (مجسموں کو) ٹکڑے ٹکڑے
مگر ان میں سے بڑا (جس کو چھوڑ دیا) تاکہ وہ اس کی طرف
رجوع کریں ۵۸ وہ کہنے لگے ، کہ کس نے کیا ہے یہ
(بُرا سلوک) ہمارے معبودوں کے ساتھ ۔ بیشک البتہ وہ بہت
ظلم کرنے والوں میں سے ہے ۵۹ تو کہا (لوگوں نے)

سنا ہے ہم نے ایک جوان جو ان (معبودوں) کا ذکر کرتا ہے
اُس کو ابراہیم کہا جاتا ہے (٦٠) وہ کہنے لگے ، لاؤ اس
کو لوگوں کے سامنے تاکہ وہ دیکھ لیں (٦١) کہنے لگے ، کیا
تو نے کیا ہے یہ (سلوک) ہمارے معبودوں کے ساتھ ،
اے ابراہیمؑ (٦٢) انہوں نے کہا ، بلکہ کیا ہے یہ ان
کے بڑے نے - پس پوچھو اِن سے اگر یہ بولتے ہیں (٦٣)
پس وہ لوٹے اپنے نفسوں کی طرف ، پھر کہنے لگے ، بیشک
تم ہی البتہ ظلم کرنے والے ہو (٦٤) پھر وہ اوندھے کر دیئے
گئے اپنے سروں کے بل (کہنے لگے) بیشک تو جانتا ہے
کہ یہ گفتگو نہیں کرتے (٦٥) کہا (ابراہیمؑ نے) کیا تم عبادت
کرتے ہو اللہ کے سوا اُن کی جو تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے
کچھ بھی اور نہ تم کو نقصان دے سکتے ہیں (٦٦) افسوس
ہے تمہارے لیے اور تمہارے اِن معبودوں کے لیے جن
کی اللہ کے سوا تم پرستش کرتے ہو - کیا تم عقل نہیں
رکھتے ؟ (٦٧)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن ہی میں بہت سمجھ عطا فرمائی تھی ، چنانچہ انہوں نے اپنے باپ اور باقی قوم کے لوگوں سے فرمایا تھا کہ یہ کیا مورتیاں ہیں جن پر تم جھکے پڑتے ہو . کیا ان میں کوئی صلاحیت ہے کہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکیں ، یہ تو بالکل بے جان اور بے حس و حرکت بت ہیں ، بھلا یہ کیسے الٰہ ہو سکتے ہیں اور ان کی عبادت کیسے کی جا سکتی ہے ؟ غرضیکہ ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کو سخت طعن و ملامت کی ۔

تمثال مجسمہ کو کہا جاتا ہے جس کی جمع تماثیل آتی ہے . ویسے معنوی طور پر تمثال

کا اطلاق ہر اُس چیز پر ہوتا ہے جس میں اشغال کی وجہ سے انسان حقیقت سے غافل ہو جائے۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کسی جگہ سے گزر رہے تھے کہ آپ کی نظر کچھ لوگوں پر پڑی جو شطرنج کھیل رہے تھے، تو آپ نے اس واقعہ پر یہی آیت تلاوت فرمائی مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِيٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم جھکے جا رہے ہو۔ گویا ایسا لہو و لعب جو انسان کو یادِ الٰہی سے غافل کر دے، تمثال کی تعریف میں آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملامت کا جواب مشرکین نے یہ دیا کہ ہمارے باپ دادا اِن بتوں کی اِس طرح پوجا کرتے آئے ہیں، لہٰذا ہم بھی ویسے ہی کر رہے ہیں اور ہم اسے ترک نہیں کریں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو اندھی تقلید ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد صریح گمراہی میں بھی ہوں تو تم ان کا طریقہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو۔ مشرک کہنے لگے کیا تو سنجیدگی سے بات کر رہا ہے یا ہمارے ساتھ دل لگی کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا میں بالکل صحیح بات کر رہا ہوں کہ پروردگار تو وہی ہے جو ارض و سما اور تمام چیزوں کا رب ہے اور میں اس بات پر پختہ گواہی دیتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جب تم کہیں چلے جاؤ گے تو میں ان بتوں کی خوب مرمت کروں گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا، اور ابراہیم علیہ السلام نے موقع پاتے ہی بتوں کو پاش پاش کر دیا۔

تصورِ شیخ

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ نے تصورِ شیخ کے نظریہ کو اسی آیت کے ساتھ ردّ کیا ہے کیونکہ بعض لوگ اس معاملہ میں غلو کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے شرک میں ملوث ہونے کا خطرہ پیدا ہوتا ہے، گویا شاہ صاحب نے تصورِ شیخ کو بھی تماثیل میں شمار کیا ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ تصورِ شیخ کا نظریہ بزرگانِ دین نے اس لیے نکالا ہے کہ جس شخص کا دل ذکرِ الٰہی میں پختہ نہ ہوتا ہو اور دل میں انتشار پیدا ہوتا ہو تو ایسا شخص ذکر کرتے وقت یہ تصور

کرے کہ اس کا مرشد اُس کے سامنے بیٹھا ہے اور وہ اُسے سمجھا رہا ہے کہ اس طریقے سے ذکر کرو۔ اس طرح انسان میں دلجمعی پیدا ہوکر اُسے ذکر کی طرف منہمک کر سکتی ہے مگر بعض نے اس کا یہ مطلب لیا گویا کہ اُس کا شیخ اُس کے سامنے فی الواقع موجود ہے۔ یہی غلو ہے کہ اُس نے اپنے شیخ کو حاضر ناظر سمجھ لیا، جو کہ خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور اس طرح شرک میں مبتلا ہوگیا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اِسی غلو کی وجہ سے اس نظریہ کی مخالفت کی ہے

بتوں کی مرمت

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے عزم کی تکمیل یعنی بتوں کی مرمت کرنے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے حتیٰ کہ قوم کا تہوار یا میلے کا دن آگیا جسے وہ شہر سے باہر جا کر منایا کرتے تھے۔ جب وہ لوگ اپنی عید منانے کیلئے تیار ہوئے تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ہمراہ چلنے کی دعوت دی فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ (الصّٰفّٰت۔ ۸۸، ۸۹) تو آپ ستاروں کی طرف دیکھ کر کہنے لگے کہ میں تو بیمار ہوں اور اس طرح آپ قوم کے ساتھ نہ گئے، پھر جب وہ سب لوگ چلے گئے اور بت خانے کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی باقی نہ رہا تو آپ اس کے اندر چلے گئے فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَّهُمْ اور بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سوائے اُن کے بڑے بت کے۔ اور پھر یہ کیا کہ جس کلہاڑے کے ساتھ بتوں کو توڑا تھا وہ کلہاڑا بڑے بت کے گلے میں لٹکا دیا لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ تاکہ جب وہ لوگ واپس آئیں تو اسی کی طرف رجوع کریں۔ اس مرجع کے متعلق مفسرین کرام کی دو رائیں ہیں۔ پہلی رائے یہ ہے کہ مشرک لوگ بتوں کی یہ گت دیکھ کر بڑے بت کی طرح رجوع کریں گے جو کہ صحیح سلامت ہے تاکہ اُس سے پوچھیں کہ ان باقیوں کو کیا ہوا۔ ویسے بھی چونکہ وہ لوگ ان بتوں کے پجاری تھے لہذا انہیں اپنے معبود کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیئے تھا۔ البتہ بعض دوسرے مفسرین فرماتے

ہیں کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بتوں کی یہ حالت دیکھ کر شاید مشرک لوگ اُن سے بیزار ہو جائیں اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف رجوع کریں کہ حقیقی معبود وہی ہے۔ بہر حال پہلا معنیٰ زیادہ مناسب ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا انتہائی اقدام

ظاہر ہے کہ بتوں کو پاش پاش کر دینا ابراہیم علیہ السلام کا انتہائی اقدام تھا۔ آپ کفر و شرک سے سخت متنفر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن ہی میں سمجھ عطا فرمائی تھی اور بڑا حوصلہ اور جرأت عطا کی تھی اس وقت بادشاہ بڑا ظالم اور جابر تھا، اُس کی ساری رعایا بمع ابراہیم علیہ السلام کے والد اور دیگر عزیز و اقارب آپ کے مخالف تھے۔ اِن حالات میں بت خانے میں داخل ہو کر بتوں کو توڑ دینا ایک انتہائی اقدام تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کو پورا اندازہ تھا کہ اُن کی قوم اُن کے ساتھ کیا سلوک کرے گی۔ اس لیے انہوں نے جان پر کھیل کر یہ کام انجام دیا۔

فتح مکہ پر بت شکنی

حضور علیہ السلام نے بھی اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع میں یہی کام کیا۔ جب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ فاتحانہ انداز میں مکے میں داخل ہوئے تو اس وقت خانہ کعبہ کے اندر اور باہر دیواروں کے ساتھ سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے۔ مکے کے سارے مشرک مغلوب ہو چکے تھے اور کسی میں مزاحمت کی ہمت نہ تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ جو بھی مشرک راستہ روکنے کی کوشش کرے اس کو راستہ سے زبردستی ہٹا دیا جائے، اور جو گردن اٹھا کر آئے اُس کی گردن اڑا دی جائے۔ جب آپ کو مکے پر مکمل تسلط ہو گیا تو آپ نے تمام مقامات پر موجود بت توڑ دیے اور وہاں پر مسجدیں بنانے کا حکم دیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت جریرؓ اور آپ کے ساتھیوں کو یمن میں ذی الخلصہ کی مہم پر روانہ فرمایا۔ وہاں پر مشرکوں نے بیت اللہ شریف کے مقابلے میں ایک جعلی خانہ کعبہ بنا رکھا تھا جس کا طواف ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں سنتا ہوں کہ مشرکوں نے بھی علیحدہ خانہ کعبہ بنا رکھا ہے تو مجھے تکلیف ہوتی ہے

شرک کے اس شعار کو مٹا کر مجھے راحت پہنچاؤ۔ چنانچہ حضرت جریرؓ کے ساتھ ڈیڑھ سو سواروں کا دستہ گیا جس نے اُس نام نہاد خانہ کعبہ کو جلا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ خوشخبری بھجوا دی۔ آپ نے اس لشکر کے حق میں پانچ مرتبہ دُعا فرمائی۔

شعائر شرک کا تلف کرنا ضیاع مالی نہیں

اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ حتیٰ الامکان شعائر شرک و کفر کو مٹانا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر شرک کا ارتکاب حکومتی سطح تک ہو رہا ہے تو پھر اس کے تدارک کے لیے اقتدار کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص بغیر اقتدار کے از خود شرک کے نشانات کو مٹانے کی کوشش کرے گا تو اُسے ابراہیم علیہ السلام کی طرح جان پر کھیلنا ہو گا۔ پچھلی سورۃ میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے تذکرے میں بھی پڑھ چکے ہیں کہ سامری کے بنائے ہوئے سونے کے بچھڑے کو موسیٰ علیہ السلام نے بالکل تلف کر دیا تھا۔ یہ ایک قیمتی دھات تھی جسے دوسرے مصرف میں بھی لایا جا سکتا تھا، مگر آپ نے اس کا برادہ بنا کر اُس کو جلا ڈالا اور پھر اس کی راکھ کو پانی میں بہا دیا یا خشکی پر بکھیر دیا۔ مقصد یہ تھا کہ شرک کے اس نشان کو کلیتہً مٹا دیا جائے۔ اس کو قیمتی مال کا ضیاع بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا گیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی مٹی، پتھر، لکڑی اور قیمتی دھات سے بنے ہوئے بتوں کو توڑ پھوڑ کر ضائع کر دیا تھا حالانکہ اُن سے برتن یا آلات بھی بنائے جا سکتے تھے۔ آج کل اس قسم کی چیزیں عجائب گھروں میں سجائی جاتی ہیں اور یہ بھی غلط ہے اس سے کوئی نصیحت یا عبرت تو حاصل نہیں ہوتی، شرک کے شعائر کو محض یادگار کے طور پر محفوظ کر لینا بجائے خود شرک کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے۔ یہ تعزیے اور پتنگیں بھی شرک و بدعت کے نشانات ہیں۔ جبھی موقع ملے انہیں ضائع کر دینا چاہیئے ہاں اگر انسان میں ہمت نہیں ہے تو پھر ایسا کرنا فتنے سے خالی نہیں ہو

گا۔ محمود غزنویؒ نے سومنات کا مندر فتح کیا تو اس کا قیمتی گیٹ اکھاڑ کر کابل لے گیا، حالانکہ کفر و شرک کے اس شعار کو تلف کر دینا چاہیئے تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ہزار برس کے بعد ہندوؤں نے کابل والوں سے سوا لاکھ روپے کے عوض یہ دروازہ واپس لے لیا اور پھر مندر میں لگا دیا۔ حضرت عمرؓ نے کسریٰ کے محل کا بہت قیمتی قالین حاصل کیا اور اُس کو یادگار کے طور پر سنبھال کر رکھنے کی بجائے اس کو کاٹ کر مصلے بنوائے اور مجاہدین میں تقسیم کر دیے۔

مشرکین کا ردِ عمل

بہر حال ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا۔ پھر جب لوگ تہوار منانے کے بعد واپس آئے تو بتوں کو اس حالت میں دیکھ کر قَالُوا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ کہنے لگے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ بدسلوکی کس نے کی ہے، بیشک ایسا شخص بے انصافوں میں سے ہے۔ قَالُوْا اُن میں سے بعض نے کہا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ہم نے ایک نوجوان کو اِن بتوں کا ذکر کرتے ہوئے سُنا ہے جس کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ اُسی نے کہا تھا کہ میں اِن بتوں کی مرمت کروں گا، اُسی نے یہ کام کیا ہو گا قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اُس نوجوان کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ خود ایسے شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اُس نے ہمارے معبودوں کی توہین کی ہے، لہٰذا اُسے سزا ملنی چاہیئے۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو لایا گیا تو قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ وہ کہنے لگے۔ اے ابراہیم! کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے یہ سلوک کیا ہے؟ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا، بلکہ یہ کام اِن کے اِس بڑے نے کیا ہے فَسْئَلُوْهُمْ

اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ انہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں۔ یہ بڑا بت صحیح سلامت موجود ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی نے ناراض ہوکر یہ ساری کارروائی کی ہے۔ یہ کلہاڑا بھی اسی کے پاس ہے، لہٰذا مجھ سے پوچھنے کی بجائے اسی سے اس واردات کے متعلق دریافت کرو۔ دنیا میں اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ طاقتور کمزوروں پر قابو پا لیتے ہیں۔ بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں اور بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو نگل جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی ایسا ہی معاملہ ہوا ہو، اور بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو تہس نہس کر دیا ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات محض مشرکوں کو الزام دینے اور لاجواب کرنے کے لیے کی۔

کذباتِ ثلاثہ

حدیث شریف میں ابراہیم علیہ السلام کے قول بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کو کذب کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے کذب بیانی نہیں کی مگر تین باتوں میں جن میں اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب تھی۔ ایک بات تو یہی تھی جس میں ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی توڑ پھوڑ کے متعلق فرمایا کہ ان کے بڑے نے کی ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ آپ مشرکین کے ساتھ تہوار میں نہ جانے کے لیے اِنِّیْ سَقِیْمٌ کا بہانا کیا تھا کہ میں بیمار ہوں، حالانکہ آپ حقیقتاً بیمار نہیں تھے۔ تیسرا واقعہ آپ کو مصر میں داخل ہوتے وقت پیش آیا۔ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی سارہ تھی۔ وہاں کے جابر بادشاہ کا یہ طریقہ تھا کہ اگر کوئی نووارد میاں بیوی داخل ہوتے تو خاوند کو قتل کروا دیتا اور عورت پر قبضہ کر لیتا اور اگر وہ بہن بھائی ہوتے تو انہیں چھوڑ دیتا۔ اس فتنے سے بچنے کے لیے انہوں نے حضرت سارہ کو سمجھا دیا کہ اگر کوئی تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ ہم بہن بھائی ہیں۔

بعض لوگوں نے بخاری شریف اور ترمذی شریف کی اس

صحیح حدیث کا محض اس بناء پر انکار کر دیا ہے کہ اس سے ابراہیم علیہ السلام پر کذب بیانی صادق آتی ہے جو اللہ کے جلیل القدر نبی کی شان کے شایاں نہیں حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ ان کی ظاہری شکل و صورت کذب کی نظر آتی ہے مگر یہ جھوٹ نہیں ہے۔ اس کو توریہ یعنی ذو معنی کلام کہا جاتا ہے۔ ایسے کلام سے کلام کرنے والے کی مراد کچھ اور ہوتی ہے اور سمجھنے والا کوئی دوسرا مطلب اخذ کرتا ہے یہ تینوں باتیں اس زمرہ میں آتی ہیں۔ جہاں تک بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا کا تعلق ہے تو ابراہیم علیہ السلام کا اس سے یہ مطلب نہیں تھا کہ یہ کام ضرور اس بڑے بت نے ہی کیا ہے بلکہ یہ بات آپ نے استفہامیہ انداز میں کی کہ ذرا ان سے پوچھو تو سہی کہ کیا یہ کام اس بڑے نے کیا ہے؟ دوسری بات اپنی بیماری کے متعلق تھی، کہ میں بیمار ہوں۔ اس سے آپ کی مراد جسمانی بیماری نہیں تھی بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے شرک کو دیکھ کر مجھے روحانی تکلیف ہو رہی ہے سقیم فاعل کا صیغہ ہے اور اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ میں پہلے کسی وقت بیمار تھا یا آئندہ بیمار ہو سکتا ہوں۔ تیسری بات بیوی کو بہن کہنے والی ہے، تو اس وقت اللہ کی زمین پر یہ دونوں میاں بیوی ہی تھے جو دینِ حق پر تھے اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات۔۱۰) کے مطابق یہ دونوں رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے علاوہ دینی بہن بھائی بھی تھے، لہٰذا آپ نے اس طرح کا ذو معنی کلام کہہ دیا اور بادشاہ کے شر سے بچ گئے۔

مشرکین کا اظہارِ تاسف

جب ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں کو یہ لاجواب دلیل پیش کی کہ اس واقعہ کے متعلق خود ان بتوں سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں، تو وہ سخت پریشان ہوئے فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ پس وہ لوٹے اپنے نفسوں کی طرف فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ اور ایک دوسرے

کو کہنے لگے کہ واقعی تم خود ہی بڑے بے انصاف ہو اس بے انصافی کا مرجع یہ ہے کہ تم ایسی چیزوں کو معبود بناتے ہو جو بالکل بے اختیار ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام بالکل درست فرما رہے ہیں حقیقت میں اس معاملہ میں زیادتی کرنے والے تم ہی ہو۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم کتنے بے انصاف ہو کہ اِن بتوں کو بے یارو مددگار چھوڑ کر سب کے سب چلے گئے اور اِن کی حفاظت کا کوئی انتظام ہی نہ کیا، تاہم پہلا معنٰی زیادہ واضح ہے۔ انہوں نے پہلے تو اپنے آپ کو ملامت کیا کہ ابراہیم علیہ السلام ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے ثُمَّ نُكِسُوا عَلٰى رُءُوسِهِمْ پھر وہ اپنے سروں کے بل اوندھے کر دیے گئے۔ کہنے لگے، اے ابراہیمؑ! تیری بات تو ٹھیک ہے کہ ہم انہی سے پوچھ لیں کہ ان پر کیا واردات گزری ہے مگر لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ یہ بُت بولنے سے قاصر ہیں، پھر بھلا ہم اِن سے کیا دریافت کریں؟

ابراہیم علیہ السلام کا اظہارِ حقیقت

اب ابراہیم علیہ السلام کو اظہارِ حقیقت کا موقع مل گیا۔ آپ درسِ توحید دینے اور شرک کے ردّ کے لیے کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھے۔ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ۔ فرمایا کیا تم اللہ کے سوا اُن کی پوجا کرتے ہو جو نہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ تم اِن بتوں کی کیوں تعظیم کرتے ہو۔ ان کے سامنے سجدے اور رکوع کرتے ہو اور اِن کے سامنے نذرانے کیوں پیش کرتے ہو۔ جب کہ یہ بولنے سے بھی عاجز ہیں۔ فرمایا اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ افسوس ہے تم پر بھی اور ان پر بھی جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم میں عقل کا کوئی مادہ نہیں ہے؟ بھلا سوچو تو سہی کہ تم کن چیزوں کی پرستش کر رہے ہو جن میں کوئی صلاحیت اور استعداد ہی نہیں

سے ہے۔ یہ نہ تو نفع نقصان کے مالک ہیں، نہ علیم کل اور قادر مطلق ہیں حتیٰ کہ
بولنے سے بھی قاصر ہیں تو تم نے انہیں معبود کیسے ٹھہرا لیا ہے؟ غرضیکہ
ابراہیم علیہ السلام نے بتوں اور خود اُن کے پجاریوں کو خوب مطعون کیا۔ اس
کے بعد اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر قوم کے آپ کے ساتھ سلوک کا ذکر کیا
ہے۔ دوسری سورتوں میں اس واقعہ کی مزید تفصیلات بھی موجود ہیں۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾
قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾
وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنٰهُ
وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾
وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا
صٰلِحِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ
اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ
الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ
حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ
تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿٧٤﴾
٥ ع ٢٥ ٥ وَاَدْخَلْنٰهُ فِىْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ ع
وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ
وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ
فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾

ترجمہ:۔ کہا اُن لوگوں نے جلا ڈالو اس (ابراہیمؑ) کو، اور مدد

کرو اپنے معبودوں کی اگر تم کچھ کرنے والے ہو (۶۸) ہم نے
کہا، اے آگ! ہو جا تو ٹھنڈی اور سلامتی والی ابراہیمؑ پر (۶۹)
اور ارادہ کیا انہوں نے اُن کے ساتھ بری تدبیر کا، پس
کر دیا ہم نے اُن کو نقصان اٹھانے والے (۷۰) اور ہم نے
نجات دی اس (ابراہیمؑ) کو اور لوطؑ کو اُس سرزمین کی طرف
جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں جہان والوں کے لیے (۷۱)
اور بخشا ہم نے اس کیلئے اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا)
زائد۔ اور سب کو بنایا ہم نے نیک (۷۲) اور بنایا ہم نے
اُن کو پیشوا جو ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم کے مطابق
اور ہم نے وحی کی اُن کی طرف نیکیاں کرنے، نماز قائم
کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنیکی۔ اور تھے یہ سب ہماری ہی
عبادت کرنے والے (۷۳) اور لوطؑ کو بھی ہم نے حکمت اور
علم دیا۔ اور ہم نے نجات دی اُس کو اُس بستی سے کہ
جس کے باشندے خبیث کام کرتے تھے۔ بیشک تھی وہ
قوم بڑی فاسقوں کی (۷۴) اور داخل کیا ہم نے اُس کو اپنی
(خاص) رحمت میں، بیشک وہ نیکوں میں تھا (۷۵) اور نوحؑ
کو جب کہ پکارا اس نے اِس سے پہلے۔ پس ہم نے قبول
کیا اُس کی دُعا کو۔ پس ہم نے نجات دی اُس کو اور اُس
کے گھر والوں کو بڑی بے چینی ۔ (۷۶) اور ہم نے مدد کی
اُس کی قوم کے مقابلے میں جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا
تھا۔ بیشک وہ لوگ بُرے تھے، پس ہم نے غرق کر
دیا اُن سب کو (۷۷)

ربط آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے مندر میں داخل ہو کر اُن کے بتوں کو تہس نہس کر دیا سوائے ایک بڑے بت کے کہ اُسے صحیح سلامت چھوڑ دیا جب وہ لوگ اپنا تہوار منا کر واپس آئے تو اپنے بتوں کی یہ گت بنی ہوئی دیکھی بڑے ناراض ہوئے اور ملزم کی تلاش شروع کر دی۔ آخر ابراہیم علیہ السلام کو بلا لائے اور اس کارروائی کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا، مجھے کیوں پوچھتے ہو، اس بڑے بت سے دریافت کرو جو ان میں زندہ سلامت موجود ہے اور شاید یہ کارروائی اسی نے کی ہو۔ مشرک لوگ پہلے تو خود شرمسار ہوئے اور پھر ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہم بھلا ان بتوں سے کیا پوچھیں، یہ تو بولتے ہی نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو حق بات کہنے کا موقع مل گیا، کہنے لگے تم پر صد افسوس ہے اور تمہارے ان معبودوں پر بھی کہ تم ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہو جو کسی کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے، کچھ تو عقل کی بات کرو

ابراہیم علیہ السلام کی سوختگی کا منصوبہ

جب مشرک ابراہیم علیہ السلام کی بات کا جواب نہ دے سکے تو انہوں نے وہی حربہ اختیار کیا جو عام طور پر جاہل لوگ ایسے موقع پر اختیار کرتے ہیں یعنی دلیل سے بات کرنے کی بجائے غنڈہ گردی پر اتر آئے۔ انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا قَالُوا حَرِّقُوهُ کہنے لگے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلا ڈالو وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ اور اپنے معبودوں کی مدد کرو، اگر کچھ کرنا چاہتے ہو۔ چونکہ بادشاہ سے لے کر ادنیٰ آدمی تک پوری کی پوری قوم مشرک تھی، اس لیے انہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ کسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو ختم کر دیا جائے تاکہ آئندہ اسے ہمارے معبودوں کی توہین کرنے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو ختم کرنے کے لیے زندہ جلا ڈالنے کی سخت ترین سزا تجویز کی زنا جیسے قبیح جرم کی سزا سنگساری ہے جو سابقہ اقوام میں بھی رائج تھی اور ہماری شریعت میں بھی برقرار ہے، مگر اس سے بھی سخت سزا

جلا ڈالنے کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ سزا دینے کا اختیار کسی کو نہیں دیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ کسی آدمی کو آگ میں ڈالنے کی سزا نہ دی جائے کیونکہ یہ سخت ترین سزا اللہ تعالیٰ خود مشرکین کو دیگا۔ بہرحال مشرکین نے ابراہیم علیہ السلام کو سوختگی کی سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔

کہتے ہیں کہ اس حکم پر عمل درآمد کے لیے ایک ماہ کا وقفہ دیا گیا اور اس دوران میں آگ جلانے کے لیے وسیع پیمانے پر ایندھن جمع کرنے کی مہم شروع ہوئی، سب لوگوں نے اس کام میں اپنا اپنا حصہ ڈالا، حتیٰ کہ جو عورت بیمار ہو جاتی یا اس کا بچہ بیمار ہو جاتا تو وہ منت مانتی کہ شفایابی پر ابراہیم علیہ السلام کی آگ کے لیے اتنا ایندھن جمع کروں گی۔ جب ایندھن جمع ہو گیا تو مقررہ تاریخ پر آگ جلائی گئی جس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ اب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنے کا مسئلہ تھا۔ تو آپ کے کپڑے اتار کر بالکل برہنہ کر دیا گیا اور آپ کو پھینکنے کے لیے منجنیق استعمال کرنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ ایک توپ کی قسم کا آلہ ہوا کرتا تھا جس پر پتھر باندھ کر اس کی چرخی کو گھماتے تھے تو وہ پتھر یا بارود وغیرہ دشمن کے صفوں میں دور تک مار کرتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کو برہنہ حالت میں رسیوں کے ساتھ منجنیق پر باندھ دیا گیا اور اس کی چرخی گھما کر آگ کے وسط میں پھینک دیا گیا۔ بخاری اور ترمذی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ حشر کے میدان میں سب لوگ برہنہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنائیں گے، آپ کو یہ اعزاز مشرکین کی طرف سے برہنہ کر کے آگ میں پھینکنے کے عوض میں ملیگا۔

جب مشرکوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینک دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ہم نے کہا اے آگ! ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ خبردار آپ کو جلانا نہیں تفسیری روایات کے مطابق ابراہیم علیہ السلام

تین دن، چالیس دن یا پچاس دن اُس آگ میں پڑے رہے۔ مشرکین کو یقین ہو گیا کہ آپ بھسم ہو چکے ہوں گے مگر اُدھر سے اللہ کا حکم بھی ہو چکا تھا، لہٰذا آگ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور ابراہیم علیہ السلام کے جسم کا ایک بال بھی ضائع نہ ہُوا۔ صرف وہ رسیاں جل گئیں جن سے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھے گئے تھے اور اس طرح آپ اُن رسیوں سے بھی آزاد ہو گئے اور اللہ نے آپ کو زندہ سلامت رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے روک دیا تھا۔ اور جلا ڈالنے والی آگ بطور معجزہ آپ پہ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔

علت اور معلول کا رشتہ

مولانا عبدالباریؒ نے سائنس کے متعلق کتاب لکھی ہے جس میں بہت سے سائنس دانوں کے اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ہر سبب جب مسبب سے ملتا ہے تو وہ حکم کا منتظر ہوتا ہے کہ اس سبب کا اثر ظاہر کروں یا نہ کروں۔ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا مسبب الاسباب ہے۔ وہ جب چاہتا ہے کسی سبب کے اثر کو ظاہر کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس اثر کو روک لیتا ہے، اور جیسا کہ عرض کیا ہے اس اصول کو جدید سائنسدانوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ گویا سبب اور مسبب، علت اور معلول یا CAUSE اور EFFECT کے درمیان یہ ربط عقلی طور پہ لازمی نہیں بلکہ جدا بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو مذکورہ بالا اصول کے تحت سبب یعنی آگ نے اپنے اثر کو روک لیا اور اس طرح ابراہیم علیہ السلام جلنے سے بچ گئے امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں وخرم نظام اللزوم غیر مرضیؒ یعنی نظام قدرت میں علت اور معلول کے تلازم کو باطل کرنا پسندیدہ امر نہیں ہے۔ عام طور پہ اللہ تعالیٰ علت اور معلول کے رشتے کو قائم رکھتا ہے اور علت معلول پہ اثر انداز ہو جاتی ہے، تاہم کبھی کبھی اس کے برعکس

ہو جاتا ہے اور علت اپنا اثر ظاہر نہیں کرتی چونکہ یہ چیز عام عادت کے خلاف ہوتی ہے اس لیے اس کو معجزے سے تعبیر کیا جاتا ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ معجزہ ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہ عزت بخشی کہ آگ کے جلا ڈالنے کے اثر کو موقوف کر دیا۔ اس قسم کی مثال بعض دوسری چیزوں میں بھی ملتی ہے مثلاً پیاس کے مریض کو پانی کا پورا تالاب پلا دو اُس کی پیاس نہیں بجھتی کیونکہ اللہ نے سبب کے اثر کو زائل کر دیا ہے اور وہ عادت کے خلاف پیاس نہیں بجھاتا۔

مشرکوں کی ناکامی

ارشاد ہوتا ہے وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا مشرکوں نے ابراہیم علیہ السلام کو جلا ڈالنے کا بُرا ارادہ کیا تھا۔ فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ مگر ہم نے اُن کو خسارہ اٹھانے والا بنا دیا۔ وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ ابراہیم علیہ السلام کا آگ سے بچ جانا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا مگر آپ آگ میں بھی صحیح سلامت رہے اور مشرکوں کی ساری تدبیر ناکام ہو گئی۔ اپنی اس واضح شکست اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود وہ لوگ ایمان نہ لائے بلکہ اپنی پرانی دشمنی پر اڑے رہے اور آئندہ کے لیے مزید منصوبہ بندی کرنے لگے۔ بائیبل میں ہے کہ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! گھبراؤ نہیں۔ یہ لوگ تمہیں اس دنیا سے ختم کرنا چاہتے ہیں مگر میں تیری اولاد کو ریت کے ذرات کی طرح دنیا میں پھیلاؤں گا۔ چنانچہ آج دنیا کی اکثر آبادی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر ہی مشتمل ہے حالانکہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑھاپے میں بیٹے عطا فرمائے جن کی نسل آگے چلی۔

ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت اور اولاد

انبیاء علیہم السلام کی زندگی میں ہجرت بھی ایک اہم موڑ آتا ہے جب ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مشرکوں کی دشمنی کسی طرح بھی کم نہ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بابل سے ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بھتیجے لوط علیہ السلام کو نجات دی اُس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکتیں رکھی ہیں۔ اس سے مراد شام و فلسطین کی سرزمین ہے، جس جگہ کے لیے آپ کو ہجرت کر جانے کا حکم ہوا۔ آپ کا بھتیجا لوط بن حاران بن آزر بچپن ہی سے آپ کے پاس رہتا تھا اور ایماندار تھا، تو ہجرت میں وہ بھی آپ کے ساتھ تھا۔ آپ کو اللہ نے کمال درجے کا علم اور حکمت عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ سفرِ ہجرت کے دوران ہی اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی اور حکم دیا کہ وہ شرق اردن کے علاقے میں سدوم، صحودہ، دوامہ وغیرہ کی بستیوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں۔

فرمایا ایک تو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ہجرت کے ذریعے ظالم قوم سے نجات دلائی اور دوسرا وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ اور آپ کو اسحٰق جیسا عظیم بیٹا بھی عطا فرمایا۔ مفسر فراہیؒ بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کو حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام جیسا عظیم المرتبت بیٹا عطا فرمایا اور پھر اس کے سوا سال بعد اسحاق علیہ السلام عطا کیا۔ آپ نے تو صرف بیٹے کے لیے ہی دعا کی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ انعام بھی کیا کہ اُن کی زندگی میں وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً حضرت یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا بھی عطا کیا۔ نافلہ زائد چیز کو کہا جاتا ہے اور مطلب یہی ہے کہ خواہش تو صرف بیٹے کی تھی، مگر اللہ نے پوتا بھی دکھلا دیا۔ فرمایا وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ہم نے سب کو نیکوکار بنایا۔ صالح تو عام ایماندار کو بھی کہا جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام کو اعلیٰ درجے کی صلاحیت اور نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا

اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی ہدایت کا سامان کرتے تھے، یعنی فریضہ نبوت و رسالت ادا کرتے تھے۔ پھر فرمایا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ ہم نے اُن کی طرف وحی کی فِعْلَ الْخَيْرٰتِ نیکیوں کے کرنے کی وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ اور نماز کے قیام کی وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔ یہ سب کے سب شب و روز ہماری عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ جب اللہ نے نبوت و رسالت عطا فرمائی تو وہ اس کا شکریہ بھی ادا کرتے تھے۔

لوط علیہ السلام کا تذکرہ

فرمایا وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا اور لوط علیہ السلام کہ ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا۔ آپ کو فہم اور سمجھ عطا فرمائی۔ پیچھے گزر چکا ہے وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ (آیت-۵۱) ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بچپن میں ہی کمال درجے کی سمجھ عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ نے لوط علیہ السلام کو بھی کمال درجے کی دانائی اور علم سے نوازا تھا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوران سفر ہی لوط علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور تبلیغ حق کے لیے شرق اردن کے علاقے میں مامور کیا وہاں پر آپ نے لمبا عرصہ گزارا، شادی بھی وہیں ہوئی مگر وہ لوگ مشرک تھے اور نہایت غلط اور گندے کام کرتے تھے۔ آپ کو اللہ نے بیٹیاں بھی عطا فرمائیں جو ایمان لے آئیں مگر بیوی مشرکہ ہی رہی۔ جب اُس بستی کے مظالم لوط علیہ السلام پر بہت بڑھ گئے تو اللہ نے فرمایا وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ہم نے لوط علیہ السلام کو اُن بستی والوں سے نجات دلائی جس کے لوگ خبیث کام کرتے تھے۔ سورۃ العنکبوت میں ہے اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ (آیت-۲۹) لوط علیہ السلام نے قوم سے

فرمایا کہ تم خلاف وضع فطرت کام کرتے ہو اور لوگوں کا راستہ کاٹتے ہو، اور اُن کو پتھر مارتے ہو۔ یہ لوگ اپنی مجلسوں میں سرعام لواطت کرتے تھے۔ طبری کی روایت میں آتا ہے کہ زور زور سے گوز مارتے تھے، کبوتر بازی کرتے تھے۔ تو فرمایا ہم نے نجات دی لوط علیہ السلام کو غلط کام کرنے والوں کی بستی سے اِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِينَ یہ بُرے لوگ تھے اور حد سے زیادہ نافرمان تھے۔ اللہ نے آپ کو اس قوم سے نجات دلائی اور قوم کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔ اُن پر آسمان سے آگ اور پتھر برسے اور اُن کی بستی الٹ دی گئی۔ اور لوط علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا وَاَدْخَلْنٰهُ فِىْ رَحْمَتِنَا ہم نے اُن کو اپنی رحمتِ خاصہ میں داخل کیا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ بیشک وہ نیکوکاروں میں سے تھے۔ آپ خدا کے پاکباز رسول تھے۔

نوحؑ کی قوم سے نجات

آگے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر اس طرح ہوتا ہے وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ اور ہم نے نوح علیہ السلام کو بھی نجات بخشی کہ انہوں نے اس سے پہلے پکارا۔ پہلے سے مراد یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی ہزاروں سال پہلے کا ہے نوح علیہ السلام نے طویل عرصہ تک اپنی قوم کو تبلیغ کی مگر وہ راہِ راست پر نہ آئے بلکہ اُلٹا اللہ کے پیغمبر کو تکالیف پہنچاتے رہے۔ آخر تنگ آکر آپ نے اللہ سے درخواست کی کہ مولا کریم! ان لوگوں کا فیصلہ فرما دے۔ اللہ نے فرمایا فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ہم نے اُن کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ اور آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو سخت بے چینی سے نجات دلائی جو آپ کو ہر وقت لاحق رہتی تھی وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ہم نے اُن کی مدد کی اُس قوم کے مقابلے میں جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے

تھے۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ بیشک وہ برے لوگ تھے ساری کی ساری قوم بدبخت تھی۔ سورۃ الاعراف میں ہے قَوْمًا عَمِيْنَ (آیت-۶۴) ساری قوم اندھی تھی۔ یہ آنکھوں سے اندھے نہیں تھے بلکہ ان کے دل کی آنکھیں اندھی تھیں اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم تھے صرف وہ لوگ ایمان لائے جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے اور ان کی تعداد اسی ۸۰ کے قریب تھی۔ ان کے علاوہ آپ کی بیوی اور بیٹا بھی نافرمان تھے۔ اللہ نے فرمایا فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ہم نے ان سارے نافرمانوں کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کر دیا اور اس طرح نوح علیہ السلام کو ان کی قوم سے نجات دلائی۔

ان تمام واقعات میں نبی علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کے لیے تسلی کا مضمون ہے کہ دیکھو اللہ کے سابقہ نبیوں کے ساتھ بھی بڑی بڑی بدسلوکیاں کی گئیں اور منکرین تباہ و برباد ہوئے۔ اسی طرح آپ کے مخالفین بھی تباہ ہوں گے، آپ اطمینان رکھیں اور اپنا کام جاری رکھیں۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ
فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَفَهَّمْنٰهَا
سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ
دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾
وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ
فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً
تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا
بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿٨١﴾ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ
لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ
حٰفِظِيْنَ ﴿٨٢﴾

ترجمہ :۔ اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو دیا ہم نے علم اور حکمت ۔ جب کہ وہ فیصلہ کرتے تھے دونوں کھیتی کے معاملہ میں جب کہ رات کے وقت کھیتی کو روند دیا ایک قوم کی بکریوں نے ۔ اور تھے ہم اُن کے فیصلے کے وقت حاضر (٧٨) پس ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان علیہ السلام کو ، اور ہر ایک کو دیا ہم نے حکم اور علم ۔ اور ہم نے مسخر کر دیا داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑوں کو ۔ وہ تسبیح کرتے

تھے، اور پرندوں کو۔ اور تھے ہم ہی کرنے والے (۷۹) اور ہم نے سکھایا اُس کو لباس بنانا تمہارے لیے تاکہ وہ بچائے تمہیں تمہاری لڑائی کے وقت۔ پس کیا تم شکر ادا کرنے والے ہو (۸۰) اور سلیمان علیہ السلام کے لیے تیز ہُوا کو مسخر کیا۔ وہ چلتی تھی اُس کے حکم سے اُس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ اور تھے ہم ہر چیز کو جاننے والے (۸۱) اور جنات میں سے بعض وہ تھے جو غوطہ لگاتے تھے اُس کے لیے، اور کچھ کام کرتے تھے اس کے علاوہ ہم ہی تھے اُن کی حفاظت کرنے والے (۸۲)

ربطِ آیات

ابتدا میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر ہوا۔ پھر ابراہیم علیہ السلام کی ابتلاء اُن کے صبر و استقامت، اُن کے طریق تبلیغ اور مناجات کی بات ہوئی۔ اس کے بعد آپ کے صاحبزادے اسحاق علیہ السلام اور پوتے یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ ہوا پھر آپ کے بھتیجے اور اللہ کے نبی لوط علیہ السلام اُن کے مصائب اور قوم کے ساتھ معاملات کا بیان ہُوا۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی طویل عرصہ تک قوم کو تبلیغ کرتے رہے۔ آپ نے بڑی سختیاں جھیلیں، مگر محدود آدمی ایمان لائے، حتیٰ کہ آپ کی بیوی اور بیٹا بھی محروم ہی رہے، آخر تنگ آکر اللہ تعالیٰ کے حضور قوم کے خلاف بددعا کی، تو اللہ نے انہیں غرقابی جیسی سخت سزا دے کر صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر انبیاء، داؤد اور سلیمان علیہما السلام اور اُن پر کیے جانے والے انعامات کا ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات باپ بیٹا، صاحب خلافت اور صاحب کتاب نبی تھے۔ اِن کی پوری تفصیلات تو دوسری سورتوں میں آئی ہیں تاہم اجمالی طور پر یہاں بھی اُن کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَدَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو بھی ہم نے علم و حکمت عطا کی۔ اگرچہ اس

آیت میں علم و حکمت کے الفاظ نہیں ہیں، تاہم یہ گذشتہ آیت ۷۴ پر عطف ہے جس میں حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا، فرمایا، اسی طرح ہم نے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو حکمت اور علم عطا فرمایا إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ جب کہ وہ دونوں کھیتی کے بارے میں فیصلہ کرتے تھے اور وجہ تنازعہ یہ تھی إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ کہ رات کے وقت بعض لوگوں کی بکریاں اس کھیت کو چر گئی تھیں۔ دراصل نفش رات کے وقت کھیت کو روند ڈالنے یا پامال کر دینے کو کہتے ہیں۔

کھیتی کے نقصان پر فیصلہ

بعض لوگوں کی بکریاں کسی دوسرے شخص کے کھیت میں رات کے وقت داخل ہوئیں اور انہوں نے پورے کھیت کو پامال کر کے رکھ دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نقصان زدہ فریق نے حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس شکایت کی اور اپنے نقصان کے ازالے کی درخواست کی۔ فرمایا جب یہ معاملہ فیصلے کے لیے اللہ کے نبیوں کے سامنے پیش ہوا وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ تو تنازعہ کے فیصلے کے وقت ہم حاضر تھے، گویا یہ فیصلہ ہماری موجودگی میں ہوا۔ کھیت کے اجاڑے کا فیصلہ تو باپ بیٹا دونوں نے کیا تھا، تاہم فرمایا فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ لیکن سلیمان علیہ السلام کو ہم نے زیادہ فہم و فراست عطا کی تھی اور زیادہ بہتر بات اُن کو سمجھا دی تھی وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ہم نے ہر ایک کو حکمت اور علم عطا کیا۔

جب یہ مقدمہ پیش آیا اُس وقت سلیمان علیہ السلام چھوٹی عمر کے تھے تاہم اللہ نے آپ کو زیادہ سمجھ عطا کی تھی۔ اُس وقت مسند خلافت پر حضرت داؤد علیہ السلام فائز تھے۔ مقدمہ پیش ہوا بعض لوگوں کی بھیڑ بکریاں رات کے وقت کسی دوسرے شخص کے کھیت یا باغ میں داخل ہو گئیں اور

انہوں نے فصل کا نقصان کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کھیتی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ انگور کی بیلیں تھیں جو بکریوں نے روند ڈالیں۔ بہر حال کیس داؤد علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپ نے فریقین کے دلائل سُننے اور نتیجہ یہ اخذ کیا کہ کھیتی یا باغ کا نقصان اس کو خراب کرنے والی بکریوں کی قیمت کے برابر بنتا ہے چنانچہ آپ نے فیصلہ یہ کیا کہ ساری بکریاں کھیت یا باغ کے مالک کو دے دی جائیں۔ اُس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام بھی عدالت میں موجود تھے فیصلہ سنائے جانے کے بعد انہوں نے بھی کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہی۔
اجازت ملنے پر سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اس مقدمہ کا بہتر حل یہ ہے کہ ساری بکریاں کھیت والوں کے سپرد کر دی جائیں، وہ ان کے دودھ، اون اور ان کے بچوں سے فائدہ اٹھائیں۔ اس اثنا میں بکریوں کے مالک کھیت پر کام کریں۔ جب فصل اُسی حالت میں آجائے جس حالت میں اسے اُجاڑا گیا تھا تو کھیت کے مالک اپنے کھیت کو سنبھال لیں اور بکریاں ان کے مالکوں کو واپس کر دی جائیں۔ اس طرح فریقین کو اُن کا حق بھی مل جائے گا۔ اور کسی ایک کا نقصان بھی نہیں ہوگا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنے بیٹے سلیمان علیہ السلام کی یہ تجویز پسند آئی اور انہوں نے اپنا فیصلہ اس کے مطابق بدل دیا۔

سلیمان علیہ السلام کی عمر اُس وقت گیارہ سال کی تھی اور وہ تیرہ سال کی عمر میں اپنے والد کے جانشین بنے۔ داؤد علیہ السلام کے مزید اٹھارہ بیٹے بھی تھے مگر جو فہم و ادراک اللہ نے سلیمان علیہ السلام کو بخشا تھا، وہ کسی دوسرے بیٹے میں نہیں تھا۔ یہ دونوں باپ بیٹا اللہ کے صاحب کتاب نبی تھے اللہ نے داؤد علیہ السلام کو زبور اور سلیمان علیہ السلام کو بعض صحیفے عطا کیے۔ انہوں نے کم سنی میں ایسا عمدہ فیصلہ کیا جو فریقین کے حق میں مفید تھا، اگرچہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی شریعت کے مطابق صحیح تھا کہ جتنا کسی

کا نقصان ہوا اُتنا ہرجانہ دیا جائے۔ اور ہماری شریعت کا بھی یہی قانون ہے۔ کہ نقصان والے کا نقصان پورا ہو۔ تاہم شاہ عبدالقادرؒ اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ صواب (صحیح) تھا مگر سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ اصوب (زیادہ درست) تھا۔

خرابہ کے متعلق فقہی اختلاف

کسی کھیت یا باغ کے خرابے کے ازالے کے متعلق فقہائے کرام میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ایک فرمان ہے کہ اگر کسی کے جانور دن کے وقت کسی فصل کا نقصان کر دیں تو اس نقصان کی ذمہ داری کھیت کے مالک پر آتی ہے کیونکہ دن کے وقت کھیت کی حفاظت اُس کے ذمے ہے۔ اور اگر ایسا نقصان رات کے وقت ہوا ہے تو اس کا ذمہ دار جانوروں کا مالک ہے، وہ نقصان کی تلافی کرے گا۔ کیونکہ اس کا فرض تھا کہ رات کے وقت جانوروں کو باندھ کر رکھتا۔ اس حدیث کے مطابق امام شافعیؒ یہی فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر نقصان دن کے وقت ہوا ہے تو جانوروں کے مالک پر کوئی تاوان عاید نہیں ہوتا ہے اور اگر رات کو خرابہ ہوا ہے تو پھر اُسے نقصان کا ازالہ کرنا پڑے گا۔ برخلاف اس کے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جانور دن کو نقصان کریں یا رات کو اُن کے مالکوں پر ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اس میں تعدی کا عنصر نہ پائے جائے۔ یعنی اگر جانوروں کا مالک خود انہیں کسی دوسرے کے کھیت میں چھوڑتا ہے تو پھر وہ نقصان کا ذمہ دار ہوگا اور اگر جانور خودبخود رسہ تڑوا کر کسی کے کھیت کا نقصان کر دیتے ہیں تو پھر اُن کا مالک ذمہ دار نہیں ہوگا۔

اتفاقی موت کا مسئلہ

صحیحین کی روایت[1] میں آتا ہے العجماء جرحھا جبار اگر کسی کا جانور کسی شخص کو زخمی کر دیتا ہے یا کوئی نقصان پہنچاتا ہے تو وہ رائیگاں ہے، جانور کا مالک ذمہ دار نہیں ہوگا۔ البتہ اگر مالک جان بوجھ

[1] مسلم ص ۷۲ ج ۲ (فیاض)

کہ جانور کے لیے ایسے حالات پیدا کرتا ہے جس سے کسی کا نقصان ہو جاتا ہے تو یہ تعدی کی تعریف میں آئے گا اور مالک پر تاوان آئے گا۔ خواہ دن کا وقت ہو یا رات کا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا والبئر جبار کوئی شخص کنواں کھدواتا ہے اور مزدور اس کھدائی کے دوران ہلاک ہو جاتا ہے تو کنویں کے مالک پر کچھ تاوان عائد نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ اتفاقی موت سمجھی جائے گی۔ اسی طرح کان کُن کا معاملہ بھی ہے کہ اگر دوران کار کوئی مزدور جاں بحق ہو جائے، تو مالک ذمہ دار نہیں ہوگا۔ البتہ اگر متعلقہ کمپنی یا حکومت مفادِ عامہ کے لیے ایسا قانون بنا دے جس میں ہلاک ہونے والے کے لیے معاوضہ مقرر ہو تو ایسا معاوضہ دینا اور لینا درست ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے المعدن جبار کانکن کی موت رائیگاں ہے۔ البتہ وفی الرکاز الخمس معدنیات میں پانچواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے۔ یہ درجہ اوّل کی صحیح حدیث ہے۔

فیصلے کی منسوخی کا مسئلہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے فیصلے کو سلیمان علیہ السلام نے کیسے ردّ کر دیا؟ کیا یہ وحی الٰہی تھی یا اجتہاد تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی صورت تھی اُس وقت کی شریعت میں فیصلے کی تبدیلی جائز تھی۔ آج بھی ایک جج دوسرے جج کے فیصلے کو منسوخ یا تبدیل کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ بڑی عدالت چھوٹی عدالت کے فیصلے کو تبدیل کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔ ہر فریق کو اپیل کا حق ملتا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کی طرح سلیمان علیہ السلام کو بھی جج کی حیثیت حاصل تھی اور آپ نے خود انھیں مقدمات کی دیکھ بھال کا کام تفویض کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ابھی قطعی فیصلہ نہیں کیا تھا بلکہ صرف اپنی رائے ظاہر کی تھی کہ اس مقدمہ کا فیصلہ اس طرح ہونا چاہیے۔ اسی دوران میں سلیمان علیہ السلام نے بھی اپنی رائے کا اظہار کر

دیا جسے قبول کر لیا گیا۔ تاہم عام مفسرین یہی لکھتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نے حتمی فیصلہ کر لیا تھا لیکن بعد میں سلیمان علیہ السلام کی تجویز پر اپنے پہلے فیصلے کو منسوخ کر دیا اور یہ نسخ بھی جائز تھا۔

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کھیت اجاڑنے کا یہ فیصلہ وحی الٰہی سے نہیں بلکہ اجتہاد کے ذریعے کیا گیا تھا۔ وحی الٰہی کی عدم موجودگی میں انبیاء علیہم السلام کو اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کی بھی اجازت رہی ہے۔ البتہ نبی کے اجتہاد اور عام امتی کے اجتہاد میں فرق یہ ہے کہ اگر نبی اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کی فوراً اصلاح کر دی جاتی ہے۔ وحی کے ذریعے ایسے معاملہ کو درست کر دیا جاتا ہے۔ عام امت کو یہ گارنٹی حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی جج فیصلہ کرنے میں غلطی بھی کرتا ہے تو ایک اجر اس کو پھر بھی ملے گا بشرطیکہ اس نے یہ فیصلہ بغیر کسی رو رعایت کے کیا ہو اور جج ایسے غلط فیصلہ میں ماخوذ بھی نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کا فیصلہ بدنیتی پر مبنی ہے، سفارش یافی ہے، رشوت وصول کی ہے یا ویسے ہی کسی فریق کی طرفداری کی ہے تو ایسا جج جہنم رسید ہوگا۔

پہاڑوں اور پرندوں کی تسخیر

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے ان انبیاء پر کیے گئے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتے تھے۔ اور پرندوں کو بھی آپ کے تابع کر دیا تھا۔ جب داؤد علیہ السلام خوش الحانی کے ساتھ کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے یا اس کی حمد و ثنا بیان کرتے، تو پہاڑ اور پرندے بھی ہم زبان ہو کر تسبیح کرنے لگتے۔ پہاڑوں اور پرندوں کی یہ تسبیح زبانِ حال سے نہیں بلکہ زبانِ قال سے ہوتی تھی۔ زبانِ حال کی تسبیح تو اب بھی ہر چیز بیان کرتی ہے جسے ہم نہیں سن سکتے، مگر پہاڑ اور پرندے جو حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح میں شامل ہوتے

تھے، وہ زبانِ قال سے ہوتی تھی۔ یہ داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ پتھر، درخت اور پرندے بھی بولنے لگتے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ داؤد علیہ السلام کا ذاتی فعل تھا اور انہیں اس کا اختیار حاصل تھا، بلکہ وَكُنَّا فَاعِلِينَ اس فعل کو انجام دینے والے ہم تھے، اللہ تعالیٰ یہ کام اپنی قدرتِ تامہ سے کرتا تھا۔ بعض سرسید اور پرویز قسم کے لوگ اس معجزے کو تسلیم نہیں کرتے یہ غالی اور ملحد لوگ ہیں جو طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں حالانکہ یہ اللہ کا فعل تھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس میں عدم تسلیم کی کوئی گنجائش نہیں۔

ایک موقع پر ابو موسیٰ اشعری رات کو تلاوتِ قرآن پاک کر رہے تھے حضور علیہ السلام نے یہ خوش الحان آواز سنی تو فرمایا کہ ابو موسیٰ کو اللہ نے داؤد علیہ السلام جیسا گلا عطا کیا ہے۔ گویا خوش الحانی سے قرآن پاک کی تلاوت اچھی چیز ہے، البتہ گانے کی طرز پر تلاوت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

زرہ سازی کا فن

حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے ایک اور انعام یہ فرمایا تھا۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ اور ہم نے آپ کے لیے لباس بنانے کا فن بتا دیا لِتُحْصِنَكُم مِّنْ بَأْسِكُمْ تاکہ وہ تمہیں دورانِ جنگ بچا سکے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ خاصیت تھی کہ آپ لوہے کو گرم کیے بغیر کڑیاں بناتے اور پھر انہیں جوڑ کر زرہ تیار کر لیتے جو جنگ کے دوران پہنی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر لوہے کو موم کی طرح نرم کر دیا تھا۔ فرمایا فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ کیا تم شکریہ ادا کرنے والے ہو؟ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا کہ تمہارے فائدے کے لیے داؤد علیہ السلام آسانی سے زرہ سازی کر لیتے تھے، مگر عام طور پر لوہے کو گرم کر کے زرہ سازی کے لیے بڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ اس کا رواج موجودہ زمانے میں بھی اس کی ترقی یافتہ صورت میں موجود ہے۔ اب لوگ سروں پر خود پہنتے ہیں اور بڑی بڑی بکتر بند گاڑیاں

جنگ میں استعمال ہوتی ہیں۔

ہوا کی تسخیر

اب سلیمان علیہ السلام کی بعض خصوصیات کا ذکر ہوتا ہے۔ فرمایا وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً اور سلیمان علیہ السلام کے لیے تند و تیز ہوا کو مسخر کر دیا تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُس ارض مقدس کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا کی تسخیر میں بھی بعض لوگوں کو اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عام ہوا آپ کے تابع نہیں تھی بلکہ سمندری ہوا تھی جو بحری بیڑے کو ساحل کی طرف آسانی سے لے جاتی تھی حالانکہ یہ بات نہیں جن لوگوں کو خدا تعالیٰ کی قدرت سمجھ میں نہیں آتی، وہ ایسے ہی اعتراض کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، اُس کی مشیت اور ارادے میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔ اُس نے اگر پوری ہوا کو سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا ہو تو اس میں حیرانگی کی کون سی بات ہے۔ آپ اپنا تخت بچھاتے خود سوار ہوتے اور اپنے حواریوں کو سوار کراتے اور پھر ہوا کو حکم دیتے تو وہ آپ کا تخت ہیلی کاپٹر کی طرح فضا میں لے اڑتی تھی اور آپ ایک ماہ کا سفر ایک دن میں طے کر لیتے تھے۔ شام سے یمن اور یمن سے شام تک کا سفر آپ ایک دن میں بخوبی طے کر لیتے تھے اور کسی حادثے کا خطرہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ سورۃ صٓ میں آتا ہے کہ خود سلیمان علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کی تھی کہ مولا کریم! مجھے ایسی حکومت عطا فرما مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ (آیت ۳۵) جو میرے بعد کسی کو نصیب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور آپ کو نہ صرف زمین پر خلافت عطا فرمائی بلکہ آپ کے لیے ہواؤں، جنات، پہاڑوں اور پرندوں کو بھی مسخر کر دیا اور واقعی یہ آپ کی بے مثال حکومت تھی جو آپ کے بعد کسی کو نصیب نہیں ہوئی فرمایا ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے تیز ہوا کو مسخر کر دیا وَكُنَّا بِكُلِّ

شَیۡءٍ عٰلِمِیۡنَ اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں۔ ہمارے علم سے کوئی چیز باہر نہیں اور ہم ہر چیز پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔

وَمِنَ الشَّیٰطِیۡنِ مَنۡ یَّغُوۡصُوۡنَ لَہٗ اور ہم نے شیاطین یعنی جنات کو بھی آپ کے تابع کر دیا جو آپ کے لیے غوطہ لگاتے تھے۔ یعنی سمندروں سے موتی اور جواہرات نکالتے تھے، جنہیں آپ کام میں لاتے تھے۔ وَ یَعۡمَلُوۡنَ عَمَلًا دُوۡنَ ذٰلِکَ اور یہ جنات اِس کے علاوہ دیگر کام بھی انجام دیتے تھے۔ سورۃ سبا میں آتا ہے کہ پتھروں کو تراش کر برتن بناتے تھے۔ بڑے بڑے پتھروں کو کاٹ کر عمارتیں بناتے تھے۔ فرمایا وَکُنَّا لَھُمۡ حٰفِظِیۡنَ اور ہم ان کی نگرانی اور حفاظت کرنے والے تھے تاکہ کوئی شرارت وغیرہ نہ کر سکے۔ اگر کوئی جن کسی کام میں گڑبڑ کرتا تھا یا نقصان پہنچاتا تھا تو اللہ نے فرمایا کہ ہم اُن کو سزا بھی دیتے تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جنات کو مکمل طور پر سلیمان علیہ السلام کے تسلط میں کر دیا تھا کہ وہ جس طرح چاہیں اُن سے کام لیں اور وہ حکم عدولی بھی نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ان پر نگران تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام پر بڑا فضل کیا تھا اور انہیں بڑا بلند مقام عطا فرمایا تھا۔ تاہم آپ پر بعض آزمائشیں بھی آئیں جن کا ذکر دوسری سورتوں میں موجود ہے۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ
اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا
بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ
رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ
فِىْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ:۔ اور ایوب علیہ السلام جب کہ اُس نے پکارا اپنے پروردگار کو کہ بیشک پہنچی ہے مجھے تکلیف، اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۸۳﴾ پس ہم نے سُن لی اُس کی فریاد، اور ہم نے دُور کی جو اُس کی تکلیف تھی، اور ہم نے دیے اُس کو اُس کے گھر والے اور اتنے ہی اُن کے ساتھ اور مہربانی کرتے ہوئے اپنی طرف سے، اور نصیحت اور یاد دہانی تمام عبادت گزاروں کے لیے ﴿۸۴﴾ اور اسماعیلؑ اور ادریسؑ اور ذالکفلؑ (کو بھی ہم نے علم و حکمت عطا کیا) یہ سب کے سب صبر کرنے والوں میں تھے ﴿۸۵﴾ اور ہم نے داخل کیا اُن کو اپنی رحمت میں۔ بیشک وہ تھے نیکوں میں سے ﴿۸۶﴾

ربط آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کا ذکر کیا اس سے پہلے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا تذکرہ ہوا۔ پھر داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا

ذکر ہوا۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اِن تمام انبیاء کو علم و حکمت سے نوازا اور خصوصی انعامات عطا فرمائے۔ اِن تمام انبیاء علیہم السلام پر بڑی مشکلات اور مصائب آئے جن کو انہوں نے صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا۔ اللہ نے بعض دوسرے انبیاء کا بھی اسی طریقے سے ذکر کر کے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کے لیے تسلی کا سامان بہم پہنچایا ہے کہ ہر اذیت اور تکلیف کو برداشت کرنا چاہیئے اور دشمنوں کی کسی بدسلوکی سے گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ اللہ کی طرف سے تفویض کردہ فریضۂ تبلیغ ادا کرتے رہنا چاہیئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ

اب اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر کیا ہے آپ کا تذکرہ بعض دیگر سورتوں میں بھی موجود ہے۔ بائیبل میں بھی آپ کا ذکر ملتا ہے۔ آپ عوض کی سرزمین میں رہتے تھے۔ دنیاوی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑا مال و دولت عطا کیا تھا، آپ امیر کبیر آدمی تھے۔ آپ کے پاس ہزاروں اونٹ، مویشی اور بھیڑ بکریاں تھیں۔ قابلِ کاشت زمین بھی بہت زیادہ تھی، زمین میں ہل جوتنے کے لیے پانچ سو جوڑی جانور تھے اور ہر جوڑی کے لیے علیحدہ علیحدہ ملازم تھے۔ آپ بذاتہٖ مخلوق کے ساتھ بڑا احسان کرتے تھے، غریب پروری کرتے، مسافروں کا خیال رکھتے اور اللہ کی عطا کردہ دولت نیک کاموں میں صرف کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ اللہ کی نعمتوں کا شکر بھی ادا کرتے۔

حضرت ایوب علیہ السلام پر ابتلاء

ایک موقع پر ابلیس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ سوال اٹھایا کہ تیرا بندہ ایوب علیہ السلام تیرا شکر اس لیے ادا کرتا ہے کہ تو نے اُسے مال و دولت سے نوازا ہے۔ اگر وہ آسودہ حال نہ ہو تو کبھی تیرا شکر ادا نہ کرے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مثالی آزمائش میں ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ بائیبل کی روایت کے مطابق ایوب علیہ السلام کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ ایوب علیہ السلام اور آپ کی بیوی کے علاوہ آپ کی ساری اولاد

کسی دعوت میں شریک تھی کہ اچانک مکان کی چھت گر گئی اور آپ کی ساری اولاد ہلاک ہو گئی۔ اُدھر دشمنوں نے حملہ کر کے آپ کے بہت سے مویشی ہلاک کر دیے اور کچھ ہانک کر لے گئے۔ اس کش مکش میں نوکر چاکر بھی مارے گئے پھر ایسا طوفان آیا کہ ساری فصل بھی ضائع ہو گئی، اور اسطرح آپ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ اُس وقت آپ نے اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کیا اور عرض کیا کہ مولا کریم! میں ماں کے پیٹ سے خالی ہاتھ پیدا ہوا تھا حتیٰ کہ جسم بھی ننگا تھا۔ تو نے اپنی رحمت سے سب کچھ دیا اور میں تیرا شکر ادا کرتا رہا۔ اب تو نے ہر چیز واپس لے لی ہے تو یہ تیری رضا ہے اور میں بھی اس پر راضی ہوں۔ جوں جوں آپ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے، آپ کی روح کا یقین، دل کا صبر اور زبان کا شکر بڑھتا رہا۔

یہ تو بیرونی تکلیف تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جسمانی طور پر بھی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ آپ کے سارے جسم پر آبلے نکل آئے جن سے پورا بدن زخمی ہو گیا آپ ان زخموں کو خشک کرنے کے لیے اُن پر راکھ ڈالتے رہتے تھے۔ اس دوران نیک دل بیوی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا بلکہ آپکی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہی۔ اس اثنا میں لوگ طعنہ دینے لگے کہ ایوب علیہ السلام سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے جس کی پاداش میں آپ پر یہ مصیبت آئی ہے۔ ایوب علیہ السلام معاشی طور پر بھی تباہ حال ہو چکے تھے، روزمرہ کی ضروریات کے لیے آپ کے پاس کچھ نہیں بچا تھا، حتیٰ کہ آپ کی بیوی لوگوں کے گھروں میں کام کاج کر کے تھوڑی بہت اجرت حاصل کرتی جس سے دو وقت کا کھانا میسر آتا۔ مفسرین کے قول کے مطابق آپ سترہ یا اٹھارہ سال تک اس ابتلا میں مبتلا رہے، آپ کی بیوی نے عرض کیا کہ دفع بلا کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے اتنا عرصہ راحت میں گزارا ہے، اب اگر کچھ عرصہ کے لیے مصیبت بھی آگئی ہے تو

اسے خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیئے۔

اس دوران میں آپ کی بیوی سے ایک غلطی بھی سرزد ہو گئی ۔ جس کی وجہ سے آپ بیوی سے سخت ناراض ہو گئے اور قسم اٹھالی کہ اگر تندرست ہو گیا تو تمھیں سو کوڑے ماروں گا۔ ہوا یہ کہ شیطان ایک نورانی شکل وصورت میں آپ کی بیوی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں طبیب ہوں اور مہلک بیماریوں کا علاج کرتا ہوں ۔ انہوں نے اپنے خاوند کی طویل بیماری کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگا کہ میں اس کا مفت علاج تو کروں گا بشرطیکہ شفایابی پر تم یہ کہہ دو کہ میرے خاوند کو حکیم نے شفا دی ہے۔ بیوی نے آکر یہ بات خاوند سے کی تو وہ سمجھ گئے کہ یہ شیطان کا کام ہے جو ہمیں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہٹانا چاہتا ہے۔ بیوی کی اتنی بات پر آپ سخت ناراض ہو گئے ۔ جسمانی تکلیف کے علاوہ یہ بات آپ کے لیے سخت روحانی تکلیف کا باعث بنی اور اُس وقت آپ نے اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا دیے۔ اس واقعہ کے متعلق یہاں ارشاد ہوتا ہے وَاَيُّوبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اور ایوب علیہ السلام جب کہ انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ کہ مجھے بڑی تکلیف پہنچی ہے اس بات سے کہ شیطان ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے ۔ سورۃ صٓ میں ہے کہ آپ نے عرض کیا اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ (آیت ۔ ۴۱) یعنی شیطان نے مجھے سخت اذیت پہنچائی ہے ۔ اور ساتھ عرض کیا کہ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ گویا آپ نے نہایت لطیف انداز میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنی حالت زار کو پیش کیا کہ روحانی تکلیف میری برداشت سے باہر ہو رہی ہے، لہٰذا تو اس کو دور کرنے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت فوراً جوش میں آئی، اُس نے فرمایا فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ہم نے ایوب علیہ السلام کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، اُن کی فریاد کو سن لیا فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ

مِنۡ ضُرٍّ اور اُن کی تکلیف کو دُور کر دیا۔

سُورۃ صٓ میں موجود ہے کہ جسمانی تکلیف کو ہٹانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کیا کہ ایوب علیہ السلام سے فرمایا اُرۡکُضۡ بِرِجۡلِكَ (آیت - ۴۲) اپنے پاؤں سے زمین پر ٹھوکر لگائیں۔ آپ نے زمین پر ایڑھی ماری تو وہاں پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ عام حالات میں تو ایسا نہیں ہوتا مگر جب مشیت ایزدی ہو تو ہر ناممکن چیز بھی ممکن ہو جاتی ہے امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کشادگی پیدا ہوتی ہے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے، وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے اللہ نے فرمایا کہ چشمہ جاری ہو گیا هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ (صٓ ۴۲) اس چشمے کے پانی سے غسل بھی کرو اور اُسے نوش بھی کرو۔ چنانچہ آپ کے ایسا کرنے سے ساری جسمانی تکلیف کافور ہو گئی، آپ بالکل تندرست ہو گئے اور اسی طرح توانا اور حسین و جمیل ہو گئے جس طرح بیماری سے پہلے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی۔

نقصان کی تلافی

جسمانی تندرستی کے بعد اللہ تعالیٰ نے مالی اور جانی نقصان کی تلافی بھی فرمائی۔ ارشاد ہوتا ہے وَاٰتَيۡنٰهُ اَهۡلَهٗ ہم نے اُن کو اُن کے گھر والے بھی عطا کر دیے۔ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فوت شدہ اولاد کو دوبارہ زندہ کر دیا، تاہم بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ نے پہلی اولاد کے عوض میں اُس سے دگنی اولاد عطا کر دی، اس لیے فرمایا کہ ہم نے اُن کے گھر والے بھی دیے وَمِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ اور اُن کے ساتھ اتنے اور بھی دیے۔ گویا آپ کی اولاد پہلے سے ڈبل ہو گئی۔ فرمایا رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا یہ ہماری طرف سے خاص مہربانی تھی۔ وَذِكۡرٰى لِلۡعٰبِدِيۡنَ اور تمام عبادت گزاروں کے لیے نصیحت اور یاد دہانی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہان بھر کے لیے نمونہ بنا دیا کہ مصیبت

کے وقت اس طرح صبر کیا جاتا ہے۔ آپ نے ابتلا کا پورا عرصہ ناشکری کا ایک کلمہ تک زبان سے نہیں نکالا، چنانچہ دنیا بھر میں حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر ضرب المثل بن چکا ہے۔

اسمٰعیل ادریس اور ذوالکفل علیہم السلام

حضرت ایوب علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض دوسرے انبیا کا ذکر بھی فرمایا ہے وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِدۡرِیۡسَ اور اسماعیل اور ادریس علیہما السلام نے ابتلاء کے وقت صبر کا دامن تھامے رکھا۔ جو بھی تکلیف آئی اُسے صبر کے ساتھ برداشت کیا اور اللہ نے آپ کو بلند درجات عطا فرمائے۔ فرمایا وَ ذَا الۡکِفۡلِ اور کفل یعنی ضمانت والے بھی اللہ کے پاک نبی تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بیٹے تھے اور کسی کیس میں کسی دوسرے شخص کی ضمانت دے بیٹھے جس کی وجہ سے انہیں چودہ سال یا کم و بیش جیل میں جانا پڑا۔ بعض کہتے ہیں ذاالکفل سے مراد مہاتما بدھ ہیں جو مسیح علیہ السلام سے پانچ سو سال پہلے گزرے ہیں۔ آپ کی پیدائش صوبہ بہار کی بستی کپل کی ہے اس لیے آپ کو ذاالکفل کا نام دیا گیا ہے۔ تاہم یہ کوئی تحقیقی بات نہیں ہے بلکہ محض خیال ہے جس کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ بہرحال ذاالکفل بھی اللہ کے نبی تھے فرمایا کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیۡنَ یہ سب کے سب صبر کرنے والوں میں تھے۔ سب پر تکالیف آئیں جن کو برداشت کیا گیا۔ یہی نقطہ دوسرے لوگوں کے لیے باعث تعلیم ہے کہ جب بھی کوئی مصیبت آئے صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا وَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ان سب انبیاء علیہم السلام کو ہم نے اپنی خاص رحمت میں داخل کیا اِنَّهُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِیۡنَ یہ سب نیکوکاروں میں تھے۔ ان میں اللہ نے اعلیٰ درجے کی صلاحیت رکھی تھی جو عام مومنوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ یہ اللہ کے معصوم نبی تھے جو مورد وحی الٰہی ہوتے ہیں۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ :- اور مچھلی والے نبی کو بھی ہم نے علم وحکمت سے نوازا) جب وہ چلا گیا غصے میں تو اُس نے خیال کیا کہ ہم نہیں تنگی ڈالیں گے اُس پر ۔ پس پکارا اُس نے اندھیروں میں کہ نہیں کوئی معبود سوائے تیرے ۔ تیری ذات پاک ہے بیشک میں ہی قصورواروں میں سے ہوں (۸۷) پس ہم نے اُس کی بات کو سُن لیا اور ہم نے اُس کو نجات دی غم سے ۔ اور اسی طرح ہم نجات دیا کرتے ہیں ایمان والوں کو (۸۸)

ربط آیات

پہلے حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہوا ، پھر حضرت اسماعیل ، ایوب اور ذالکفل علیہم السلام کا ۔ اللہ نے اُن سب کو علم وحکمت سے نوازا تھا ۔ اُن کو نبوت عطا فرائی پھر اُن پر مصائب بھی آئے ، جنہیں انہوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا ۔ یہ سب بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ تھے ۔ اللہ نے اُن کو بطور مثال پیش کیا کہ دیکھو اِن لوگوں نے تکلیف کے دوران کس قدر صبر سے کام لیا ، لہذا تمہیں بھی ان کا اسوہ اختیار کرنا چاہیئے ۔ جس طرح اِن لوگوں نے بوقت ضرورت اللہ کے حضور مناجات

پیش کی، اسی طرح تمہیں بھی کرنا چاہیئے۔ تمہارا کام دعا کرنا ہے اور مصائب کو دور کرنا اللہ کا کام ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے، جب چاہے کسی کو تکلیف میں ڈال دے اور جب چاہے تکلیف کو دُور کر دے۔ اُس کے سوا نہ کوئی تکلیف دے سکتا ہے اور نہ اُسے ہٹا سکتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کا ذکر کر کے اُن کو باقی لوگوں کے لیے نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ

آج کے درس میں اللہ کے برگزیدہ نبی ذاالنون یعنی مچھلی والے کا ذکر ہے۔ نون مچھلی کو کہا جاتا ہے چونکہ یہ نبی کئی روز تک مچھلی کے پیٹ میں رہے، اس لیے اس لقب سے موسوم ہوئے۔ آپ کو صاحبِ حوت بھی کہا گیا ہے۔ اس کا معنی بھی مچھلی والا ہے کیونکہ عربی زبان میں حوت بھی مچھلی کو کہا جاتا ہے۔ سورۃ القلم میں حضور علیہ السلام کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (آیت ۴۸) آپ مچھلی والے کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنی بستی چھوڑنے میں جلدی کی اور وحی الٰہی کا انتظار نہ کیا۔ بہرحال قرآن پاک کے مطابق آپ کا اصل نام حضرت یونس علیہ السلام ہے، اور اس نام سے قرآن پاک میں ایک مستقل سورۃ بھی ہے جس میں آپ کا مختصر سا تذکرہ آیا ہے آپ انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں اور مسیح علیہ السلام سے سات آٹھ سو سال پہلے گزرے ہیں۔ آپ کے زمانے میں فلسطین و شام پر حزقیل نامی بادشاہ برسرِ اقتدار تھا۔ وہ خود ایماندار اور انبیاء علیہم السلام کا پیروکار تھا۔ اُس زمانے میں اللہ کے پانچ نبی بیک وقت موجود تھے جن میں یونس علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اُس زمانے میں عراق کے صوبہ موصل کی بستی نینوا میں بعض شرپسندوں نے بڑی تعدی کی۔ وہاں پر قتل و غارت کی اور بہت سے لوگوں کو غلام بھی بنا لیا۔ اُس وقت بڑے نبی حضرت شعیا علیہ السلام تھے جن کے مشورے سے اللہ نے پانچ نبیوں میں حضرت یونس علیہ السلام کو نینوا کی طرف مامور فرمایا تاکہ اُن ظالم لوگوں کو سمجھایا جائے کہ وہ ظلم و تعدی سے باز آ

جائیں اور مخلوقِ خدا کو تنگ نہ کریں نیز اُن کو کفر و شرک سے منع کر کے توحید (خدا) کا درس دیں۔

یونس علیہ السلام کی لغزش

آپ طویل عرصہ تک لوگوں کو تبلیغ حق کرتے رہے مگر کسی نے آپ کی بات نہ مانی۔ بالآخر یونس علیہ السلام نے اُن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید سنائی۔ اور خود وحی الٰہی کا انتظار کیے بغیر بستی سے چلے گئے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے بے صبری سے تعبیر کیا ہے۔ اس لغزش پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابتلا میں ڈال دیا جس کا ذکر اس مقام پر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا اور مچھلی والے پیغمبر جب کہ وہ ناراض ہو کر چلے گئے۔ ہم نے اُن کو علم و حکمت عطا کیا تھا، اُن کو اپنی رحمت میں داخل کیا تھا مگر وہ قوم سے ناراض ہو کر اپنا مستقر چھوڑ گئے فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ اور گمان یہ کیا کہ ہم اُن پر تنگی نہیں ڈالیں گے۔

قَدَرَ يَقْدِرُ کا مصدر قدر بھی ہے اور قدرت بھی۔ یہاں پر لَنْ نَّقْدِرَ کا معنی "ہمیں قدرت نہیں" درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو قادر مطلق ہے اور اُسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔ تو یہاں پر قدر کا معنی "تنگ کرنا" ہے یعنی اللہ کے نبی نے گمان کیا کہ ہم ہرگز اُسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے۔ ویسے قدر کا معنی مقدر کرنا یا تقدیر بھی آتا ہے مگر اس مقام پر "تنگ کرنا" ہی مراد ہے۔ یہ تنگی یونس علیہ السلام پر خطائے اجتہادی سے آئی تھی، نہ کہ گناہ کی وجہ سے۔ شاہ اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر "بیان القرآن" میں رقمطراز ہیں کہ انبیاء حقیقی گناہ اور حقیقی سزا دونوں چیزوں سے پاک ہوتے ہیں۔ انبیاء کو جو سزا پہنچتی بھی ہے وہ صرف جسمانی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اُن کے روح و قلب کو بالکل محفوظ رکھتا ہے۔ ظاہری سزا تو یہی ہے کہ کوئی بیماری لاحق ہو گئی، کوئی حادثہ پیش آ گیا مگر حقیقی سزا نبیوں کو نہیں ملتی بعض نبیوں پر اس لیے بھی سختی آتی ہے کہ اُن کی تربیت مقصود ہوتی

ہے معمولی بات پر بھی اُن کی گرفت ہو جاتی ہے کیونکہ وہ مقربین بارگاہِ الٰہی ہوتے ہیں نابینا صحابی کے واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے لیے سخت الفاظ استعمال کئے عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی (عبس ۱-۲) آپ ترش رو ہو گئے اور روگردانی کی کہ ایک نابینا آدمی آپ کے پاس آگیا ہے۔ اس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں جب آپ نے اپنے بیٹے کے حق میں دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے نوح! تیرا بیٹا تیرے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے اعمال ناپسندیدہ ہیں نیز فرمایا اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ (ھود-۴۶) میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں نہ ہو جانا۔ یہ بھی کوئی گناہ نہیں تھا بلکہ معمولی لغزش تھی۔

اِس مقام پہ پہنچ کر بہت سے لوگ غلطی کھا جاتے ہیں مولانا مودودی صاحب نے بھی یہی لکھا ہے کہ یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئیں تھیں (العیاذ باللہ) یہ بالکل غلط تفسیر ہے۔ آپ نے فریضہ رسالت کو بالکل کماحقہ ادا کیا۔ اس میں کوئی کوتاہی نہیں ہوئی کیونکہ آپ نے اللہ کا پیغام ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا۔ امام شاہ ولی اللہؒ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں" در ادائے فرض بہ ہیچ وجہ تقصیر نہ کردہ اند" یعنی انبیاء علیہم السلام ادائیگی فرض میں کسی طرح بھی کوتاہی نہیں کرتے کیونکہ اللہ کا واضح فرمان موجود ہے کہ اے پیغمبر! جو چیز آپ کی طرف آپ کے رب نے نازل کی ہے، اُسے ٹھیک ٹھیک امت تک پہنچا دیں وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدہ-۶۷) اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے حقِ رسالت ہی ادا نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ رئیس المفسرین کے خطاب سے سرفراز ہیں اُن کے حق میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام[1] نے دُعا کی تھی اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۳۱ و مسلم ص ۲۹۸ ج ۲ (فیاض)

الْكِتٰبَ وَفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ اے اللہ! انہیں قرآن کا علم عطا فرما اور دین میں سمجھ دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ پوری امت میں کتاب اللہ کے سب سے زیادہ عالم مانے جاتے ہیں بہت سے لوگوں نے آپ سے قرآن پاک کی تفسیر پڑھی، بلکہ بعض نے تو بار بار پڑھی۔ آپ آخری دور میں طائف منتقل ہو گئے تھے، وہیں فوت ہوئے اور وہیں آپ کی قبر ہے۔

ایک دفعہ آپ امیر معاویہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ امیر آپ کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ سے واقف تھا۔ کہنے لگا، حضرت! مجھے ایک اشکال پیدا ہوا ہے، رات میں نے قرآن پاک کی تلاوت کی تو قرآن کی موجیں اس زور و شور سے اٹھیں کہ میں ان کے تھپیڑے برداشت نہ کر سکا۔ اور سمندر میں ڈوب گیا۔ اب آپ ہی مجھے ان موجوں سے باہر نکال سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے بات کی وضاحت چاہی تو امیر معاویہؓ نے عرض کیا کہ جب میں نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ تو مجھے سخت پریشانی لاحق ہوئی کہ کیا کوئی نبی یہ بھی خیال کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز پر قادر نہ ہو۔ حضرت یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی آپ نے فوراً فرمایا کہ نَّقْدِرَ کا مادہ قدر سے ہے نہ کہ قدرت سے قدر کا معنی اندازہ کرنا بھی ہوتا ہے اور تنگ کرنا بھی، اور یہاں پر تنگ کرنا مراد ہے یعنی اللہ کے نبی نے گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں ڈالیں گے اس کی مثال دوسری جگہ بھی موجود ہے۔ سورۂ سبا میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ط (آیت - ۳۹) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ الغرض! اس آیت کریمہ کا مطلب یہی ہے کہ

یونس علیہ السلام نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ اُن پر تنگی نہیں ڈالے گا، لہٰذا وہ وحی الٰہی کا انتظار کیے بغیر بستی سے چلے گئے۔

یونس علیہ السلام کی ابتلاء

اِس خطائے اجتہادی پر حضرت یونس علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کر دیا گیا۔ آپ بستی سے چل کر دریا کے کنارے پہنچے۔ اُس وقت ایک جہاز یافہ سے ترسیس جانے کے لیے تیار کھڑا تھا، آپ بھی اِس میں سوار ہو گئے۔ آگے چل کر جہاز طوفانی لہروں میں پھنس گیا۔ چنانچہ اُس وقت کے عقیدہ کے مطابق بعض لوگوں نے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی غلام اپنے آقا سے بھاگ کر اس جہاز پر سوار ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے پورا جہاز مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے، ایسے شخص کو فوراً جہاز سے اُتار دینا چاہیئے ورنہ پورا جہاز غرق ہو جائے گا۔ حضرت یونس علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ اُن پر ابتلاء کا وقت آگیا ہے۔ اور انہوں نے خود اقرار کیا کہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں، لہٰذا مجھے پانی کی لہروں کی نذر کر دیا جائے۔ آپ کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر لوگوں نے آپ کی بات کا یقین نہ کیا اور قرعہ اندازی کا فیصلہ ہوا کہ جس کے نام پر قرعہ نکلے اُسے پانی میں پھینک دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں موجود ہے فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ (آیت - ۱۴۱)

جہاز والوں نے قرعہ اندازی کی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا۔ یہ عمل تین دفعہ دہرایا گیا۔ مگر ہر دفعہ آپ ہی کا نام نکلا، لہٰذا آپ کو پانی میں پھینک دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جہاز کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے ایسا کیا گیا تھا مگر یہ بات درست نہیں ہے۔ بہر حال جب آپ کو دریا میں پھینکا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ ایک مچھلی کو حکم ہوا کہ میرے نبی کو نگل لو۔ تمہارا پیٹ اس کا قید خانہ ہے۔ یہ تمہاری خوراک نہیں ہے۔ امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ آپ تین پہر تک مچھلی کے پیٹ میں پڑے رہے۔ بعض نے تین دن کا ذکر کیا ہے اور بعض دس دن اور چالیس دن

کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ آپ نے اتنا عرصہ مچھلی کے پیٹ میں گزارا۔ بہرحال جتنا عرصہ اللہ کو منظور تھا آپ اس قید خانہ میں رہے۔

یونس علیہ السلام کی دعا

اس اثناء میں فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ آپ نے اندھیروں کے اندر پروردگار کو پکارا۔ ظاہر ہے کہ ایک تو رات کا اندھیرا تھا، پھر پانی کا اندھیرا اور پھر مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔ ان تاریکیوں میں یونس علیہ السلام کی زبان سے یہ دعا نکلی اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے۔ تیری ذات پاک ہے اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور قصور وار میں ہی ہوں۔ میں اپنی لغزش کا اعتراف کرتا ہوں اللہ کی رحمت جوش میں آئی تو اس نے فرمایا فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ پھر ہم نے آپ کی مناجات کو قبول کیا وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ اور ہم نے آپ کو اس غم یعنی مصیبت سے نجات دی۔ سورۃ الصّٰفّٰت میں ہے فَلَوْلَآ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ اگر آپ یہ تسبیح بیان نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس قید سے رہائی نہ بخشتا اور قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔ چنانچہ مچھلی کو حکم ہوا کہ آپ کو اگل دے فَنَبَذْنٰہُ بِالْعَرَآءِ وَھُوَ سَقِیْمٌ (الصّٰفّٰت۔ ۱۴۵)

تو ہم نے آپ کو چٹیل میدان میں پھینک دیا اس حالت میں کہ آپ بیمار تھے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے آپ کی جلد بالکل نرم ہو چکی تھی۔ کہ سردی اور گرمی برداشت کرنے کے قابل نہ تھی پھر جس بیلی زمین پر آپ کو اگلا گیا وہاں کوئی سایہ بھی نہ تھا۔ تو اللہ نے فرمایا وَاَنْۢبَتْنَا عَلَیْہِ شَجَرَۃً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ (الصّٰفّٰت۔ ۱۴۶) ہم نے وہاں پر کدو کی ایک بیل اگا دی جس کے پتے چکنے ہوتے ہیں اور ان پر مکھی بھی نہیں بیٹھتی۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کدو بڑی رغبت سے تناول فرماتے تھے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ میرے بھائی یونس علیہ السلام کا درخت ہے اس لیے مجھے پسند ہے۔ بہرحال اللہ نے آپکو جب تک وہاں رکھنا منظور تھا اس میدان میں رکھا اور پھر وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ (الصّٰفّٰت - ۱۴۷) آپ کو ایک لاکھ بیس ہزار کی آبادی والے لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ پھر آگے سارا واقعہ مذکور ہے۔

مفید عام مناجات

اس آیت کریمہ میں مناجات لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ﷺ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اس غم سے نجات دی اور ساتھ یہ بھی فرمایا وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ اور ہم اسی طرح مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں مطلب یہ کہ یہ وظیفہ صرف یونس علیہ السلام کے لیے ہی مخصوص نہیں تھا بلکہ جو مومن پریشانی کی حالت میں اس مناجات کے ساتھ دعا کرے گا ہم اس کو مصیبت سے رہائی دلائیں گے، ترمذی شریف[1] کی روایت میں آتا ہے دَعْوَةُ الْمَكْرُوْبِ دَعْوَةُ ذُو النُّوْنِ سخت پریشانی میں مبتلا شخص کی دعا بھی وہی ہے جو حضرت یونس علیہ السلام کی دعا ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیزؒ "تفسیر عزیزی" میں لکھتے ہیں کہ بلاشبہ رد بلا کے لیے دعا تو یہی ہے لیکن بزرگانِ دین نے تجربات کرنے کے بعد اس دعا کو پڑھنے کے دو طریقے وضع کیے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ بہت سے آدمی مل کر ایک ہی مجلس میں اس آیت کا سوا لاکھ مرتبہ ورد کریں اور پھر دعا کریں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ منظور فرمائے گا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ آدمی عشاء کے بعد اندھیرے میں روزانہ تین سو مرتبہ یہ وظیفہ پڑھے۔ اپنے پاس پانی کا ایک پیالہ رکھے اور وقفہ وقفہ سے پانی میں ہاتھ ڈال کر چہرے اور جسم پہ ملتا رہے۔ یہ عمل تین، سات یا چالیس دن تک کرے گا۔

[1] ترمذی ص۵۰۲

تو اللہ تعالیٰ اُس کی مشکل کو حل کر دیگا۔ یہ بڑا پاکیزہ کلمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت کا اقرار اور اپنی غلطیوں کا اعتراف ہے۔ اس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ مضطرب کی دُعا قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اشارۃً بتلا دیا کہ یہ بات صرف یونس علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہم اس طرح ہر اہلِ ایمان کو اس کے مصائب سے نجات دیا کرتے ہیں۔

وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ
خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى
وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى
الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا
خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا
مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾
اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ
اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۸ ۶

ترجمہ :۔ اور زکریا (کو بھی ہم نے علم و حکمت دیا اور اپنی رحمت میں داخل کیا) جب کہ پکارا اُس نے اپنے پروردگار کو کہ اے میرے پروردگار! نہ چھوڑ مجھے اکیلا اور تو سب سے بہتر وارث ہے ﴿۸۹﴾ پس ہم نے قبول کیا اُس کی دُعا کو اور بخشا ہم نے اس کو بیٹا یحییٰ۔ اور ہم نے اچھا کیا اُس کے لیے اس کی بیوی کو۔ بیشک یہ لوگ دوڑتے تھے نیکی کے کاموں میں اور پکارتے تھے ہم کو رغبت رکھتے ہوئے، اور ڈرتے ہوئے۔ اور

تھے یہ ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے (۹۰) اور وہ عورت (اس کو بھی ہم نے اپنی مہربانی سے نوازا تھا) جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ پس پھونکی ہم نے اُس میں اپنی طرف سے ایک روح۔ اور بنایا ہم نے اُس کو اور اُس کے بیٹے کو نشانی جہان والوں کے لیے (۹۱) بیشک یہ تمہاری امت (دین) ایک ہی دین ہے، اور میں تمہارا پروردگار ہوں، پس میری ہی عبادت کرو (۹۲) پھر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا لوگوں نے اپنے معاملے کو اپنے درمیان۔ سب ہماری طرف ہی لوٹ کر آنے والے ہیں (۹۳)

زکریا علیہ السلام کا ذکر خیر

اللہ نے کئی ایک انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہم نے اُن کو علم و حکمت دی اور اُن کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ جب اُن پر مصائب آئے تو انہوں نے صبر کیا تمام انبیاء اپنی حاجات اللہ ہی کے سامنے پیش کرتے تھے۔ گذشتہ آیات میں یونس علیہ السلام کی ابتلاء اور پھر اُن کی مناجات کا ذکر تھا اور اب حضرت زکریا علیہ السلام اور پھر حضرت مریمؑ اور اُن کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آرہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَزَكَرِيَّا اور زکریا علیہ السلام کا حال بھی دیکھو۔ ہم نے اُن کو علم اور حکمت دی وہ اللہ کے پاک نبی تھے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی جو قبول ہوئی۔ آپ کا ذکر سورۃ آل عمران میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

اولاد کے لیے دعا

فرمایا اور زکریا علیہ السلام نے اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ جب کہ انہوں نے پکارا اپنے پروردگار کو رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا اے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ وَاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ اور تو سب سے بہتر وارث ہے سورۃ آل عمران میں یہ ذکر موجود ہے کہ حضرت مریمؑ کی کفالت کے دوران جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ

کے پاس بے موسم پھل دیکھے تو پوچھا اے مریم! یہ کہاں سے آئے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ میرے اللہ کی طرف سے ہیں۔ اس پر زکریا علیہ السلام کے دل میں اولاد کی خواہش پیدا ہوئی ھُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ (آل عمران-۳۸) تو اس وقت آپ نے اپنے پروردگار سے پاک اولاد کے لیے درخواست کی۔ سورۂ مریم میں ہے کہ آپ نے اپنی مناجات اس طرح شروع کی کہ اے پروردگار! رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا (آیت ۴) میری ہڈیاں کمزور اور بال سفید ہو چکے ہیں۔ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ (آیت ۵) مجھے خاندان کے لوگوں میں کوئی آدمی ایسا نظر نہیں آتا جو میری نیابت کر سکے فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ہ لہٰذا اپنی طرف سے مجھے ایک وارث نصیب فرما۔ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ (آیت ۶) جو میری اور خاندانِ یعقوب کی نیابت کا کام انجام دے سکے۔ آپ نے صرف اولاد نہیں مانگی بلکہ فرمایا وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا کہ وہ اولاد نافرمان اور بے دین نہ ہو بلکہ ایسی ہو جو پسندیدہ ہو۔ اور آیت زیرِ درس میں بھی زکریا علیہ السلام نے اس انداز میں دُعا کی کہ پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔

دعا کی قبولیت

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ہم نے اُن کی دُعا کو قبول فرمایا وَوَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰی اور اُن کو یحییٰ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے عطا کیے اور وہ دونوں اللہ کے نبی تھے۔ اسی طرح زکریا علیہ السلام کو اللہ نے یحییٰ علیہ السلام بیٹا عطا فرمایا جو اللہ کے نبی تھے، بڑے عبادت گزار اور پسندیدہ تھے فرمایا ہم نے زکریا علیہ السلام کو یحییٰ بیٹا عطا فرمایا اور اس سے پہلے وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ہم نے آپ کی بیوی کو بھی درست کر دیا وہ بانجھ تھی، اُسے صحت عطا کی اور پھر پیرانہ سالی میں اولاد کی نعمت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب اور قادرِ مطلق ہے، وہ ناممکن کو ممکن

بنادینے پر قادر ہے۔

نیکیوں میں سبقت

اللہ نے فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام، اُن کا خاندان اور باقی تمام انبیاء جن کا گذشتہ آیات میں ذکر ہوا ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَيْرٰتِ بیشک وہ تمام نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے۔ یعنی اچھائی کے کام کی طرف دوڑ کر چلتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے عام اہلِ ایمان کو بھی حکم دیا ہے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا (البقرہ - ۱۴۸) کہ نیکیوں کی طرف جلدی کرو۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے، اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن اکٹھا کر دے گا۔ یہ بھی فرمایا وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ نیکی کی بات کرو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو جائے، قانون، شریعت اور عمل صالح کی پابندی کرو، کفر، شرک، بدعات اور رسوماتِ باطلہ سے باز آجاؤ۔ اللہ کے سارے نبی نیکیوں میں سبقت کرتے تھے۔

امید اور خوف

فرمایا اللہ کے اِن برگزیدہ بندوں کی ایک صفت یہ بھی تھی وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وہ ہمیں پکارتے تھے۔ ہماری نعمتوں میں رغبت رکھتے ہوئے اور ہماری گرفت سے خوف کھاتے ہوئے۔ خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے کوئی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے مقرب نبی بھی اس کی نعمتوں کے امیدوار رہتے ہیں اور یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ اَلْاِيْمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے ایک طرف اللہ کی رحمت کی امید رکھو تو دوسری طرف اس کی گرفت سے ڈرتے رہو کہ کہیں کوئی آزمائش نہ آجائے غرضیکہ نہ اُمید کا دامن چھوٹنا چاہیئے اور نہ خدا کا خوف اُترجانا چاہیئے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تقریر میں یہ جملہ موجود ہے وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف - ۸۷) یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو کہ یہ کافروں کا شیوہ ہے۔ اہلِ ایمان و

توحید ہمیشہ اللہ کی طرف سے پر اُمید رہتا ہے۔ بہر حال علمِ عقائد علمِ کلام اور علمِ توحید میں یہ منقول ہے کہ ایمان خوف اور اُمید کے درمیان ہے اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہؒ اور دیگر سلف صالحین کا ہے۔

خشیتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے نبیوں کی تین صفات بیان کی ہیں یعنی وہ نیکیوں میں سبقت کرنے والے تھے، ہمیں اُمید اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور تیسری صفت یہ ہے وَكَانُوا لَنَا خٰشِعِيْنَ کہ وہ ہمارے سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔ عام مومنین کے لیے بھی یہی قانون ہے جیسے فرمایا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المؤمنون-۱-۲) بیشک وہ مومن لوگ فلاح پا گئے جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ غرور و تکبر اور خود پسندی کے بجائے نیازمندی سے کام لیتے ہیں۔ چار مقصود چیزوں میں سے ایک نیازمندی بھی ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ مدارِ سعادت چار خصلتیں ہیں ۱۔ طہارت یعنی پاکیزگی، ۲۔ اخبات یعنی عاجزی، خشوع، خضوع فرشتے انبیا اور تمام بندے اللہ کے سامنے عاجزی اور نیازمندی کا اظہار کرتے ہیں کیونکہ بڑائی اُسی کو سزاوار ہے وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (المدثر-۳) ہمیشہ اپنے پروردگار کی بڑائی اور کبریائی کا تذکرہ کرو۔ ۳۔ سماحت یعنی انسان اعلیٰ خصائل کا حامل ہو اور رذیل خصلتوں سے بچتا رہے ۴۔ عدل ہمیشہ انصاف کو پیشِ نظر رکھو۔ کسی کے ساتھ ظلم و تعدی کا معاملہ نہ کرو۔ بہر حال فرمایا کہ یہ سارے نبی ہمارے عاجز بندے تھے۔

حضرت مریمؑ اور مسیح علیہ السلام

اب آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا اس عورت کو بھی ہم نے اپنی رحمت سے نوازا جس نے اپنے ناموس کی حفاظت کی۔ اس سے مراد حضرت مریمؑ ہیں۔ آپ کے متعلق سورۃ مریم میں موجود ہے کہ جب فرشتہ آپ کو بیٹے کی خوشخبری دینے کے لیے آیا تو آپ نے یہی کہا کہ میرے ہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ

وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا۔ (آیت ۲۰) کہ نہ تو کسی انسان نے مجھے چھوا ہے اور نہ ہی مجھ میں کوئی برائی ہے۔ اُدھر سے ارشاد ہوا کَذٰلِكَ جب ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو پھر اسی طرح کر ڈالتے ہیں کہ بغیر ظاہری اسباب اور مرد کی قربت کے بچہ عطا کر دیتے ہیں۔

بہر حال حضرت مریمؑ کے متعلق فرمایا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا پھر ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح پھونک دی۔ اصل میں فرشتے نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے آپ کو حمل قرار پا گیا اور اس فعل کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ ہم نے روح پھونک دی۔ اور پھر یہ ہوا کہ حمل قرار پانے کے بعد بچہ پیدا ہونے میں نو ماہ انتظار نہیں کرنا پڑا بلکہ چند ہی گھنٹوں کے بعد دردِ زہ شروع ہو گیا اور پھر مسیح علیہ السلام کی پیدائش ہو گئی۔

فرمایا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہم نے حضرت مریمؑ اور آپ کے بیٹے مسیح علیہ السلام کو جہان بھر کے لیے نشانی بنا دیا۔ حضرت مریمؓ بھی اللہ کی قدرت کی نشانی ہیں کہ اللہ نے آپ کو بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ آپ کو طاہرہ اور صدیقہ بنایا اور پھر بغیر مرد کی قربت کے آپ کو عظیم المرتبت بیٹا عطا فرمایا اور وہ اللہ کا پاک نبی تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے ماں اور بیٹا دونوں کو جہان والوں کے لیے نشانی بنا دیا۔

اس جملہ میں عقیدہ ابنیت والوں کا ردّ بھی ہو گیا ہے۔ وَابْنَهَا سے مراد مریمؑ کا بیٹا ہے نہ کہ خدا کا بیٹا یا اُس کا جزو یا تین خداؤں میں سے تیسرا۔ یہ غلط عقیدہ تو پولس نے مسیح علیہ السلام کے بعد وضع کیا تھا۔ ورنہ ابتدائی دور میں مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے آپ کو حضرت مریمؑ ہی کا بیٹا مانتے تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اُس کے مقرب بندے تھے گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو مریمؑ کا بیٹا کہہ کر سارا مسئلہ حل فرما دیا۔ اس کے

خلاف عقیدہ رکھنے والے کافر، مشرک، اور ابدی جہنمی ہیں۔

ملتِ واحدہ

آگے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً یہ تمہاری امت یعنی دین اور ملت ایک ہی ملت ہے۔ گویا تمام انبیاء علیہم السلام کا تعلق ایک ہی ملت سے ہے۔ دین بنیادی عقیدے کو کہا جاتا ہے اور ملت بڑے بڑے اصولوں کا نام ہے۔ اصولِ دین تو تمام انبیاء کے مشترک ہیں۔ البتہ اُن کے شرائع میں اختلاف ہوتا ہے۔ بعض شرائع میں کوئی چیز حلال ہوتی ہے اور بعض میں حرام ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے۔ نَحْنُ مَعْشَرُ الْاَنْبِیَاۤءِ اَوْلَادُ عَلَّاتٍ دِیْنُنَا وَاحِدٌ ہم سارے انبیاء علاتی بھائیوں کی طرح ہیں جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوتی ہیں۔ ہم سب کا دین یا ملت ایک ہے، تمام بڑے بڑے اصول یکساں ہیں مگر شرائع یعنی جزئیات مختلف ہیں۔ اللہ نے یہ بات قرآن پاک میں بھی سمجھا دی ہے شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا (الشوریٰ ۱۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بھی وہی دین مقرر کیا ہے جو نوح علیہ السلام اور آپ سے بعد والے نبیوں کے لیے مقرر کیا گیا۔ اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا، قیامت پر یقین، انبیاء، کتب سماویہ اور ملائکہ پر ایمان، اللہ کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جاننا ہی دین ہے اور یہ سب کا مشترک ہے۔

فرمایا وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ اور میں تمہارا پروردگار ہوں لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔ میرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ ہر نبی نے بھی یہی تعلیم دی یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (الاعراف - ۶۵) اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔

دین میں تفرقہ بازی

اللہ نے تو سب کا ایک ہی دین مقرر کیا تھا مگر اس پر متفق نہ رہ سکے۔ اللہ نے یہاں شکوہ کیا ہے وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۱۸۶ ج ۱ (فیاض)

پھر ان لوگوں نے اپنے معاملے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بعد میں آنے والوں نے دین کو بگاڑ کر اس میں فرقہ بندی پیدا کر دی۔ دیکھ لیں یہودیوں کے کئی فرقے بنے اور وہ کفر اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ نصاریٰ نے بھی توحید الٰہی کو بگاڑ دیا اور شرک کو اختیار کر لیا۔ وہ بھی بہت سے فرقوں میں بٹ گئے۔ اسی طرح صابی، مجوسی، منکرین قیامت اور منکرین رسالت وغیرہ بہت سے فرقے معرضِ وجود میں آئے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے اصل دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بگاڑ دیا اور خود گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے تو میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ فرمایا صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا، باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ پوچھا گیا کہ ناجی فرقہ کون سا ہوگا۔ فرمایا[1] مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ یعنی جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا۔ بعض لوگ فروعی اختلافات کو ہوا دے کر تیز کرتے ہیں اور اس طرح دین میں خرابی کا باعث بنتے ہیں اور پھر طرح طرح کے فتنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ بنیادی عقائد میں اختلاف پیدا کر کے صریح گمراہی میں جا گرتے ہیں۔

فرمایا ان لوگوں نے اپنے معاملے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا مگر یہ بچ کر نہیں جا سکتے کُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ سب کے سب ہماری ہی طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔ ہم ان کا حساب لیں گے اور اختیار کردہ عقیدے اور عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ دیں گے۔

---

[1] ترمذی صہ ۳۷۹ (فیاض)

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا
كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿٩٤﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى
قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ
يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾
وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ
هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٩٧﴾ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا
وٰرِدُوْنَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا
يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا
الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ
حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٢﴾
لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ
هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ
نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا

بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِیۡدُهٗ ؕ وَعۡدًا عَلَیۡنَا ؕ اِنَّا کُنَّا
فٰعِلِیۡنَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ :۔ جو شخص عمل کرے گا نیک کاموں میں سے، بشرطیکہ
وہ ایمان رکھتا ہو۔ پس نہیں ناقدری ہو گی اس کی کوشش
کی۔ اور بیشک ہم اُس کو لکھنے والے ہیں ﴿۹۴﴾ اور حرام
ہے اُس بستی پر جس کے رہنے والوں کو ہم نے
ہلاک کیا۔ وہ لوگ پھر نہیں آئیں گے ﴿۹۵﴾ یہاں تک کہ
جب چھوڑ دیے جائیں گے یاجوج ماجوج۔ اور وہ ہر
اونچی جگہ سے پھسلتے ہوئے چلے آئیں گے ﴿۹۶﴾ اور
قریب ہو جائے گا وعدہ سچا۔ پس اچانک اُوپر لگی
ہوں گی آنکھیں اُن لوگوں کی جنھوں نے کفر کیا، (اور
کہیں گے) اے افسوس ہمارے۔ تحقیق تھے ہم غفلت
میں اس سے، بلکہ ہم تو زیادتی کرنے والے تھے ﴿۹۷﴾
(حکم ہو گا) بیشک تم اور جن کی تم عبادت کرتے
تھے اللہ کے سوا ایندھن ہو جہنم کا۔ اور تم اُسمیں
وارد ہونے والے ہو ﴿۹۸﴾ (وہ کہیں گے) اگر ہوتے
یہ معبود تو نہ وارد ہوتے اس کے اندر۔ اور سب
اس میں ہمیشہ رہنے والے ہونگے ﴿۹۹﴾ اُن کے لیے اس
میں چلّانے کی آوازیں ہوں گی اور وہ اس میں سنیں گے
نہیں ﴿۱۰۰﴾ بیشک وہ لوگ کہ پہلے ہو چکی ہے اِن کیلئے
ہماری طرف سے بھلائی۔ یہ لوگ اس سے دور رکھے

جائیں گے (۱۰۱) اور وہ نہیں سنیں گے اِس کی آہٹ بھی
اور وہ جس چیز میں چاہیں گے اُن کے نفس ہمیشہ رہنے
والے ہوں گے (۱۰۲) نہیں غم میں ڈالے گی اُن کو بڑی
گھبراہٹ اور ملیں گے اُن سے فرشتے (اور کہیں گے) یہ
تمہارا وہ دِن ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (۱۰۳)
جس دِن ہم لپیٹ دیں گے آسمانوں کو مثل لپیٹ دینے
طومار کے لکھے ہوئے کاغذات کو جیسا کہ ہم نے پیدا
کیا مخلوق کو پہلے، ہم دوبارہ لوٹائیں گے۔ اس کو یہ وعدہ
ہے ہمارا۔ بیشک ہم کرنے والے ہیں (۱۰۴)

ربطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کیا ہے۔ اُن کے مصائب و تکالیف، اُن کے طریقہ تبلیغ، اُن کی مناجات اور عبادت اور اُن کے صبر پر روشنی ڈالی ہے۔ اور آئندہ آنے والوں کے لیے انہیں نمونہ بنایا ہے۔ آخر میں حضرت مریمؑ اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بھی کیا ہے اور پھر ایک اصولی بات یہ بیان فرمائی ہے کہ تمام انبیاء کی ملت اور دین ایک ہی رہا ہے۔ فرمایا میں تمہارا پروردگار ہوں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔ مگر بعد میں آنے والے لوگوں نے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ بعض نے عقائد کو خراب کر لیا اور کفر و شرک میں مبتلا ہو گئے۔ فرمایا سب نے ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے، اُس وقت ہم ہر ایک کے ساتھ اُس کے عقیدے اور عمل کے مطابق سلوک کریں گے۔

عمل صالح کی قدردانی

اب اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں پیش آنے والے محاسبہ اعمال کا قانون بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ جو شخص نیک اعمال انجام دیتا ہے۔ حضرت مجددؒ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کے بعد بنیادی طور

یہ چار نیکیاں ہیں یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ اس کے بعد دیگر نیکیوں میں قرآن پاک کی تعلیم اور اس کی تلاوت، تبلیغ دین، صدقہ وخیرات اور رفاہِ عامہ کے دیگر کام ہیں۔ فرمایا جو شخص نیک عمل کرے گا وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ بشرطیکہ وہ مومن ہو، گویا کسی بھی نیکی کے لیے ایمان بطور شرط ہے۔ اگر ایمان ہوگا تو نیکی کار آمد ہوگی اور انسان کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ ورنہ رائیگاں جائے گی۔ اگر خدانخواستہ عقیدے میں خرابی ہے تو پہاڑوں جتنی بڑی بڑی نیکیاں بھی کچھ مفید نہیں ہوں گی۔ کفر، شرک، نفاق کا شائبہ پایا جائیگا تو تمام نیکیاں ضائع ہو جائیں گی۔ ایسی نیکیوں کی وجہ سے دنیا میں شہرت تو حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر آخرت میں اُن کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

فرمایا جس نے ایمان کی حالت میں نیک کام انجام دیا فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں کی جائیگی۔ بلکہ اس کی محنت کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ اور ہم ہر نیکی کے کام کو لکھنے والے ہیں۔ ہر انسان کے اعمال کو محفوظ کرنے کے لیے اللہ نے فرشتے مامور کر رکھے ہیں جو ہر چھوٹا بڑا کام لکھتے جا رہے ہیں اگرچہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور لوحِ محفوظ میں بھی درج ہے مگر اُسکے فرشتے بھی لکھتے جاتے ہیں اور اس طرح انسانی اعمال کی حفاظت کا پورا پورا انتظام موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے ساتھ کراماً کاتبین مقرر کر دیے ہیں۔ اور اُن کی ڈیوٹی یہ ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (ق۔ ۱۸) کوئی شخص جو بھی لفظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے ہمارے فرشتے اُس کو فوراً نوٹ کر لیتے ہیں پھر جب یہ نامہ اعمال پیش ہوگا تو انسان پڑھ کر حیران ہو جائے گا۔ اور کہے گا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا (الکھف۔ ۴۹) یہ کیسی کتاب ہے جس نے نہ کوئی

چھوٹی چیز چھوڑی ہے اور نہ بڑی مگر اُسے محفوظ کر رکھا ہے

ہلاکت کا قانون

آگے اللہ نے نافرمانوں کی ہلاکت کا قانون بیان فرمایا ہے وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ حرام ہے اُن بستی والوں پر کہ جن کو ہم نے ہلاک کیا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ کہ وہ لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ مفسرین کرام یہاں پر حرام کا معنیٰ دو طریقے پر کرتے ہیں جرام کا معنیٰ ضروری بھی ہوتا ہے اور اس طرح پورا مفہوم یہ ہوگا کہ جن بستی والوں کو ہم نے اُن کے جرائم کی پاداش میں ہلاک کیا ہے، اُن پر ضروری ہے کہ وہ واپس نہیں آئیں گے۔ حرام کا دوسرا معنیٰ ممنوع ہے۔ یہ معنیٰ عام فہم ہے اور حلال کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ اگر یہ معنیٰ لیا جائے تو پورا جملہ اس طرح ہوگا کہ ہلاک شدہ بستی والوں پر دوبارہ واپس آنا ممنوع ہے یعنی اُن کا دنیا میں دوبارہ آنا تاکہ وہ اپنے کفر، شرک اور معاصی کی تلافی کر سکیں، یہ ممکن نہیں ہے۔ اس مادی جہاں میں یہ زندگی کا ہی ایک موقعہ ہے کہ اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کر لے۔ جب سزا آگئی اور بستی تباہ ہوگئی تو پھر اپنی غلطیوں کی تلافی ممکن نہیں رہے گی۔

بعض اس آیت کا مطلب اس طرح بھی بیان کرتے ہیں کہ ہلاک ہونے والی بستی کے لوگ دوبارہ ہدایت کی طرف نہیں آتے۔ یہ بھی ایک طے شدہ امر ہے کہ جن لوگوں پر ان کی مجرمانہ کارروائیوں کی وجہ سے ہلاکت و تباہی مقرر ہو چکی ہے۔ وہ ایمان اور توحید کی طرف نہیں آئیں گے بلکہ اُسی بدبختی میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کی طرف سے وعدے کا وقت آپہنچے اور پھر ایسے لوگوں کو اپنے اعمالِ بد کا بھگتان کرنا پڑے، قومِ عاد اور ثمود سے لے کر جن جن نافرمان قوموں کا ذکر اللہ نے قرآن پاک میں کیا ہے، یا جن کا تذکرہ تاریخ کے اوراق میں ملتا ہے اُن میں سے کوئی بھی آج تک پلٹ کر نہیں آیا، بلکہ اُن کی جگہ دوسرے لوگ ہی آتے رہے ہیں۔ بہر حال مفسرین نے یہ دونوں معنیٰ بیان کیے ہیں۔

یاجوج ماجوج کا خروج

فرمایا جن بستی والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ وہ واپس لوٹ کر نہیں آئیں

گے حَتّٰیٓ اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ یہاں تک کہ جب کھول دیے جائیں گے یاجوج اور ماجوج وَھُمْ مِّنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ اور وہ ہر اونچی جگہ سے پھسلتے چلے آئیں گے۔ یاجوج ماجوج کا خروج علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ پہلے مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ وہ دجال کو ختم کریں گے، اُس کے بعد یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا۔ اللہ تعالےٰ مسیح علیہ السلام کو پیغام بھیجیں گے انی اخرجت عبادًا لا یدان لاحد بقتالھم میں نے ایسی مخلوق کو نکالا ہے جن کے ساتھ مقابلے کی کسی کو تاب نہیں، لہٰذا تم چیدہ چیدہ بندوں کو ہمراہ لے کر طور پر چلے جاؤ۔

یاجوج ماجوج دراصل حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے یافث کی اولاد میں سے ہیں۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اس مخلوق کی عمریں بڑی لمبی ہوتی ہیں۔ اس بات کا اندازہ اس چیز سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان میں سے کوئی آدمی اُس وقت تک نہیں مرتا جب تک کہ اپنی اولاد میں سے ایک ہزار کی تعداد کو نہیں دیکھ لیتا۔ باقی تمام انسانوں اور یاجوج ماجوج کی آبادی کی نسبت ۱ : ۹۹۹ ہے یعنی ہر انسان کے مقابلے میں یاجوج ماجوج ۹۹۹ ہیں۔ البتہ ان کی اکثریت کفر و شرک میں مبتلا ہوگی اور یہ سب جہنم میں جائیں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ یہ لوگ دنیا میں بڑا فساد مچائیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اپنے مُردوں کو بھی کھا جاتے ہیں۔ تفسیری روایات میں آتا ہے کہ جب یہ سدِ سکندری کے عقب سے ظاہر ہوں گے تو ہر چیز کو فنا کرتے چلے جائیں گے۔ بحیرہ طبریہ کے بارے میں آتا ہے کہ اس کا سارا پانی پی جائیں گے حتیٰ کہ ان کے بعد میں آنے والے پوچھیں گے کہ کیا اس خشک ندی میں کبھی پانی بھی بہتا تھا۔ اس قوم کی زیادتیوں کی وجہ سے مخلوقِ خدا سخت پریشانی میں مبتلا ہو جائے گی۔ پھر ان پر طاعون جیسی ایک وبا نازل ہوگی جس میں سب مر جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایسے جانور بھیجے گا جو ان کی نعشوں کو اٹھا اٹھا کر زمین کے نشیبی

علاقوں میں لے جائیں گے۔ پھر خوب بارش ہوگی جو ان نعشوں کی پس ماندہ گندگی کو دھو ڈالے گی۔ حدیث میں آتا ہے کہ یاجوج ماجوج کے مکمل خاتمہ کے بعد بھی انسان دنیا پر آباد رہیں گے اور وہ بیت اللہ کا حج بھی کریں گے البتہ اس کے بعد جلدی ہی قیامت برپا ہو جائیگی۔

یاجوج ماجوج کے خروج پر وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ سچا وعدہ قریب آجائے گا۔ اور وہ وعدہ وقوع قیامت کا ہے۔ جب قیامت برپا ہو گی تو عجیب و غریب حالات نظر آئیں گے فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اُس وقت اچانک کافروں کی آنکھیں اُوپر لگی ہوئی ہوں گی۔ وہ ٹکٹکی باندھے دیکھتے ہوں گے۔ اُس وقت ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی، اور پھر کافر لوگ کہیں گے يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا ہائے افسوس! کہ ہم تو اس واقعہ سے غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ اللہ کے نبی بتاتے تھے کہ قیامت آنے والی ہے مگر ہم یقین ہی نہیں کرتے تھے بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ یقیناً ہم ہی زیادتی کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ تم اور تمہارے معبود جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے جہنم کا ایندھن ہیں۔ حصب ایندھن کو کہتے ہیں جس سے آگ جلائی جاتی ہے۔ عربی محاورے میں حصب کا معنی احطب بھی ہوتا ہے جو جلانے والی لکڑی کے لیے بولا جاتا ہے۔ امام بغوی نے حضرت علیؓ کی قرأت میں حطب جہنم بھی کہا ہے۔ غرضیکہ حصب اور حطب کا ایک ہی معنی ہے۔ بہر حال فرمایا کہ تم تابع اور متبوع جہنم کا ایندھن ہو اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ اور تم سب اُس میں پہنچنے والے ہو۔

اُس وقت مشرک لوگ کفِ افسوس ملیں گے اور اپنے معبودانِ باطلہ کے متعلق کہیں گے لَوْ كَانَ هٰؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا

اگر یہ سچے معبود ہوتے جن کی ہم عبادت کرتے رہے ہیں تو آج ہم جہنم میں نہ پھینکے جاتے، بلکہ اس عذاب سے بچ جاتے وَكُلٌّ فِيهَا خٰلِدُوْنَ آج اُن کی کوئی حسرت مفید نہیں ہوگی اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی جہنم میں رہنا ہوگا۔ پھر اُن کی حالت یہ ہوگی لَهُمْ فِيهَا زَفِيْرٌ کہ وہاں انہیں چیخنا چلانا ہوگا۔ اُن کی ہچکیاں بندھ جائیں گی تو اُن کی وجہ سے چلانے کی آوازیں نکلیں گی۔ اور اس چلانے کی وجہ سے وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُوْنَ اُن کی کوئی بات نہیں سُنی جائیگی۔ اتنا شور و غوغا ہوگا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیگی اور اُن کا چیخنا چلانا بالکل رائیگاں جائیگا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے کہ کافروں کو بڑے بڑے ستونوں کے ساتھ باندھ کر اُوپر سرپوش ڈال دیے جائیں گے، وہ اِن میں بند ہو کر رہ جائیں گے اور اُن کی کوئی آواز سنائی نہیں دیگی۔

نیکو کاروں کی بریت

دیگر کفار و مشرکین کی طرح مکے کا ایک شاعر عبداللہ بن زبعرہ بھی سخت مخالفین میں سے تھا مگر بعد میں ایمان لے آیا۔ ابتدائی دور میں اُس نے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف بڑا پراپیگنڈا کیا۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر کہا مسیحؑ اور عزیرؑ کون ہیں؟ کیا یہ اللہ کے نیک بندے نہیں؟ پھر کہا فرشتے کون ہیں، کیا یہ اللہ کی پاکیزہ مخلوق نہیں؟ جب آپ نے دونوں سوالوں کا جواب اثبات میں دیا تو عبداللہ کہنے لگا کہ ہم تو انہی پاک ہستیوں کی پوجا کرتے ہیں، اِن کو معبود مانتے ہیں۔ اب اگر تمہارے کہنے کے مطابق عابد اور معبود سب جہنم میں جائیں گے تو یہ تو اچھی بات ہے کہ ہم اِن پاکیزہ لوگوں کے ساتھ ہی رہیں گے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا کہ معبودانِ باطلہ سے مراد حضرت مسیحؑ، عزیرؑ اور فرشتے نہیں ہیں کیونکہ وہ اپنی پوری زندگی تمہارے شرک سے بیزاری کا اظہار کرتے رہے اور قیامت کو بھی تم سے برأت کا اعلان کریں گے، کہیں گے ہم نے تو

انہیں اپنی پوجا کے لیے نہیں کہا، بلکہ یہ تو اصل میں شیطان کی اتباع کرتے رہے ہیں لہذا وہ معبودانِ باطلہ کے زمرہ میں نہیں آتے اور وہ اس وعید سے مستثنیٰ ہوں گے، فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى بیشک وہ لوگ کہ جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی کا فیصلہ ہو چکا ہے اللہ کے علم میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ وہ اللہ کے نبی اور اس کے نیک بندے ہیں اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ وہ اس جہنم سے دور رہیں گے۔ بلکہ اتنا دور ہوں گے لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا وہ تو دوزخ کی آہٹ بھی نہیں سُنیں گے وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ وہ اپنی من پسند جگہ میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، اُن کی خواہشات پوری کی جائینگی اور وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اللہ نے اُن کے زعم باطل کی تردید فرما دی کہ یہ پاک ہستیاں اور مشرکین وکفار اکٹھے رہیں گے۔ فرمایا نیک لوگوں کی بات تو یہ ہے لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ انہیں بڑے دن (قیامت) کی گھبراہٹ غم میں نہیں ڈالے گی۔ بلکہ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ فرشتے اُن سے ملاقات کریں گے اور انہیں خوشخبری دیں گے هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اُس دِن تمھیں بڑا انعام واکرام مِلے گا اور تم اللہ کی رحمت میں داخل ہو جاؤ گے۔

وقوع قیامت اور بعث ثانی

آگے اللہ نے قیامت کے کچھ حالات بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ اُس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح کسی نوشتے کو طومار میں لپیٹ دیا جاتا ہے۔ مفسرین کرام سجل کے دو معنی کرتے ہیں۔ اس کا ایک معنی نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کے سردار کا نام ہے۔ جب انسان کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں تو فرشتہ انہیں لپیٹ کر رکھ دیتا ہے سورۃ بنی اسرائیل

میں ہے کہ پھر وہ نامۂ اعمال انسان کی گردن میں لٹکا دیا جاتا ہے جب قیامت کا دن آئے گا تو کہا جائے گا کہ اپنا نامۂ اعمال خود ہی کھول کر پڑھ لو۔ اُس دن ہر شخص میں پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی اور وہ بغیر کسی منشی کی مدد کے اپنے اعمال کا جائزہ لے سکے گا۔ غرضیکہ نامہ اعمال کو لپیٹنے والا فرشتہ سجل کہلاتا ہے۔

اور دوسرا معنی جو عام مفسرین بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ سجل سے مراد طومار یعنی وہ فائل کور ہے جس میں نامۂ اعمال کے کاغذات لپیٹ کر محفوظ کر دیے جاتے ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ قیامت والے دن آسمانوں کو اسطرح لپیٹ دیا جائے گا۔ جس طرح کوئی کاغذات جلد یا فائل کور میں لپیٹ دیے جاتے ہیں۔ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو لپیٹ دیا جائے گا۔ موجودہ نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ پہلے آسمانوں میں دریچے در تپے نظر آئیں گے اور پھر بالکل ختم کر دیے جائیں گے حتیٰ کہ عالمِ بالا کی چیزیں نظر آنے لگیں گی۔

پھر کیا ہوگا؟ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ جس طرح ہم نے مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اسی طرح ہم انہیں دوبارہ لوٹائیں گے۔ حضور علیہ السلام[1] نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ تُحْشَرُونَ إِلَى اللهِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ لوگو! تم قیامت کے دن سر اور پاؤں سے برہنہ اور بے ختنہ پیدا کیے جاؤ گے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ برہنگی کی اس حالت میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ البتہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت الگ ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث[2] میں آپ کا فرمان ہے کہ جب قیامت برپا ہوگی تو سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی۔ میں باہر آؤں گا۔ فَأُكْسَى حُلَّةً مِّنَ الْجَنَّةِ تو مجھے جنت کا لباس پہنایا جائے گا جبکہ

[1] مسلم ص ۳۸۴، ج ۲ [2] ترمذی ۵۱۹ (فیاض)

باقی ساری مخلوق برہنہ ہوگی۔ اس کے بعد حشر کے میدان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے۔

فرمایا جس طرح ہم نے سب کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا، اسی طرح ہم دوبارہ بھی لوٹائیں گے۔ وَعْدًا عَلَيْنَا یہ ہمارا وعدہ ہے اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ اور بیشک ہم ایسا کرنے پر قادر ہیں۔ یہ ضرور ہو کر رہے گا۔ جب جزائے عمل کی منزل آئے گی تو انسانوں کو دوبارہ اٹھایا جائے گا اور وہ اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ
الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ فِيْ هٰذَا
لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ
اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ
اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ
الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ
فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ
احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى
مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۷/۱۹

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں نصیحت کے بعد کہ بیشک زمین کے وارث ہوں گے میرے نیک بندے ﴿۱۰۵﴾ بیشک اس میں مطلب تک پہنچنے کی بات ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں ﴿۱۰۶﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے تمہیں (اے پیغمبر!) مگر رحمت کرنے کے لیے تمام جہانوں پر ﴿۱۰۷﴾

آپ کہہ دیجئے ، بیشک وحی کی گئی ہے میری طرف اس
بات کی کہ بیشک تمہارا ایک ہی معبود ہے ۔ پس کیا تم
فرمانبرداری کروگے (۱۰۸) پس اگر یہ روگردانی کریں تو آپ
کہہ دیجئے ، میں نے خبردار کر دیا ہے تم کو برابر سرابر ۔
اور میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا بعید وہ چیز جس کا
تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (۱۰۹) بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے
ظاہری بات کو اور جانتا ہے جس چیز کو تم چھپاتے
ہو (۱۱۰) میں نہیں جانتا شائد یہ تاخیر آزمائش کا باعث
ہو تمہارے لیے اور فائدہ اٹھانے کا سامان ہو ایک
وقت تک (۱۱۱) کہا (اُس پیغمبر نے) اے پروردگار ! فیصلہ
کر دے حق کے ساتھ ۔ اور ہمارا پروردگار نہایت مہربانی کرنے
والا ہے ۔ اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے اُن باتوں پر
جو تم بیان کرتے ہو (۱۱۲)

ربطِ آیات

یہ مکی سورۃ ہے ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے توحید ، رسالت اور قیامت کے تین اہم بنیادی مسائل بیان فرمائے ہیں ۔ رسالت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کے حالات ، اُن کی پاک سیرت ، اُن کا طریقہ تبلیغ اور بارگاہِ رب العزت میں اُن کی مناجات کا تذکرہ کیا ہے اُن پر بہت سی مصیبتیں بھی آئیں جنہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہوئے کمال صبر و تحمل کا نمونہ پیش کیا ۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے رفقا کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے کہ سابقہ انبیاء کی طرح وہ بھی مصائب کو برداشت کرتے ہوئے تبلیغِ دین کا کام جاری رکھیں ، بالآخر اللہ تعالیٰ انہی کو کامیابی عطا فرمائے گا ۔ آج کی آیات میں پہلے تسلی کا مضمون ہے اور پھر حضور خاتم النبیین کی فضیلت بیان کی گئی ہے ۔ اُس کے بعد توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے اور پھر کفار و مشرکین

کو تنبیہ کی گئی ہے۔

وراثتِ ارضی

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اور البتہ تحقیق ہم نے زبور میں لکھ دیا ہے ذکر کے بعد۔ اس حصۂ آیت میں زبور اور ذکر کے الفاظ خاص طور پر توجہ طلب ہیں کہ ان سے کیا مراد ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ زبور سے مراد آسمانی صحیفے ہیں اور ذکر سے مراد لوحِ محفوظ ہے۔ اس طرح جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ لوحِ محفوظ میں درج کرنے کے بعد ہم نے یہ بات آسمانی صحائف میں لکھ دی ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت کے لیے کل ایک سو چار آسمانی صحائف نازل فرمائے ہیں جن میں سے چار بڑی کتابیں، زبور تورات، انجیل اور قرآنِ پاک ہیں اور باقی ایک سو چھوٹے صحائف ہیں۔ تاہم بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس مقام پر ذکر سے مراد نصیحت ہے اور زبور سے مراد کتاب زبور ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل فرمائی جیسے فرمایا وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا (النساء:۱۶۳) اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمائی۔ اس طرح مفہوم یہ ہوگا کہ نصیحت کرنے کے بعد ہم نے زبور میں یہ بات لکھ دی ہے أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔ چنانچہ زبور میں آج بھی یہ آیتیں موجود ہیں کہ شریر لوگ فنا کر دیے جائیں گے، اور حلیم اور بردبار لوگ زمین کے وارث ہوں گے یا اس طرح کے الفاظ ہیں کہ نیک لوگ ہی زمین کے وارث ہوں گے۔

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زمین سے مراد اس دنیا کی زمین ہے یا جنت کی سرزمین۔ بعض اسے جنت کی زمین پر محمول کرتے ہیں۔ جیسے سورۃ الزمر میں ہے وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ (آیت۔ ۷۴) اللہ نے ہمیں وراثت میں

جنت عطا فرمائی ہے اس سرزمین میں ہم جہاں چاہتے ہیں رہتے ہیں۔ ہمارے لیے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ تاہم اس مقام پر ارض سے مراد اس دنیا کی زمین ہی ہے کہ اس زمین کی وراثت کے حقدار میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔ یہاں پر پھر دو قول ہیں۔ بعض اس سے عام زمین مراد لیتے ہیں۔ کہ اس سطح ارضی پر اللہ کے نیک بندے برسر اقتدار ہوں گے، اور بعض اسے ارض مقدس شام و فلسطین پر محمول کرتے ہیں کہ اس سرزمین کے وارث اللہ کے نیک بندے ہوں گے۔ یہ نیک لوگ حضور علیہ السلام کی امت کے لوگ ہیں۔ چنانچہ یہ پیشن گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں سرزمین شام و فلسطین کی وراثت اللہ نے مسلمانوں کے سپرد کر دی اور عرصہ دراز تک یہ امانت انہی کے پاس رہی۔ درمیان میں کچھ حوادثات بھی پیش آئے جن کی وجہ سے صلیبی جنگوں کے زمانے میں یہ سرزمین اسّی سال تک غیر مسلموں کے قبضے میں رہی۔ پھر صلاح الدین ایوبیؒ کے دور میں یہ خطہ ارضی مسلمانوں کو واپس ملا۔ اس کے بعد ترکوں کے زمانہ تک یہ علاقہ مسلمانوں ہی کے زیر تسلط رہا اور آخر میں روس، امریکہ اور انگریزوں نے سازش کر کے اسے یہودیوں کے وطن میں تبدیل کر دیا، اگرچہ وہاں مسلمان بھی موجود ہیں مگر حکومت یہودیوں کی ہے جسے اسرائیل کا نام دیا گیا ہے۔ اور اگر اس سے عام زمین بھی مراد لی جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ بھی کر رکھا ہے جیسے سورۃ النور میں ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (آیت - ۵۵) کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال انجام دیں گے، انہیں اسی طرح زمین کی خلافت عطا کروں گا جس طرح اُن سے پہلے لوگوں کو عطا کی۔

یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں پورا کر دیا اور خلفائے راشدینؓ اس کا اولین نمونہ ہیں۔ اس زمین کے وارث اللہ کے نیک بندے خلفائے راشدین تھے۔ یہ مکمل نمونہ تیس سال برس تک قائم رہا، اور بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی ترقی اور عروج ساڑھے چھ سو سال تک جاری رہی۔ پھر مسلمانوں میں کمزوریاں پیدا ہونا شروع ہو گئیں اور خلافت علیٰ منہاج نبوۃ کی عمارت میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ مسلمان حکمرانوں میں آرام طلبی اور عیاشی پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے ان میں تغیر آگیا۔ یہ انحطاط تاتاریوں کے زمانے سے شروع ہوا اور آج تک مسلسل چلا آرہا ہے مگر جیسا کہ قرآن و سنت کی تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے آخر میں ایک دفعہ پھر دنیا میں مسلمانوں ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔

مسلمانوں کا عروج و زوال

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو مسیحیوں کے ہاتھوں بڑی تکالیف برداشت کرنا پڑیں گی۔ آج دیکھ لیں، اسلامی ملکوں کا سارا انتشار انگریزوں کا پیدا کردہ ہے۔ روس کے بگڑے ہوئے عیسائی دہریت کی آغوش میں چلے گئے۔ جب کہ امریکی عیسائی یا یہودی ہیں۔ یہ یورپ اور امریکہ کے عیسائی ہی ہیں جو دنیا بھر میں مسلمان سلطنتوں کا اکھاڑ پچھاڑ کر رہے ہیں، انہوں نے مشنریاں اور کمیٹیاں بنا رکھی ہیں جو مسلمانوں کو آپس میں لڑاتی رہتی ہیں جس کی وجہ سے مسلمان اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ بہرحال قرآن پاک کی اس پیشن گوئی کے مطابق مسلمان عرصہ دراز تک اس سرزمین کے وارث رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ بیشک اس میں خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کے لیے کفایت ہے۔ یعنی عبادت گزاروں کے لیے قرآن کا پیش کردہ پروگرام ہی کافی ہے۔ انہیں کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر مسلمان اس پروگرام کے مطابق اپنا عقیدہ اور عمل ڈھال لیں تو یقیناً مراد کو پہنچ

جائیں گے۔ بعض فرماتے ہیں لَبَالِغًا کا معنیٰ یہ ہے کہ اس پروگرام کے ذریعے عبادت گزار انسان یقیناً اپنے مطلب یا مراد کو پہنچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں کی پیشن گوئیوں کو بھی پورا کیا، اور اس آخری کتاب کی پیشن گوئی بھی پوری ہوگی بشرطیکہ اہل اسلام توحید اور نیکی پر قائم رہیں۔ اگر لوگ ظلم و زیادتی کریں گے، کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا رہیں گے تو پھر گرفت بھی آئے گی۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور رحمۃ العالمین

اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اے پیغمبر! ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں پر رحمت کرنے کے لیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مبارک تمام کائنات کے لیے باعث رحمت ہے، اور اس لحاظ سے آپ نبی رحمت ہیں۔ چنانچہ آپ کا نام نَبِيُّ الرَّحْمَةِ اور نَبِيُّ الْمَلْحَمَةِ بھی ہے۔ آپ کی وجہ سے اللہ نے اپنی مخلوق پر بے انتہا رحمت فرمائی

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مومنوں کے لیے باعث رحمت ہونا سمجھ میں آتا ہے مگر کافروں کے لیے آپ کیسے رحمت ہیں جب کہ اُن کے خلاف جہاد بھی کیا جاتا ہے اور اُن کو تکالیف بھی پہنچائی جاتی ہیں۔ اس ضمن میں مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی اور حرارت سے پوری دنیا مستفید ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی شخص از خود اپنے مکان کے دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے روشنی اور حرارت سے محروم ہونا چاہتا ہے تو یہ اُس کی اپنی بدبختی ہے ورنہ سورج کی خدمات تو ہر ایک کے لیے یکساں طور پر میسر ہیں۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے باعثِ رحمت ہیں اور اب نافرمان اگر خود اس سے مستفید نہیں ہوتے

تو یہ اُن کی اپنی بدبختی ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت تو ہر خاص و عام کے لیے موجود ہے۔

اِس حقیقت سے مجالِ انکار نہیں کہ اپنی تمام تر مخالفت اور توحید و رسالت کے انکار کے باوجود دنیا کی تمام قومیں حضور علیہ السلام کی رسالت و نبوت کے فیضان سے مستفید ہو رہی ہیں۔ حضور علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کے تمام انبیاء کی تہذیب اور تعلیم مٹ چکی تھی۔ مسیح علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کے چھ سو سال کے عرصہ میں دنیا میں تاریکی چھائی رہی۔ جب آپ کی بعثت ہوئی تو ترقی کی راہیں دوبارہ کھُل گئیں مابعد کی دنیا کی ساری ترقی حضور علیہ السلام کی تہذیب و تعلیم کا فیضان ہے۔ یہ آپ ہی کی تہذیب کا ثمرہ ہے کہ انگریز اور امریکی آج ترقی یافتہ لوگ سمجھے جاتے ہیں حالانکہ نزولِ قرآن کے زمانے میں یہ لوگ وحشیانہ زندگی گزار رہے تھے۔ یہ تو لباس سے بھی عاری تھے، محض پشتوں پر چمڑا باندھتے تھے۔ ان کی ترقی تو چودھویں صدی عیسوی میں اُس وقت شروع ہوئی جب مسلمانوں پر انحطاط کا دور شروع ہوا۔ غرضیکہ ان کی ساری ترقی مسلمانوں کے مرہونِ منت ہے

مسلمانوں کا علمی ذخیرہ

دوسری اور تیسری صدی میں مسلمانوں کو اندلس پر غلبہ حاصل رہا اور انہوں نے وہاں بڑی ترقی کی۔ مغرب میں قرطبہ میں اہلِ اسلام نے علمی طور پر بڑا نام پیدا کیا۔ آج کی ترقی یافتہ قومیں مسلمانوں کی اسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی برطانیہ میں چھ سو سال تک شیخ ابن سینا کا طب پڑھایا جاتا رہا۔ چوتھی صدی کے اس عظیم طبیب نے علمِ طب پر "القانون" اور "الادویہ" جیسی عظیم کتابیں لکھی جنہیں آج بھی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ خود کہتا تھا کہ طب سے تو میں محض شغف رکھتا ہوں میرا اصل موضوع فلسفہ ہے۔ اس موضوع پر اس نے پانچ جلدوں میں "الشفاء" جیسی ضخیم کتاب لکھی جس کے پچھتر فیصد نظریات آج بھی درست

مانے جاتے ہیں۔ یورپی قوموں نے اِن کتابوں کے نظریات کو اپنی کتابوں میں شامل کر لیا اور اِن کتابوں کو ضائع کر دیا۔ اب دیکھئے جرمنی کے مسٹر سپرنگر نے انیسویں صدی عیسوی میں مسند احمد شائع کرائی۔ یہ علم کا بہت بڑا ذخیرہ ہے جس میں تیس ہزار حدیثیں مع سند درج ہیں۔ اس سے عیسائی یہودی اور سارے لوگ مستفید ہو سکتے ہیں۔ پھر جرمنوں کو خیال پیدا ہوا کہ دنیا میں روزمرہ کی جنگوں سے نپٹنے کے لیے صلح و جنگ کا بھی کوئی قانون ہونا چاہیئے۔ جس کے ذریعے لوگوں کو تباہی سے بچایا جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے امام محمدؒ کی کتاب "السیر الکبیر" شائع کی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تفصیل اور اصول و قوانین موجود ہیں۔ اس بے مثال کتاب سے ساری دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ دنیا کی کسی دوسری تہذیب میں ایسی چیزیں نہیں ہیں۔ کیا یہ حضور علیہ السلام کے رحمۃ للعالمین ہونے کی کافی دلیل نہیں ہے؟ مگر کیا کیا جائے اس تعصب اور عناد کا کہ غیر مسلم اقوام جس چیز سے مستفید ہوتی ہیں انہی کو مٹانے کی کوشش بھی کرتی ہیں تاکہ ساری تہذیب و ترقی اور علم و تحقیق کا سہرا اپنے سر باندھ لیں یہ وہ حقائق ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تہذیبی، تمدنی، تعلیمی تحقیقی اور اخلاقی فیضان کا پتہ چلتا ہے اور اس سے مسلم اور غیر مسلم سب لوگوں نے یکساں طور پر فائدہ اٹھایا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے جو اس بات کی تحقیق کرے کہ غیر مسلم اقوام نے حضور علیہ السلام کی نبوت اور تعلیم سے کس قدر فیضان حاصل کیا اور اس طرح آپ کی رحمۃ للعالمین ہونے کی حیثیت کو واضح کیا جا سکے۔ آپ علیہ السلام نے نہ صرف انسانوں کے حقوق کا تعین کیا، بلکہ جانوروں، درندوں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کے حقوق بھی بتلائے۔ صلح و جنگ سے متعلق آپ نے قیدیوں سے حسن سلوک کا طریقہ بتلایا۔ یہ سب اقوام عالم کے لیے آپ کی نبوت کا فیضان ہے۔

توحید ذریعہ رحمت ہے

آگے اللہ نے وہ نقطہ توحید بیان فرمایا ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رحمۃ للعالمین ہونے کی بنیاد ہے۔ فرمایا قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَیَّ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کہ تمہارا معبود برحق صرف ایک ہی معبود ہے۔ اُس کی توحید کو مانو اور صرف اُسی کی عبادت کرو۔ یہ اصول اللہ کی کتاب، حضور علیہ السلام کی نبوت اور آپ کی تعلیم سے دنیا کو نصیب ہوا۔ حضور کی بعثت کے وقت توحید کا نام و نشان تک مٹ چکا تھا، ہر طرف کفر و شرک کا راج تھا۔ توحید کے پیاسوں کو توحید کا کہیں پتہ نہیں چلتا تھا۔ آپ تشریف لائے تو توحید کی کرن پھوٹی، آپ کی تعلیم سے ہی توحید کے پودے کی آبیاری ہوئی اور اس طرح توحید اللہ کی رحمت کا سب سے بڑا سبب بن گئی۔ فرمایا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کیا تم فرمانبردار بننے کے لیے تیار ہو؟ مطلب یہ کہ توحید و رسالت کو تسلیم کر کے اللہ کی رحمت سے اپنا حصہ وصول کر لو۔

فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر یہ لوگ روگردانی کریں، دین حق کو اختیار نہ کریں فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ میں نے تم کو برابر سرابر خبردار کر دیا ہے یعنی نیک و بد سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ اچھے اور بُرے راستے کی نشاندہی کر دی ہے۔ اب جونسا راستہ چاہو اختیار کر لو۔

وقوعِ قیامت کا وقت

فرمایا، میں نے تمہیں اچھے بُرے کی تمیز سکھلا دی ہے۔ اب جزا اور سزا کب واقع ہوگی وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ میں نہیں جانتا کہ جس چیز (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا بعید۔ اس کا علم تو اللہ رب العزت کے پاس ہے۔ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ بے شک وہ تمہاری پکار کر کی جانے والی بات کو بھی جانتا ہے وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ اور اس چیز کو بھی جانتا ہے

جو تم چھپاتے ہو۔ اپنی حکمت اور مصلحت کو وہ خود ہی جانتا ہے کہ کب مجموعہ عالم کے اختتام کا وقت ہوگا اور کب جزائے عمل کی منزل آئے گی۔ فرمایا وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ اور میں نہیں جانتا شاید کہ یہ تمہارے لیے آزمائش کا سامان ہو۔ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ اور شاید یہ ایک مقررہ وقت تک فائدہ اٹھانے کا سامان ہو۔ مگر بالآخر قیامت برپا ہو کر رہیگی اور سب کو اپنے اعمال کا حساب پیش کرنا ہوگا۔

فیصلے کا انتظار

آخر میں اللہ کے نبی نے اللہ کی بارگاہ میں اپنی درخواست پیش کر دی جیسا کہ پہلے بھی پیش کرتے رہے ہیں قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اور دیگر انبیاء نے بھی یہی کہا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ اے اللہ! اب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر دے ہم نے فریضہ تبلیغ ادا کر دیا ہے مگر یہ لوگ نہیں مانتے، لہذا اب تو ہی اپنا فیصلہ صادر فرما۔ فرمایا ہم اپنے پروردگار کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں۔ کیونکہ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ہمارا پروردگار رحمان بے حد مہربانی کرنے والا ہے اُن بیہودہ باتوں کے خلاف جو تم کرتے ہو۔ تم لوگ حق و صداقت، اللہ کے نبی اور اس کی توحید کے خلاف جو ہرزہ سرائی کر رہے ہو، ہم اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی مدد کے طلبگار ہیں، اُسی کی ذات پر ہم بھروسہ کرتے ہیں اور وہی تم سے انتقام لے گا۔

سورۃ کے آخر میں رسالت، توحید اور جزائے عمل کا بیان ایک دفعہ پھر آگیا ہے۔ اس میں تسلی کا مضمون بھی ہے۔

سورة

الحجّ

مکمل

درس اوّل ۱ آیت ۱ تا ۴

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا عَشَرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ حج مدنی ہے اور یہ اٹھتر ۷۸ آیات اور اسمیں دس ۱۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ
شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ
عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ
عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ
فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ
مَّرِيْدٍ ③ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ
وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

ترجمہ:۔ اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار سے، بیشک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے ① جس دن تم دیکھو گے اس کو بھول جائے گی ہر دودھ پلانے والی جس کو وہ دودھ پلاتی ہے، اور ڈال دے گی ہر حمل والی اپنا حمل، اور تو دیکھے گا لوگوں کو نشے کی حالت میں حالانکہ وہ نشے کی حالت میں نہیں ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب

بڑا سخت ہے ② اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے، اور پیروی کرتے ہیں وہ شیطان سرکش کی ③ اُس پر لکھ دیا گیا ہے کہ بیشک جو شخص اُس سے دوستی کرے گا، پس شیطان اس کو بہکاتا ہے اور اُس کو لے جاتا ہے دوزخ کے عذاب کی طرف ④

نام اور کوائف

اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ الحج ہے۔ چونکہ اس میں حج اور قربانی کا ذکر ہے۔ اسلئے سورۃ کو اِس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی یا مدنی زندگی میں۔ مکی زندگی میں صبر کرنے، جماعت کو مضبوط بنانے، نماز قائم کرنے اور اخلاقی اور اعتقادی تعلیم پر زور دیا گیا تھا، اور حج کی فرضیت اور جہاد کی مشروعیت مدنی دور میں ہوئی، اسی لیے بعض مفسرین اس سورۃ کو مدنی سورۃ کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس سورۃ کی زیادہ تر آیات مکی زندگی میں نازل ہوئیں اور کچھ آیات یا کم وبیش مدنی دور میں نازل ہوئیں۔ اس لحاظ سے اِس سورۃ کو مکی اور مدنی دور کا مرکب بھی کہا جاتا ہے۔ تاہم بعض اسے مکی اور بعض مدنی سورۃ کہتے ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ کی اٹھتر (۷۸) آیات اور دس رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۱۲۹۱ الفاظ اور ۵۲۳۵ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین سورۃ

دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورۃ مبارکہ میں بھی زیادہ تر بنیادی عقائد توحید، رسالت، معاد اور وحی الٰہی کا بیان ہے۔ سابقہ سورۃ الانبیاء میں شرک کی تردید اجمالی طور پر کی گئی تھی۔ جب کہ یہاں پر اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آئے گا۔ گذشتہ سورۃ میں گزر چکا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اُس کی طرف اسی بات کی وحی کی گئی اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء - ۲۵) کہ

میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا صرف میری ہی عبادت کرو۔ اب اس سورۃ میں شرک کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ عقیدے میں بھی ہوتا ہے اور عمل میں بھی اکثر لوگ غیر اللہ کے تقرب اور اپنی مرادوں کے حصول کیلئے منتیں مانتے ہیں اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں، یہی عملی شرک ہے۔ اس سورۃ میں اعتقادی شرک کا رد بھی کیا گیا ہے اور توحید کو واضح کیا گیا ہے اس کے علاوہ قیامت اور جزائے عمل کا بیان ہے۔ خانہ کعبہ کی تعمیر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے حج کا اعلان بھی اسی سورۃ میں مذکور ہے۔ قربانی، اس کی مشروعیت اس کا فلسفہ اور بعض احکام بھی ہیں۔ اللہ نے جہاد کی مشروعیت اور اس کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔ نماز کا تذکرہ اور نیکی کے بعض دوسرے امور کا بیان ہے۔ کفر، شرک، معاصی اور بداعمالی کے انجام سے تخویف بھی دلائی گئی ہے۔

سابقہ سورۃ کے ساتھ ربط

گذشتہ سورۃ کے آخری رکوع میں وقوع قیامت کا ذکر تھا یَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے، قیامت واقع ہو جائے گی تو اس دن بڑی گھبراہٹ ہوگی سوائے اللہ کے مقربین کے کہ وہ اس گھبراہٹ سے مامون رہیں گے۔ اب اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء بھی قیامت کی ہولناکی سے کی گئی ہے اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ یعنی قیامت کا زلزلہ بڑی عظیم چیز ہوگی جب دن تمام کائنات درہم برہم ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرایا ہے۔ بہر حال یہ تمام بنیادی عقائد اور بعض ضروری احکام اللہ نے اس سورۃ میں بیان کیے ہیں۔

قیامت کا زلزلہ

سابقہ سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ میری طرف اس بات کی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، پس کیا تم فرمانبرداری کرنے والے ہو اور اگر یہ لوگ اس بات سے روگردانی کریں، تو آپ کہہ دیں کہ میں نے تو تم کو برابر سر بر خبردار کر دیا ہے۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ جزائے عمل کا وقت قریب ہے یا بعید،

اس کا علم تو اللہ کے پاس ہی ہے۔ اب اسی تسلسل میں یہاں ارشاد ہوتا ہے
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ اے لوگو! اپنے پروردگار کی گرفت
سے ڈر جاؤ۔ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ بیشک قیامت
کا زلزلہ ایک بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن قیامت برپا ہوگی، اُس دن
کے کچھ حالات اللہ نے یہاں بیان فرمائے ہیں يَوْمَ تَرَوْنَهَا
تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ جس دن تم دیکھو گے
کہ ہر دودھ پلانے والی ماں اپنے شیرخوار بچے کو بھول جائے گی۔ دنیا میں
یہ عام مشاہدہ ہے کہ ہر ماں کو اپنے بچے خاص طور پر چھاتی سے لگ کر دودھ
پینے والے بچے سے حد درجہ محبت ہوتی ہے۔ وہ خود تکلیف برداشت
کر لیتی ہے۔ مگر بچے پر آنچ نہیں آنے دیتی۔ مگر فرمایا کہ جس دن قیامت
برپا ہوگی اس دن اس قدر دہشت ہوگی کہ ماں بھی اپنے بچے کو فراموش کر دے
گی اور اُسے صرف اپنی پڑی ہوگی وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
اور اُس دن حاملہ عورت اپنے حمل کو گرا دیگی۔ قیامت کی ہولناکی اس قدر شدید
ہوگی کہ ڈر کے مارے ہر حاملہ عورت کا حمل ساقط ہو جائے گا۔ مفسرین کرام
فرماتے ہیں کہ قیامت کا بگل بجنے سے قبل بعض عورتیں اپنے بچے کو دودھ
پلا رہی ہونگی اور بعض حاملہ ہوں گی۔ تو جونہی قیامت کا زلزلہ شروع ہوگا۔ تو بالفعل
ایسے واقعات پیش آئیں گے کہ عورتیں دودھ پیتے بچوں کو چھوڑ کر بھاگ
جائیں گی اور بعض کے حمل گر جائیں گے۔ قیامت کے زلزلے کے
جھٹکے ابتدا میں خفیف ہوں گے اور پھر تیز ہو جائیں گے، جس سے پوری
کائنات تہ و بالا ہو جائیگی۔ اسی کو طامۃ الکبریٰ بھی کہا گیا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مذکورہ زلزلے سے وہ وقت مراد ہے
جب جزائے عمل کی منزل آئیگی۔ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت آدم
علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے آدم! اٹھو! اور جہنم والوں کو الگ کر دو۔

آپ عرض کریں گے کہ مولا کریم! کتنے لوگ جہنمی ہیں؟ ارشاد ہوگا کہ ہر ایک ہزار میں سے ۹۹۹ جہنمی ہیں۔ اس وقت شدید دہشت ہوگی جس سے دودھ پلانے والی مائیں بچوں کو فراموش کر دیں گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سارا واقعہ تو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کے بعد پیش آئیگا اور اس وقت بچے کو دودھ پلانے یا حمل ہونے کا کیا احتمال ہو سکتا ہے؟ بعض مفسرین اس کی توجیہہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جس حالت میں کوئی شخص فوت ہوا ہوگا، قیامت کے دن اسی حالت میں اٹھے گا۔ تو موت کے وقت دودھ پلانے والی یا حاملہ عورتیں اسی حالت میں اٹھیں گی اور ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ پیش آئے گا۔ یا اس سے مجازی معنے بھی لیے جا سکتے ہیں کہ ان الفاظ سے دہشت کی شدت کا اظہار مقصود ہے کہ ایسی ہولناکی ہوگی کہ بالفرض اگر کوئی دودھ پلانے والی ہو تو وہ بچے کو بھول جائے گی اور اگر کوئی حاملہ ہو تو اس کا حمل ساقط ہو جائیگا۔

لوگوں کی بدمستی

فرمایا اس دن عام لوگوں کی یہ حالت ہوگی وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى اور تم لوگوں کو بدمستی یعنی نشے کی حالت میں دیکھو گے جیسے کسی شخص نے شراب پی رکھی ہو اور وہ حواس کھو بیٹھے فرمایا وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى درحقیقت وہ نشے میں نہیں ہوں گے۔ انہوں نے کوئی نشہ آور چیز استعمال نہیں کی ہوگی وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ بلکہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا اور اس کی دہشت اور خوف کی وجہ سے لوگوں کی حالت ایسی ہوگی گویا وہ نشے کی حالت میں ہیں۔

یہاں پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ گذشتہ سورۃ میں تو یہ بیان ہو چکا ہے لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (الانبیاء۔۱۰۳) اللہ کے نیک بندوں کو گھبراہٹ نہیں ہوگی مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام لوگوں کو سخت گھبراہٹ ہوگی۔ تو مفسرین کرام اس کی توجیہہ یہ بیان

کہتے ہیں کہ اللہ کے نیک بندوں پر گھبراہٹ کا اثر زیادہ دیر تک نہیں رہے گا بلکہ وہ جلد ہی اس سے مامون ہو جائیں گے۔ سورۃ الزمر میں ہے وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (آیت - ۶۸) جب صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین کی ساری مخلوق مدہوش ہو جائیگی سوائے اس کے کہ جسے اللہ محفوظ رکھے گا۔ یعنی مشیت الٰہی کے مطابق بعض لوگ اس گھبراہٹ سے مامون رہیں گے۔ تاہم تھوڑے وقت کے لیے سب متاثر ہوں گے۔

شیطان کا اتباع

اگلی آیت میں اللہ نے بعض سرکشوں کی حالت بیان کی ہے۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ بعض لوگ ایسے ہیں جو بلا علم اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں یعنی اُس کی ذات، صفات انبیاء، شریعت، جزائے عمل وغیرہ کے متعلق بحث کرتے ہیں جس کی بنیاد محض رسم و رواج اور بیہودہ ذہنیت ہوتی ہے۔ وَ یَتَّبِعُ كُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ ایسے سرکش لوگ دراصل شیطان مردود کا اتباع کرتے ہیں وہ اہل علم کی بات تو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے، لہٰذا شیطان کی طرف سے دعوتِ ضلالت کو فوراً قبول کر لیتے ہیں اور پھر اُس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ فرمایا كُتِبَ عَلَیْهِ اللہ نے شیطان کے متعلق یہ بات لکھ دی ہے اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ بیشک جو اس کے ساتھ دوستی کرے گا یعنی اسکی بات مانے گا۔ اُس کے کہنے پر کفر، شرک، نفاق، بدعات اور معاصی میں مبتلا ہوگا فَاَنَّهٗ یُضِلُّهٗ تو شیطان ایسے شخص کو یقیناً گمراہ کر دیگا صراطِ مستقیم سے بہکا دے گا۔ سورۃ الزخرف میں موجود ہے وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ (آیت - ۳۶) جو خدا تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کرتا ہے اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔ پھر وہ

اُسے گمراہ کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ موت واقع ہو جاتی ہے۔

فرمایا شیطان نہ صرف اس کو بہکائے گا بلکہ وَیَهْدِیْهِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ اُسے دوزخ کے عذاب کی طرف لے جائے گا۔ سورۃ فاطر میں ہے اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (آیت۔٦) وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ سب کو ساتھ لے کر جہنم میں پہنچ جائے۔ اُس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے گروہ میں زیادہ سے زیادہ لوگ شامل ہوں۔ اس کے لیے وہ عقیدہ توحید میں شک پیدا کرتا ہے۔ لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتا ہے اور اس طرح انہیں اپنے دام میں پھنسا کر جہنمی بنا دیتا ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ
عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ
لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ
مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ
لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ
هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ
وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۞۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ
اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞۶ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا
وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۞۷

ترجمہ :۔ اے لوگو! اگر تمہیں کوئی شک ہے مرکر جی اٹھنے
میں تو بیشک ہم نے پیدا کیا ہے تم کو مٹی سے ، پھر
قطرۂ آب سے ، پھر جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے
پھر گوشت کے ٹکڑے سے جو نقش والا یا بغیر نقش کے
ہوتا ہے ، تاکہ ہم بیان کریں تمہارے لیے . اور ہم ٹھہراتے ہیں

رحموں کے اندر جو چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک۔ پھر ہم نکالتے ہیں تم کو بچپن کی حالت میں۔ پھر تاکہ تم پہنچ جاؤ اپنی جوانی اور طاقت کی حالت کو۔ اور بعض تم میں سے وہ ہیں جن کو وفات دی جاتی ہے، اور بعض تم میں سے وہ ہیں جن کو لوٹایا جاتا ہے رذیل عمر تک، تاکہ نہ جانے وہ علم کے بعد کچھ بھی اور تم دیکھتے ہو زمین کو دبی ہوئی۔ پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر پانی تو وہ حرکت کرتی ہے اور ابھرتی ہے اور اگاتی ہے ہر قسم کی بارونق چیزیں ⑤ یہ اس وجہ سے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور وہ مردوں کو زندہ کر دیگا۔ اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے ⑥ اور قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اٹھائے گا اُن کو جو قبروں میں ہیں ⑦

ربطِ آیات سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے زلزلہ قیامت کا ذکر کر کے لوگوں کو انذار کیا، اور فرمایا کہ قیامت کا زلزلہ اتنی عظیم چیز ہے کہ لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں گے اور ایسا محسوس ہوگا کہ وہ نشے کی حالت میں ہیں۔ حقیقت میں یہ نشہ نہیں ہوگا۔ بلکہ قیامت کی ہولناکی اور اللہ کے شدید عذاب کے پیش نظر لوگوں کی یہ حالت ہو جائیگی۔ لوگوں پر اس قدر دہشت طاری ہوگی کہ ہر ماں اپنے شیر خوار بچے کو بھول جائے گی اور حاملہ عورتیں اپنے حمل گرا دیں گی۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت کے بارے میں دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک کا تعلق خود تخلیقِ انسانی کے ساتھ ہے اور دوسری کا زمین سے اگلنے والی نباتات سے

خوف و دہشت

خوف و دہشت کے واقعات اکثر اس دنیا میں بھی پیش آتے رہتے ہیں۔ کوئی وبا پھیل جائے یا آگ لگ جائے، کسی درندے سے سامنا ہو جائے یا قتل و غارت کا بازار گرم ہو جائے تو انسان لامحالہ خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ مولانا ابوالکلامؒ نے ترجمان القرآن میں لکھا ہے کہ پہلی جنگ عظیم میں جب جرمنی پر شدید بمباری ہوئی تو لاتعداد لوگ ہلاک ہوئے اور جو بچ گئے وہ دماغی توازن کھو بیٹھے۔ اس قدر خوف طاری تھا کہ اپنے آپ کو ہوش نہیں رہی تھی۔ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی نے بحر ہند کے اطراف میں شدید بمباری کی تو اس میں بھی بہت سے لوگ ہلاک ہوئے۔ مالی بار کے علاقے کا ایک پروفیسر تھا جس کے اہل خانہ تو سب ہلاک ہو گئے اور اس کی یہ حالت ہو گئی کہ ہوش و حواس بالکل ہی ضائع ہو گئے۔ نماز پڑھتا تھا تو نماز کے دوران ہی اپنی غمزدگی کی داستان دہراتا رہتا تھا۔ گذشتہ سال بھوپال میں کسی فیکٹری میں گیس کا سلنڈر پھٹ گیا جس کی وجہ سے تین ہزار آدمی ہلاک ہو گئے اور ہزاروں کی تعداد میں گیس سے جزوی طور پر متاثر ہوئے۔ ان میں سے بعض لوگ دیوانہ وار ادھر ادھر دوڑتے تھے اور پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ ان پر اس قدر دہشت طاری تھی۔ بہرحال اللہ نے گذشتہ آیات میں قیامت کی ہولناکی اور اس کی دہشت کا ذکر کیا ہے کہ اس وقت لوگوں کی کیا حالت ہو گی۔

رحم مادر میں تخلیقِ انسانی

آج کے درس میں وقوعِ قیامت پر بیان کردہ، دو دلائل میں سے پہلی دلیل خود تخلیق انسانی سے متعلق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ اے لوگو! اگر تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے میں کوئی تردد ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ جب ہمارا جسم ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جائیگا۔ جب ہڈیاں بوسیدہ ہو کر چورا چورا ہو جائیں گی تو پھر دوبارہ کیسے اٹھ کھڑے ہوں گے؟ فرمایا

اگر تمھیں یقین نہیں آتا تو خود اپنی پیدائش پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اور بقائے نسل کے لیے کیا عجیب و غریب نظام قائم کر رکھا ہے، بھلا دیکھو تو سہی فَإِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن تُرَابٍ ہم نے تمھیں مٹی جیسی حقیر چیز سے پیدا کیا۔ تمھارے جد امجد کی تخلیق براہِ راست مٹی سے ہوئی۔ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین کی تھوڑی تھوڑی مٹی لا کر اس کا مجسمہ بناؤ۔ جب مجسمہ تیار ہو گیا تو اللہ نے اس میں روح ڈالی تو وہ جیتا جاگتا انسان بن گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے سلسلہ تناسل جاری کیا اور نسل در نسل ساری مخلوقِ انسانی پیدا ہوئی۔ فرمایا آدم علیہ السلام کو تو مٹی سے پیدا کیا اور پھر ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ تمہاری تخلیق قطرۂ آب سے ہوئی۔ بیوی خاوند کے ملاپ سے مرد کا نطفہ عورت کے بیضہ انثیٰ کے ساتھ ملا تو عورت کو حمل ٹھہر گیا۔ جب چالیس دن گزر گئے ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ تو وہ قطرۂ آب جمے ہوئے خون کے لوتھڑے میں تبدیل ہو گیا۔ پھر مزید چالیس روز کے بعد ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ خون کا لوتھڑا گوشت کا ایک ٹکڑا بن گیا۔ اور وہ بھی ایسا کہ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ کہ بعض پر انسانی شکل و صورت کا نقش بن جاتا ہے اور بعض پر نہیں بنتا۔ مطلب یہ کہ گوشت کے جس ٹکڑے پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسانی نقش کندہ ہو جاتا ہے تو وہ مدتِ حمل پوری کر کے بچے کی صورت میں باہر آجاتا ہے اور جس پر نقش نہیں بن پاتا وہ حمل کی مدت سے پہلے ہی ضائع ہو جاتا ہے مخلقہ اور غیر مخلقہ سے تام اور ناقص بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور اس طرح مطلب یہ ہوگا کہ بعض بچے تو مکمل اعضاؤ جوارح اور شکل و صورت کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور بعض کے اعضاؤ جوارح نامکمل رہ جاتے ہیں اور وہ معذور حالت میں پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی ہاتھ، پاؤں یا جسم کا کوئی دوسرا حصہ معمول سے کمزور ہوتا ہے یا بعض اعضا معمول کی تعداد سے کم و بیش

ہوتے ہیں۔ بعض اوقات دو بچے جڑواں صورت میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ غرضیکہ مشیتِ ایزدی کے مطابق بچہ مکمل یا ناقص پیدا ہوتا ہے۔ اس ساری تقریر سے یہ باور کرانا مقصود ہے کہ دیکھو حیات مٹی سے کتنی بعید ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے کہ اس نے مٹی کو حیات بخش دی۔ جو مٹی جیسی ناچیز شئے کو زندگی دے سکتا ہے کیا وہ مرنے کے بعد اُسی انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یقیناً وہ اس پر قادر ہے اور یہی حیات بعد الممات کی دلیل ہے فرمایا لِنُبَيِّنَ لَكُمْ یہ ساری بات اس لیے کی ہے "تاکہ تمھیں کھول کر بتا دیا جائے کہ تمھاری پیدائش کن کن مراحل سے گزری اور جس طرح اللہ تعالیٰ تمھیں عدم سے وجود میں لائے اسی طرح تم انجام کو بھی پہنچو گے اور اس کے لیے اللہ نے قیامت کا دِن مقرر کر رکھا ہے۔

رحمِ مادر میں تخلیقِ انسانی کے مختلف ادوار کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى پھر ہم رحموں میں جو چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک ٹھہراتے ہیں مطلب یہ کہ حمل کی مدت عام طور پر نو ماہ ہوتی ہے مگر اللہ کی مشیت کے مطابق کم و بیش بھی ہو سکتی ہے۔ کم از کم چھ ماہ کی مدت میں بھی بچہ پیدا ہو سکتا ہے اور یہ مدت دو یا چار سال تک بھی دراز ہو سکتی ہے اس قسم کے واقعات دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں۔

بچپن جوانی اور بڑھاپا

اللہ نے فرمایا کہ رحمِ مادر کی مدت پوری کر چکنے کے بعد ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا پھر ہم تمھیں بچپن کی حالت میں نکالتے ہیں۔ دنیا میں آکر بچہ شیر خواری کی مدت گزارتا ہے، پھر مزید بڑا ہو جاتا ہے اور کھیلنے کودنے لگتا ہے اور پھر ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ تاکہ تم طاقت یعنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاؤ۔ فرمایا اس دوران میں وَمِنكُم

مَّنْ يُّتَوَفّٰى تم میں سے بعض فوت ہو جاتے ہیں اور وہ جوانی کی عمر کو نہیں پہنچ پاتے وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ اور تم میں سے بعض کو نکمی عمر یعنی انتہائی بڑھاپے کی عمر تک لوٹایا جاتا ہے لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا تاکہ علم ہونے کے بعد بھی وہ کچھ نہ جانے۔ بڑھاپے میں بھی انسان کی بچپن والی حالت ہو جاتی ہے۔ جسمانی اعضا کمزور ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ حافظہ بھی جواب دے جاتا ہے اور جو باتیں اسے اچھی طرح معلوم تھیں انکو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ اسی لیے اس عمر سے پناہ مانگی ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمُرِ اے اللہ! میں رذیل عمر سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔ انسان اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ معدہ کمزور ہو کر غذا سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اٹھا سکتا جو انسان کی مزید کمزوری کا باعث بنتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق سے لے کر انتہائی عمر تک یاد کرا کے یہ باور کرایا ہے کہ جو مالک الملک انسان کو ان تغیرات سے گزارتا ہے، وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے

زمین کی پیداوار

اب اللہ نے بعث بعد الموت پر دوسری دلیل یہ قائم کی ہے۔ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً اور تو دیکھتا ہے زمین کو دبی ہوئی، بجھی ہوئی یعنی بنجر جس میں کوئی روئیدگی نہیں ہوتی۔ فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ پھر جب ہم اُس پر پانی اتارتے ہیں، بارانِ رحمت ہوتی ہے تو وہ حرکت کرتی ہے وَرَبَتْ اور ابھرتی ہے یعنی اس میں نشو ونما کی قوت آجاتی ہے وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ اور وہ ہر قسم کی بارونق چیز اگاتی ہے۔ جب زمین کو پانی مل جاتا ہے تو وہ نرم ہو کر قابل کاشت بن جاتی ہے۔ کسان اُس میں ہل چلاتا ہے اس میں بیج ڈالتا ہے تو پھر وہ غلہ، سبزیاں، چارہ اور دیگر نباتات پیدا

کرتی ہے۔ اس میں درخت اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ طرح طرح کے پھول نکلتے ہیں جو انسانوں اور حیوانوں کے کام آتے ہیں۔ فرمایا یہ سب کچھ روزمرہ تمہارے مشاہدہ میں آتا ہے کہ جو زمین بالکل مردہ ہو جاتی ہے اور کوئی چیز پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوتی وہ موسم کے مطابق پانی ملنے پر پھر تر و تازہ ہو جاتی ہے اور ہر قسم کی بارونق اشیاء اگانے لگتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کو ان کی موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی۔

بعث بعد الموت

فرمایا ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ یہ اس لیے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے، وہی انسان، حیوان اور نباتات کو پیدا کرتا ہے وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى اور وہی مردوں کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور وہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس طرح وہ قطرۂ آب سے انسان جیسی مخلوق پیدا کرتا ہے اور اپنی مقررہ عمر پوری کرنے کے بعد اس کو موت سے ہمکنار کر دیتا ہے، اسی طرح وہ مردوں کو دوبارہ بھی زندہ کرے گا۔ اس کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اور پھر دوبارہ زندگی کے بعد تم اپنے انجام کو بھی پالو گے۔ اور اس کی صورت اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا یعنی قیامت بلاشبہ برپا ہونے والی ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری اس زندگی کا حساب لینا چاہتا ہے جس طرح تم اس دنیا میں کسی شخص کو کاروبار پر بٹھاتے ہو، کسی کو ملازم رکھتے ہو یا کسی کو کوئی کام سپرد کرتے ہو، تو تم حق بجانب ہو کہ اس شخص کی کارکردگی کا جائزہ لو اور پھر دیکھو کہ اس نے تمہاری تفویض کردہ ڈیوٹی کو کس حد تک انجام دیا ہے۔ تمہارے حکم کے مطابق کتنا کام کیا ہے اور اس میں کوتاہی کس حد تک کی ہے۔ پھر تم اس بات کے بھی مجاز ہوتے ہو کہ متعلقہ شخص کو اس کی حسن کارکردگی پر انعام دو اور بدکرداری پر سزا دو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو زندگی

کی دولت دے کر اس دنیا میں بھیجا تھا اور اس کے ذمہ بعض فرائض عاید کیے تھے اور بعض امور سے منع کیا تھا، تو اب اس کا حق بنتا ہے کہ وہ ہر انسان سے اُس کی کارکردگی کا حساب لے اور پھر اس کے مطابق اس کے لیے جزا یا سزا کا فیصلہ کرے۔ اسی لیے فرمایا ہے کہ بلا شبہ قیامت آنے والی ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ اور بلا شبہ اللہ قبروں میں مدفون سب لوگوں کو ضرور دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ ان سے زندگی بھر کا حساب کتاب لے سکے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۸﴾ ثَانِيَ عِطْفِهٖ
لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ
وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ
لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ
فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ن اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ
انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ
هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ
الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ
لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ يَظُنُّ
اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ
بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ

يُذۡهِبَنَّ كَيۡدُهٗ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾ وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ اٰيٰتٍۭ
بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّرِيۡدُ ﴿١٦﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالصّٰبِـِٕيۡنَ وَالنَّصٰرٰى
وَالۡمَجُوۡسَ وَالَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفۡصِلُ
بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿١٧﴾

ترجمہ:۔ اور بعض لوگ وہ ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم، بغیر ہدایت اور بغیر روشن کتاب کے ﴿٨﴾ وہ موڑنے والے ہوتے ہیں اپنے پہلو کو تاکہ وہ گمراہ کریں اللہ کے رستے سے۔ ایسے شخص کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور چکھائیں گے ہم اُس کو قیامت کے دن جلانے والا عذاب ﴿٩﴾ (اور اُس سے کہا جائے گا) یہ وہ چیز ہے جو آگے بھیجی ہے تیرے ہاتھوں نے اور بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر ﴿١٠﴾ اور بعض لوگ وہ ہیں جو عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ایک کنارے پر۔ پس اگر پہنچے اُس کو بہتری تو مطمئن ہو جاتا ہے اُس کے ساتھ۔ اور اگر پہنچے اُس کو کوئی آزمائش تو پلٹ جاتا ہے اپنے چہرے پر۔ نقصان اٹھایا اُس نے دنیا میں اور آخرت میں۔ یہ ہے کھلا نقصان ﴿١١﴾ پکارتا ہے وہ اللہ کے سوا اُن کو جو اُس کو نقصان نہیں پہنچاتے، اور نہ فائدہ پہنچا

سکتے ہیں ۔ یہی ہے گمراہی میں دور جا پڑنے کی بات (۱۲)
پکارتے ہیں وہ اُس کو کہ جس کا نقصان اُس کے فائدے
سے زیادہ قریب ہے ۔ البتہ بہت ہی بُرا دوست ہے
اور بہت ہی بُرا ساتھی (۱۳) بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے
گا اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام
انجام دیئے بہشتوں میں کہ جاری ہیں اُن کے نیچے
نہریں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے جو چاہے (۱۴) جو شخص
گمان کرتا ہے کہ اللہ اُس کی مدد نہیں کرے گا دنیا اور
آخرت میں ، پس چاہیئے کہ وہ دراز کرے رسی آسمان کی
طرف ، پھر وہ کاٹ دے اور پھر دیکھے کہ کیا لے جاتی ہے
اُس کی تدبیر اس کے جی کے غصہ کو (۱۵) اور اسی طرح
اتارا ہے ہم نے اس کو کھلی نشانیاں ۔ اور بیشک
اللہ تعالیٰ راہ دکھاتا ہے جس کو چاہے (۱۶) تحقیق وہ لوگ
جو ایمان لائے ، اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے ، اور صابی ،
اور نصاریٰ اور مجوسی ، اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا ۔ بیشک
اللہ تعالیٰ فیصلہ کریگا ۔ ان کے درمیان قیامت کے دن ، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے (۱۷)

ربط آیات

ابتدائے سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے زلزلے اور اس کی ہولناکی کا ذکر کیا ۔ اُس وقت انسانوں پر ایک قسم کی مدہوشی طاری ہوگی ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے وقوعِ قیامت کے بارے میں دو دلائل بیان فرمائے ۔ ایک دلیل خود انسان کی تخلیق سے تعلق رکھتی ہے جب کہ دوسری دلیل زمین کی روئیدگی کے متعلق ہے یہ دونوں دلیلیں قیامت کی آمد کا پتہ دیتی ہیں اور اس بات میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ قبروں میں پڑے ہوئے ہیں ۔

اُن کو یقیناً دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اور پھر حساب کتاب کی منزل آئے گی۔

جھگڑالو لوگ

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں، مشرکوں اور منافقوں کا رد فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں یعنی اس کی توحید کے متعلق، مگر نہ تو اُن کے پاس کوئی علم (نقلی یا عقلی دلیل) ہے، نہ ہدایت کی بات اور نہ روشن کتاب وہ تو محض اپنے رسم و رواج اور جہالت کی بنیاد پر جھگڑا کرتے ہیں۔ ثَانِيَ عِطْفِهٖ اپنے پہلو کو موڑتے ہیں یعنی غرور و تکبر کرتے ہیں لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں۔ پہلے خود گمراہ ہوئے اور پھر دوسروں کو کیا۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ کہ اس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے۔ اس دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوگا وَنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ اور قیامت والے دن ہم اسے جلا ڈالنے والا عذاب چکھائیں گے۔ پھر اُن سے کہا جائے گا ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ یہ وہ چیز ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجی ہے دنیا میں تم نے یہی کمایا تھا کہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی بہکایا، اس کا بدلہ یہی ہے کہ اب عذاب کا مزا چکھو۔ اللہ تعالیٰ نے بلاوجہ تمہیں سزا میں مبتلا نہیں کیا کیونکہ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ بیشک اللہ تعالیٰ تو بندوں پر کبھی بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ یہ تو تمہارے ہی اعمال کا خمیازہ ہے۔

مفاد پرست منافق

آگے اللہ نے منافق قسم کے لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو ایک کنارے پر اللہ کی عبادت کرتے ہیں مطلب یہ

ہے کہ اُن میں دلجمعی اور یکسوئی تو ہے نہیں، اطمینانِ قلب مفقود ہے۔ تردد اور تذبذب کی حالت میں با دلِ نخواستہ کچھ عبادت کر لیتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی چیز کے کنارے پر کھڑا ہو اور ہر آن اس کے گرنے کا احتمال ہو اسی طرح منافق قسم کے لوگ بھی اللہ کی عبادت تو کرتے ہیں مگر نہ جانے کس وقت چھوڑ بیٹھیں۔ کسی ایسے ہی شخص کی مثال دی ہے فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ ﹰاطْمَاَنَّ بِهٖ کہ اگر اُسے کسی وقت بھلائی پہنچ جائے تو مطمئن ہو جاتا ہے، کہتا ہے میں ٹھیک راستے پر جا رہا ہوں۔ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ﹰانْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ اور اگر اُسے کوئی آزمائش آجائے، کوئی جانی مالی نقصان ہو جائے یا کوئی دوسری پریشانی لاحق ہو جائے تو شکستہ دِل ہو کر اپنے چہرے کے بل پلٹ جاتا ہے۔ یعنی ایمان سے پھر جاتا ہے۔ اطراف مدینہ میں اس قسم کے لوگ موجود تھے جو ایمان لے آتے۔ پھر دیکھتے اگر خیر و برکت حاصل ہوتی، دنیاوی مفاد مِل جاتا تو کہتے اسلام بالکل سچا دین ہے، اور اگر کوئی تکلیف پہنچ جاتی کوئی نقصان ہو جاتا تو دین چھوڑ کر مرتد ہو جاتے۔

مفسرین کرام نے ایک یہودی کا واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ پہلے تو وہ ایمان لے آیا۔ پھر اُسے کوئی پریشانی لاحق ہو گئی تو حضور علیہ السلام سے کہنے لگا کہ مجھ سے اسلام کی بیعت واپس لے لو۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بیعت تو واپس نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کے لوگ موجود تھے جو کسی مفاد کی خاطر اسلام میں داخل ہوتے۔ اس دوران تذبذب کا شکار رہتے۔ جب مطلوبہ مفاد حاصل نہ ہوتا تو مرتد ہو جاتے۔ ایسے نادان قسم کے لوگوں کی اللہ نے سخت مذمت بیان فرمائی ہے۔ جو شخص دنیا کی خاطر اسلام قبول کرتے ہیں۔ اللہ کی خوشنودی اور آخرت کی کامیابی قطعاً اُن کے پیش نظر نہیں ہوتی۔ جدید روشنی کے لوگ بھی اسلام میں دنیوی مفاد کی باتیں

تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہے۔ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ کہ وہ دنیا میں بھی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ کیونکہ دنیا کا مفاد تو ایک محدود مدت کے لیے ہے، وہ بہر حال ختم ہو جائے گا، یہ لوگ آخرت میں بھی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ایمان کی سلامتی کی بجائے بُرے عقیدے لے کر اس دنیا سے گئے ہیں فرمایا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ یہی تو کھلا نقصان ہے جس میں یہ لوگ مبتلا ہیں۔

غیر اللہ کے لیے بے فائدہ پکار

فرمایا، اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگ کیا کرتے ہیں؟ يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ اللہ کے سوا وہ ایسی ہستیوں کو پکارتا ہے جو نہ تو اُسے نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع دے سکتی ہیں۔ ہر انسان کسی نہ کسی ذات کو اپنا معبود ماننے پر مجبور ہے۔ مگر وہ اللہ قادرِ مطلق، علیم کل اور مختار کل کو چھوڑ کر ایسی ہستیوں کو الٰہ بناتا ہے جن کے قبضہ میں نہ نفع ہے اور نہ نقصان، مٹی، پتھر اور لکڑی کے بت تو ویسے ہی بے جان چیزیں ہیں، بھلا وہ کسی کا کیا سنوار سکتے ہیں یا بگاڑ سکتے ہیں۔ اور جو جاندار چیزیں بھی ہیں ان میں بھی الوہیت والی کوئی صفت نہیں پائی جاتی، لہٰذا ان میں سے کوئی بھی الٰہ بننے کے قابل نہیں ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ یہ تو دور کی گمراہی میں پڑنے والی بات ہے۔

فرمایا يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ یہ لوگ ایسی ذات کو پکارتے ہیں کہ جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ نفع کی بات تو محض اُس کا ظن ہے کہ فلاں ہستی میری حاجت روائی یا مشکل کشائی کر سکتی ہے۔ یا کم از کم ہماری مراد خدا تعالیٰ سے پوری کرا سکتے ہیں یہ ایک موہوم نظریہ ہے۔ غیر اللہ کی پرستش قطعی طور پر مضر ہے جس کا نقصان پرستش کرنے والے ہی کو ہو گا لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ

یہ بہت ہی بُرا آقا یا دوست ہے اور بہت ہی بُرا ساتھی ہے۔ جس شخص نے اللہ کے سوا کسی بت، نبی، ولی یا فرشتے کو اپنا آقا، دوست یا معبود بنایا تو وہ قیامت کے دن ایسی الوہیت سے انکار کر دیں گے اور پرستش کرنے والوں کے دشمن بن جائیں گے۔ اسی لیے فرمایا کہ جن کو یہ لوگ اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ وہ قیامت کے دن ان کے برے ساتھی ثابت ہوں گے جو ان کی مدد کرنے کی بجائے اِن کے خلاف گواہی دیں گے۔

فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ بیشک اللہ تعالےٰ داخل کرے گا۔ اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال انجام دیے ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں انکے ایمان اور اعمال کی بدولت اپنی رحمت سے اپنی رحمت کے اعلیٰ مقام تک پہنچائیگا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ بیشک اللہ تعالیٰ کر گزرتا ہے جس کام کا وہ ارادہ کرتا ہے۔ نیک لوگوں کے بارے میں اللہ کا ارادہ یہی ہوگا کہ وہ انہیں جنت میں پہنچائے اور اعزاز و اکرام سے نوازے۔ اور جو لوگ کفر اور شرک کرنے والے ہیں یا منافق ہیں اور تذبذب کا شکار ہوتے ہیں، اللہ تعالےٰ یقیناً اُن کو سزا کے مقام میں پہنچائے گا۔

اللہ تعالےٰ سے بدگمانی

ارشاد ہوتا ہے مَنْ کَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ جو شخص گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی دُنیا اور آخرت میں مدد نہیں کریگا۔ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَی السَّمَآءِ اُسے چاہیئے کہ کوئی رسی دراز کرے آسمان کی طرف ثُمَّ لْیَقْطَعْ پھر اُس کو کاٹ دے فَلْیَنْظُرْ هَلْ یُذْهِبَنَّ کَیْدُهٗ مَا یَغِیْظُ پھر دیکھ لے کیا اس کی تدبیر اُس کے غصے کو دور کرتی ہے؟ مفسرین کرام اس کی تفسیر دو طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یَنْصُرَهُ

میں ہٗ کی ضمیر ہر اُس انفرادی شخص کی طرف لوٹتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو چکا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مایوسی کفر ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تھا وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ط اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف-۸۷)

اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہونا کیونکہ اللہ کی رحمت سے تو صرف کافر ہی نا اُمید ہو سکتے ہیں۔ ایک ایماندار تو آخر وقت تک اللہ کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے، البتہ وہ اُس کی سزا سے خائف ضرور ہوتے ہیں مگر نا اُمید نہیں ہوتے کیونکہ یہ کفر والی بات ہے۔ اور جو آدمی مایوس ہو گیا اس کے جی میں جو آئے کرے۔ عام طور پر خودکشی کی وارداتیں ایسی ہی نا اُمیدی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص اللہ کی مدد سے مایوس ہو گیا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ آسمان تک رسی دراز کر کے اس کے ساتھ لٹک جائے اور پھر اُسے کاٹ دے اور دیکھ لے کہ اس کا غصہ کس حد تک فرو ہوتا ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ يَّنْصُرَهُ میں ہٗ کی ضمیر نبی علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اسطرح معنیٰ یہ بنتا ہے۔ کہ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی مدد نہیں کرے گا اُسے چاہیئے کہ زمین سے لے کر آسمان تک ایک رسی دراز کرے اور پھر اس کے ذریعے اوپر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی مدد کو منقطع کر دے اور پھر دیکھ لے کہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے یا نہیں؟ اُس کا غصہ تو جبھی فرو ہو سکتا ہے جب وہ اللہ کی طرف سے نبی علیہ السلام پر نازل ہونے والی مدد کو کاٹ دے۔ مگر ایسا کرنے سے اُسے یقیناً مایوسی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے انبیاء کی مدد کرتا ہے اس کا اعلان ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المؤمن-۵۱)

بیشک ہم اپنے رسولوں اور اہلِ ایمان کی دنیا میں بھی مدد کرتے ہیں اور آخرت

میں بھی مدد کریں گے جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔ غرضیکہ جو شخص اللہ کی مدد سے مایوس ہو چکا ہے وہ جو چاہے تدبیر اختیار کر کے دیکھ لے۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

فرمایا وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ اور اسی طرح ہم نے اس کتاب کو واضح آیات کی صورت میں نازل کیا ہے۔ اس میں شک و تردد والی کوئی بات نہیں ہے۔ اب جس کا جی چاہے ان آیات سے فائدہ اٹھا لے اور جو چاہے ان سے محروم رہے وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّرِيۡدُ بیشک اللہ تعالیٰ اسی کو ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے۔ اللہ کے علم اور حکمت میں کسی شخص کی جس قدر استعداد، صلاحیت اور نیک نیتی ہوتی ہے، اسی کے مطابق وہ اس کی راہنمائی کرتا ہے۔

مذاہب عالم پر ایک نظر

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذاہب عالم کے نام لے کر فرمایا ہے کہ وہ ان کے درمیان قیامت والے دن فیصلہ کر دے گا کہ ان میں سے کونسا سچا دین ہے اور کونسا جھوٹا۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے۔ انہوں نے اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کیا۔ اس کے رسولوں، کتابوں، ملائکہ، معاد اور خیر و شر کی تقدیر پر ایمان لائے ایک گروہ تو یہ ہے جو کہ اہل ایمان کا گروہ ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا جو یہودی بن گئے کہنے کو تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور کتاب تورات کے پیروکار ہیں مگر انہوں نے تورات میں تحریف کر لی۔ بہت سی اچھی باتیں اس میں سے نکال لیں اور من مرضی کی غلط ملط باتیں ملا دیں اور اس طرح انہوں نے اصل دین کو بگاڑ کر رکھ دیا۔

اللہ نے تیسرے مذہب کے متعلق فرمایا وَالصّٰبِـِٔـيۡنَ اور جو صابی ہوئے۔ بعض تو نصاریٰ کو بھی صابیوں کا ہی ایک گروہ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ یحییٰ علیہ السلام کو ماننے والے لوگ ہیں۔ البتہ بعض لوگ صابی ان کو

مانتے ہیں جو ستاروں میں کرشمہ کے قائل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے صابی دور تھا۔ بعض اسے نوح علیہ السلام سے بھی پہلے کا دور تسلیم کرتے ہیں اور اس دور میں حضرت شیث علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام کو شامل کرتے ہیں، تاہم یہ امر مسلم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے پہلے صابی دور تھا۔ ان میں سے کچھ ستارہ پرست بن گئے۔ کچھ انسانوں کی پوجا کرنے لگے اور طرح طرح کی شرکیہ باتوں میں ملوث ہو گئے چنانچہ پرانی تہذیبوں میں سے بابل، آشوریوں اور کلدانیوں کی تہذیبوں کا تعلق صابیوں ہی سے تھا۔ قدیم مصر کی تہذیب اور چین کی پرانی تہذیب کا تعلق بھی صابی دور سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک صابی دور رہا، پھر حنیفیت کا دور شروع ہو گیا۔ اس دور میں یہودی، نصرانی اور عرب کے مشرکین شامل ہیں حضور علیہ السلام سے ساڑھے چار سو سال پہلے تک عرب کے لوگ دین حنیف پر ہی تھے۔ پھر قصی ابن کلاب کے زمانے سے شرک کا آغاز ہوا۔ تو اس پورے دور میں سے یہود و نصاریٰ اور عربوں نے اپنے اپنے دین کو بگاڑ لیا اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد صرف اہل ایمان ہی دین حنیف پر قائم ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نویں دسویں صدی ہجری کے حافظ الحدیث ہیں جنہوں نے پانچ سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔ آپ اپنی کتاب "حسن المحاضرة فی احوال المصر والقاهرة" میں رقمطراز ہیں کہ اپنے وقت میں صابی مذہب ہی اصل دین تھا اور اس میں توحید، طہارت، صلوٰۃ اور صوم چاروں اصول پائے جاتے تھے مگر بعد میں انہوں نے خود اپنے دین کو بگاڑ لیا اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔

وَالنَّصٰرٰی فرمایا چوتھا مذہب نصاریٰ کا ہے جو اپنے آپ کو مسیح علیہ السلام کا پیروکار سمجھتے ہیں۔ ان میں سے بھی بعض نے تثلیث کا عقیدہ اپنا لیا اور بعض نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ دیا اور اس طرح شرک میں

مبتلا ہو گئے۔ فرمایا وَالْمَجُوْسَ پانچواں مذہب مجوسیوں کا ہے یہ لوگ آگ میں کرشمہ مانتے ہیں اور اسے ہمیشہ جلائے رکھتے ہیں، بجھنے نہیں دیتے۔ یہ لوگ ثنویت کے قائل ہیں۔ دو خدا مانتے ہیں۔ ایک اہرمن اور دوسرا یزدان۔ نور اور ظلمت اور خیر اور شر کا الگ الگ خدا مانتے ہیں۔ یہ آگ کے پجاری بھی مشرک ہیں

اور چھٹا دین وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا کا ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے شرک کا ارتکاب کیا۔ عرب کے سارے لوگ مشرک تھے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے حتیٰ کہ انہوں نے خانہ کعبہ کے اردگرد بھی بت رکھے ہوئے تھے۔ ہنود بھی مورتیوں کے پجاری ہیں۔ کافرستان کے لوگ اب تک مشرک ہیں۔ اب اس کا کچھ حصہ نورستان کے نام سے پاکستان میں بھی شامل ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ شرک سے تائب ہوئے ہیں۔ یہاں پہ دو قسم کے کافر تھے یعنی سرخ کافر اور سیاہ کافر۔ سیاہ کافر تو اب تک کفر میں مبتلا ہیں، البتہ سرخ کافر امیر عبدالرحمان مرحوم کے زمانے میں مسلمان ہو گئے تھے، یہ حصہ افغانستان میں شامل تھا۔ ان کی رسومات بھی عجیب وغریب ہیں۔ اسی طرح بدھ والے بھی بڑی عجیب عجیب رسمیں ادا کرتے ہیں۔ چین کے قدیم مشرکین دہریت میں چلے گئے۔ چینی، جاپانی، ویٹ نامی، جزائر شرق الہند کے باشندے سب صابی تھے مگر بعد میں شرک میں مبتلا ہو گئے۔

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں[1] کہ ساری دنیا میں کل پانچ مذاہب ہیں، جن میں سے چار مذہب شیطانی ہیں اور ایک مذہب رحمانی ہے۔ رحمانی مذہب تو اہلِ ایمان کا ہے جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار ہیں۔ اور باقی (۱) صابی و نصاریٰ (۲) یہودی (۳) مجوسی (۴) مشرک شیطانی مذاہب ہیں۔ قرآن پاک نے صابی اور نصاریٰ کو علیحدہ علیحدہ شمار کیا ہے۔ اس طرح کل چھ مذاہب میں سے ایک رحمانی اور پانچ شیطانی بنتے ہیں۔

ان کے علاوہ دنیا میں بعض دوسرے مذہبی راہنما بھی ہوئے ہیں جن کے متعلق وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کیسے لوگ تھے ابراہیم علیہ السلام

[1] کشاف ص ۱۶۷ ج ۳ (فیاض)

کے دور کے قریبی زمانہ میں ایران میں زرتشت ہوا ہے۔ خدا جانے وہ کیسا آدمی تھا، نبی تھا یا نہیں، تاریخی واقعات پر یقین نہیں کیا جا سکتا اور یقین کے ساتھ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح برصغیر میں بھی بعض مشہور ہستیاں گزری ہیں۔ مہاتما بدھ، رام چندر جی، کرشن جی مہاراج وغیرہ کے متعلق ہندوؤں کی کتابوں میں جو کچھ موجود ہے، وہ تو مشرکیہ باتیں ہیں جو کسی نبی کے شایان شان نہیں ہو سکتیں۔ ان کے متعلق بھی حقیقت معلوم نہیں ہو سکی۔ ہو سکتا ہے کہ یہودیوں کی طرح ان کے پیروکاروں نے بھی اپنے اپنے مذاہب میں نئی نئی باتیں شامل کر کے مذہب کو بگاڑ دیا ہو۔ یہودیوں نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بھی نہایت ہی بیہودہ باتیں منسوب کر دی ہیں۔ بہرحال یہ سب بگڑے ہوئے مذاہب ہیں۔

اللہ کا آخری فیصلہ

فرمایا یہ سب ایسے مذاہب ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ یَفۡصِلُ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ یہ قطعی اور آخری فیصلہ ہوگا۔ اس دن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ ہر مذہب کے پیروکاروں کو پتہ چل جائے گا کہ وہ دنیا میں کس طریقے پر چلتے رہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے وہ ہر شئے کو دیکھ رہا ہے۔ دنیا میں اس وقت مذکورہ چھ مذاہب پائے جاتے ہیں۔ جن کی باقیات اس وقت بھی مختلف ممالک میں موجود ہیں۔ البتہ کامیابی صرف ایمان والوں کے حصے میں ہے۔ دنیا کے جس خطہ میں بھی ہوں، اللہ تعالیٰ انہیں آخرت کی کامیابی عطا کریں گے۔ جب قیامت والے دن فیصلے ہوں گے تو پھر ہر ایک کو پتہ چلے گا کہ وہ کس کس غلطی میں مبتلا تھے اور پھر انہیں خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي
الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ
وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ
يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا
السجدۃ يَشَآءُ ۞ ⑱ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ز
فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ
يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ⑲ يُصْهَرُ بِهٖ
مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ⑳ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ
حَدِيْدٍ ㉑ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ
ع ۲ ۱۲ ۹ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ㉒

ترجمہ:۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے جو بھی آسمانوں میں اور جو بھی ہے زمین میں، اور سورج، چاند، ستارے پہاڑ، درخت، جانور اور بہت سے لوگوں میں سے۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ ثابت ہے اُن پر عذاب۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے، پس نہیں ہے اُس کو کوئی عزت دینے والا

بیشک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہے ⑱ یہ دو دعویدار ہیں
جنہوں نے جھگڑا کیا اپنے رب کے بارے میں۔ پس وہ
لوگ جنہوں نے کفر کیا، اُن کے واسطے کاٹے جائیں گے
کپڑے دوزخ کی آگ سے، اور بہایا جائے گا اُن کے
سروں کے اُوپر کھولتا ہوا پانی ⑲ پگھلایا جائے گا اُس
کے ساتھ وہ جو اُن کے پیٹوں میں ہے، اور اُن کی
کھالیں (بھی جلائی جائیں گی) ⑳ اور اُن کے لیے ہتھوڑے
ہوں گے لوہے کے ㉑ جب وہ ارادہ کریں گے کہ
وہ نکلیں اِس (دوزخ) سے غم کی وجہ سے تو لوٹا دیے
جائینگے اس کے اندر اب جلانے والے عذاب کا مزا چکھو ㉒

ربط آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پائے جانے والے مختلف مذاہب مثلاً یہودی، صابی، نصاریٰ، مجوسی، مشرک اور اہل ایمان کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اِن میں سے صرف اہل ایمان ہی کامیاب ہوں گے جب کہ باقی سارے گروہ گمراہ ہیں۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان آخری اور قطعی فیصلہ کریگا۔ تمام گمراہ فرقوں کو اُس دن اپنی غلطی کا احساس ہوگا جب کہ اُن کے عقیدے اور عمل کا صلہ اُن کے سامنے آئے گا۔ اُس دِن سب کو پتہ چل جائے گا کہ دُنیا میں اہلِ ایمان ہی حق پر تھے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانتے تھے، اسی کی عبادت کرتے تھے۔ اُسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے

خدا تعالیٰ کے لیے سجدہ ریزی

اَب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ زمین و آسمان کی بعض دوسری چیزوں کا ذکر کیا ہے جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں اور اُس کے حکم کی پابند ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہیں دیکھا یعنی کیا یہ بات آپ کے علم میں نہیں آئی۔ اگر نہیں آئی تو اب آجانی چاہیئے اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ کہ بیشک آسمانوں اور زمین کی

ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے۔ آسمان میں اللہ کے فرشتے ہیں یا جو بھی مخلوق ہے۔ وہ اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے۔ اسی طرح زمین اور زمین و آسمان کے درمیان موجود تمام چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہیں۔ منجملہ ان اشیاء کے وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے لوگ سب کے سب اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ انسانوں کا سجدہ تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے اختیار اور شعور کے ساتھ طہارت کی حالت میں اللہ کے سامنے سرِ نیاز خم کرتے ہیں مگر باقی چیزوں کے سجدہ سے کیا مراد ہے جب کہ اُن میں سے ہر چیز اپنی اپنی حالت پر قائم رہتی ہے اور انہیں کبھی اپنی پیشانی زمین پر رکھتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ اس ضمن میں مفسرین کرام میں دو قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ مذکورہ اشیاء کا سجدہ انسانوں کے سجدہ کے مطابق نہیں ہوتا جو اختیار اور شعور کے ساتھ کیا جاتا ہے بلکہ اُن کے لیے سجدۂ تسخیری ہوتا ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جس مقصد کے لیے تسخیر کر رکھا ہے یا جس کام پر لگا دیا ہے، وہ اس کام میں بلا چون و چرا مسلسل لگے ہوئے ہیں اور یہی اُن کا سجدہ ہے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ ان اشیاء کا سجدہ انسانوں جیسا شعوری سجدہ نہیں ہوتا مگر اپنے اپنے درجے کے مطابق وہ بھی اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں مگر اُن کے شعور کا مرتبہ ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے اُن کے سجدے کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا اور پہچانتا ہے۔ ایسی ہی چیزوں کی تسبیح و تحمید کے متعلق سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (آیت ۔۴۴) تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتی

ہیں مگر تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے ۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ کس انداز میں اُس کی حمد کے ترانے گاتی ہیں ۔ اسی طرح ہر چیز کا سجدہ کرنا بھی اس کی حالت اور اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے جو کہ صرف تسخیری ہی نہیں بلکہ کسی حد تک شعوری بھی ہوتا ہے ، مگر ہم اس کی کیفیت کو نہیں جانتے ۔

سورج کی سجدہ ریزی

بعض بزرگانِ دین جن میں شیخ ابن عربیؒ ، مولانا شاہ ولی اللہؒ اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ شامل ہیں ، سورج کی سجدہ ریزی کے متعلق بحث کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اِن چیزوں میں بھی روح اور ایک حد تک شعور ہوتا ہے ۔ اگرچہ یہ انسان کی طرح مکلف نہیں مگر شعور سے خالی نہیں ہیں ، اور اسی شعور کے ساتھ سجدہ ریز ہوتی ہیں ۔ سورج کے سجدہ کا ذکر تو حدیث شریف میں بھی آتا ہے ۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے خطاب کر کے فرمایا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ سورج اب کہاں ہے ؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو قریب الغروب ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ ہر روز یہی کیفیت ہوتی ہے کہ سورج عرشِ الٰہی کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے ، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے تاکہ اپنی منزل کو جاری رکھ سکے ۔ اللہ کی طرف سے اجازت ملتی ہے تو وہ اپنی منزل کی طرف پھر سے رواں دواں ہو جاتا ہے ۔ پھر ایک دن ایسا آئیگا کہ خدا تعالیٰ سخت ناراضگی کی حالت میں ہوگا ۔ جب سورج سجدہ کرنے کے بعد اجازت طلب کرے گا تو حکم ہوگا کہ اپنی چال کو پلٹ دو یعنی اپنی حرکت کو معکوس کر دو اور مغرب کی بجائے مشرق کی طرف چل دو ۔ یہ بڑا دہشت ناک دِن ہوگا ۔ سورج نصف النہار تک واپس آئے گا اور یہ دیکھ کر ساری دنیا دہشت زدہ ہو جائیگی ، یہ قیامت کی نشانی ہوگی ۔ بہرحال سورج سجدہ کرتا ہے اس میں روح بھی تسلیم کی جاتی ہے ۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ میں نے سورج کی روح سے رابطہ قائم کر کے اُس سے گفت و شنید کی اور اس نے جواب بھی دیا (مشاہدہ دوم فیوض الحرمین مترجم صہ ۱۰۵)

دیگر اشیاء کا سجدہ

اسی طرح چاند، پہاڑوں اور درختوں میں بھی کسی حد تک شعور پایا جاتا ہے مگر ہم اس کی کیفیت کو نہیں جانتے۔ بعض اوقات خدا تعالیٰ معجزانہ طور پر اس کو ظاہر بھی کر دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ابتدائے نبوت کے قریبی دنوں میں میں ایک پتھر کے قریب سے گزرتا تھا تو وہ مجھے سلام کرتا تھا، میں اس پتھر کو اب بھی جانتا ہوں۔ حضور علیہ السلام ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ جبل احد کے قریب سے گزرے تو فرمایا[1] أُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ احد ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ بعض درختوں کے شعور کا پتہ بھی چلتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے خشک تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب آپ کے لیے منبر تیار ہو گیا تو آپ نے اس تنے کو چھوڑ دیا، اس پر اس تنے میں سے بے اختیار رونے کی آواز سنی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی بے جان چیزوں میں بھی کچھ نہ کچھ شعور ہوتا ہے۔ جانور اور انسان تو ویسے ہی ذی روح ہیں اور باشعور ہیں اگرچہ جانوروں کا شعور ناقص ہے۔ تو بہر حال فرمایا کہ کائنات کی تمام چیزیں کسی نہ کسی طریقے سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ط اور بہت سے انسان ایسے بھی ہیں جن پر عذاب ٹھہر چکا ہے۔ ایسے لوگ کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا رہے۔ اللہ کے سامنے کبھی عاجزی کے اظہار اور سجدہ کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تو ایسے لوگ عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ غرضیکہ انسانوں میں آگے دو گروہ ہو گئے۔ ایک گروہ نے اپنے اللہ کی عبادت کر کے اس کی تسبیح و تحمید بیان کر کے اور سجدہ کر کے اسے راضی کر لیا اور دوسرے گروہ نے اسی سجدہ سے انکار کر کے جہنم کا عذاب خرید لیا۔

سجدۂ تلاوت

قرآن پاک میں کل چودہ[14] مقامات ہیں جن کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں ایک مقام یہ ہے اور دوسرا سورۃ

[1] بخاری ص۵۸۵ ج ۲ و مسلم ص۴۴۶ ج ۱ (فیاض)

کے آخری رکوع میں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سجدہ تلاوت کو واجب کہتے ہیں جب کہ دوسرے آئمہ کرام اسے سنت مؤکدہ کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ دونوں کل چودہ سجدوں کے قائل ہیں۔ تاہم امام اعظمؒ اس سورۃ میں آمدہ دوسرے سجدہ کو سجدہ تلاوت تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ اسے سجدہ نماز پر محمول کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ یہ دونوں سجدے تسلیم کرتے ہیں لیکن آپ سورۃ ص والا سجدہ سجدہ تلاوت کے طور پر نہیں مانتے۔ یہ سجدہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر والی آیت میں آتا ہے اور خود حضور علیہ السلام نے اس آیت کی تلاوت پر سجدہ ادا کیا تھا۔ امام مالکؒ کے نزدیک چودہ کی بجائے صرف گیارہ سجدے ہیں۔ وہ ساتویں منزل میں آنے والے سورۃ النجم، سورۃ الانشقاق اور سورۃ العلق کے سجدوں کو سجدہ ہائے تلاوت تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ حضور علیہ السلام نے ان آیات کی تلاوت پر بھی سجدے کیے تھے۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ایک مجلس میں سجدہ تلاوت کی آیت خواہ کتنی دفعہ بھی پڑھی جائے۔ صرف ایک سجدہ واجب ہوتا ہے ہاں اگر مجلس بدل جائے اور متعلقہ آیت تلاوت کی جائے یا سنی جائے تو دوبارہ سجدہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے اگر ایسی آیت پڑھتے یا سنتے وقت کوئی شخص سجدہ کرنے کی حالت میں ہے تو فوراً سجدہ کرلے اور اگر طہارت نہیں ہے یا کوئی اور عذر ہے تو اس سجدے کو مؤخر بھی کیا جا سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ مقاماتِ سجدہ ایسے مقامات ہیں جہاں یا تو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا سجدہ کرنے والوں کی مدح کی گئی ہے اور یا پھر سجدہ نہ کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ ایسی آیت کو پڑھنے یا سننے پر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ سجدہ ادا کرے اور عذاب الٰہی سے بچ جائے۔ آیت زیر درس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہت سے لوگ سجدہ کرتے ہیں، وہ اللہ کی گرفت سے بچ جاتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو سجدہ نہ کرکے عذاب الٰہی کے مستحق بن جاتے ہیں۔

عزت اور ذلت کی کنجی

فرمایا وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ جسے اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔ اور خدا تعالیٰ ذلیل اُسی شخص کو کرتا ہے جو ذلت کے واقعی قابل ہوتا ہے۔ وہ تو رحیم و کریم بھی ہے مگر جو خود کو ذلت آمیز امور کی طرف لے جائے تو اللہ فرماتا ہے نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء - ۱۱۵) جدھر کوئی جانا چاہتا ہے ہم اُدھر ہی پھیر دیتے ہیں یعنی غلط راستے پر جانے کی توفیق سلب نہیں کرتے مگر اللہ تعالیٰ برائی کو پسند نہیں کرتا اور پھر ایسے شخص کو جہنم رسید کر دیتا ہے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اس کے ارادے اور مشیت میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی جب وہ کسی کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو پھر کوئی ذات اس کو ذلت سے نہیں نکال سکتی۔ اگر تائب ہو جائے، اللہ اس کی توفیق دے دے تو پھر وہ خود ہی ذلت سے نکال بھی لیتا ہے۔

دو گروہوں کے درمیان فیصلہ

آگے ارشاد ہے هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ یہ دو دعویدار ہیں جنہوں نے جھگڑا کیا ہے اپنے پروردگار کی توحید کے بارے میں۔ ایک گروہ توحید کو مانتا ہے اور دوسرا انکار کرتا ہے۔ ان دونوں کا جزائے عمل اللہ نے بیان فرمایا ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا اَنَا اَوَّلُ مَنْ يَّجْثُوْ بَيْنَ يَدَيِ الرَّحْمٰنِ یعنی میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت والے دن خدائے رحمان کے سامنے گھٹنے ٹیک کر عرض کروں گا۔ جنگ بدر کے موقع پر ایک طرف حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عبیدہ ابن حارثؓ مسلمان تھے اور دوسری طرف عتبہ، شیبہ اور ولید کافر تھے۔ یہ سارے کے سارے ایک ہی برادری اور قبیلے سے تعلق رکھتے تھے مگر کفر و اسلام کی وجہ سے آمنے سامنے آکھڑے ہوئے تھے ان میں سے تینوں کافر مارے گئے اور ایک مومن

حضرت علیدہؓ ابن حارثؓ زخمی ہو کر شہید ہوئے۔ تو اس واقعہ کے تناظر میں
حضرت علیؓ کہتے ہیں میں خدا تعالیٰ کے سامنے عرض کروں گا کہ مولا کریم!
ہمارے درمیان فیصلہ فرما کہ یہ کافر ہمارے مقابلے میں کیوں آئے تھے۔
جب کہ ہم تیری توحید کو مانتے ہیں، تیری عبادت کرتے ہیں اور تیرے سامنے سجدہ ریز
ہوتے ہیں۔ تو فرمایا ایسے لوگوں کے متعلق اُس دن فیصلہ ہوگا۔ ایک گروہ وہ ہے
جو اللہ کی توحید پر کاربند ہے اور دوسرا وہ ہے جو کفر اور شرک پر اڑا ہوا ہے۔

کفار کے لیے سزا

تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہوگا فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ
ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ جن لوگوں نے کفر کیا اُن کے لیے دوزخ کی آگ کے
کپڑے تیار کیے جائیں گے۔ یہ کپڑے ایسے خام مال سے تیار شدہ ہوں گے
جو فوراً آگ پکڑ لے، گویا انہیں آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ حضور
علیہ السلام نے نوحہ کرنے والے مرد و زن کے متعلق بھی فرمایا کہ قیامت
والے دن اُن کے لباس گندھک کے ہوں گے جو ذرا سے اشارے سے بھی
فوراً آگ پکڑ لیں گے۔ ایسے ہی کافروں کے لباس بھی ہوں گے۔ اس کے
علاوہ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ اُن کے سروں
پر کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا۔ اور اگر وہ اس کا ایک گھونٹ پی لیں گے۔
یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ تو جو کچھ ان کے پیٹ میں ہے
اُسے پگھلا کر باہر پھینک دے گا۔ وَالْجُلُوْدُ اور ان کی کھالوں کو بھی جلا ڈالے
گا۔ سورۃ النساء میں ہے كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ
جُلُوْدًا غَیْرَهَا (آیت۔ ۵۶) جب ایک کھال جل جائے گی تو اس کی
جگہ دوسری پہنا دی جائے گی اور اس طرح کافروں کی کھالیں ہمیشہ جلتی رہیں گی۔
فرمایا وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ اور ان کے لیے لوہے کے
ہتھوڑے ہوں گے اُن کے ساتھ انہیں مارا جائیگا۔ بعض احادیث میں آتا
ہے کہ اس ہتھوڑے کی ضرب اتنی شدید ہوگی کہ ساری کائنات مل کر بھی ایک

ضرب برداشت نہ کر سکے۔ فرمایا کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْھَا مِنْ غَمٍّ جب بھی کفار و مشرکین اس دوزخ سے غم و پریشانی کی وجہ سے نکلنے کی کوشش کریں گے اُعِیْدُوْا فِیْھَا تو وہ اسی میں واپس لوٹا دیے جائیں گے۔ ہتھوڑے مار مار کر انہیں دوزخ میں دھکیل دیا جائیگا۔ اور وہاں سے نکلنے کی صورت نہیں ہوگی۔ دوسری جگہ ہے وَمَا ھُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ (البقرہ۔۱۶۷) ایسے لوگ دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہوں گے۔ انہیں ہمیشہ کے لیے وہیں رہنا ہوگا۔ اور پھر اُن سے کہا جائے گا۔ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ اب جلانے والے عذاب کا مزا چکھو۔ تم دنیا میں اکڑ دکھاتے تھے، کفر اور شرک پر اڑے رہے، توحید کو مٹانے کی کوشش کی اور کفر کے پروگرام کو غالب کرنا چاہا تمھارے عقیدے اور عمل کا یہی بدلہ ہے۔ اس سے نپٹو۔

درس پنجم ۵ — آیت ۲۳ تا ۲۵

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا
مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا
حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوْۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْۤا
اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ
لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ
بِاِلْحَادٍ ۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۵﴾ ع

ترجمہ :- بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے اچھے کام کیے بہشتوں میں جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔ اور پہنائے جائیں گے ان (بہشتوں) میں اُن کو سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار، اور لباس اُن کا ریشم کا ہوگا ﴿۲۳﴾ اور ہدایت دی گئی ہے اُن لوگوں کو پاکیزہ بات کی طرف، اور ہدایت دی گئی ہے اُن کو اچھے پسندیدہ راستے کی طرف ﴿۲۴﴾ بیشک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور روکتے ہیں وہ اللہ کے راستے سے اور مسجد حرام سے جس کو بنایا ہے ہم نے

سب لوگوں کے لیے برابر، وہاں رہنے والا ہو یا باہر سے
آنے والا۔ اور جو کوئی ارادہ کریگا اُس کے اندر کجروی کے
ساتھ ظلم کا تو ہم چکھائیں گے اس کو دردناک عذاب ﴿۲۵﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں دو قسم کے دعویداروں کا ذکر تھا۔ ایک قسم اہلِ ایمان اور اہلِ توحید کی ہے جب کہ دوسری قسم اہلِ کفر اور اہلِ شرک کی۔ قیامت کے دن اِن دونوں گروہوں کا مقدمہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوگا اور پھر وہاں فیصلہ ہوگا۔ اللہ نے فرمایا کہ کافروں کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائیگا جو ان کے پیٹوں میں ہو جو ہر چیز کو کاٹ کر باہر پھینک دے گا۔ ان کی کھالوں کو جلایا جائے گا اور اُن پر لوہے کے ہتھوڑے برسائے جائیں گے اور اس طرح وہ جلا ڈالنے والے عذاب میں مبتلا ہوں گے ان پر یہ عذاب ہمیشہ مسلط رہے گا۔ اور اس سے باہر نکلنے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔

اہلِ ایمان کے لیے انعامات

قرآن پاک کا یہ اسلوب بیان ہے کہ جہاں کفار کا ذکر ہوتا ہے ساتھ اہلِ ایمان کی بات بھی کی جاتی ہے اور پھر دونوں گروہوں کی سزا اور جزاء کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ گذشتہ آیت میں کفار کی سزا کا ذکر ہوگیا تھا۔ اب اس آیت میں اہلِ ایمان کے انعامات کا بیان ہو رہا ہے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے جنہوں نے اللہ کی وحدانیت پر یقین رکھا۔ اس کے نبیوں کی نبوت و رسالت پر ایمان لائے، آسمانی کُتب اور ملائکہ کو برحق جانا اور اُس کے ساتھ ساتھ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ انہوں نے اچھے اعمال بھی انجام دیے۔ اچھے اعمال میں بنیادی طور پر عباداتِ اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج ہیں۔ یہ چاروں عبادات ہر عاقل بالغ اہلِ ایمان پر فرض ہیں اور اعمال صالحہ میں داخل ہیں۔ اس کے علاوہ تمام مالی، بدنی یا مرکب عبادات، حسنِ اخلاق، خدمتِ خلق اور اللہ کی رضا کی تمام باتیں نیکیوں میں داخل ہیں تو فرمایا

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے۔ اللہ تعالیٰ اُنکو داخل کرے گا۔ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ایسے باغات میں جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ اہل ایمان وہاں رہائش پذیر ہوں گے اور اُن کی زیب و زینت کے لیے یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وہاں پر اُن کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ حدیث شریف[1] میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اُن کے اعضائے وضو پر زیور پہنائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اُس دن ان سے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمائے گا۔ نیز وَلُؤْلُؤًا اُن کو موتیوں کے ہار بھی پہنائے جائیں گے۔ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ اور جنت میں اُن کا لباس ریشم کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اہل بہشت پر یہ انعامات فرمائے گا۔ اُن کو کوئی دکھ اور پریشانی نہیں ہوگی وہاں پر انہیں ہر طرح کی آسودگی حاصل ہوگی۔

دنیا میں سونا اور ریشم مردوں کے لیے حرام ہے، لہٰذا جو اہل ایمان اس دنیا میں ان چیزوں سے محروم رہے، تو یہ چیزیں انہیں بہشت میں نصیب ہوں گی۔ اور جو شخص دنیا میں ریشم کا لباس پہنے گا وہ آخرت میں اس سے محروم رہے گا۔ یہاں پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں تو اللہ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ اہل جنت کا لباس ریشمی ہوگا مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے دنیا میں ریشم پہن لیا وہ جنت میں اس سے محروم ہو جائیں گے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں نے کسی وقت دنیا میں ریشم پہن لیا، اگر وہ جنت میں بھی چلے گئے تو وہاں انہیں ریشمی لباس نہیں ملے گا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ریشم پہننے والے جنتی کچھ عرصہ کے لیے جنت میں اس سے محروم رہیں گے۔ لیکن بالآخر ان کو بھی یہ لباس مل جائے گا۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ ایسے لوگ جنت میں ریشمی لباس سے محروم رہیں گے مگر انہیں اس ضمن میں کسی قسم

[1] مسلم ص۱۲۷ ج ۱ (فیاض)

کی تکلیف یا کوفت یا رنج نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں ریشم کی بجائے ایسا لباس پہنائیں گے۔ جس سے وہ مطمئن ہو جائیں گے۔

پاک راستے کی طرف راہنمائی

انہی خوش قسمت لوگوں کے متعلق فرمایا وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ کہ اُن کو پاکیزہ بات کی طرف ہدایت دی گئی ہے۔ اور وہ پاکیزہ بات کلمہ توحید لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ دوسری سورۃ میں اس کو قولِ ثابت یعنی پختہ بات بھی کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو دنیا میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور برزخ میں بھی کہ جب اُن سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ صحیح صحیح جواب دیتے ہیں۔ غرضیکہ قول ثابت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا کلمہ ہی ہے۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ پاک قول سے مراد قرآنِ پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی قرآن کریم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کی تلاوت کرتے ہیں جس سے انہیں ہدایت اور راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ تو یہ معنی بھی درست ہے۔

فرمایا وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ اور اُن کو اچھے اور پسندیدہ اور تعریفوں والے راستے کی طرف ہدایت دی گئی ہے۔ یہ راستہ ایمان اور اسلام کا راستہ ہے، توحید، اللہ کی شریعت اور اس کے دین کا راستہ ہے جو انہیں دکھایا گیا ہے اور جس پر وہ گامزن ہیں۔ خدا کی مرضیات تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے۔ اسی راستے پر چل کر اہل ایمان جنت میں پہنچیں گے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے مطابق اللہ کی تسبیح و تحمید اُن کی زبانوں پر اس طرح جاری ہو جائیگی جس طرح کوئی انسان بے اختیار و ارادہ سانس لیتا ہے۔ اسی چیز کو پاکیزہ قول فرمایا ہے جو تعریفوں والے پسندیدہ راستے پر چل کر حاصل ہوگا۔

حرم شریف کی حرمت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار خصوصاً حرمِ پاک میں ظلم و زیادتی کرنیوالوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ پھر اللہ کے گھر کی تعمیر کا ذکر آئے گا اور حج اور

قربانی کا بیان ہوگا۔ تمہید کے طور پر اس آیت میں حرمِ پاک کی بے حرمتی کرنے والوں کی مذمت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے۔ میدانِ بدر میں کفار کے آنے کا یہی مقصد تھا کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک کر کفر کے راستے پر ڈال دیا جائے اور اسلام کی بجائے کفر کا پروگرام غالب بنایا جائے۔ اللہ کے راستے سے روکنے کا یہی مطلب ہے۔ نیز وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وہ مسجدِ حرام سے بھی روکتے ہیں۔ اس کی واضح مثال ۶ھ کا واقعہ حدیبیہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چودہ سو صحابہؓ کے ہمراہ عمرہ کی غرض سے مدینہ سے مکے آرہے تھے قربانی کے جانور ساتھ تھے۔ چند ایک کے سوا سب لوگوں نے احرام باندھ رکھے تھے مگر کفار نے حدودِ حرم یعنی حدیبیہ کے مقام پر روک دیا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کہ اتنا دور دراز کا سفر اختیار کرنے کے باوجود وہ اللہ کے گھر کی زیارت سے محروم ہو رہے تھے۔ مصالحت کی بات چیت ہوئی جس میں طے پایا کہ اس سال مسلمان بغیر عمرہ ادا کیے واپس چلے جائیں گے۔ البتہ آئندہ سال اس کی اجازت ہوگی مگر وہ تین دن سے زیادہ مکے میں قیام نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ اہلِ ایمان نے قربانی کے جانور حدیبیہ میں ہی ذبح کر دیے اور مدینے لوٹ گئے۔

اس مقام پر مسجدِ حرام سے مراد صرف وہ مسجد مراد نہیں جو خانہ کعبہ کے گرد ہے بلکہ پورا حرم مراد ہے جس کی حد حدیبیہ کے مقام سے شروع ہوتی ہے۔ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم میں داخل ہے اور کچھ باہر ہے، اسی لیے کفار نے اسی مقام پر مسلمانوں کو روک دیا تھا۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے نو، دس میل کے فاصلے پر ہے۔ مدینہ کی طرف سے حدود صرف تین، ساڑھے تین میل پر ہے۔ بعض اطراف سے دس میل بھی ہے۔ یہ سارا خطہ حرم کہلاتا ہے

اور یہاں پر یہی مراد ہے کہ کافر لوگ حرم سے روکتے ہیں۔ حرم کے بعض مسائل بھی ہیں جو کہ اس کی حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً حدود حرم میں شکار کرنا درخت کاٹنا، خود رو گھاس کاٹنا وغیرہ حرام ہے اللہ تعالیٰ نے حرم پاک کی حرمت کا قانون الگ رکھا ہے۔ کوئی سا ممنوع فعل کرنے سے تاوان عائد ہوتا ہے۔

حرم شریف کے یکساں حقوق

فرمایا۔ یہ بدبخت لوگ اُس حرم پاک سے روکتے ہیں اَلَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے برابر قرار دیا ہے یعنی اس سرزمین پر تمام اہل ایمان کے یکساں حقوق ہیں اور اس لحاظ سے اس خطہ کو وقف کی حیثیت حاصل ہے۔ پھر بھلا مشرکوں کو مسجد حرام سے روکنے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ اللہ نے فرمایا وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ (الانفال۔ ۳۴) یہ تو مسجد حرام کے متولی نہیں ہو سکتے۔ اس کے متولی تو متقی اہل ایمان ہی ہو سکتے ہیں۔ بہر حال حرم پاک کا خطہ تمام اہل ایمان کے لیے یکساں ہے۔ خواہ وہ دنیا کے کسی بھی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں اَلْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ وہ حدود حرم کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے ہوں، سب کے حقوق برابر ہیں اور کوئی کسی کو اس میں داخل ہونے سے نہیں روک سکتا۔

حدودِ حرم میں مقاماتِ عبادت اور رہائشی مکانات کے حقوقِ ملکیت کے متعلق فقہائے کرام میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ حدود حرم میں جتنے بھی عبادت کے مقام ہیں۔ مثلاً مسجد حرام، صفا و مروہ، منیٰ، مزدلفہ اور میدان عرفات جہاں ارکان حج ادا کیے جاتے ہیں۔ وہ مقامات تو کسی کی ملکیت نہیں بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے وقف ہیں اور جہاں کوئی چاہے داخل ہو کر عبادت کر سکتا ہے کوئی کسی کو نہیں روک سکتا۔ البتہ شہر مکہ اور اطراف کے رہائشی مکانات کے

متعلق کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حدودِ حرم میں رہائشی علاقوں کی زمین تو ویسی ہی وقف ہے جیسی دوسری زمین، البتہ اس پر تعمیر کی گئی عمارت کسی کی انفرادی ملکیت ہو سکتی ہے اور اس طرح مالک مکان اس کا کرایہ بھی وصول کر سکتا ہے۔ بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی زمین پر عمارت تعمیر کرتا ہے اُسے عمارت کے علاوہ زمین کے حقوقِ ملکیت حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں وہ حضرت عمرؓ کا عمل پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر اُسے قید خانہ میں تبدیل کر دیا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے کلی حقوقِ ملکیت حاصل ہو جاتے ہیں۔ جہاں تک امام ابو حنیفہؒ کا مؤقف ہے تو اس کے متعلق امام ابو بکر جصاصؒ لکھتے ہیں[1] کہ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی ملکیتی زمین پر مکان تعمیر کر لے ظاہر ہے کہ عمارت اُو تعمیر کنندہ کی ہوگی۔ مگر زمین کا حق ملکیت اُسے حاصل نہیں ہوگا۔ جب تک وہ زمین کی قیمت ادا نہ کرے یا مالک اراضی کو راضی نہ کرے حرم کا پورا خطہ چونکہ وقف ہے اس لیے اس کی زمین کسی کی انفرادی ملکیت میں نہیں آسکتی۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ خواہ کوئی مقامی آدمی ہو یا بیرونی ہم نے خطہ حرم کو سب کے لیے برابر بنایا ہے۔

حرم میں الحاد کی ڈبل سزا

اللہ نے دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ جو کوئی اس خطہ مقدس میں ظلم و شرارت کے ساتھ کجروی اختیار کرے گا، یعنی شرک، کفر، بدعت، قتل و غارت اور معاصی کا ارتکاب کریگا۔ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ہم اسے دردناک عذاب کا مزا چکھائیں گے۔ بعض اوقات خطے اور زمانے کے لحاظ سے اعمال کی جزا اور سزا میں فرق پڑ جاتا ہے۔ مثلاً مسجدِ حرام میں ایک نماز ادا کرنے کا اجر دوسری جگہ کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ اسی طرح مسجد نبوی میں

[1] احکام القرآن للجصاص صفحہ ۲۲۹ ج ۳ (فیاض)

ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔ پھر بعض زمانوں میں گناہ کا ارتکاب کرنے سے اس کی سزا بڑھ جاتی ہے۔ جیسے حرمت والے چار مہینے۔ تو اسی طرح ان پاک مقامات پر گناہ کی سزا بھی ڈبل ہو جاتی ہے کیونکہ اس نے اس پاک خطے کی حرمت کو برقرار نہیں رکھا۔ اسی طرح بعض افراد کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ سورۃ احزاب میں اللہ کا فرمان ہے یٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ ۔ (آیت۔ ۳۲) اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں۔ اللہ نے تمہیں شرف بھی بڑا عطا فرمایا ہے۔ اور اگر تم کوئی بُرا کام کرو گی۔ يُضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ (آیت۔ ۳۰) تو تمہاری سزا بھی دگنی ہو گی بہر حال فرمایا کہ جو شخص حرم پاک میں کجروی اختیار کرے گا اُسے ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ
بِیْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِیَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ
وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ
رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ
عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ
اللّٰهِ فِیْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ
بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ
الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ
وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

ترجمہ:- اور (اس بات کو دھیان میں لاؤ) جب کہ ہم نے واضح کی ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیت اللہ شریف کی جگہ (اور اُن سے کہا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر کو پاک صاف رکھو طواف کرنے والوں کے لیے، کھڑا ہونے والوں کے لیے اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے ﴿۲۶﴾ اور اعلان کرو لوگوں میں حج کا، آئیں گے وہ تمہاری طرف پیدل اور دبلی پتلی اونٹنیوں پر جو چلی آئیں گی ہر دور دراز راستے

سے ﴿۲۷﴾ تاکہ وہ حاضر ہو جائیں اپنے فائدوں کی جگہ پر ،
اور یاد کریں وہ اللہ کے نام کو معلوم دنوں میں اُس چیز
پر جو اللہ نے اُن کو روزی دی ہے مویشیوں میں سے
پس کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ مصیبت زدہ محتاج
کو ﴿۲۸﴾ پھر چاہیئے کہ وہ دُور کریں اپنے میل کچیل
اور پورا کریں اپنی نذروں کو اور طواف کریں اللہ کے
پُرانے گھر کا ﴿۲۹﴾

ربط آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام اور پورے خطہ حرم شریف کے محترم ہونے کا ذکر کیا تھا۔ اللہ نے یہ وعید بھی فرمائی کہ جو شخص اس مقدس سرزمین میں ظلم و زیادتی، معصیت یا الحاد اختیار کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دے گا۔ کیونکہ اس نے حرم پاک جیسے پاک خطے کا تقدس برقرار نہیں رکھا۔

تعمیر بیت اللہ شریف

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر، حج اور قربانی کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ذرا اس واقعہ کو دھیان میں لاؤ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ جب کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیت اللہ شریف کی جگہ کو واضح کر دیا۔ آپ کے زمانہ تک بیت اللہ شریف کی سابقہ عمارت سیلاب کی نذر ہو چکی تھی اور اس وقت تک اس کے نشان تک بھی مٹ چکے تھے۔ البتہ اس جگہ کا تقدس باقی تھا اور لوگ وہاں آکر دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ترمذی شریف میں قوم عاد کا ذکر موجود ہے کہ یہ قوم وادیٔ داہنا اور یمن کے اطراف میں ربع خالی میں آباد تھی۔ ایک موقع پر ان کے علاقے میں متواتر تین سال تک بارش اور قحط پڑ گیا۔ انہوں نے اپنے رواج کے مطابق ایک وفد تیار کیا جو مکے کے اطراف کے پہاڑوں میں جا کر دُعا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ باران رحمت نازل فرمائے۔ تو ان لوگوں نے بھی وہاں آکر دعائیں کیں۔ مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اکثر

انبیاء بھی اس مقام پر آکر طواف کیا کرتے تھے اگرچہ بیت اللہ کی عمارت موجود نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دور آیا تو اللہ نے خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کا ارادہ فرمایا۔ اصل مقام کو واضح کرنے کے لیے اللہ نے ایک بادل بھیجا جس نے بیت اللہ شریف کی اصل جگہ پر سایہ کر دیا۔ پھر اللہ نے ہوا کو بھیجا جس نے اس جگہ کو صاف کر دیا۔ اب ابراہیم علیہ السلام کو اصل بنیادیں نظر آگئیں جن پر آدم علیہ السلام اور آپ سے پہلے فرشتوں نے یہ عمارت بنائی تھی۔ اب ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے مل کر اسی مقام پر بیت اللہ شریف کی عمارت ازسرنو کھڑی کی۔ یہاں پر اسی بات کا ذکر ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ کو واضح کر دیا اور پھر انہوں نے اس کی تعمیر کی۔

شرک کی ممانعت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر کعبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا حکم فرمایا۔ پہلا حکم یہ دیا اَنۡ لَّا تُشۡرِكۡ بِىۡ شَيۡـئًا میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا۔ یہ زمین پر محترم ترین خطہ اور قبلہ ہے۔ یہ گھر اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت کے لیے ہے، اس میں شرک کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیئے۔ اس گھر کی بنیاد اللہ کی توحید پر رکھی گئی ہے لہذا اس کو شرک کی آلودگی سے پاک رکھو۔ یہاں پر اللہ کی خاص رحمت کا نزول ہوتا ہے اور عبادت کرنے والوں کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ گذشتہ آیت میں گذر چکا ہے کہ اس مقام پر کسی قسم کا الحاد اور معصیت کی بات بھی نہ ہو، چہ جائیکہ شرک جیسے ظلم عظیم کا ارتکاب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس گھر کی طہارت و پاکیزگی کا حکم دیا تھا مگر مشرکین مکہ نے اس گھر کے اندر اور در و دیواروں پر تین سو ساٹھ بت سجا رکھے تھے۔ اس نجاست کو اللہ نے اپنے آخری نبی کی وساطت سے پاک کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنے زمانے میں بیت اللہ کو شرک سے پاک رکھا مگر بعد میں آنے والوں نے اس کے تقدس کو پامال کر دیا۔

بیت اللہ کی طہارت

اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم بھی دیا وَّطَهِّرۡ بَيۡتِىَ

لِلطَّآئِفِیْنَ میرے گھر یعنی بیت اللہ شریف کو طواف کرنے والوں کے لیے پاک وصاف رکھو۔ شرک کی باطنی نجاست کا تو پہلے ذکر ہو چکا ہے اب فرمایا کہ حرم پاک ظاہری نجاست سے بھی پاک ہونا چاہیے تاکہ یہاں آ کر طواف کرنے والوں کو کوئی دقت محسوس نہ ہو۔ طواف بھی نماز کی طرح ایک عبادت ہے۔ جس طرح نماز کے لیے جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح طواف کے لیے بیت اللہ شریف اور اس کے اردگرد مطاف کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ نماز اور طواف میں اس قدر فرق ہے کہ نماز میں انسان بات چیت نہیں کر سکتا جب کہ طواف کے دوران بوقت ضرورت کلام کر سکتا ہے۔

فرمایا بیت اللہ کی طہارت طواف کرنے والوں کے لیے بھی ضروری ہے وَالْقَآئِمِیْنَ اور قیام کرنے والوں کے لیے بھی یہ پاکیزگی ضروری ہے قیام سے مراد نماز کے لیے قیام بھی ہو سکتا ہے اعتکاف بھی مراد ہو سکتا ہے اور بیرونی علاقوں کے رہنے والوں کا ٹھہرنا بھی مراد ہو سکتا ہے چونکہ بیت اللہ شریف اور حرم پاک کے دروازے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے ہر وقت کھلے ہیں۔ لہٰذا ان کے قیام کے لیے اس کی طہارت بھی ضروری ہے پھر فرمایا وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ رکوع وسجود کرنے والوں یعنی نماز پڑھنے والوں کے لیے بھی حرم پاک کی طہارت ضروری ہے۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے گھر کی ظاہری اور باطنی طہارت کا اہتمام ہونا چاہیے۔

حج کا اعلان

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کو دوسرا حکم یہ دیا وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو کہ لوگو! اللہ کا گھر تعمیر ہو چکا ہے، آؤ اس کا حج کرو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مولا کریم! یہاں کوئی آبادی تو موجود نہیں۔ اس بے آباد جنگل میں تیرے گھر کے قریب ہم باپ بیٹا کے سوا کون ہے جو

اس اعلانِ حج کو سُن کر حج کرنے کے لیے آئے گا تو اللہ نے فرمایا کہ تیرا کام صرف اعلان کرنا ہے یَا اَیُّھَا النَّاسُ فَقَدْ فَرَضَ عَلَیْکُمُ الْحَجّ لوگو! تم پر اللہ نے حج کو فرض قرار دیا ہے۔ تم اعلان کر دو، اس اعلان کو لوگوں کے کانوں تک پہنچانا میرا کام ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابوقبیس پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا تو اللہ نے یہ آواز روئے زمین کے تمام انسانوں تک، ماؤں کے رحموں میں موجود بچوں تک اور پھر آدم علیہ السلام کی پشت سے ساری نسلِ انسانی تک پہنچائی۔ چنانچہ جس جس نے یہ آواز سُنی وہ لبیک کہتا ہوا ضرور اس مقام تک پہنچے گا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہر انسان نے اس آواز کو سُنا خواہ بوقت اعلان وہ پیدا ہو چکا تھا یا بعد میں پیدا ہونے والا تھا مگر اُن کو اس کا ادراک نہیں ہے۔ اس مادی دنیا میں آ کر ہم بہت سی چیزوں کا ادراک کھو بیٹھے ہیں۔ مثلاً سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے کہ اللہ نے تمام نوعِ انسان سے عہدِ الست لیا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو تمام ارواح انسانی نے اس کا مثبت جواب دیا تھا کہ مولا کریم! کیوں نہیں؟ تو ہی ہمارا پروردگار ہے۔ اب یہ عہد کسی کو بھی یاد نہیں۔ یہ تو ارواح کی بات ہے، اس دنیا میں آنے کے بعد بھی انسان کو پیش آنیوالے بعض واقعات کا ادراک نہیں رہتا۔ مثلاً کوئی آدمی بڑا ہو کر اپنے بچپن کی اس بات کو ذہن میں نہیں لا سکتا کہ اس نے پہلا حرف ا، ب، ت یا کوئی پہلا لفظ کس سے سیکھا تھا۔ آخر اس نے بولنا سیکھا، مگر کس استاد سے، ماں سے، باپ سے یا کسی بہن بھائی سے۔ دنیا میں بڑے بڑے پروفیسر، دانشور، حکیم اور سائنسدان پیدا ہوئے ہیں مگر اس بات کا جواب کوئی نہیں دے سکتا۔ اس طرح اعلانِ حج سنا تو ہر ایک نے تھا مگر اب اس کا ادراک نہیں رہا اور کوئی شخص یاد نہیں کر پاتا کہ واقعی اس نے کسی وقت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ اعلان سنا تھا۔

حاجیوں کی آمد کی نوید

اللہ نے فرمایا، اے ابراہیمؑ! تم حج کا اعلان کر دو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا ۔ یَاْتُوْكَ رِجَالًا لوگ تیرے پاس حج کے لیے پا پیادہ بھی آئیں گے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ لبیک لبیک کی رٹ لگاتے ہوئے پیدل بھی پہنچیں گے وَعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ اور دبلی پتلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر بھی آئیں گے۔ پرانے زمانے میں تو اونٹ، گھوڑا، خچر وغیرہ کی سواریاں ہی تھیں جن کا ذکر کیا گیا ہے مگر اب تو بھاپ اور تیل سے چلنے والی تیز ترین رفتار سواریاں از قسم موٹریں ہوائی جہاز اور بحری جہاز موجود ہیں اور آمدہ زمانے میں ایٹمی طاقت سے چلنے والی سواریاں بھی خارج از امکان نہیں، اور ہو سکتا ہے کہ اللہ ان کے علاوہ بھی کوئی سواری ایجاد کر دے جو اس وقت ہمارے ذہن میں نہیں کیونکہ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وہ جو چاہے پیدا کرے، وہ قادرِ مطلق ہے۔ بہر حال فرمایا يَاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لوگ تمہارے پاس دور دراز راستوں سے چل کر حج کے لیے آئیں گے۔ تم ذرا اعلان تو کر دو۔ اب دیکھ لیں دنیا کے کونے کونے سے لوگ ہوائی جہازوں کے ذریعے اس اعلان پر لبیک کہتے ہوئے اللہ کے گھر کے طواف کے لیے پہنچ رہے ہیں۔

حج کے اجتماعی فوائد

فرمایا، ابراہیمؑ! لوگ تیرے پاس آئیں گے لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ تاکہ وہ اپنے فوائد کی جگہ پہ حاضر ہو جائیں۔ سفرِ حج میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے فوائد رکھے ہیں۔ چونکہ حج ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے اس لیے اس کی ادائیگی میں اجر و ثواب، ایمان، اخلاص، بخشش، مغفرت اور اللہ کی خوشنودی جیسے روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں دنیاوی طور پر بھی یہ عظیم اجتماع بہت سے فوائد کا حامل ہوتا ہے۔ اس اجتماع میں دنیا بھر کے مسلمان ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اپنے مسائل زیر بحث لاتے ہیں، مختلف امور پر تبادلہ خیال کرتے ہیں اور اس طرح ایک دوسرے کے تجربات سے مستفید ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اس

دور میں مسلمان سیاسی طور پر کمزور ہیں اور دنیا میں ان کو اجتماعیت حاصل نہیں ورنہ اس اجتماع سے بہت زیادہ مادی فوائد حاصل ہو سکتے تھے۔ اس وقت دنیا میں امریکہ اور روس جیسی سپر طاقتوں کا کنٹرول ہے اور پورا عالمِ اسلام مغلوب ہے، اس لیے وہ اپنی مرضی سے دنیا میں کوئی انقلاب برپا نہیں کر سکتے اب اتنا بھی غنیمت ہے کہ فریضہ حج ادا ہو رہا ہے۔ عالمِ اسلام کے حکمران فاسق فاجر اور بے عمل ہیں۔ ان کے پاس باتیں ہی باتیں ہیں، عملی طور پر کچھ نہیں۔ بعض ملوکیت کا شکار ہیں تو بعض ڈکٹیٹر بنے ہوئے ہیں۔ اسلام، ایمان اور جذبہ خدمت خلق مفقود ہے، ذاتی مفاد اور عیش و آرام پیش نظر ہے، اس لیے مسلمان بحیثیت مجموعی حج کے مادی فوائد حاصل نہیں کر رہے ہیں۔ تاہم اللہ نے سفر حج کو بڑا بابرکت بنایا ہے اس میں روحانی اور مادی فوائد رکھے ہیں۔

حج اور قربانی

فرمایا حاجیوں کی آمد کا ایک مقصد یہ بھی ہے وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ کہ وہ اللہ کے عطا کردہ مویشیوں پر معلوم دنوں میں اللہ کا نام ذکر کریں، یعنی وہاں پہنچ کر اللہ کے نام کی قربانی کریں۔ بھیڑ بکری، اونٹ اور گائے چار قسم کے جانور ہیں جو انسانوں سے مانوس ہوتے ہیں اور جنہیں اللہ نے ہدی یعنی قربانی کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔ یہ جانور عمرہ، حج قران یا حج تمتع کے وقت قربانی کیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات دوران حج یا عمرہ کسی جنایت کے ارتکاب پر بطور دم بھی قربانی کرنا پڑتی ہے۔ اسی چیز کے متعلق فرمایا کہ وہ مخصوص دنوں میں اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی پیش کریں۔

ایامِ قربانی کے متعلق فقہائے کرام میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں قربانی کا ذکر ہے اور ایامِ معلومات کے الفاظ استعمال

کیے گئے ہیں۔ اس کے برخلاف سورۃ البقرہ میں ہے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ (آیت ۔ ۲۰۳) گنے ہوئے دنوں میں اللہ کا ذکر کرو اور اس سے مراد منیٰ کے ایام تشریق ہیں جو دسویں سے تیرہویں ذوالحج تک چار دن بنتے ہیں۔ برخلاف اس کے ایام معلومات یعنی قربانی کے دن صرف تین ہیں یعنی دس، گیارہ اور بارہ ذوالحج۔ صحیحین کی حدیث میں موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ رکھے، پھر اگلے سال یہ حکم منسوخ کر دیا کہ گوشت جب تک چاہو رکھ سکتے ہو مگر قربانی تین دن ہی ہے۔ حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے کہ قربانی یوم النحر اور دو دن بعد تک ہے یعنی دسویں تا بارہویں۔ البتہ ایام تشریق چار دن یعنی تیرہویں تاریخ تک ہیں۔ تاہم کوئی شخص چاہے تو بارہ تاریخ کو بھی رمی جمار کے بعد منیٰ سے واپس آسکتا ہے۔

قربانی کے تین ایام پر تینوں آئمہ کرام متفق ہیں، البتہ امام شافعیؒ چوتھے دن بھی قربانی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ کسی صحیح حدیث میں چوتھے دن کی قربانی کا ذکر نہیں ہے۔ صرف دارقطنی کی ایک ضعیف روایت کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جب کہ صحاح ستہ میں تین دن کی قربانی کا ہی ذکر ہے۔ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قربانی کے دن تو تین ہوں اور اور قربانی کا گوشت چوتھے دن تک بھی اتنا ہی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حکم میں صرف تین دن تک گوشت رکھنے کا حکم دیا تھا۔ لہٰذا ایام قربانی تین ہی ہیں۔

فرمایا اللہ کے عطا کردہ جانوروں کو اس کے نام پر قربان کرو فَكُلُوْا مِنْهَا پس اس میں سے خود بھی کھاؤ۔ وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ اور ہر غریب اور محتاج کو بھی کھلاؤ۔ قربانی کا گوشت گھر میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور غریبوں محتاجوں کو بھی دیا جا سکتا ہے جب کہ نذر کا گوشت

اور دم کے طور پر دی گئی قربانی کا گوشت قربانی دینے والا خود نہیں کھا سکتا۔

غسل، نذر اور طوافِ زیارت

دسویں ذوالحجہ کو قربانی کرنے کے بعد حاجی احرام کھول دیتے ہیں، اور نہا دھو کر عام کپڑے پہن لیتے ہیں۔ اسی بات کے متعلق فرمایا کہ قربانی کرنے کے بعد حجامت بنواؤ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ پھر چاہیئے کہ وہ اپنی میل کچیل دور کریں۔ ایامِ احرام میں حاجی صابن استعمال نہیں کر سکتا۔ بالوں میں تیل اور کنگھی نہیں کر سکتا۔ ناخن نہیں کٹوا سکتا، میل کچیل جم جاتا ہے اس لیے فرمایا کہ اب تم حلال ہو چکے ہو۔ نہا دھو کر میل کچیل صاف کرو۔ بالوں میں تیل لگا سکتے ہو، کنگھی کر سکتے ہو، نئے کپڑے پہن سکتے ہو۔ اس کے علاوہ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ چاہیئے کہ اپنی نذریں پوری کریں۔ بعض لوگ منت مان لیتے ہیں کہ ارکانِ حج کی تکمیل پر نوافل ادا کریں گے، یا روزے رکھیں گے یا کوئی اور نیکی کا کام کریں گے۔ فرمایا اگر کوئی صحیح منت مان رکھی ہے تو اُس کو پورا کرو۔ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ اور چاہیئے کہ وہ پرانے گھر کا طواف کریں۔ پرانے گھر سے مراد بیت اللہ شریف اور طواف سے مراد طوافِ زیارت ہے جو دس تاریخ کو کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی مجبوری ہو تو گیارہویں اور بارہویں تاریخ تک مؤخر بھی کیا جا سکتا ہے اگر بارہویں تاریخ تک بھی طوافِ زیارت نہ کر سکا تو مردوں پر تاوان آئے گا، دم دینا پڑے گا۔ البتہ عورت اگر مجبور ہے تو پاک ہونے کے بعد طواف کر لے۔ حج کے تین ارکان ہیں۔ وقوفِ عرفہ، احرام اور طوافِ زیارت۔ ان کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص نویں ذوالحجہ کو دوپہر کے بعد غروبِ آفتاب تک ایک لمحہ کے لیے بھی میدانِ عرفات میں ٹھہر گیا تو اس کا حج ادا ہو گیا کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ وقوفِ عرفات اور طوافِ زیارت حج کے اہم ارکان ہیں، اس لیے فرمایا کہ قربانی کرنے کے بعد نہا دھو کر بیت اللہ شریف کا طواف کریں۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ
رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ
الزُّوْرِ ۝۳۰ حُنَفَاۗءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاۗءِ فَتَخْطَفُهُ
الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝۳۱
ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَاۗىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ
تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝۳۲ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى
اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ
الْعَتِيْقِ ۝۳۳ ع

ترجمہ :- یہ بات (تو ہو چکی) اور جو شخص تعظیم کرے گا
اللہ کی حرمتوں کی، پس وہ اس کے لیے بہتر ہے اس
کے پروردگار کے پاس۔ اور حلال کیے گئے ہیں تمہارے
لیے مویشی مگر وہ جو تم کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔
پس بچو بت پرستی کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات
سے ۳۰ سیدھے ہو اللہ کے لیے، نہ شرک کرنے
والے ہو اس کے ساتھ۔ اور جس شخص نے شرک کیا اللہ کیساتھ

پس گویا کہ وہ گر پڑا آسمان سے پھر اُچک لیا اُس کو
پرندوں نے یا پھینک دیا اُس کو ہوا نے کسی دور مکان
میں (۳۱) یہ بات (بھی تم نے سُن لی) اور جو شخص اللہ
کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا، پس بیشک یہ دلوں کے
تقوے کی بات ہے (۳۲) تمہارے لیے اُن (مویشیوں) میں
فوائد ہیں ایک مقررہ مدت تک پھر ان کا پہنچنا اللہ کے
اس پرانے گھر تک ہے (۳۳)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی تعمیر و تجدید کا ذکر فرمایا تھا۔ بیت اللہ شریف کی عمارت طوفان میں مٹ چکی تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے اسکی دوبارہ تعمیر کروائی اس کے بعد ابراہیم سے اعلانِ حج کروایا اور اس بات کی ذمہ داری خود اٹھائی کہ اس اعلان کو قیامت تک آنے والی نسلوں تک پہنچائے گا۔ اللہ نے یہ پیشین گوئی بھی فرمائی کہ اس اعلان کے جواب میں لوگ دور دراز علاقوں سے پیادہ اور سوار حج کے لیے آئیں گے اور اس سفر سے دینی اور دنیاوی فوائد حاصل کریں گے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مویشیوں کو اللہ کا نام لے کر اُس کی راہ میں قربان کرو اور قربانی کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔ اللہ نے فرمایا کہ قربانی کرنے کے بعد اپنی میل کچیل دور کرو، اپنی نذریں پوری کرو اور بیت اللہ شریف کے طوافِ زیارت کیلئے آؤ۔

حرمات اور شعائر اللہ کی تعظیم

آگے اللہ نے شعائر اللہ کی تعظیم اور قربانی کے کچھ مسائل بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے ذٰلِكَ یہ بات تو تم نے سُن لی یعنی بیت اللہ کی تعمیر نو، حج کی فرضیت اور قربانی کی بات تو تمہارے علم میں آگئی۔ اب یہ ایک اصولی بات ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم کی تو یہ چیز اُس کے حق میں بہتر ہے اُس کے پروردگار کے ہاں یعنی اللہ کی حرمات کی تعظیم اعلیٰ درجے کی نیکی میں داخل ہے۔ اس کے برخلاف غیر اللہ کی

حرمتوں کا ادب و آداب شرک میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محترم (قابلِ احترام) اشیاء میں بیت اللہ شریف، صفا و مروہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات اور تمام مساجد شامل ہیں۔ جن چیزوں کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے اُن کی تعظیم حقیقت میں اللہ کی تعظیم ہے۔ لہٰذا تمام حرمات کا ادب کرنا چاہیئے۔ اِن چیزوں کی بے ادبی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

اگلی آیت میں شعائر اللہ کی تعظیم کا ذکر بھی آرہا ہے اور شعائر سے بھی اللہ کی محترم چیزیں ہی مراد ہیں۔ شعائر اللہ کی تعظیم ہمارے دین کا اہم جزو ہے۔ ملتِ ابراہیمی میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننا، خدا تعالیٰ کا ذکر کرنا، صبر کرنا بھی اجزائے دین میں داخل ہیں، اللہ کی یہ نشانیاں خدا تعالیٰ کی عظمت، جلال اور جمال کی علامت ہوتی ہیں لہٰذا اِن کا احترام کرنا ازحد ضروری ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اذان، اقامت، نماز اور قربانی شعائر اللہ کا حصہ ہیں اور اِن کا تمسخر اڑانا بے ادبی اور بے دینی کی بات ہے۔ اعظم شعائر اللہ میں نماز، خانہ کعبہ، قرآن پاک اور خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ اللہ کی توحید کو ماننے والے اہلِ ایمان ان سب چیزوں کا ادب و احترام کرتے ہیں۔ اللہ نے تعظیم شعائر اللہ کو نیکی میں شمار کیا ہے اور اس کے خلاف کرنے والوں کو وعید سنائی ہے۔

حلال اور حرام جانور

آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے مویشیوں کی حلت و حرمت کا قانون بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ اللہ تعالیٰ نے تم پر مویشی حلال کیے ہیں ماسوائے اُن کے جو تمہیں اللہ کی کتاب سے پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ حلال جانوروں کی تفصیل سورۃ الانعام میں گزر چکی ہے کہ یہ چار قسم کے مویشی ہیں جن کے نر اور مادہ دونوں حلال ہیں اور یہی جانور قربانی کے لیے پیش کیے جاتے ہیں ان میں اونٹ، بھیڑ، بکری اور گائے شامل ہیں۔ اِن جانوروں پر اللہ کا نام

لے کر اِن کے حلق پر چھری چلا سکتے ہو۔ اور جو مویشی تم پر حرام ہیں اُن کی تفصیل بھی اللہ نے مختلف سورتوں میں بیان کر دی ہے سورۃ المائدہ میں ہے

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ط

(آیت ۳) اللہ نے تم پر حرام کیا ہے مرا ہوا جانور، اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر خدا کے سوا کسی غیر کا نام پکارا جائے۔ اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے۔ اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور گر کر مر جائے اور جو سینگ لگ کر مر جائے اور جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جسے تم مرنے سے پہلے ذبح کر لو، اور وہ جانور جو تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تیر پانسوں سے قسمت معلوم کرو۔ تھان پر ذبح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی قبر، تکیہ، درخت یا پتھر کی تعظیم کے لیے اس کے پاس ذبح کیا جائے یا کسی بھی ایسی چیز کی تعظیم کے لیے جانور ذبح کیا جائے جس سے اللہ کی تعظیم مراد نہ ہو۔ یہ تمام چیزیں حرام ہیں اور مردار کے حکم میں داخل ہیں۔

بت پرستی کی نجاست

آگے فرمایا فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ پس بت پرستی کی گندگی سے بچو۔ اوثان وثن کی جمع ہے جو ان گھڑے بت کے لیے بولا جاتا ہے۔ کوئی درخت ہو یا پتھر ہو جو کسی شکل پر نہ بنایا گیا ہو۔ اور صنم وہ ہوتا ہے جو کسی انسان یا جانور وغیرہ کی شکل کا بت ہو۔ مشرکین عرب دونوں قسم کے بتوں کے پجاری تھے۔ ہندو بھی کسی درخت یا پتھر وغیرہ پر چونا لگا کر اور اُوپر دھجا وغیرہ ڈال کر اُس کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح صلیب کے پجاری صلیب کی ایسی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیئے۔ یہ سب مشرکیہ افعال ہیں۔

ویسے مطلقاً بت پرستی دنیا میں عام ہے۔ کوئی زندہ کی پرستش کرتا ہے اور کوئی مردہ کی۔ کوئی قبروں کی پوجا کرتے ہیں اور کوئی اولیاء اللہ اور ملائکہ کی، ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر ان سے فریادرسی کی جاتی ہے حالانکہ ایک مومن کا عقیدہ یہ ہے۔

ندارم غیر از تو فریاد رس[۱]
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

مولا کریم! تیرے علاوہ کوئی فریاد سننے والا نہیں ہے۔ کوئی بھی مافوق الاسباب غائبانہ مدد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی کسی کی مشکل حل کر سکتا ہے نہ کوئی کسی کی ظاہری یا باطنی حاجت پوری کر سکتا ہے اور نہ کسی بیمار کو شفا دے سکتا ہے۔ اللہ کے سوا نہ کسی کو کلی علم ہے اور نہ اختیار۔ ساری مخلوق عابد ہے اور معبود صرف اللہ کی ذات ہے۔ وہ صاحبِ کمال اور صاحبِ جمال ہے فریاد رس وہی ہے۔ برخلاف اس کے بت پرستی، گندگی اور نجاست ہے اور اسی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ سورۃ المدثر میں بھی ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (آیت -۵) اپنے آپ سے نجاست اور گندگی کو دور رکھو۔ یہاں بھی فرمایا کہ غیر اللہ کے تقرب کے لیے جانور ذبح کرنا شرک اور گندگی ہے، اس سے بچ جاؤ۔ قربانی صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کیلئے کرو۔

جھوٹی گواہی

اللہ نے فرمایا ایک تو بت پرستی کی نجاست سے بچو اور دوسرے وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔ جھوٹی بات سے کوئی بھی جھوٹی بات ہو سکتی ہے اور اس میں جھوٹی گواہی کو خصوصی حیثیت حاصل ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے عُدِّلَتْ شَهَادَةَ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ یعنی جھوٹی گواہی دینا اللہ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے اور اسے اکبر الکبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ جھوٹا وعدہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔

---

[۱] کریما سعدی ص۲ (فیاض)

حنیف نہ کہ مشرک

ارشاد فرمایا حُنَفَآءَ لِلّٰہِ اللہ کے لیے حنیف بن جاؤ یعنی ہر طرف سے ہٹ کر صرف ایک اللہ کی طرف لگ جاؤ۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانتا ہے، قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتا ہے، ختنہ کرتا ہے، بیت اللہ کا حج کرتا ہے اور شرک نہیں کرتا، وہ حنیف ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اولین حنیف اور تمام حنفائے کے امام تھے۔ حنیفیت کا دور آپ ہی کے زمانے سے شروع ہوا۔ حنیفیت میں توحید کو ماننا مقدم ہے، اسی بات کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور قوم کو چھوڑا۔ آپ ہمیشہ شرک سے بچنے کی تلقین کرتے تھے۔

فرمایا اللہ کے لیے حنیف ہو جاؤ اس حال میں کہ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِہٖ اس کے ساتھ کسی طرح بھی شرک کرنے والے نہ ہو۔ شرک قطعاً پسندیدہ نہیں، اس کا اظہار نہ قول سے ہونا چاہیئے، نہ فعل سے، نہ عمل سے اور نہ عقیدے سے۔ اگر کوئی شخص ایسا عمل کرتا ہے جس سے غیر اللہ کی انتہائی تعظیم ہوتی ہے تو وہ شخص مشرک بن جائے گا۔ غیر اللہ کی نذر و نیاز اور چڑھاوا فعلی شرک ہے۔ شرک عبادت میں بھی ہوتا ہے اور عادت میں بھی جب تک انسان سچے دل سے توبہ نہ کر لے اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ فلاں آدمی ہر چیز کو جانتا ہے، جو چاہے کر سکتا اور بگڑی بنا سکتا ہے تو ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مشرک ہو جائے گا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ہر چیز پہ حاضر و ناظر اور ہر چیز کو جاننے والا تو فقط خدائے ذوالجلال ہے وَاللّٰہُ عَلٰی كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ ہر چیز پہ نگہبان بھی وہی ہے، لہٰذا مخلوق میں سے کوئی بھی اس صفت سے متصف نہیں۔ غیر اللہ کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا شرک فی العقیدہ میں شمار ہوگا۔

شرک کی قباحت

آگے اللہ تعالیٰ نے شرک کی قباحت دو مثالوں کے ذریعے بیان فرمائی ہے۔ فرمایا وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ اور جس شخص نے شرک باللہ کا

ارتکاب کیا فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ وہ ایسا ہے جیسا کہ آسمان سے گر پڑا فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ پھر اُسے پرندوں نے اُچک لیا۔ پرندوں میں مردار خور چیلیں یا گدھیں وغیرہ ہوتی ہیں جو مردہ جانور کو نوچ نوچ کر کھا جاتی ہیں۔ تو شرک کی ایک مثال تو یہ ہے گویا کہ اُس کے مردہ جسم کو چیلیں نوچ نوچ کر کھا جائیں اور دوسری مثال یہ کہ اَوْ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ یا کوئی ایسی تند و تیز ہوا چلے جو اُسے اڑا کر دور کسی گڑھے میں جا پھینکے اور اس کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ دونوں مثالیں مشرک آدمی کو نابود کرنے کے متعلق ہیں۔ گویا مشرک آدمی کو اللہ تعالیٰ اتنی سخت سزا دے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کی پرستش کرنا، اس کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا، اللہ کی تعظیم کی بجائے مخلوق کی تعظیم کرنا گویا آسمان کی بلندی سے گرنے کے مترادف ہے۔ ایسا شخص توحید جیسی بلندی سے گر کر ذلت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔

مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ مشرک دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو شرک میں پوری طرح پختہ نہیں ہوتا بلکہ مذبذب ہوتا ہے اس کی مثال پرندوں کے نوچنے والی ہے۔ اور جو مشرک اپنے شرک میں پختہ ہوتا ہے۔ اُس کی مثال دوسری ہے کہ ہوا اُسے اڑا کر کہیں گڑھے میں جا پھینکے۔ بیت اللہ کی بنیاد تو اللہ نے توحید پر قائم کی ہے۔ اس کے برخلاف جو شرک کا راستہ اختیار کرتا ہے اُس کا انجام اور شرک کی قباحت بھی بیان فرما دی۔

دلوں کا تقویٰ

پھر قربانی ہی کے تسلسل میں فرمایا ذٰلِكَ یہ بات تو تم نے سُن لی یعنی جانوروں کی حلت و حرمت کا علم تو تمہیں ہو گیا۔ اب وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔ دوسرے لفظوں میں جس شخص

کے دل میں تقوی ہوگا وہی شعائر اللہ کی تعظیم کرے گا۔ اذان، اقامت، نماز، روزہ، حج، مسجد، اولیاء اللہ، نبی، خانہ کعبہ اور دیگر تمام مقامات مقدسہ کی تعظیم تقوے سے تعلق رکھتی ہے۔ جس کے دل میں تقوی نہیں، وہ تعظیم بھی نہیں کرے گا۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ دلِ اللہ کی زمین میں ظروف کی مانند ہیں۔ تو اچھا برتن وہی ہوتا ہے جو صاف شفاف اور نجاست سے پاک ہو۔ اسی طرح انسان کا دل بھی کفر، شرک، نفاق اور بدعات کی نجاست سے پاک ہونا چاہیئے یہی دل کا تقویٰ ہے اور جس کے ذریعے شعائر اللہ کی تعظیم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی کے ذریعے پیغام بھیجا کہ وہ لوگوں کو تلقین کریں کہ لوگ اپنے دلوں کو صاف رکھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار! دلوں کو کیسے پاک صاف رکھا جا سکتا ہے تو اللہ نے فرمایا کہ دل میں میری عظمت اور محبت پیدا کرو۔ جس دل میں محبتِ خداوندی کی آگ روشن ہوگی، وہ آگ تمام ردی خواہشات، کفر، شرک، بدعقیدگی اور نفاق کو جلا کر راکھ کر دے گی اور دل پاک صاف ہو جائے گا۔ اس کے برخلاف جس دل میں شرکیہ عقائد و اعمال ہوں گے وہ صاف نہ ہو سکے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کے تقوے کی وجہ سے ہوتی ہے

ہدی کے جانور

ارشاد ہوتا ہے لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى تمہارے لیے قربانی کے جانوروں میں ایک مقررہ مدت تک فائدے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو بڑی تکلیف اٹھا کر پیدل چل رہا تھا حالانکہ اس کے ساتھ جانور بھی تھے آپ نے پوچھا کہ تم اس پر سوار کیوں نہیں ہو جاتے تو اس نے عرض کیا حضور! یہ ہدی کے جانور ہیں جنہیں حرم شریف میں جا کر ذبح کرنا ہے۔ قربانی کے جانور ہونے کی وجہ سے میں نے ان پر سواری نہیں کی۔ آپ نے فرمایا کہ مجبوری کی حالت میں تو تمہیں کسی ایک پر سوار ہونے کی اجازت ہے

ہاں اگر اس کے علاوہ تمہارے پاس کوئی دوسری سواری ہوتی جو قربانی کے لیے مخصوص نہ ہوتی تو پھر تم ان ہی کے جانوروں پر سواری نہیں کر سکتے تھے۔ ایسی صورت میں قربانی کے جانوروں کا دودھ بھی استعمال نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان سے کوئی دوسری خدمت لی جا سکتی ہے۔ وہ شخص پھر بھی سوار ہونے سے ہچکچایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا وَیلَکَ اِرْکَبْھَا افسوس ہے تمہارے اس پر سوار ہو جاؤ۔ جب خدا تعالےٰ نے اجازت دی ہے تو تم اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے۔ اسی لیے اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ ان قربانی کے جانوروں میں ایک خاص مدت تک تمہارے لیے فائدے کی بات ہے بعض فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے جانوروں سے فائدہ اٹھانے کی اس وقت تک اجازت ہوتی ہے جب تک انہیں قربانی کیلئے نامزد نہ کر دیا گیا ہو۔ جب نامزد کر دیا تو پھر ان کا دودھ، کھال، بال وغیرہ سب صدقہ ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز استعمال کرے گا۔ تو اس کی قیمت ادا کرنا ہو گی کیونکہ اب یہ تمام اشیاء اللہ کی نیاز بن چکی ہیں۔ جو غریبوں اور محتاجوں کا حق ہے۔

بیت العتیق

فرمایا ثُمَّ مَحِلُّهَآ إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ پھر ان کے پہنچنے کی جگہ اللہ کا پرانا گھر ہے۔ جہاں جا کر ان کو قربان کیا جائیگا عتیق کے دو معنی آتے ہیں۔ عام فہم معنیٰ تو پرانا گھر ہے کہ اللہ کی عبادت کے لیے بنایا جانے والا یہ اولین گھر ہے، جیسے فرمایا اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ (آل عمران - ۹۶) سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے عبادت کی غرض سے بنایا گیا وہ مکہ مکرمہ میں ہے اور جہان بھر کے لیے باعث ہدایت ہے۔ زمین کی تخلیق کا مرکز بھی یہی ہے۔ اسی مقام سے زمین کا پھیلاؤ ہوا۔ اس لحاظ سے بھی یہ پرانا گھر ہے۔

عتیق کا دوسرا معنیٰ آزاد کرنے کا ہے اور یہ معنیٰ بھی درست ہے

کہ بیت اللہ شریف ہر جبار کے تسلط سے آزاد ہے جس نے بھی اس کی طرف بری نظر سے دیکھا، اللہ نے اس کو ذلیل و خوار کیا۔ جب ابرہہ نے بیت اللہ شریف کو گرانے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے تین میل دور ہی وادیٔ محسر میں اس کے لشکر کو تباہ کر دیا۔ قیامت[1] کی نشانیوں میں البتہ آتا ہے کہ قرب قیامت میں حبشہ کا ایک ظالم شخص کعبۃ اللہ کو گرا دیگا۔ اس سے پہلے کئی لشکر آتے رہے مگر اللہ نے ان کو زمین میں دھنسا دیا۔ اور بیت اللہ شریف کی آزادی پر حرف نہیں آنے دیا۔

مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ بیت اللہ محض اینٹوں اور پتھروں کی عمارت کا نام نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ پتھر اکھاڑ کر دوسری جگہ گھر بنا دیا جاتا تو وہ بھی بیت اللہ ہوتا۔ مگر یہ بات نہیں ہے۔ بیت اللہ دراصل اس مقام کا نام ہے جس مقام پر یہ گھر تعمیر ہوا ہے۔ اگرچہ یہ مادی گھر ہے مگر اللہ نے اسے اپنی ذاتی تجلیات کا مہبط بنایا ہے اور یہ درجہ کسی دوسرے مقام کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ نے اسے ہماری عبادات کے لیے جہت بنایا ہے۔ قربانی کے جانور حدودِ حرم میں منیٰ یا دوسری جگہوں پر قربان کیے جاتے ہیں۔ اپنے اپنے ملکوں میں قربانی کرتے وقت بھی جانوروں کے رُخ قبلہ کی طرف پھیر دینے چاہئیں۔ یہ اس قدیم گھر کی تعظیم کے احکام میں سے ہے۔

---

[1] بخاری ص ۲۱۶ ج ۱ و ص ۲۱۷ ج ۱ (فیاض)

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ
وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ
اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ
اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ
لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا
صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا
وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا
لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا
وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ
سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ
وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ:- اور ہر امت کے لیے ہم نے مقرر
کیا ہے قربانی کا طریقہ تاکہ وہ یاد کریں اللہ کا نام اُس
پر جو اُس نے اُن کو رزق دیا ہے مویشیوں میں سے،

پس تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے۔ پس اس کی فرمانبرداری کرو۔ اور خوشخبری سُنا دو عاجزی کرنے والوں کو (۳۴) وہ کہ جب اللہ کا نام ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دِل ڈر جاتے ہیں، اور وہ صبر کرنے والے ہیں اُس پر جو انہیں مصیبت پہنچتی ہے، اور قائم کرنے والے نماز کو، اور اسمیں سے جو ہم نے ان کو روزی دی ہے خرچ کرتے ہیں (۳۵) اور قربانی کے اونٹ، بنایا ہے ہم نے اُن کو تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے۔ تمہارے لیے ان میں بہتری ہے۔ پس یاد کرو اللہ کا نام اُن پر جب وہ قطار میں کھڑے ہوں۔ پس جب گر پڑیں وہ اپنی کروٹوں کے بل، پس کھاؤ اُن میں سے، اور کھلاؤ قناعت کرنے والے اور بے قرار شخص کو۔ اور اسی طرح ہم نے مسخر کیا ہے اُن کو تمہارے لیے تاکہ تم (اللہ کی نعمتوں کا) شکر ادا کرو (۳۶) ہرگز نہیں پہنچتے اللہ تک اُن کے گوشت اور نہ اُن کے خون، بلکہ پہنچتا ہے اُس تک تقویٰ تمہارا۔ اسی طرح مسخر کیا ہے تمہارے لیے اِن جانوروں کو تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی اُس پر جو اُس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے۔ اور خوشخبری سُنا دو نیکی کرنے والوں کو (۳۷)

ربطِ آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حرم شریف کا ادب و احترام ذکر کیا۔ پھر خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کا حکم دیا اور اُس کی فضیلت بیان فرمائی۔ اللہ نے لوگوں کے وہاں تک پہنچنے کی پیشین گوئی بھی فرمائی اور شعائر اللہ کی تعظیم کا ذکر بھی کیا۔ پھر شرک کی قباحت کو مثال کے ذریعے سمجھایا۔ چونکہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں

داخل ہیں اس لیے اللہ نے آج کی آیات میں قربانی کے بعض احکامات بیان فرمائے ہیں اور اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ قربانی صرف آخری امت کے لوگوں کے لیے ہی مقرر نہیں کی گئی بلکہ اللہ نے سابقہ تمام امتوں کے لیے اس کا طریقہ مقرر کیا تھا۔

قربانی کا طریقہ

ارشاد ہوتا ہے وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے۔ منسک کا معنی مطلق عبادت بھی ہوتا ہے اور قربانی کا طور طریقہ بھی۔ تاہم یہاں پر دوسرا معنی مراد ہے۔ جیسا کہ نفس مضمون سے ظاہر ہے۔ اگر یہ مصدر ظرف ہو تو اس کا معنی قربان گاہ بھی درست ہے۔ کیونکہ قربانی کے جانور منیٰ میں واقع قربان گاہ میں لے جا کر ذبح کیے جاتے ہیں قربانی کا لفظ تقرب سے ہے اور اس کو یہ نام اسی لیے دیا گیا ہے کہ یہ تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی ہے تو فرمایا ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ تاکہ وہ اللہ کا نام ذکر کریں اس چیز پر جو اللہ نے انہیں چوپائے مویشیوں کی صورت میں روزی دی ہے۔ چنانچہ قربانی انہیں مویشیوں کی ہوتی ہے جن کا ذکر اللہ نے سورۃ الانعام میں کیا ہے یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری۔ یہ چاروں قسم کے جانور بہیمۃ الانعام کہلاتے ہیں اور یہ ایسے پالتو جانور ہیں جو انسان سے زیادہ قریب اور اس سے مانوس ہوتے ہیں۔ جنگلی اور شکاری جانوروں کی طرح یہ متوحش نہیں ہوتے، بلکہ اللہ نے ان کی فطرت میں انسانوں کی خدمت کا جذبہ رکھ دیا ہے چنانچہ اللہ نے اپنی نیاز کے طور پر پیش کیے جانے کے لیے یہ چار قسم کے نر اور مادہ مویشی مقرر فرمائے ہیں۔

ملت ابراہیمیہ میں متوارث طریقے کے مطابق جس جانور کے حلق پر چھری رکھ کر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے وہ جانور حلال ہوتا ہے۔ اگر اس طریقے

کے خلاف کیا جائے گا تو جانور حلال نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص جانوروں کو قطار میں کھڑا کرکے گولی مار دے یا اُوپر سے مشین چلا کر گردن کاٹ دے یا تلوار کا یکدم وار کرکے گردن جدا کر دے تو یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ بعض لوگ چھُری پر بسم اللہ لکھ کر اُس سے ذبح کرتے ہیں اور زبان سے بسم اللہ اللہ اکبر ادا نہیں کرتے، یہ بھی غلط طریقہ ہے۔ بعض لوگ بسم اللہ پڑھ کر مشین کا بٹن دبا دیتے ہیں جس سے بہت سے جانور بیک وقت ذبح ہوجاتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے یہ بسم اللہ تو بٹن دبانے کی ہے، ہر جانور کے لیے علیحدہ علیحدہ اللہ کا نام لے کر تو ذبح نہیں کیا گیا۔ ایسا جانور حلال نہیں ہوگا۔ بلکہ مردار کی تعریف میں آئے گا۔ ہر جانور کے حلق پر بسم اللہ پڑھ کر چھُری چلانا ضروری ہے ہاں اگر کوئی مجبوری لاحق ہوجائے تو پھر دوسرے طریقے بھی استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً جانور کسی ایسی جگہ پھنس گیا ہے جہاں پر حلق پر چھری نہیں چلائی جاسکتی یا متوحش ہوگیا اور قابو میں نہیں آتا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر اگر اُس کی ران میں بھی زخم لگا دو گے، تو وہ حلال ہوجائیگا۔ بہر حال عام حالات میں ملتِ ابراہیمیہ کے طریقے پر ہی ذبح کیا جائے گا تو جانور حلال ہوگا، ورنہ نہیں۔

غیر اللہ کے لیے قربانی

ذبح کرتے وقت اللہ کا نام ذکر کرنے سے مراد یہ ہے کہ قربانی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کے لیے اُس کی نیاز کے طور پر کی جائے اگر کوئی جانور غیر اللہ کی خوشنودی کے لیے ذبح کیا جائے گا تو اُس میں حرمت پیدا ہوجاتی ہے اور وہ مردار ہوجاتا ہے۔ ملتِ حنیفیہ کے تمام امام اس بات پر متفق ہیں کہ غیر اللہ کے نام پر کی گئی قربانی میں روحانی نجاست پیدا ہوجاتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں مردار، خون، خنزیر کے گوشت کی حرمت کا ذکر کیا ہے وہاں وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (البقرہ - ۱۷۳) کہہ کر غیر اللہ کے تقرب کے لیے کی جانے والی قربانی

کو بھی قطعی حرام قرار دیا ہے۔ بہرحال اللہ نے فرمایا ہے وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الانعام۔۱۲۲) جس جانور پر اللہ کا نام ذکر نہ کیا گیا ہو۔ اس میں سے مت کھاؤ۔

توحید اور اخبات

آگے ارشاد ہے فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ پس تمہارا معبودِ برحق ایک ہی معبود ہے فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا پس اُسی کی فرمانبرداری کرو۔ اُسی ایک خدا کے حکم کو مانو اور اُسی کے سامنے جھکو۔ اُس کے جلال اور عظمت سے ڈرتے رہو اور اُس کے نام کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ اور عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔ اخبات کا معنے اللہ تعالےٰ کے سامنے اظہار نیاز مندی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں[1]۔ کہ انسان کی سعادت اور نیک بختی اِن چار چیزوں میں ہے یعنی (۱) طہارت (۲) اخبات (۳) سماحت (یعنی خواہشات اور حقیر چیزوں سے بچنا) اور (۴) عدالت، اگر طہارت کی بجائے نجاست ہو گی خواہ عقیدہ میں ہو یا عمل میں، اخبات یعنی عاجزی کی بجائے غرور، سماحت یعنی فیاضی کی بجائے خسیس خواہشات اور عدالت کی بجائے ظلم ہو گا تو یہ بدبختی کی علامت ہے۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء اور تمام آسمانی شرائع نے اِن چار چیزوں کی تعلیم دی ہے یہاں پر اللہ نے فرمایا کہ عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو کہ وہ سعادت مند ہوں گے اور اللہ کے ہاں اُن کا انجام اچھا ہو گا۔

عاجزی کرنے والوں کی صفات

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخبتین یعنی عاجزی کرنے والوں کی بعض صفات بیان کی ہیں۔ اُن کی پہلی صفت یہ ہے اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ جب اُن کے سامنے اللہ تعالےٰ کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے دِل ڈر جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ بڑی شان کا مالک ہے لہٰذا اُس کے ذکر سے دِل میں خشیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا اُن کے

[1] ہمعات ص۸۹ و حجۃ اللہ ص۵۳ ج۱ (فیاض)

دِل پر اللہ کے جلال و جبروت کا اثر ہو جاتا ہے اور وہ ڈر جاتے ہیں۔
اخبات اختیار کرنے والوں کی دوسری صفت یہ ہے وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ جو بھی مصیبت یا سختی اُن کو پہنچتی ہے، وہ اس پر صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ حق کے راستے میں خواہ انہیں کوئی اندرونی مشکل پیش آئے یا کسی بیرونی آفت میں گرفتار ہو جائیں، اُن کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی، جزع فزع اور بے صبری کا اظہار نہیں کرتے بلکہ آمدہ پریشانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔
اُن کی تیسری صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وہ نماز قائم کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والی عبادات میں سے نماز کو اولیت حاصل ہے۔ لہٰذا مخبتین کی جماعت نماز پر مداومت اختیار کرتے ہیں اور اس کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔
اللہ نے چوتھی صفت کے طور پر فرمایا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ جو کچھ ہم نے اُن کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اس خرچ سے مراد انفاق فی سبیل اللہ ہے یعنی جس موقع و محل پر اللہ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے وہاں خرچ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ خرچ کبھی فرض ہوتا ہے، کبھی واجب، کبھی سنت اور کبھی مستحب۔ ان سب مدات میں خرچ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے لواحقین، ملازمین، احباب، مہمانان، غربا و مساکین پر خرچ کرتے ہیں۔ عبادات کے ضمن میں حج، عمرہ، جہاد اور تبلیغ پر خرچ کرتے ہیں۔ اس میں نیکی کی تمام بنیادی باتیں آگئی ہیں سو اِن لوگوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان اوصاف کے حاملین عاجزی کرنے والوں کا انجام اچھا ہو گا

اونٹ کی قربانی

قربانی کے جانوروں کے متعلق مزید فرمایا وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اور قربانی کے اونٹ کہ اُن کو ہم نے

تمھارے لیے اللہ کی نشانیوں میں سے بنایا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے قربانی بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔ جب وہ اس مقصد کے لیے نامزد ہو گئی تو اس میں تقدس والی بات پیدا ہو گئی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بن گئی۔

بُدْنَ موٹے اور جسیم جانور پہ بولا جاتا ہے چونکہ اونٹ بڑی کلانی کا جانور ہے اس لیے عام طور پر یہ لفظ اونٹ کے لیے بولا جاتا ہے جیسے موٹے آدمی کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور تَبَدَّنَ کا معنیٰ ہوتا ہے کہ فلاں شخص کا بدن موٹا ہو گیا ہے۔ بہر حال بُدن سے مراد اونٹ ہے۔ امام شافعیؒ اسے صرف اونٹوں پر محمول کرتے ہیں۔ جب کہ امام ابو حنیفہؒ گائے بھینس کو بھی بُدن میں شامل کرتے ہیں۔ اُن کا استدلال یہ ہے کہ حضور کا فرمان ہے وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ یعنی ایک اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی اور ایک گائے کی قربانی میں بھی سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ البتہ اونٹ میں اس کی بڑائی کی وجہ سے چونکہ فائدہ زیادہ ہے، اس لیے گائے بھینس پر اس کو فضیلت حاصل ہے، تاہم گائے بھینس کا بھی یہی حکم ہے فرمایا لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ اس میں تمھارے لیے بہتری ہے۔

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ پس اِن قربانی کے اونٹوں پہ اللہ کا نام ذکر کرو۔ جب کہ وہ قطار باندھے کھڑے ہوں۔ اس لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹوں کو بٹھا کر ذبح کرنا درست نہیں بلکہ انہیں کھڑے کھڑے ہی نحر کر دینا چاہیئے۔ اونٹ کا ایک گھٹنا باندھ دیا جائے اور پھر اُسے تین پاؤں پہ کھڑا رکھ کر اس کی گردن میں زخم لگایا جائے۔ اس کو نحر کرنا کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ

حضور علیہ السلام کی سنت یہ ہے کہ اونٹ کا ایک گھٹنا باندھ کر اور تین پاؤں پر کھڑا کر کے نحر کیا جائے۔ اگرچہ بیٹھا کر بھی قربانی درست ہو جاتی ہے۔ مگر یہ خلافِ سنت اور خلافِ اولیٰ ہے۔

قربانی کا گوشت

ارشاد ہوتا ہے فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا پھر جب وہ نحر شدہ جانور پہلو کے بل گر جائیں۔ فَكُلُوا مِنْهَا تو اسکے گوشت میں سے خود کھاؤ۔ قربانی کا گوشت قربانی کرنے والا بھی کھا سکتا ہے۔ البتہ نذر کی قربانی یا دم کے طور پر دی گئی قربانی کا گوشت آدمی خود نہیں کھا سکتا۔ تو فرمایا کہ خود بھی کھاؤ وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ نیز قناعت کرنے والے اور بے قرار کو بھی کھلاؤ۔ بعض لوگ تھوڑی چیز پر بھی قناعت کر لیتے ہیں۔ اور بعض بے صبری کا اظہار کرتے ہیں۔ فرمایا سب کو کھلاؤ۔ قربانی کے گوشت سے کسی کو محروم نہ رکھو۔ اکثر لوگ گلیوں بازاروں میں مانگتے پھرتے ہیں۔ ان کو معتر کہا گیا ہے۔

جانوروں کی خدمت گزاری

فرمایا كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ اسی طرح ہم نے تمہارے لیے جانوروں کو مسخر کر دیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اونٹ اور بیل جیسے جانوروں کو تمہارے بس میں نہ کرتا تو یہ تمہیں نقصان پہنچاتے۔ اللہ نے اپنی حکمت سے ان کو تمہارے تابع کر دیا ہے، یہ تمہارے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان پر سواری کر لو، بوجھ لاد دو یا زراعت میں کام لے لو، یہ تمہارے خدمت گزار ہیں۔ اور ان کی تسخیر کا مقصد یہ ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بن جاؤ۔

اونٹ کی تو تخلیق ہی اللہ تعالیٰ نے عجیب طریقے پر کی ہے اللہ نے احسان کے طور پر فرمایا أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (الغاشیۃ - ۱۷) کیا وہ دیکھتے نہیں کہ اونٹوں کو کس عجیب و غریب طریقے سے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ بڑا طاقتور جانور ہے مگر اللہ نے اسمیں کمال درجے

کی اجارہ داری رکھی ہے۔ بڑا خدمت گزار ہے۔ انسان کا ایک چھوٹا سا بچہ بھی مہار پکڑ کر سو اونٹ کی قطار کو جدھر چاہے لے جا سکتا ہے۔ ابتدائے دنیا سے لے کر اونٹوں سے باربرداری کا بڑا کام لیا گیا ہے مگر اب مشینی دور میں اس کی وہ قدر و منزلت نہیں رہی۔ البتہ صحرائی علاقوں میں آج بھی اونٹ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

سوار ہونے کی دعا

فرمایا، اللہ نے تمہارے لیے سواریوں کو مسخر کر دیا ہے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ اور شکر گزاری کا اولین طریقہ حضور علیہ السلام نے دعا کی صورت میں بتلایا کہ جب تم کسی سواری پر سوار ہو تو یوں کہا کرو۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ۔ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (الزخرف ۱۳-۱۴) پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا، ورنہ اسے قابو میں کرنے کی ہم میں کہاں طاقت تھی۔ یہ دعا ہر جاندار سواری اور مشینی سواری پر سوار ہوتے وقت پڑھنی مسنون ہے۔ اونٹ گھوڑا ہو یا کار، ہوائی جہاز وغیرہ اسے اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے لیے تسخیر کیا ہے مگر جب وہ اپنی نگرانی اٹھا لیتا ہے تو پھر کسی سواری سے مستفید ہونا ہمارے بس کی بات نہیں رہتی۔ ابھی تین ہفتے کی بات ہے کہ ایک جاپانی جہاز طوفان میں گھر گیا جس کی وجہ سے ۵۲۸ آدمی ہلاک ہو گئے۔ دنیا میں آئے دن حادثات پیش آتے رہتے ہیں۔ ان سواریوں کی تسخیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

قربانی کی روح تقویٰ

آگے اللہ تعالیٰ نے قربانی کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ بلکہ اُسے تو تمہارا صرف تقویٰ پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیت اور ارادے کو دیکھتا ہے کہ اس میں کتنا خلوص ہے۔ تم یہ قربانی خالصتاً خدا کی رضا کے

لیے کر رہے ہو یا تمھارے دل و دماغ کے کسی کونے میں ریاکاری بھی چھپی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مادی گوشت اور خون کی ضرورت نہیں ہے، وہ تمھارے دلوں کے تقویٰ کو دیکھتا ہے۔

اس میں اُن مشرکین کا رد بھی ہوگیا جو معبودانِ باطلہ کے نام پر قربانی کر کے قربانی کا خون بتوں کے چہروں پر مل دیتے ہیں اور اُن کے سامنے گوشت رکھتے ہیں تاکہ اُن کا غصہ ٹھنڈا ہو اور لوگ اُن کے قہر و غضب سے بچ جائیں۔ بعض اوقات مشرک بتوں کے نام پر انسانی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ طریقہ برصغیر کے ہندوؤں میں بھی بہت عرصہ تک رہا ہے۔ اور اب بھی کبھی کبھار کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا ہے۔ کہ کسی شخص نے اپنے بیٹے کو کسی بُت کی بھینٹ چڑھا دیا۔ اس کو وہ بلیدان کرنا بھی کہتے ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ اُسے قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا بلکہ تمھارے دلوں کا تقویٰ اور خلوص پہنچتا ہے۔

فرمایا کَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ اسی طرح ہم نے ان کو تمھارے تابع کر دیا ہے۔ تم اِن جانوروں سے خدمت لے سکتے ہو اور ان کا دودھ، بال، کھال اور گوشت استعمال کر سکتے ہو۔ اور اس سے مقصود یہ ہے لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اُس نے تمھیں ہدایت دی، توحید کا راستہ دکھایا، قربانی کا طریقہ سکھلایا اور عبادت کرنے کا طریقہ سمجھایا تاکہ تم اللہ کی خوشنودی حاصل کر کے سعادتمند بن جاؤ۔ قربانی کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کا یہی فلسفہ ہے کہ اُس نے ہمیں اِس راہ نجات کی طرف ہدایت بخشی ہے۔ فرمایا وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ اور نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔ نیکی میں بنیادی طور پر عبادات اربعہ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج شامل ہیں۔ البتہ قربانی بھی شعائر اللہ اور اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔ فرمایا نیکی کرنے والوں کو نیک انجام کی خوشخبری بھی سنا دو کہ وہ اللہ کے ہاں سرخرو ہو جائیں گے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ
خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ۵ ع ۵ ۱۲
ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿۳۹﴾
الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ
يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ
يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ
مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ:- بیشک اللہ تعالیٰ دفاع کرتا ہے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا ہر خیانت کرنے والے اور ناشکر گزار انسان کو ﴿۳۸﴾ اجازت دی گئی ہے اُن لوگوں کے لیے جن کے ساتھ (کافر) لڑتے ہیں، اس وجہ سے کہ وہ مظلوم ہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر البتہ قدرت رکھتا ہے ﴿۳۹﴾ وہ لوگ جو نکالے گئے ہیں اپنے گھروں سے ناحق (اُن کا قصور نہیں) سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر نہ ہوتا ہٹانا اللہ تعالیٰ

کا بعض لوگوں کو بعض سے تو البتہ گرا دیے جاتے تکیے (خلوت خانے) گرجے، عبادت خانے اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اور البتہ ضرور اللہ تعالیٰ مدد کرے گا اُس شخص کی جو اُس کی (اُس کے دین کی) مدد کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے (۴۰)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں بیت اللہ شریف کی تعمیرِ نو، حج، قربانی، شرک کی تردید اور دیگر مسائل کا ذکر ہوا۔ کفار کی طرف سے اللہ کے راستے اور مسجد حرام سے روکنے کا بیان بھی ہو چکا ہے۔ مکے کے مشرک کسی مسلمان کو خانہ کعبہ میں جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے حتیٰ کہ ۶ھ میں تقریباً ڈیڑھ ہزار اہلِ ایمان کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا گیا، حالانکہ حرم پاک میں مقامی اور بیرونی تمام لوگوں کو عبادت کرنے کا یکساں حق حاصل ہے۔ آج کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ پہلی آیت بطور تمہید ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو تسلی دی ہے۔ اس کے بعد دوسری آیت میں جہاد کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور مسلمانوں کی مظلومیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

اہلِ ایمان کی حوصلہ افزائی

مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ ہمیشہ کفار کے رحم و کرم پر ہی رہیں گے بلکہ اُن کا اللہ اُن کے ساتھ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کافروں کے مقابلے میں بیشک اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا دفاع کریگا۔ اُن کے ظلم و ستم ہمیشہ نہیں رہیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کفار کے غرور کے بُت کو پاش پاش کر دے گا، لہذا مسلمانوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ایمان رکھنا چاہیئے۔ وہ ضرور اُن کی مدد کرے گا، اُن کو غلبہ عطا کریگا اور کفار میں اہل ایمان کو روکنے کی قوت باقی نہیں رہے گی فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ بیشک اللہ تعالیٰ کسی خائن اور ناشکر گزار کو پسند نہیں کرتا۔ امانت میں خیانت کرنے والا اور اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرنے والا اُس کے نزدیک مبغوض ہوتا ہے۔

کفار کی خیانت

کفار و مشرکین اس لحاظ سے خائن ہیں کہ اللہ نے اُن کو فطرتِ سلیمہ اور عقل جیسی نعمتیں عطا فرمائیں مگر انہوں نے اِن کو بروئے کار لا کر ایمان لانے، ہدایت قبول کرنے، شعائر اللہ کی تعظیم کرنے اور نبی آخر الزمان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ فطرتِ سلیمہ اور عقل اللہ کی جانب سے اُن کے پاس امانت تھی مگر انہوں نے اِن کا صحیح استعمال نہ کر کے اس امانت میں خیانت کی۔

بعض دوسری آیات اور احادیث میں بھی اس بات کے اشارات ملتے ہیں منافقوں کے متعلق بھی اللہ نے فرمایا فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ (البقرہ) اُن کی تجارت نے انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ فطرتِ سلیمہ اور عقل اُن کے پاس بیش قیمت پونجی تھی جس کو خرچ کر کے انہوں نے ایمان جیسا مفید سودا خریدنے کی بجائے نفاق جیسی قبیح چیز کو خرید لیا۔ اُن کی تجارت میں خسارے کا یہی مطلب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عمر بھی بطور پونجی عطا کی ہے، اسی طرح صحت فطرتِ سلیمہ اور عقل سلیم بھی پونجی ہے۔ صحیحین[1] کی حدیث میں آتا ہے کُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْا فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا ہر انسان جب رات گزار کر صبح کرتا ہے تو اپنے نفس کو بیچ کر یا تو اسے آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ جو شخص زندگی کی قدر کرنے والا ہے وہ ایمان، تقویٰ، اخلاص اور اعمال صالحہ جیسی اچھی چیزیں خرید کر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے آزاد کرا لیتا ہے، یا پھر کفر، شرک اور معاصی کا سودا خرید کر اپنی تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر لیتا ہے۔ یہاں پر اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کافر اور مشرک خائن ہیں، انہوں نے قیمتی پونجی کو ضائع کر دیا ہے اور اس کے بدلے میں ابدی خسارے والی چیز خرید لی ہے یہ لوگ خائن بھی ہیں اور ناشکر گزار بھی۔ یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے غرور کو خاک میں ملا دے گا۔ یہ اہل ایمان

[1] مسلم ص۱۱۸ ج ۱ (فیاض)

کے لیے تسلی کا مضمون ہو گیا۔

دفاع کا الٰہی پروگرام

جب خدا تعالیٰ کسی قوم کی حفاظت کرنا چاہتا ہے تو ظالم قوم سے دفاع کے لیے اسباب بھی پیدا کر دیتا ہے۔ بعض سابقہ ظالم اقوام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانی آفات نازل کر کے راستے سے ہٹا دیا اور اُن کی جگہ دوسری قوموں کو عروج بخشا۔ بعض اوقات وہ مظلوم قوم کو جہاد کی اجازت دے کر ظالم قوم کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ سورۃ التوبہ میں گزر چکا ہے کہ اللہ نے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ اگر مشرک لوگ عہد شکنی کریں اور دین میں طعن کریں فَقَاتِلُوٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ (آیت۔ ۱۲) تو ان اکابرینِ کفر سے جنگ کرو اور انہیں راستے سے ہٹا دو۔ مکی زندگی میں تو جہاد کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ وہاں تو حکم تھا، كُفُّوٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (النساء۔ ۷۷) کہ نمازیں پڑھتے رہو، زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور کفار کی طرف سے ہاتھوں کو روکے رکھو۔ ان کے ساتھ لڑائی نہ کرو بلکہ اپنی تنظیم کو مضبوط بناؤ اور جہاد کی تیاری کرتے رہو۔ سورۃ المزمل ابتدائی سورتوں میں سے ہے، وہاں بھی اشارہ کر دیا وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (آیت۔ ۲۰) آگے چل کر تمہیں اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرنا ہے، لہٰذا ابھی سے اُس کی تیاری شروع کر دو، پھر جب اللہ کا حکم ہو گا تو میدانِ کارزار میں داخل ہو جانا۔ سورۃ الطلاق میں مزید وضاحت فرما دی قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (آیت۔ ۳) اللہ نے ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جب جماعت مضبوط ہو جائے گی تو پھر جہاد کی اجازت بھی دے دی جائے گی۔ اس دوران جماعت بندی ہوتی رہی، طاقت جمع ہوتی رہی۔ دو دفعہ حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم ہوا اور لوگ وہاں بھی گئے۔ پھر آخر میں ہجرتِ مدینہ کا حکم ہوا۔ اللہ نے اس مقام کو دارالاسلام بنایا مسلمانوں نے اپنے قویٰ کو مجتمع کیا اور اللہ نے جہاد کی اجازت بھی مرحمت فرما دی۔

قرآنِ پاک میں اس بات کی تصریح کر دی گئی ہے کہ اسلامی جہاد، مال و دولت جمع کرنے یا اقتدار حاصل کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی زمین سے فتنہ و فساد کو ختم کیا جائے، راستے کی رکاوٹوں کو دور کیا جائے اور اللہ کی حدود قائم کی جائیں۔ اگر کوئی شخص یا جماعت اہلِ ایمان کو اللہ کے راستے سے روکتی ہے تو ایسے شرپسندوں کی سرکوبی ہو اور ایمان لانے والوں کے لیے راستہ بالکل صاف ہو، جہاد کا یہی مقصد ہے

اقدامی اور دفاعی جہاد

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے دین میں اقدامی اور دفاعی دونوں قسم کے جہاد کا حکم ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران میں ہے قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا (آیت۔ ۱۶۷) مدینے کے منافقوں سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ اگر باہر نکل کر اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنا دفاع تو کرو، تمہارے علاقے، تمہاری عورتیں، مرد، اور بچے حملہ کی زد میں ہیں، دشمن نہ قرابت داری کا لحاظ کرتا ہے اور نہ کسی عہد و پیمان کا، فاتح قومیں ہمیشہ مفتوح لوگوں کی بے عزتی کرتی ہیں۔ ان کے مال و اسباب لوٹ کر لے جاتے ہیں۔ عورتوں اور مردوں کو لونڈی اور غلام بنا لیتے ہیں، لہٰذا اس مصیبت سے بچاؤ کی خاطر کم از کم اپنا دفاع تو کرو دیکھ لیں جب امریکہ جاپان پر غالب آیا تو جاپانی عورتوں کو امریکہ لے گیا۔ ایک رپورٹ کے مطابق جاپانی عورتوں کے ساتھ بے حیائی کے نتیجے میں سوا لاکھ حرامی بچے پیدا ہوئے۔ جب اِن کی پرورش کی ذمہ داری امریکہ پر آئی تو انہوں نے اُن عورتوں کو اپنے وطن واپس جانے کی اجازت دے دی۔ جہاد کی دوسری قسم اقدامی ہے یعنی آگے بڑھ کر کفر کے جھنڈوں پر حملہ آور ہونا۔ وہاں کے رہنے والے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے، ایمان اور توحید کا راستہ روکا جا رہا ہے، لہٰذا اہلِ ایمان پر فرض ہے کہ وہ دشمن پر کاری ضرب لگائیں تاکہ فتنہ و فساد ختم ہو اور اللہ کے راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔

جہاد کی اجازت

اسی مقصد کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاد کی اجازت دی ہے اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ جن اہل ایمان کے ساتھ کافر لوگ لڑائی کرتے ہیں۔ اب اُن کو بھی جنگ کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ ہجرت کے بعد مشرکین مکہ نے کئی منصوبے بنائے تاکہ مدینہ کی سرزمین پر مسلمانوں کے پاؤں جمنے نہ پائیں۔ ہجرت کے دوسرے ہی سال غزوہ بدر پیش آیا جس میں کافروں کو منہ کی کھانی پڑی۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے وہ اگلے سال مدینے پر حملہ آور ہوئے اور احد کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا۔ یہ تو پھر بھی مدینے سے تین میل باہر تھا۔ ۵ھ میں کافر لوگ براہ راست مدینہ پر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کو اپنے دفاع کے لیے مدینہ کے تین اطراف میں ساڑھے تین میل لمبی۔ دس بارہ فٹ چوڑی اور قد آدم گہری خندق کھودنا پڑی۔ ذرا اندازہ لگائیں کہ بھوکے پیاسے اہل ایمان نے یہ کام صرف چھ دنوں میں کیسے مکمل کر لیا۔ یہ اتنا کام تھا کہ آج کے مشینی دور میں بھی اتنی جلدی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا، مگر اپنے دفاع کی خاطر مسلمانوں نے اتنی بڑی مشقت بھی برداشت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے قوت جمع ہونے پر مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دے دی بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا اس وجہ سے کہ اُن پر ظلم کیا جاتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے مظلوم کو بھی ہتھیار اٹھانے کی اجازت دے دی تاکہ حق اور باطل میں امتیاز ہو جائے۔

مسلمانوں کے لیے نصرت الٰہی

فرمایا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ بیشک اللہ تعالیٰ اُن مظلوموں کی مدد کرنے پر قادر ہے۔ چنانچہ مسلمانوں پر بڑی بڑی مشکلات آئیں، شکست بھی ہوئی، جانی اور مالی نقصان بھی ہوا مگر بالآخر اللہ نے اہل ایمان کو ہی غالب کیا اور کفر و شرک کا غرور خاک میں مل گیا۔ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان معرکہ صفین تک مسلمان آدھی دنیا پر غالب آچکے تھے، اور باقی آدھی دنیا میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ

کر سکتی۔ جب بھی موقع آیا۔ اللہ نے کفار کو مغلوب ہی کیا۔

واقعہ صفین کے بعد مسلمانوں کی عالمی تحریک رک گئی۔ البتہ اس کا اثر ساڑھے چھ سو سال تک قائم رہا، اور پھر ساتویں صدی میں مسلمانوں پر انحطاط کا دور شروع ہو گیا۔ ساتویں صدی میں تاتاری حملہ آور ہوئے اور انہوں نے مسلمان سلطنتوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ ایک کروڑ سے زیادہ مسلمان تہ تیغ ہوئے۔ بچوں اور عورتوں کو ذلیل کیا گیا اور بغداد کے کتب خانے جلا کر علمی خزانہ بھی برباد کر دیا گیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو اللہ نے جہاد کی اجازت دی کہ وہ مظلوم تھے اور اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر قادر ہے فرمایا مظلوم وہ تھے اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ جن کو ان کے گھروں سے بلا وجہ نکالا گیا۔ ان کا صرف یہ قصور تھا اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو رب تسلیم کرنا تو بڑی سعادت کی بات تھی مگر کافروں کے نزدیک یہی سب سے بڑا عیب تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ مظلوم مسلمانوں کی مدد کرے گا اور اس پر اسے مکمل اختیار حاصل ہے

فلسفہ جہاد

آگے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا فلسفہ بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ ظلم و تعدی کرنے والوں کی سرکوبی بعض دوسرے لوگوں سے کراتا رہتا ہے بعض اوقات ایک ظالم کو دوسرے ظالم پر مسلط کر دیتا ہے۔ اللہ نے سورۃ الانعام میں اس حقیقت کو بیان کیا ہے وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (آیت ۔ ۱۳۰) اور اسی طرح ہم ان کی کارگزاری کی بنا پر بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں۔ اب دیکھیں دوسری جنگ عظیم میں جرمنی نے کتنا سر اٹھایا تھا اور کتنا ظلم و ستم ڈھایا تھا۔ اس کے چار چار سو ہوائی جہاز بیک دم بمباری کرتے تھے، شہروں کے شہر تباہ ہو گئے۔ لاکھوں آدمی مارے گئے اور بعض دہشت کے مارے

ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ پھر اللہ نے اُس پر امریکہ، برطانیہ اور روس کو مسلط کیا۔ گذشتہ دو سو سال میں برطانیہ کا بھی طوطی بولتا تھا اور وہ برطانیہ عظمیٰ کہلاتا تھا جس کی سلطنت میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ اللہ نے اُس کی سرکوبی بھی کرا دی اور اب وہ ایک جزیرے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں اللہ نے مسلمانوں کے ذریعے ظالموں کی سرکوبی کی۔ قادسیہ، یرموک، مصر، خراساں، افریقہ غرضیکہ ہر معرکے میں مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا کیونکہ یہ صداقت اور نیکی پر تھے۔ اللہ نے حسب وعدہ اِنکی مدد فرمائی۔

عبادت خانوں کی بربادی

اللہ تعالیٰ نے اِسی اصول کو یہاں بیان فرمایا ہے وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ اور اگر اللہ تعالیٰ بعض ظالموں کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتا تو بڑا فساد برپا ہوتا جس کے نتیجے میں لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ تو راہبوں کے تکیے اور خلوت خانے گرا دیے جاتے وَبِيَعٌ اور ظالموں کی دست برد سے نصاریٰ کے گرجے بھی نہ بچتے جن میں وہ اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرتے ہیں۔ وَصَلَوٰتٌ اور یہودیوں کے عبادت خانے بھی درہم برہم کر دیے جاتے۔ وَمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا اور مسلمانوں کی مسجدیں بھی ویران کر دی جاتیں جن میں وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مفسر ابوالعالیہ صلوات سے مجوسیوں کے عبادت خانے مراد لیتے ہیں اور بعض نے اس سے صابیوں کے عبادت خانے مراد لیے ہیں اور اس طرح اُن چار گروہوں یعنی یہودیوں، صابیوں، نصاریٰ اور مجوسیوں کا نام آجاتا ہے جن کا ذکر اس سورۃ کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتا تو کوئی عبادت خانہ بھی اِن کی دست برد سے محفوظ نہ رہتا۔ اللہ نے یہ انتظام کر رکھا

ہے کہ وہ ایک گروہ کی سرکوبی دوسرے گروہ کے ذریعے کرا دیتا ہے۔

عبادت خانوں کی تباہی کے متعلق امام محمدؒ اپنی تاریخ کی کتابوں السیر الصغیر اور السیر الکبیر میں لکھتے ہیں کہ جب مسلمان حربی کافروں پر حملہ آور ہوتے تو ان کا کچھ لحاظ نہ کرتے۔ ان کے آدمیوں کو قتل کرتے، ان کو لونڈی غلام بناتے، عمارتوں کو گراتے حتیٰ کہ عبادت خانوں کا لحاظ بھی نہ کرتے۔ کیونکہ دارالحرب میں سب کچھ روا ہے۔ البتہ جن کافروں کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو جاتا اور جو جزیہ دینا قبول کر کے ذمی بن جاتے ان کی جان، مال، عزت، آبرو اور عبادت خانے سب مامون ہو جاتے اور ان کی رسوم میں بھی تعرض نہ کیا جاتا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص کسی معاہد کو قتل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیگا حتیٰ کہ اسے جنت کی خوشبو بھی نہیں پہنچے گی۔

جزیہ کا جواز

اسلام نے مفتوح علاقے میں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کر کے انہیں ان کے دین پر قائم رہنے کی اجازت دی ہے اور ان کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اسی لیے وہ ذمی کہلاتے ہیں۔ ان کا مکمل خاتمہ اس لیے نہیں کیا گیا کہ وہ ابھی تک اشتباہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ کی گمراہی پر کوئی شک و شبہ نہیں ہے مگر ان کے خیال کے مطابق کہ شاید وہ صحیح راستے پر ہیں، اللہ نے ان کو ذمی بنانے کی اجازت دیدی ہے ان کا یہ اشتباہ مسیح علیہ السلام کے نزول پر رفع ہو گا۔ جب ہدایت کے تمام پردے اٹھ جائیں گے۔ اس وقت یا تو اسلام قبول کریں گے یا پھر ختم کر دیے جائیں گے۔ قرب قیامت میں حق و باطل بالکل واضح ہو جائے گا اس لیے اس وقت کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا۔ لہذا اس وقت جزیہ کا مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا اور ان دونوں راستوں میں سے ایک اختیار کرنا ہوگا۔ وہ اسلام قبول کر لیں گے یا پھر قتل کر دیے جائیں گے، درمیانی راستہ کوئی نہیں ہو گا۔

اللہ کی مدد

فرمایا وَلَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَن يَنصُرُهٗ یاد رکھو! جو شخص اللہ کی مدد کریگا یعنی اُس کے دین اور رسول کی مدد کریگا تو خدا تعالیٰ بھی اُس کی مدد کریگا۔ بشرطیکہ اُس میں خلوصِ نیت پایا جائے اور طریق کار بھی صحیح ہو۔ دوسری جگہ ہے اِنْ تَنصُرُوا اللّٰهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد-۷) اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھیں ثابت قدم کردے گا۔ اب مسلمانوں پر مصائب آنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ انھوں نے اللہ کے دین کی کماحقہٗ مدد نہیں کی۔ اس وقت مسلمانوں کی پچاس سے زیادہ ریاستیں دنیا میں موجود ہیں مگر کوئی بھی دین کے تقاضے پورے کرنے پر تیار نہیں۔ تمام ملوک، شیوخ اور ڈکٹیٹر اپنے اپنے ذاتی اقتدار کے بھوکے ہیں۔ مذہب کا نام برائے نام رہ گیا ہے، ورنہ کام کچھ نہیں ہو رہا ہے ذاتی عیش پرستی کا یہ حال ہے کہ افریقہ کی ایک چھوٹی سی ریاست کے سربراہ نے اپنی رہائش گاہ پر کروڑوں ڈالر خرچ کیے ہیں۔ سنہری گنبد ہے، اور سینکڑوں کمروں کو اعلیٰ ترین فرنیچر سے مزین کیا گیا ہے۔ یہ دولت تو امانت تھی جسے غرباء اور حاجت مندوں کے کام آنا چاہیئے تھا۔ اس قدر فضول خرچی کی ضرور باز پرس ہوگی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اللہ کے دین کی مدد کی جاتی مگر اس کی توفیق کہاں؟ اسی لیے تو سارے مسلمان سپر پاورز کے دست نگر ہیں۔ اللہ نے فرمایا وہ ضرور مدد کرے گا اُس کی جو اُس کے دین کی مدد کرے گا۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی طاقت کا مالک اور غالب ہے۔ وہ ہر کام کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ اہل ایمان کو بھی چاہیئے کہ عالمِ اسباب میں رہتے ہوئے خدا کے دین کی تائید کریں جیسا کہ صحابہ کرامؓ نے دین کی تائید کی۔ اگر آج کا مسلمان بھی صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چل نکلے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اُن کی ضرور مدد فرمائے گا۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ
الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ
فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾
وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ
وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ
اَهْلَكْنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا
وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾

ترجمہ:۔ وہ لوگ کہ اگر ہم اُن کو زمین میں جما دیں تو وہ قائم
کریں گے نماز اور ادا کریں گے زکوٰۃ ۔ اور حکم کریں گے
نیکی کا اور روکیں گے برائی سے ۔ اور اللہ کے اختیار ہی
میں ہے انجام تمام امور کا ﴿۴۱﴾ اور اگر یہ لوگ جھٹلائیں
آپ کو ، تو بیشک جھٹلایا اِن سے پہلے قومِ نوحؑ نے
قومِ عاد نے اور قومِ ثمود نے ﴿۴۲﴾ اور قومِ ابراہیمؑ نے اور
قومِ لوطؑ نے ﴿۴۳﴾ اور مدین والوں نے ۔ اور موسیٰؑ کو بھی
جھٹلایا گیا ۔ پس مہلت دی میں نے کفر کرنے والوں کو

پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا۔ پس کیسے ہوئی میری
گرفت (۴۴) پس بہت سی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک
کیا اور وہ ظلم کرنے والے تھے۔ پس وہ گری پڑی
ہیں اپنی چھتوں پر۔ اور بہت سے کنوئیں معطل پڑے
ہیں اور بہت سے مضبوط محلات ویران پڑے ہیں (۴۵)

ربط آیات

گذشتہ سے پیوستہ رکوع میں بیت اللہ شریف کی تعمیر نو کا ذکر ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور یہ کہ بیت اللہ کو زائرین کے لیے پاک صاف رکھا جائے۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو اعلانِ حج کا حکم بھی دیا اور پھر حج کے بعض احکامات اور قربانی کے مسائل بیان فرمائے۔ پھر ایمان داروں کے دفاع کی ذمہ داری اٹھائی گئی۔ پھر مظلوم مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی اور اللہ نے ان سے نصرت کا وعدہ فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد کا فلسفہ بھی بیان کیا کہ اگر وہ بعض ظالموں کو بعض دوسروں کے ذریعے دفع نہ کرتا تو دُنیا میں اس قدر فتنہ و فساد برپا ہوتا کہ کوئی عبادت خانہ بھی ظالموں کی دستبرد سے محفوظ نہ رہتا۔ پھر اللہ نے اہلِ ایمان کو یقین دلایا کہ اس کے دین کی مدد کرنے والوں کی وہ خود مدد کرتا ہے۔ وہ طاقتور غالب اور مدد کرنے پر قادر ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسلامی نظامِ حکومت کا ایک خاکہ پیش کیا ہے کہ اگر وہ اہلِ ایمان کو دنیا میں غلبہ، اقتدار اور حکومت عطا کرے تو پھر اُن کی کارگزاری وہ ہوگی جو اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ وہ لوگ کہ جب ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کردیں تو وہ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والی عبادات میں سے اہم ترین عبادت نماز ہے جس کی وجہ سے اہلِ ایمان کو روحانی فوائد کے علاوہ بہت سے مادی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ تعلق باللہ تو روحانی فائدہ ہے

جو نمازی کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وقت کی پابندی، احساسِ ذمہ داری، جماعت بندی، ایک دوسرے سے میل ملاپ اور امداد باہمی جیسی خوبیاں نماز کی بدولت حاصل ہوتی ہیں۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اگر ہم اہل ایمان کو زمین پر حکومت دیں گے تو وہ پہلا کام یہ کریں گے کہ نماز کا نظام قائم کریں گے۔ خود بھی نماز پر کاربند ہوں گے اور دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائیں گے۔ یہ ایسی عبادت ہے کہ ہر عاقل، بالغ، مرد اور عورت پر دن میں پانچ مرتبہ ادا کرنا فرض ہے اور یہ حقوق اللہ میں داخل ہے۔

فرمایا برسرِ اقتدار جماعت کا دوسرا کام یہ ہوگا وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ کہ وہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی حقوق العباد میں شامل ہے اور اس کے ذریعے غریبوں اور محتاجوں کی اعانت کی جاتی ہے۔ اس نظام کی برکات سے کوئی شخص بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا۔ نظامِ زکوٰۃ حکومت کے مالیاتی نظام کا ایک اہم حصہ ہے، لہذا کار پردازانِ حکومت پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود زکوٰۃ ادا کریں بلکہ دوسروں کو بھی اس کا پابند بنائیں۔ نیز زکوٰۃ کی وصولی اور مصرف ایک باقاعدہ سکیم کے تحت عمل میں لائیں۔ یہ حکومت کے فرائض میں داخل ہوگا۔

اللہ نے فرمایا کہ اسرائے حکومت کے کرنے کا تیسرا کام یہ ہوگا وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ کہ وہ نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ خود تو اس اصول کی پابندی کریں گے مگر دوسروں سے پابندی کرانا بھی اُن کے فرائض منصبی میں داخل ہوگا۔ نیکی میں تمام معروف چیزیں آجاتی ہیں اور برائی میں ہر نقصان دہ چیز شامل ہے۔ برائی خواہ اس کا تعلق اعتقاد سے ہو، اخلاق یا اعمال سے، اس سے روکنا ضروری ہے۔ اگر کوئی حکومت برائی کو روکنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو پھر دنیا سے فتنہ و فساد ختم ہو جائیگا اور پورا خطہ امن کا گہوارہ بن جائے گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے نظامِ حکومت کے متعلق ان چار بنیادی اصولوں یعنی اقامتِ صلوٰۃ، ادائے زکوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر کر دیا ہے۔ ان میں انفرادی اور اجتماعی سارا نظام آجاتا ہے۔ ان پر عمل درآمد سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل جیسے روحانی فوائد حاصل ہوتے ہیں اور انسان حقوق اللہ میں سرخرو ہوتا ہے تو دوسری طرف دنیا کی زندگی میں سکون و چین حاصل ہو کر حقوق العباد کے تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں۔

اسلامی نظامِ حکومت کا مکمل نقشہ صرف خلافت راشدہ کے دور میں ملتا ہے۔ اس کے بعد بعض زمان و مکان میں اس کا جستہ جستہ اثر نظر آتا ہے ورنہ مجموعی طور پر مسلمان ملوکیت کا شکار ہو گئے، جبر و استبداد کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ امراء کی عیاشیوں کی وجہ سے ایک طبقہ بالکل نادار ہو گیا، نیکی مغلوب اور شر غالب آگیا۔ اور اس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا زریں اصول فراموش کر دیا گیا۔ اب مسلمان بحیثیت مجموعی انحطاط کے دور سے گزر رہے ہیں۔ دنیا میں جس جگہ یہ محکوم ہیں وہاں تو اسلامی نظام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ جہاں جہاں علاقائی طور پر مسلمان غالب بھی ہیں اور ان کی ریاستیں بھی موجود ہیں۔ وہاں بھی اسلامی نظامِ حکومت کی جھلک مشکل سے ہی نظر آتی ہے۔ بعض ملکوں نے اسلام کے کچھ اصول اپنائے ہیں مگر کچھ تو اپنی نااہلی اور ذاتی مفاد کی وجہ سے اور کچھ غیر مسلم بڑی طاقتوں کے دباؤ کی وجہ سے مکمل اسلامی نظامِ حکومت کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

خلافت علیٰ منہاج النبوت

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خلافت علیٰ منہاج النبوت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے جب کہ خلافت راشدہ کا بوجھ اٹھانے والے آیت میں مذکور تمام شرائط پر پورا اتریں گے۔ اللہ نے یہ خلافت قائم کرنے والوں کی نشاندہی بھی فرما دی ہے، گزشتہ آیت میں گزر چکا ہے کہ ان صفات

کے حاملین وہ لوگ ہوں گے اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ جن کو اُن کے گھروں سے ناحق نکالا گیا۔ اُن کا قصور صرف یہ تھا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ یہ وہی پاکیزہ روحیں ہیں جنہیں مشرکین کی زیادتی سے تنگ آکر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ اس بات کا اشارہ اللہ نے سورۃ توبہ میں بھی کر دیا وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ (آیت۔۔۔) یہ اولین سبقت کرنے والے مہاجر لوگ تھے جو مدینے پہنچے تو انصار اُن کے معاون بن گئے۔ اللہ نے خلافتِ راشدہ انہی مہاجرین کے ذریعے قائم کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علی مرتضیٰؓ سب مہاجرین ہی تو تھے۔ جب اللہ نے انہیں اقتدار عطا فرمایا تو انہوں نے اس آیت کے تقاضوں کو حرف بحرف پورا کیا۔ خلافت راشدہ میں اقامتِ صلوٰۃ کا اتنا اعلیٰ انتظام تھا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے تمام گورنروں کو سرکلر جاری کیے اِنَّ مِنْ اَھَمِّ اُمُوْرِکُمْ عِنْدِیْ الصَّلٰوۃ (موطا امام مالک[1]) تمہارے تمام امور میں میرے نزدیک نماز کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی وہ باقی دین کی حفاظت بھی کرے گا، اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا۔ وہ دین کے باقی امور کو بہت زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ نماز کے لیے ایسا مکمل نظام ہونا چاہیے کہ کوئی فردِ واحد بھی بے نماز نہ ہو۔ خلافت راشدہ کے پورے دور میں آپ کو یہ نظام روزِ روشن کی طرح ملے گا۔ اسی طرح خلفائے راشدین نے زکوٰۃ کا ایسا عمدہ نظام قائم کیا کہ زکوٰۃ قوم کے امراء سے وصول کر کے غرباء میں تقسیم کی جاتی تھی تاکہ کوئی آدمی بھوکا پیاسا نہ ہو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد[2] ہے تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَآءِکُمْ وَتُرَدُّ اِلٰی فُقَرَآءِکُمْ مسلمانوں کے خوشحال لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرو اور محتاجوں میں تقسیم کر دو۔

[1] موطا امام مالک ص۵ [2] مسلم ص۳۶ ج۱ (فیاض)

چنانچہ خلفائے راشدین نے زکوٰۃ کا مثالی نظام قائم کیا حتیٰ کہ ایک زمانے میں کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا۔ اس زمانے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام بھی اعلیٰ پیمانے پر کیا گیا اور خلفائے راشدین نے ہر نیکی کے کام کی حوصلہ افزائی کی اور ہر برائی کی جڑ بنیاد کاٹ دی۔ غرضیکہ اس آیت میں مذکورہ چاروں کام خلفائے راشدین نے کماحقہ انجام دیے۔ اسی لیے ان کی خلافت کو "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کہا جاتا ہے۔

تصویر کا دوسرا رخ

شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بلاشبہ خلافتِ راشدہ کی طرف اشارہ ہے مگر آخری حصے میں اس کے برعکس بھی اشارہ ملتا ہے۔ آخر میں ارشاد ہے وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ تمام معاملات کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ مطلب یہ کہ یہ ضروری نہیں کہ خلافت راشدہ کا نظام دنیا میں ہمیشہ قائم رہے بلکہ آگے چل کر اس میں تغیرات بھی آسکتے ہیں ابتدائی پچاس سال کے بعد خلافتِ راشدہ کی کچھ جھلکیاں صدیوں تک نظر آتی رہیں مگر بالآخر نظام میں خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ خلوص کی بجائے خود غرضی آگئی اجتماعی فائدے کی بجائے ذاتی فائدے کو ترجیح دی گئی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر برائے نام رہ گیا۔ معروف کے برخلاف منکرات کا غلبہ ہوگیا۔ زکوٰۃ کی رسم ختم ہوگئی، بے نمازوں کی اکثریت ہونے لگی، حکام خلاف شرع کاموں کے مرتکب ہونے لگے، ظلم و تعدی کا دور دورہ آگیا، لوگ کھیل تماشے کی طرف راغب ہوگئے زیب و زینت اور آرام طلبی گھر کرنے لگی اور اس طرح اسلامی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔

دنیا بھر میں دیکھ لیں اخبارات اور رسالے منکرات سے لبریز ہیں مغربی ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹیلیویژن وغیرہ کے ذریعے فحاشی پھیلائی جارہی ہے کہیں کہیں نیکی کی آواز بھی نکلتی ہے مگر برائی کے مقابلے میں اس کو وقت ہی کتنا دیا جاتا ہے۔ تھوڑی سی تلاوت ہوگئی، کچھ ترجمہ کر دیا، چلتے چلتے ایک آدھ

حدیث شادی اور پھر وہی گانے، ڈرامے اور فلمیں۔ وہی عشق و محبت کی داستانیں اور وہی دین سے بیگانہ کرنے والے پروگرام۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے سینما گھروں، تھیٹروں اور کلبوں سے اچھائی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ تمام ذرائع ابلاغ قوم کے اخلاق کو تباہ کر رہے ہیں۔

اس زمانے کا نظامِ عدل ہی دیکھ لیں۔ کیا کسی غریب آدمی کو انصاف میسّر آ سکتا ہے؟ یہاں تو انصاف خریدنا پڑتا ہے، جس کے پاس پیسے ہیں، پولیس بھی اس کی ہے اور عدالت بھی اُس کے گھر کی لونڈی ہے۔ مقدمات کا فیصلہ حقائق کی بجائے رشوت اور سفارش پر ہوتا ہے۔ جس کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں، اُسے انصاف کہاں سے ملے گا؟

جوا، شراب نوشی، بدکاری، سمگلنگ، ڈاکے، چوری، اغواء غرضیکہ وہ کونسا جرم ہے جو معاشرے میں نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف نماز میں کتنے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ نماز کی پابندی کے لیے حکومت نے کتنی کوشش کی ہے۔ محض تقریروں سے تو کام نہیں چلتا، اس کے لیے تو عملی اقدام کی ضرورت ہے۔ موطا امام مالک میں آتا ہے کہ ایک دن سلیمان نامی شخص نماز میں شامل نہ ہوا۔ حضرت عمرؓ ہر ایک کو نگاہ میں رکھتے تھے، فوراً اُس شخص کے گھر پہنچے۔ اُس کی والدہ نے بتایا کہ سلیمان رات دیر تک نماز پڑھتا رہا، صبح آنکھ لگ گئی تو فجر کی نماز میں حاضر نہیں ہو سکا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں تو اس چیز کو پسند کرتا ہوں کہ ساری رات سوتا رہوں اور صبح فجر کی نماز میں حاضر ہو جاؤں۔ آپ نے اُس شخص کو اس کوتاہی پر ڈانٹ پلائی۔ انہی انتظامات کی وجہ سے سارے لوگ نمازی تھے، ہر ایک کو فکر تھی مگر یہاں تو کچھ بھی نہیں۔ نہ کوئی نیکی کی طرف راغب کرتا ہے اور نہ بُرائی سے روکتا ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ ہر طرف بدامنی کا دور دورہ ہے۔ ہر قسم کی برائیاں گھروں میں گھس بیٹھی ہیں مگر کوئی کسی کو کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہے

تسلی کا مضمون

چونکہ مکی زندگی کے آخری دور میں اہلِ ایمان کے مصائب میں کئی گنا اضافہ ہوگیا تھا، اس لیے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تسلی دی ہے فرمایا، فکر نہ کریں وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ تو بیشک ان سے پہلے قومِ نوح، قومِ عاد اور قومِ ثمود نے بھی اپنے اپنے نبیوں کی تکذیب کی۔ نوح علیہ السلام کی قوم نے آپ کو جھٹلایا، قومِ عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی اور قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا فرمایا وَقَوْمُ إِبْرٰهِيْمَ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک کے ہر شخص نے آپ کی تکذیب کی حتیٰ کہ آپ کو آگ میں پھینک دیا۔ اسی طرح وَقَوْمُ لُوْطٍ لوط علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ کی بات کو تسلیم نہ کیا۔ قوم نے آپ کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی اور آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں وَأَصْحٰبُ مَدْيَنَ اور شعیب علیہ السلام کی قوم مدین والوں نے بھی آپ کی تکذیب کی اور آپ کی کوئی بات نہ مانی۔ وَكُذِّبَ مُوْسٰى اور موسیٰ علیہ السلام کو بھی جھٹلایا گیا۔ انہیں جادوگر کہہ کہہ اُن کے ساتھ مقابلہ کیا گیا۔ جب آپ اپنی قوم کے ساتھ مصر سے نکل کھڑے ہوئے تو آپ کا پیچھا کیا گیا مگر اللہ نے اُن کو پانی میں غرق کر دیا۔

ظالم اقوام کی ہلاکت

اللہ نے فرمایا مکذبین کی ان تمام تہذیبوں کے باوجود فَأَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ میں نے کافروں کو مہلت دی۔ اُن کو ایمان لانے کا موقع دیا۔ پھر جب وہ کسی طرح بھی راہِ راست پر نہ آئے ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ تو میں نے اُن کو پکڑ لیا۔ اُن کو سخت سزا دی۔ کسی کو پانی میں ڈبویا، کسی پر پتھر برسائے، کسی کو تیز ہوا نے تہس نہس کیا اور کسی کو چیخ نے آلیا۔ بالآخر اُن کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ سورۃ الانعام میں اللہ نے فرمایا فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (آیت ۴۵) پھر ظلم کرنے والی قوم کی

جڑ کاٹ دی گئی۔ اللہ تعالےٰ نے نافرمانوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا۔

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ پس کیسے ہوئی میری گرفت اس مقام پر ارشاد ہوا ہے فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اور کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا وَهِيَ ظَالِمَةٌ اور وہ ظلم کرنے والے تھے فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وہ اپنی چھتوں کے بل گری پڑی ہیں۔ جب اسرائیلیوں نے زمین میں ظلم و زیادتی کا ارتکاب کیا تو اللہ نے اُن پر جابر لوگوں کو مسلط کر دیا۔ اُن کے گھر اور عبادت خانے گرا دیے گئے، اُن کے مردوں کو قتل کیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنا لیا گیا۔ بخت نصر اسرائیلیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر لے گیا، اور انہوں نے بابل میں سو سال تک ذلت کی زندگی گزاری اُن کی بستیاں ویران ہو چکی تھیں گویا کہ وہ الٹا دی گئی ہوں۔ بعض قوموں کو اللہ تعالیٰ نے زلزلے کے ذریعے اور بعض کو طوفان یا دو باراں کے ذریعے ہلاک کر دیا۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر دیا جن کے رہنے والے ظالم تھے۔

پرانے زمانے میں کسی بستی کا کنواں زندگی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ آج تو فراہمی آب کے جدید نظام رائج ہیں۔ پہلے وقتوں میں کنویں ہی پانی کی بہم رسانی کا واحد ذریعہ ہوتے تھے۔ تو فرمایا کہ بستیوں کو اس طرح ہلاک کیا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ کہ اُن کے کنوئیں بھی ویران پڑے ہیں جب پانی نکالنے والا ہی کوئی نہیں رہا تو ظاہر ہے کہ کنوئیں بھی اجڑ گئے۔ وَقَصْرٍ مَّشِيْدٍ اور رہائش کے لیے استعمال ہونے والے بڑے بڑے مضبوط محلات بھی اجڑے پڑے ہیں۔ اُن میں رہنے والے بڑے بڑے امراء اور رُؤسا نیست و نابود ہو چکے ہیں اور وہ محلات جنوں کی آماجگاہ معلوم ہوتے ہیں۔ الغرض! اللہ نے پرانی قوموں کا انجام بیان کر کے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم بھی سابقہ اقوام کی طرح اللہ کے رسولوں کی تکذیب کرو گے

ظلم وستم کا بازار گرم کرو گے تو تمہارا انجام بھی اُن سے مختلف نہیں ہو گا چنانچہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں بڑے بڑے ائمۃ الکفر مارے گئے، جو بچ گئے انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ابوجہل نے اپنے ایک اونٹ کی ناک میں سونے کی نکیل ڈال رکھی تھی حضرت عمرؓ نے اس اونٹ کو قربانی کا جانور بنا کر اللہ کی نیاز کے طور پر بیت اللہ میں بھیج دیا۔ کفار و منکرین کا حال بیان کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو تسلی دی گئی ہے کہ پہلے لوگوں کا بہت بُرا انجام ہوا۔ اگر مشرکین مکہ بھی شرارتوں سے باز نہ آئے تو یہ بھی خدا کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ
يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى
الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾
وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ
وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾
وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ
ركوع ۱۳ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ
إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٥٠﴾ وَالَّذِينَ
سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
الْجَحِيمِ ﴿٥١﴾

ترجمہ:- کیا یہ لوگ نہیں چلے زمین میں، پس اُن کے دل ہوتے جن کے ساتھ وہ سمجھتے یا کان ہوتے جن کے ساتھ وہ سُنتے۔ بیشک نہیں اندھی ہوتیں آنکھیں بلکہ دِل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں (۴۶)

اور جلدی کرتے ہیں یہ لوگ آپ سے عذاب۔ اور اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا اور بیشک ایک دن تیرے پروردگار کے ہاں ہزار سال

کی طرح ہے جس کو تم شمار کرتے ہو (۴۷) اور بہت سی
بستیوں کو میں نے مہلت دی اور وہ ظلم کرنے والے تھے
پھر پکڑا میں نے اُس کو۔ اور میری ہی طرف لوٹ کر
آنا ہے (۴۸) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) اے لوگو!
بیشک میں تمہارے لیے ڈر سنانے والا ہوں کھول
کر (۴۹) پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک
اعمال انجام دیئے، اُن کے لیے بخشش اور باعزت روزی
ہے (۵۰) اور وہ لوگ جو کوشش کرتے ہیں ہماری آیتوں کو
نیچا دکھانے کی، یہی لوگ ہیں دوزخ والے (۵۱)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت مرحمت فرمائی اور ساتھ مظلوم اہلِ ایمان کی مدد کا وعدہ فرمایا۔ پھر فرمایا کہ جن لوگوں کو اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا، اگر اللہ انہیں زمین میں اقتدار عنایت فرمائے گا تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ یہ اُن کا منشور ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مکذبین کو تنبیہ فرمائی اور حضور علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کو تسلی دی کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ہر قوم نے اپنے اپنے نبی کی تکذیب کی۔ پھر اللہ نے مہلت دے کر انہیں مبتلائے عذاب کیا۔ بہت سی بستیوں کے باشندے ظالم تھے جنہیں اللہ نے ہلاک کیا اور تمام بستیاں ویران ہوگئیں، وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھیں، کنوئیں معطل اور اُن کے محلات ویران ہوگئے، فرمایا اگر اہلِ مکہ بھی تکذیب کرتے ہیں تو ان کا حال بھی سابقہ اقوام سے مختلف نہیں ہوگا۔

نشانات عبرت

اب آج کی آیات میں منکرین اور مکذبین کو مزید تنبیہ کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا۔ انسان مختلف مقامات کی سیر کرے تو بہت سی پرانی تہذیبوں کے کھنڈرات ملتے ہیں، انسان کو

غور و فکر کا موقع ملتا ہے۔ بہت سی معلومات حاصل ہوتی ہیں جو کہ انسان کے لیے باعثِ عبرت ہوتی ہیں۔ دوسری جگہ اللہ نے مشرکین مکہ کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ تجارت کے سلسلے میں مکہ اور شام کے درمیان شاہراہ پر سے گزرتے ہیں۔ اس شاہراہ پر بڑی بڑی قوموں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ کیا یہ لوگ انہیں دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے؟

فرمایا کیا یہ زمین میں سیر نہیں کرتے فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا تاکہ اُن کے دل ہوتے جن کے ذریعے وہ غور و فکر کرتے اور بات کو سمجھتے اَوْ اٰذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا یا ان کے کان ہوتے جن کے ذریعے وہ سن سکتے۔ جب پرانی تہذیبوں کے آثار دیکھیں تو ان کے کان کھل جائیں کہ کبھی یہ لوگ بھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ آباد تھے۔ یہ لوگ بھی اپنے انبیاء کی تکذیب کرتے تھے اور اکڑ دکھاتے تھے مگر دیکھ لیں کہ ان کا کیا حشر ہوا۔

دل کا اندھا پن

حقیقت یہ ہے فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ کہ ان کی آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ بلکہ سینوں میں رکھے ہوئے دل اندھے ہوتے ہیں۔ دل کا اندھا پن بڑا خطرناک ہے۔ کسی فرد واحد کا اندھا ہو جانا تو کسی حد تک زیادہ نقصان دہ نہیں ہوتا مگر جہاں پوری قوم ہی اندھی ہو جائے تو پھر ان کی تباہی لازمی ہو جاتی ہے سورۃ الاعراف میں نوح علیہ السلام کی پوری قوم کے متعلق فرمایا قَوْمًا عَمِيْنَ (آیت ۶۴) کہ وہ سب کے سب دل کے اندھے ہو چکے تھے۔ وہ نشانات قدرت کو دیکھنے اور اپنے نبی کی تعلیم میں غور و فکر کرنے سے عاری ہو چکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اُن کے کانوں میں بھی ڈاٹ لگ چکے تھے اور وہ کوئی صحیح بات سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ چند گنتی کے اہل ایمان کے سوا جو کشتی میں سوار ہو گئے، باقی ساری قوم طوفان میں غرق ہو گئی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ایک نابینا
صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ نے آپ کے سامنے عرض کیا، حضور! اللہ کا
فرمان ہے وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ
اَعْمٰى (بنی اسرائیل-۷۲) جو شخص اس دنیا میں اندھا ہوگا وہ آخرت میں بھی
اندھا ہی ہوگا۔ تو کیا میں آخرت میں نابینا اٹھایا جاؤں گا؟ اس سوال کے
جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ
وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۔ مطلب یہ کہ آخرت
میں اندھے وہ ہوں گے دنیا میں جن کے دلوں کی آنکھیں اندھی تھیں اور وہ
کفر، شرک، الحاد اور نفاق کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہے۔ دنیا میں انہیں نیکی
کا راستہ نظر نہیں آتا تھا اور نہ وہ ایمان اور توحید کو دیکھ سکے۔ دنیا میں اگرچہ وہ
بینا تھے مگر دل کے اندھے تھے۔ ایمان اور نیکی والے لوگ اگر دنیا میں نابینا
بھی رہے ہوں تو آخرت میں وہ بینا ہوں گے۔

کان، آنکھ اور دل

اللہ تعالیٰ نے کان، آنکھ اور دل جیسی عظیم نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے
فرمایا اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ
مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل-۳۶) یعنی کان، آنکھ اور دل کے متعلق باز پرس ہوگی، پوچھا
جائیگا کہ ہم نے دنیا میں تمہیں یہ نعمتیں عطا کی تھیں، تم نے انہیں کس کام پہ لگایا،
اور پھر ان کا شکریہ ادا کیا؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کانوں کی نعمت اس لیے عطا
کی ہے کہ ان سے اچھی باتیں سنی جائیں، ارشاداتِ خداوندی، فرامینِ نبوی اور
اللہ کے نیک بندوں کی باتیں سنی جائیں، نہ کہ کھیل تماشے اور گانے بجانے سنے
جائیں۔ اسی طرح آنکھوں سے شعائر اللہ کی زیارت کی جائے، قرآنِ پاک کی
تلاوت ہو، کتبِ دینیہ کا مطالعہ ہو، بزرگانِ دین کی زیارت ہو۔ اور قلب
ایسی چیز ہے جس میں ہر نیکی کی بات سما جانی چاہیئے۔ دل کو برا ظرف نہیں بنانا
چاہیئے۔ دل و دماغ کے ساتھ مشاہداتِ قدرت میں غور و فکر کرے تو اس

طرح ان نعمتوں کا شکریہ ادا ہوگا۔ اگر ان حواس سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اٹھایا نہ اچھی بات سنی اور نہ اچھی چیز دیکھی بلکہ اللہ کی وحدانیت میں غور و فکر ہی نہیں کیا، تو پھر ظاہر ہے کہ ان نعمتوں کے متعلق سخت باز پرس ہوگی۔

قرآن پاک میں غور و فکر کے معاملہ کو اکثر دل کی طرف منسوب کیا گیا ہے حقیقت یہ ہے کہ سوچنے کی قوت دماغ میں ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ دل کی شراکت بھی ہوتی ہے۔ اسی لیے عقل کا اطلاق دل پر کیا جاتا ہے۔ بعض قدیم فلسفی کہتے ہیں کہ سوچنے کی قوت دل میں ہوتی ہے۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ تاہم امام ابو حنیفہؒ اور اطباء کہتے ہیں کہ اللہ نے سوچنے کی قوت دماغ میں رکھی ہے۔ البتہ عمل کی طاقت دل میں ہے۔ ان دونوں کے اشتراک سے اللہ نے انسان میں قوتِ نظری اور قوتِ عملی رکھ دی ہے قوتِ نظری دماغ کی شراکت کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ قوتِ عملی دل کی شراکت سے میسر آتی ہے۔ تاہم اچھے عزائم یا برے ارادے دل میں ہی ہوتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ جس طرح انسان کی ظاہری آنکھیں ہیں، اسی طرح اس کے دل کی آنکھیں بھی ہیں۔ جب انسان گمراہ ہوتے ہیں تو وہ دل کے اندھے ہو جاتے ہیں اور صحیح راستے کو ترک کر دیتے ہیں۔ گویا وہ دل کے اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں اللہ نے فرمایا ہے اگر یہ دل کے اندھے اور بہرے نہ ہوں تو نشانات قدرت اور اقوام عالم کے حالات میں غور و فکر کریں مگر یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جس کا نتیجہ خرابی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

عذاب میں جلدی

ارشاد ہوتا ہے وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ لوگ آپ سے جلدی عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں، کافر، مشرک اور نافرمان پوچھتے تھے۔ متٰى هٰذَا الْوَعْدُ (الملک۔ ۲۵) قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا، محاسبے کی منزل کب آئے گی؟ اور کہتے تھے کہ جو عذاب لانے کا وعدہ کر رکھا ہے اس کو جلدی پورا کر دو۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا وَلَنْ

يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا ہرگز خلاف نہیں کرے گا۔
نافرمانوں کو سزا مل کر رہیگی مگر اُس کا وقت اللہ کے علم میں ہے۔ وہ جانتا ہے
کہ کسی قوم کو کس وقت سزا میں مبتلا کرنا ہے۔ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ تم اپنے حساب
سے دن، مہینے اور سال شمار کر کے عذاب کا جلدی مطالبہ کر رہے ہو مگر اللہ
کے ہاں تقویم مختلف ہے۔ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ
مِّمَّا تَعُدُّوْنَ تیرے پروردگار کے ہاں کا ایک دن تمھارے یہاں کے
ہزار سال کے برابر ہے۔ سورۃ المعارج میں فرمایا فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ
خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (آیت ۴) اللہ کے ہاں ایک دن تمھارے
پچاس ہزار سال کے برابر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تمھیں مہلت دے رہا ہے لہذا
عذاب طلب کرنے میں جلدی نہ کرو، وہ اپنے وقت پر آجائے گا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دن کی طوالت ماہ و سال
کے اعتبار سے نہیں بلکہ جزا و سزا کی شدت کے اعتبار سے ہو گی جب
کوئی شخص تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اُسے تھوڑا سا عرصہ بھی بہت
طویل محسوس ہوتا ہے۔ جن لوگوں پر قیامت کا دن بھاری ہو گا، انہیں
یہ ایک دن ہزاروں سال کے برابر محسوس ہو گا۔ اور اہل ایمان کے متعلق فرمایا
کہ اُن کے لیے یہ وقت اتنا مختصر ہو گا جتنے وقت میں چار رکعت نماز
ادا کر لی جاتی ہے۔

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ہم دنیا میں بھی دیکھتے
ہیں کہ مختلف خطوں میں اوقات میں بڑا تفاوت پایا جاتا ہے۔ مثلاً خط
استوا سے قریبی خطوں میں دن اور رات چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے ڈنمارک
کے عقبی خطوں میں دن رات دو ماہ کا ہوتا ہے جب کہ قطبین پر چھ ماہ کا
دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ قیامت کا
دن بھی بعض اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر اور بعض لحاظ سے پچاس

ہزار سال کے برابر ہو۔ اور یہ طوالت تکلیف کی شدت کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے، اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کام تو ایسے ہیں کہ قیامت کا ایک دن تمھارے ہاں کے ہزار سال کے برابر ہو۔ حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ غریب مہاجرین دولت مند اہل ایمان سے پانچسو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ صاحب ثروت تو اپنے حساب کتاب میں پھنسے رہیں گے مگر غربا جلدی اپنے مقام پر پہنچ جائیں گے۔

بستیوں کی ہلاکت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا بہت سی بستیاں ایسی ہیں کہ میں نے اُن کو مہلت دی وَهِيَ ظَالِمَةٌ اور وہاں کے باشندے ظالم لوگ تھے۔ ثُمَّ اَخَذْتُهَا پھر میں نے پکڑا اُس کو۔ عذاب میں مبتلا کر دیا۔ وہ میری گرفت سے بھاگ کر نہیں جا سکتے وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ اور بالآخر سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ میں اِن سے باز پرس کرلوں گا کہ یہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے۔

پھر اللہ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا قُلْ آپ کہہ دیجئے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اے لوگو! تمھاری فرمائشیں پوری کرنا میرا کام نہیں ہے۔ تم عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو مگر یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے، وہ جب چاہے گا، اپنا وعدہ پورا کر دے گا۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ میں تو تمھارے لیے کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔ میرا کام تمھیں آگاہ کرنا ہے، عذاب لانا نہیں، باز پرس کرنا اور ہر نیک و بد کی جزا و سزا کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ ہر ایک کے مناسب حال فیصلہ کر دیگا۔

مغفرت اور باعزت روزی

فرمایا، یاد رکھو! فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیئے لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ اُن کے لیے مغفرت اور باعزت روزی

ہے۔ یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے دو چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے۔ ایک مغفرت اور دوسری باعزت روزی، یہاں پہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مغفرت یا گناہوں کی معافی تو گنہگاروں کے لیے ہوتی ہے۔ مگر اس آیت کریمہ میں اللہ نے ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے والوں کو بخشش کا مژدہ سنایا ہے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پہ اعمال صالحہ سے مراد اخلاص ہے یعنی جنہوں نے ایمان میں اخلاص پیدا کیا۔ سورۃ الانعام میں ہے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (آیت۔ ۸۲) جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں کفر، شرک، یا نفاق کی ملاوٹ نہیں کی بلکہ خالص توحید کو قبول کیا اور تقویٰ اختیار کیا، تو اگرچہ اعمال میں کوتاہی بھی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرما دے گا۔ پھر عمل صالحہ کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ وہ شریعت مطہرہ کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دیا گیا ہو۔ فَاتَّبِعُوْنِيْ کا یہی مطلب ہے کہ ہر نیک کام حضور علیہ السلام کے مقررہ طریقے پر کیا جائے۔ اگر ایسا نہیں کریگا تو عمل برباد جائیگا کیونکہ کسی عمل کے متعلق پورے وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ضرور ہی مقبول ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی کوتاہی رہ گئی ہو یا کسی شرط کو پورا نہ کیا ہو، اس لیے ہر عمل کی موجودگی میں بھی بخشش و مغفرت کی ضرورت ہے۔ جس کا اللہ نے یہاں وعدہ فرمایا ہے۔

باعزت روزی بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ دنیا میں بسا اوقات روزی غلط طریقے سے حاصل کی جاتی ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو جھوٹ، فریب، چوری، ڈاکہ، رشوت اور سمگلنگ کے ذریعے روزی حاصل کرتے ہیں۔ ایسی روزی باعزت روزی ہرگز نہیں ہو سکتی بلکہ یہ تو ذلت کی روزی ہوگی۔ اس کے برخلاف جنتیوں کو جو روزی ملے گی۔ وہ حلال، طیب اور بغیر کسی مشقت کے نصیب ہوگی۔ دنیا میں بسا اوقات

انسان ایک دوسرے کے دست نگر ہوتے ہیں مگر جنت میں اللہ تعالیٰ بغیر کسی کے احسان کے اپنی رحمت سے رزق عطا فرمائے گا، اسی کو باعزت روزی کہا گیا ہے۔

آجکل کے محاورہ میں اَلْخُبْزُ بِالْکَرَامَۃِ کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے یعنی ہر شخص کو باعزت روزی میسر آنی چاہیئے، مگر یہ صرف نعرہ ہی ہے جب تک دنیا میں ظلم و تعدی کا دور دورہ ہے کسی کو باعزت روٹی نصیب نہیں ہوسکتی۔ یہاں کا نظام معیشت ہی غلط ہے جس کی وجہ سے اکثر ایک دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے۔ بعض اوقات روزی کی خاطر بڑی ذلت برداشت کرنی پڑتی ہے تو ایسے حالات میں باعزت روزی کہاں سے میسر آئیگی؟ یہ دنیا تو آزمائش کا مقام ہے۔ نہ حکمران طبقہ نظامِ معیشت کی اصلاح میں مخلص ہے اور نہ دولت مند گروہ کو محتاجوں کا خیال ہے اس لیے اس دنیا میں روزی تو ملتی ہے مگر اکثر تذلیل کے ساتھ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنے نیک بندوں کو جنت میں باعزت روزی عطا فرمائے گا اور یہ بہت بڑا انعام ہوگا۔

آیاتِ الٰہی سے عناد

آگے ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ وہ لوگ جو ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے یا کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی جو دین اللہ کی طرف سے اُس کے نبی لے کر آئے ہیں، جو شریعت انہوں نے پیش کی ہے، وہ تو انہیں پسند نہیں۔ وہ تو اپنی خواہشات اور رسم و رواج کا نظام جاری کرنا چاہتے ہیں، آج کل مسلمان قوم کا اکثر و بیشتر یہی حال ہے، زبان سے تو اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کا مقرر کردہ نظام ہی برحق ہے۔ مگر عمل میں اس کے خلاف چلتے ہیں۔ وہاں ذاتی مفادات اور مصلحت آڑے آجاتی ہے اور اللہ کا پسندیدہ دین دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ یہ تو اللہ کی آیات اور اس کے دین کو مغلوب کرنے والی بات ہے ایسے ہی لوگوں

کے متعلق اللہ نے فرمایا اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ کہ یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ یہ عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکیں گے دنیا میں بھی ان کو امن و سکون نصیب نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ ظلم و تعدی کا شکار رہیں گے۔

موجودہ زمانے میں یہودیت، عیسائیت، اشتراکیت یا کوئی بھی مغربی ازم ہو، سب آیات الٰہی کو زیر کرنے والے نظام ہیں۔ اِن باطل نظاموں کے حامی مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کو تو بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ اور خلافِ قرآن و شریعت کسی غلط نظام کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر افسوس ہے خود مسلمانوں کی حالت پر جو غیر اقوام سے بھی برائی میں دو قدم آگے ہیں۔ یہ خود مسلمان کہلانے کے باوجود ایسی قبیح حرکات کرتے ہیں جن کی وجہ سے لوگ اسلام سے مزید متنفر ہوتے ہیں۔

ہندو بھی اسلام اور مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے۔ وہ بھی ان کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ آج کل ہندوستان میں قرآنی قوانین کے خلاف تحریک چل رہی ہے۔ کبھی طلاق کے مسئلہ کو اچھالا جاتا ہے اور کبھی تعدد ازواج کو۔ عیسائی اور یہودی تو روز اوّل سے ہی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں سے اُن کے نبی اور قرآن کی محبت نکال دی جائے۔ اشتراکی لوگ اسلامی نظام کو رجعت پسندانہ نظام کہتے ہیں حالانکہ رجعت پسندانہ نظام تو خود کفر، شرک اور اشتراکیت کا نظام ہے۔ سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام دونوں مخلوق کے بنائے ہوئے ہیں۔ جب کہ خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن میں اُس کا عطا کردہ نظام موجود ہے جس کی کوئی شق خلاف فطرت نہیں۔ بہرحال فرمایا کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو عاجز کرنے کی کوشش کی، وہ لامحالہ دوزخ کا شکار ہوں گے۔ آیاتِ الٰہی تو انشاء اللہ قائم رہیں گی مگر یہی لوگ جہنم کے کندہ ناتراش بنیں گے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ
اِذَا تَمَنّٰٓى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنۡسَخُ
اللّٰهُ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ ثُمَّ يُحۡكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۙ﴿۵۲﴾ لِّيَجۡعَلَ مَا يُلۡقِى الشَّيۡطٰنُ
فِتۡنَةً لِّلَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡقَاسِيَةِ
قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَفِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ ۙ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعۡلَمَ
الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ اَنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَيُؤۡمِنُوۡا
بِهٖ فَتُخۡبِتَ لَهٗ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيۡنَ
اٰمَنُوۡۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۵۴﴾

ترجمہ:- اور نہیں بھیجا ہم نے اس سے پہلے کوئی رسول اور نہ نبی مگر یہ کہ جب اُس نے پڑھا، ڈال دیا شیطان نے اُس کے پڑھے ہوئے میں۔ پس مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ اُس چیز کو جو شیطان ڈالتا ہے۔ پھر مضبوط کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ﴿۵۲﴾ تاکہ کر دے اُس چیز کو جو شیطان ڈالتا ہے فتنہ (آزمائش) اُن لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری

ہے (نفاق) اور جن کے دِل سخت ہیں (مشرک)۔ اور بیشک ظلم کرنے والے البتہ مخالفت میں دور پڑے ہوئے ہیں ۞۵۳ اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ بیشک یہ برحق ہے تیرے رب کی طرف سے۔ پس اِس پر ایمان لائیں۔ پھر عاجزی کریں گے اُس کے سامنے اُن کے دِل، اور بیشک اللہ تعالیٰ راہ دکھانے والا ہے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے سیدھے راستے کی طرف ۞۵۴

ربط آیات

گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی مذمت بیان کی جو اس کی آیتوں کو کمزور کرنا چاہتے ہیں اور فرمایا کہ یہ لوگ جہنمی ہیں۔ اب آج کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور صحابہ کرامؓ کو تسلی کے طور پر فرمایا ہے کہ آپ مخالفین کی مخالفت سے گھبرائیں نہیں کیونکہ کافروں اور مشرکوں کا ابتداء سے یہی وطیرہ رہا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے پروگرام کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے رہے اور اللہ کے نبیوں کی ہمیشہ مخالفت کرتے رہے ہیں۔ مگر نہ تو وہ سابقہ ادوار میں کامیاب ہوئے اور نہ اب ہوں گے بلکہ ذلیل وخوار ہی ہوں گے۔ اِن کے مقابلے میں فتح و کامرانی اہلِ حق کو ہی نصیب ہوگی۔

نبی اور رسول میں فرق

ارشاد ہوتا ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول اور نہ نبی اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِىۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ مگر یہ کہ جب بھی اُس نے پڑھا تو شیطان نے اُس کی پڑھی ہوئی چیز میں رخنہ ڈال دیا۔

اس آیت کریمہ میں نبی اور رسول کے دو الفاظ بیک وقت استعمال ہوئے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ اِن کے درمیان فرق کو واضح کر دیا جائے۔ ایک لحاظ سے نبی عام ہے اور رسول خاص ہے۔ نبی اور رسول دونوں پر وحی نازل ہوتی ہے مگر رسول اس لحاظ

سے خاص ہے کہ اُس کو مستقل کتاب یا شریعت عطا کی جاتی ہے۔ البتہ نبی صاحبِ وحی ہونے کے ساتھ سابقہ کتاب یا شریعت پر عمل پیرا ہوتا ہے اور اس کی تبلیغ کرتا ہے۔ پھر ایک لحاظ سے رسول عام ہے اور نبی خاص۔ رسول انسانوں اور فرشتوں دونوں انواع میں سے ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ عام ہے اور نبی صرف انسانوں میں سے ہوتے ہیں۔ اس لیے نبی خاص ہے

تمنّٰی کے مختلف معانی

لفظ "تمنیٰ" مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک معنیٰ تو عام فہم ہے اور اُردو میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی کسی چیز کی محبت کے ساتھ آرزو کرنا ان معانی میں جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ جب بھی کسی رسول یا نبی نے کسی چیز کی محبت کے ساتھ خواہش ظاہر کی تو شیطان نے وسوسہ اندازی کر کے اُس خواہش میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ نبی کی آرزو اور تمنا تو یہی ہو سکتی ہے کہ لوگ ایمان قبول کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے نجات حاصل کر لیں۔ اس طرح وہ کفر، شرک اور گمراہی سے بچ جائیں گے۔

بعض مفسرین کرام تمنّٰی سے مراد تلاوت لیتے ہیں کہ عربی زبان میں یہ معنیٰ بھی مستعمل ہے۔ اس طرح جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ جب بھی اللہ کے رسول یا نبی نے لوگوں کے سامنے اللہ کا کلام یا اُس کے احکام تلاوت کیے تو شیطان نے اُس تلاوت شدہ کلام میں رخنہ ڈال دیا۔ تمنّٰی کا یہ معنیٰ عربی ادب میں بھی ملتا ہے جیسے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار سے ثابت ہے۔

تَمَنّٰی كِتٰبَ اللّٰهِ اَوَّلَ لَيْلَةٍ
تَمَنِّيَ دَاوُدَ الزَّبُوْرَ عَلٰى رِسْلٍ
تَمَنّٰی كِتٰبَ اللّٰهِ اَوَّلَ لَيْلَةٍ
وَاٰخِرَهَا لَاقٰى حِمَامَ الْمَقَادِرِ

آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح میں کہتے ہیں کہ آپ رات کے پہلے حصے میں اللہ کی کتاب تلاوت کرتے تھے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام

زبور ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے ۔ آپ کا اندازِ تلاوت نہایت اعلیٰ اور پُر سوز ہوتا تھا حتیٰ کہ آپ کے ساتھ پرندے اور درخت بھی تلاوت میں شامل ہو جاتے ۔

حضرت حسانؓ پھر کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ رات کے اول حصہ میں کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے تھے اور رات کے دوسرے حصے میں تقدیروں کی موت سے جا ملے یعنی شہید کر دیے گئے ۔ حِمام موت کو کہتے ہیں ۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تمنیٰ کا معنیٰ حَدَّثَ کرتے ہیں یعنی جب بھی اللہ کے نبی نے اللہ کے کلام یا اُس کا کوئی حکم بیان کیا تو رسول یا نبی کی بیان کردہ چیز میں شیطان نے وسوسہ ڈال کر اُس میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی ۔ اور پھر شیطان کی طرف سے ڈالا گیا وسوسہ بعض لوگوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بن گیا ۔ منافق اور مشرک لوگ تو اس فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ مگر مومنوں کے گروہ کو اللہ تعالیٰ اس فتنہ سے بچا لیتا ہے ارشاد ہوتا ہے ۔ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ پھر اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے اس چیز کو جو شیطان رخنہ ڈالتا ہے ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو مضبوط بناتا ہے وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا اور حکمت والا ہے ۔

شیطان کی رخنہ اندازی

فرمایا جب اللہ کا نبی لوگوں کے سامنے کوئی چیز پڑھ لیتا ہے ۔ تو شیطان اس میں وسوسہ ڈال کر رخنہ اندازی کرتا ہے اس کی مثال ایسے ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ (البقرہ ۔ ۱۷۳) اللہ تعالیٰ نے مردار کو حرام قرار دیا ہے ۔ اس آیت کے متعلق شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ جس جانور کو اللہ نے موت دی وہ تو حرام ہو گیا اور جسے خود ذبح کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا ، وہ ان کے لیے حلال ہو گیا ۔ چنانچہ اللہ نے اس بات کو اس طرح واضح فرمایا وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ

(الانعام-۱۲۲) جس چیز پہ بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اس کو مت کھاؤ کیونکہ اس میں روحانی خرابی پیدا ہو گئی ہے، لہٰذا یہ تمھارے لیے حلال نہیں۔ ظاہر ہے کہ جو جانور اپنی موت مر گیا ہے اس کو نہ تو ذبح کیا اور نہ اس پہ اللہ کا نام لیا گیا، لہٰذا وہ کھانے کے قابل نہیں رہا۔

وسوسہ اندازی کی دوسری مثال یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (الانبیاء-۹۸) تم اور تمھارے وہ معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ اس پہ شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے جہنم میں جانے کی بات تو سمجھ میں آتی ہے جب کہ معبودوں میں تو مسیح علیہ السلام اور فرشتے بھی شامل ہیں جن کی لوگ پوجا کرتے تھے۔ تو پھر یہ پاک ہستیاں دوزخ میں کیسے جا سکتی ہیں؟ اللہ نے اس کے جواب میں اپنی برگزیدہ ہستیوں کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (الانبیاء-۱۰۱) وہ جہنم سے دور رہیں گے۔ اتنے دور کہ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا (الانبیاء-۱۰۲) وہ تو دوزخ کی آہٹ بھی نہیں سن پائیں گے۔ ان ہستیوں کو تو اللہ تعالیٰ مقاماتِ عالیہ پر سرفراز فرمائے گا، البتہ جہنم میں وہ لوگ جائیں گے جو خود اپنی پرستش کراتے رہے اور لوگوں کو غلط راستے پر ڈالتے رہے یا وہ شجر، حجر اور بت جہنم میں جائیں گے جن کی مشرکین پوجا کرتے رہے اس طرح عابد اور معبود دونوں جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

شیطان کی وسوسہ اندازی کی تیسری مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (النساء-۱۷۱) یعنی مسیح علیہ السلام اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے مریمؑ کی طرف ڈالا گیا اور اس کی طرف سے روح ہیں۔ نصاریٰ کہنے لگے کہ

جب خود اللہ تعالیٰ نے آپ کو روح اللہ کہا تو پھر وہ اللہ کے بیٹے ٹھہرے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کی شخصیت کی وضاحت فرما دی اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الزخرف ۔ ۵۹) وہ تو اللہ کے بندے تھے اور اللہ نے اُن پہ اپنا انعام کیا اور اُن کو اپنی نشانی بنایا۔ وہ خدا کے بیٹے تو نہیں ہیں۔ اللہ نے صاف تردید فرما دی۔

منافق اور مشرک کے لیے آزمائش

فرمایا شیطان کی وسوسہ اندازی سے یہ مراد ہے لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً کہ شیطان جو وسوسہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اُسکو آزمائش بناتا ہے لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اور ان لوگوں کے لیے بھی جن کے دِل سخت ہو چکے ہیں۔ یہاں پر دو قسم کے لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ دِل کے مریضوں سے مراد منافق قِسم کے لوگ ہیں۔ اور سخت دِل والے مشرک ہیں جو اپنے شرک میں پختہ ہو چکے ہیں۔ جب کبھی اللہ کے رسول کے کلام الٰہی پڑھتے پر شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے تو یہ وسوسہ اندازی ان دو گروہوں کے لیے فتنہ یعنی آزمائش کا ذریعہ بن جاتی ہے ایسے لوگ شیطان کی رخنہ اندازی سے متاثر ہو کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا۔ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ کہ اس قسم کے ظالم لوگ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور صراطِ مستقیم سے محروم ہیں۔

اہل ایمان کے لیے ذریعہ ایمان

فرمایا اُدھر آیات الٰہی سے مقصود یہ ہے وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ اور تاکہ اہلِ علم جان لیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے برحق ہے۔ اللہ کا ہر حکم مبنی برحق ہے۔ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ لہٰذا وہ اس پہ ایمان لے آتے ہیں۔ یہ کلام علم والوں کے لیے فتنہ کا موجب

نہیں بنتا۔ چونکہ وہ کلامِ الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ لہٰذا اُن کے دلوں میں اخبات یعنی عاجزی پیدا ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع کرتے ہیں۔ یہ چار خصلتیں ایسی ہیں جن کی تمام انبیاء اور امتیں پابند ہیں اور وہ ہیں طہارت (پاکیزگی) اخبات (عاجزی) سماحت (خسیس چیزوں سے پرہیز) اور عدالت۔ یہ چاروں چیزیں مدارِ سعادت ہیں اور ان پر پابندی اختیار کرنے والا آدمی سعادت مند ہوگا اور ان کے خلاف کرنے والا شقی یعنی بدبخت ہوگا۔

بہرحال یہ نبی آخر الزمان اور آپ کی امت کے لیے تسلی کا مضمون ہے کہ جو لوگ آیاتِ الٰہی کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ اسلام کے پروگرام کو ناکام بنانا چاہتے ہیں۔ آپ اُن سے گھبرائیں نہیں کیونکہ یہ ایک قدیم شیوہ ہے اور ہر نبی کو ان حالات سے گزرنا پڑا ہے۔ پہلی قومیں بھی اپنے اپنے نبیوں کی اسی طرح تکذیب کرتی رہی ہیں۔ اللہ نے سورۃ الانعام میں فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (آیت ۱۱۲) اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں میں سے دشمن بنائے ہیں شیاطین انسانوں میں بھی ہوتے ہیں اور جنوں میں بھی۔ جب اللہ کا نبی کچھ بیان کرتا ہے تو وہ اس میں رخنہ اندازی کرتے ہیں تاکہ نبی کی بات آگے نہ چل سکے۔ اللہ نے فرمایا، اس قسم کی رخنہ اندازی کوئی نئی بات نہیں ہے، لہٰذا آپ ایسی رکاوٹوں سے بے نیاز ہو کر اپنا کام کرتے جائیں۔

لفظ تمنّٰی کی غلط تفسیر

بعض مفسرین نے تمنّٰی کا یہ معنی لیا ہے کہ اللہ کا نبی جب کوئی چیز پڑھتا ہے تو شیطان آپ کی آواز میں آواز ملا کر لوگوں کے سامنے ایسی باتیں پیش کرتا جو اللہ اور اس کے رسول کے منشا کے خلاف ہوتی ہیں، اور پھر اللہ تعالیٰ شیطان کی باتوں کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیات کو مضبوط رکھتا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورۃ النجم کی

یہ آیات تلاوت فرمائیں اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿19﴾ وَمَنٰوةَ
الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿20﴾ کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا ہے، اور تیسرے
بت منات کو بھی۔ کہتے ہیں کہ جب آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں
تو شیطان نے آپ کی آواز میں اپنی آواز ملا کر کہا۔

تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى

یہ بت بڑی بڑی ہستیاں ہیں اور ان کی شفاعت کی اُمید رکھی جاتی ہے ایسی بات مشرکین کے لیے فتنہ کا باعث بن گئی اور انہوں نے لات، عزیٰ اور منات کو اپنا سفارش کنندہ بنا لیا۔ پھر سورۃ کے آخر میں حضور علیہ السلام نے سجدہ کی آیت تلاوت فرمائی تو سجدہ بھی کیا۔ اور آپ کے ساتھ مجلس میں موجود سب لوگوں نے سجدہ کیا۔ یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کہ شیطان نبی کی آواز میں کوئی غلط بات چلا دے۔ یہ تو عصمتِ وحی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی وحی کو ہمیشہ ملاوٹ سے محفوظ رکھتا ہے۔ محدثین نے اس بے اصل روایت کا انکار کیا ہے۔ تاہم صحیح تفاسیر میں نے عرض کر دی ہیں۔ پہلی تفسیر یہ ہے، کہ جب اللہ کا نبی کوئی تمنا یا آرزو کرتا ہے تو شیطان اُس میں رخنہ اندازی کرتا ہے اور دوسری تفسیر یہ کہ جب رسولِ خدا کسی آیت یا حکم کی تلاوت کرتا ہے تو شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر رخنہ اندازی کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس وسوسے کو مٹا دیتا ہے، ایمان والے صحیح سلامت رہتے ہیں اور کفار و منافقین فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ دوسری آیات نازل فرما کر مومنوں کا وسوسہ دور کر دیتا ہے۔

سورۃ النجم کے آخر میں سجدہ کرنے سے متعلق امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس مجلس میں موجود مسلمانوں نے تو اس لیے سجدہ کیا تھا کہ ان کے ہادی و راہنما نے سجدہ کیا تھا۔ لیکن کافروں اور مشرکوں نے اس لیے سجدہ کیا تھا کہ یہ سورۃ تلاوت کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی قہری تجلیات نازل ہو رہی

تھیں جن کی وجہ سے کافر لوگ سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ البتہ ایک بوڑھے کافر نے سجدہ کرنے کی بجائے تھوڑی سی مٹی لے کر اپنی پیشانی پر مل لی اور کہنے لگا کہ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے (بخاری شریف) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس بوڑھے آدمی کو بدر کی لڑائی میں کفر کی حالت میں مردہ پڑا پایا۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بیشک اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور وہ صراط مستقیم کو پا لیتے ہیں۔ برخلاف اس کے مشرک اور منافق شیطان کی وسوسہ اندازی کا شکار ہو کر فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾
الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ط يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ط فَالَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾
وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾ ع وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي ع ۹ ۱۴
سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ
اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ط وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٨﴾
لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ط وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ
حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾ ذَٰلِكَ ج وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ
بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ اللَّهُ ط إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ
غَفُورٌ ﴿٦٠﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ
وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ
بَصِيرٌ ﴿٦١﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا
يَدْعُونَ مِن دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ
الْكَبِيرُ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ

السَّمَآءِ مَآءً ۡ فَتُصۡبِحُ الۡاَرۡضُ مُخۡضَرَّةً ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَطِيۡفٌ خَبِيۡرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى
الۡاَرۡضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ﴿۶۴﴾ ع ۸ ۷ ۱۵

ترجمہ:- اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا شک میں اس (قرآن) کی طرف سے، یہاں تک کہ آجائے ان کے پاس قیامت اچانک، یا آجائے اِن کے پاس عذاب سخت دن کا ﴿۵۵﴾ بادشاہی اُس دن اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہوگی وہ فیصلہ کرے گا اِن کے درمیان۔ پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے اعمال کیے، وہ نعمتوں کے باغوں میں ہوں گے ﴿۵۶﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلّت ناک عذاب ہوگا ﴿۵۷﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اللہ کے راستے میں، پھر وہ مارے گئے یا مرگئے تو ضرور اللہ اُن کو روزی دے گا اچھی روزی۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ﴿۵۸﴾ ضرور داخل کریگا اُن کو ایسی جگہ میں جس کو وہ پسند کریں گے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اور بردبار ہے ﴿۵۹﴾ یہ بات (تو تم نے سُن لی)، جس شخص نے گرفت کی ایسی کہ جیسی اُس کو تکلیف دی گئی تھی، پھر اُس پر سرکشی کی گئی تو ضرور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور بخشش کرنیوالا ہے ﴿۶۰﴾ یہ بات (اسلیے کہ) بے شک اللہ تعالیٰ

داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے ⑥١ یہ بات (اس لیے کہ) بیشک اللہ تعالیٰ ہی وہ برحق ہے اور وہ جس کو پکارتے ہیں لوگ اُس کے سوا ، وہ باطل ہے ۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ بلند ہے اور بڑائی والا ہے ⑥٢ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان کی طرف سے پانی ۔ پس ہو گئی زمین سرسبز ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت لطیف اور خبر رکھنے والا ہے ⑥٣ اُسی کے لیے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے ۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ وہ غنی اور تعریفوں والا ہے ⑥۴

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ جب بھی اللہ کے نبی اللہ کا کلام یا احکام پڑھتے ہیں تو شیطان اُس میں رخنہ اندازی کرتا ہے وہ لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات اور غلط خیالات ڈالتا ہے ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال ہوتی ہے تو وہ شیطان کی وسوسہ اندازی کو زائل کر دیتا ہے ، اور حق بات کو ثابت رکھتا ہے ۔ اس سے ایمان والوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی پیدا ہوتی ہے اور منافق اور مشرک فتنے میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔

کفار کا شک و تردد

اب اِس آیت میں کفار کے شک و تردد کا ذکر ہے کہ قرآن پاک کے متعلق ان کے شبہات ہمیشہ قائم رہیں گے حتیٰ کہ اُن کا خاتمہ ہو جائے ارشاد ہوتا ہے وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ اور کافر لوگ ہمیشہ شک و تردد میں پڑے رہیں گے اس قرآن کی طرف سے ۔ اُن کے ذہن ہمیشہ پراگندہ رہتے ہیں اور وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً یہاں تک کہ اچانک قیامت واقع ہو جائے اَوْ یَاْتِیَهُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ یا اُن پر سخت دن کا عذاب نازل ہو جائے ۔ عقیم بانجھ کو کہتے ہیں ، یعنی وہ جس میں خیر نہ ہو ۔ قرآن

میں رِیۡحَ عَقِیۡمٌ بھی آتا ہے یعنی سخت مضر اور غیر مفید ہوا۔ بانجھ عورت بھی غیر مفید ہوتی ہے کیونکہ اس سے اولاد نہیں ہوتی اور وہ منحوس سمجھی جاتی ہے۔ تو قیامت کا دِن کافروں کے لیے منحوس دِن ہوگا جس دِن اُن کا محاسبہ اعمال ہوگا اور پھر انہیں سزا ملیگی۔

خدا تعالیٰ کی بادشاہی

اِسی قیامت کے دِن کے متعلق فرمایا اَلۡمُلۡكُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ آج کے دِن بادشاہی خدا تعالیٰ کے لیے ہوگی۔ دنیا میں تو مجازی طور پر اقتدار بعض انسانوں میں ہوتا ہے اگرچہ حقیقی بادشاہی اللہ ہی کی ہوتی ہے مگر قیامت کو یہ مجاز بھی ختم ہو جائے گا۔ اور ظاہری باطنی ہر طرح کی حکومت اور اقتدار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا۔ یَحۡكُمُ بَیۡنَهُمۡ پھر اللہ تعالےٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پس وہ لوگ جو دنیا میں ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیے فِیۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے اللہ تعالےٰ انہیں اپنی رحمت کے مقام جنت میں داخل کرے گا۔ جہاں انہیں ہر طرح کا آرام و راحت حاصل ہوگی۔ برخلاف اس کے وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا توحید، احکام الٰہی، کتب سماویہ، ملائکہ، رسل اور قیامت کی تکذیب کی فَاُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ذلت ناک عذاب ہوگا۔ اُن کے لیے عزت کا وہاں کوئی موقع نہیں ہوگا۔

مہاجرین کی حوصلہ افزائی

اب اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنا وطن، خویش و اقارب، دوست احباب، زمین، مکان اور تجارت کو چھوڑا، اور اللہ کی رضا کے طلبگار ہوئے ثُمَّ قُتِلُوۡا پھر یا تو

راہ حق میں کفار کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے اَوْمَاتُوْا یا طبعی موت مر گئے لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا اللہ تعالیٰ ان کو با عزت روزی عطا فرمائے گا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہترین روزی دینے والا ہے اس میں ان اہل ایمان کی طرف اشارہ ہے جو مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کر گئے۔ وہ اپنی ہر چیز مکے میں چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے اور ان کی اکثریت بالکل تہی دست ہو گئی تھی۔ سورۃ الحشر میں بھی اللہ تعالیٰ نے فقرا مہاجرین کی تعریف کی ہے لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (آیت۔ ۸) مال فے کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ اس میں ان غریب مہاجرین کا بھی حصہ ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے بے دخل کر دیے گئے اور جو اللہ کا فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں۔ اللہ کے دین اور اسکے رسول کی مدد پر کمر بستہ ہیں۔ یہی لوگ سچے ہیں۔

چنانچہ مہاجرین کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ وہ خالی ہاتھ آئے تھے مگر اللہ نے ان کو تجارت اور دیگر ذرائع سے کثیر مال و دولت عطا فرمایا اور اس طرح ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ان کے متعلق یہ خوشخبری بھی سنائی لَیُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَهٗ اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں ایسے مقامات میں داخل کریگا جن کو وہ پسند کریں گے، اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا مقام جنت ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور بردبار ہے، وہ نافرمانوں کی نافرمانی اور سرکشوں کی شرارت پر جلدی گرفت نہیں کرتا بلکہ بسا اوقات مہلت دیتا ہے اور

یہی اُسکی بردباری اور تحمل کی نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت

آگے ارشاد ہوتا ہے ذٰلِكَ یہ بات تو ہو چکی اور تم نے سن لی دوسری بات یہ ہے وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهٖ اور جس شخص نے بدلہ لیا اسی کی مانند جیسا کہ اُس کو اذیت پہنچائی گئی تھی ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ پھر اُس پر سرکشی کی گئی لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ تو اللہ تعالیٰ ضرور اُس کی مدد فرمائے گا اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے اہل ایمان کو تیرہ سال تک سخت تکلیفیں دیں حتیٰ کہ انہیں ہجرت پر مجبور کر دیا۔ پھر اللہ نے اُن سے بدر کے معرکے میں انتقام لیا۔ گویا جس طرح کافروں اور مشرکوں نے مسلمانوں کو مکے میں تنگ کیا، اُس کا بدلہ مسلمانوں نے جنگ بدر میں لے لیا۔ اس کے بعد اگرچہ کافروں نے پھر مسلمانوں پر سرکشی کی جیسا کہ اُحد اور خندق کے مواقعات پر کی تو اللہ نے فرمایا کہ وہ مظلوم مسلمانوں کی ضرور مدد کرے گا۔ چنانچہ ان دونوں مواقع پر کافروں نے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی مگر اللہ کی نصرت آڑے آئی اور دونوں مواقع پر کافر اور مشرک ناکام لوٹ گئے۔ جنگ خندق کے موقع پر مسلمانوں نے مدینے کے تین اطراف میں خندق کھود کر اور چوتھی طرف سے ذاتی طور پر دفاع کر کے کافروں کو شہر میں داخل ہونے سے روکے رکھا۔ پھر اللہ نے تند و تیز ہوا بھیج کر دشمن کے لشکر کو درہم برہم کر دیا اور فرشتوں نے انہیں دھکیل کر واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ یہی اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشش کرنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر یہ سرکش لوگ اس تمام تر زیادتی کے باوجود آئندہ کے لیے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیوں کو معاف فرما دیگا کیونکہ وہ بہت بخشش کرنے والا ہے

توحید الٰہی کی دلیل

فرمایا ذٰلِكَ یہ اس وجہ سے بِاَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے کہ کائنات کے تمام تصرفات اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور دن اور رات کا نظام اس نے کمال حکمت کے ساتھ بنا رکھا ہے وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ہر بات کو سننا اور ہر چیز کو دیکھنا اسی کا کام ہے۔ کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔ جب تصرفات اس کے ہاتھ میں ہیں تو وہ مظلوموں کی مدد کرنے پر بھی قادر ہے اور وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔

فرمایا ذٰلِكَ یہ اس لیے بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے۔ حق کا معنی قائم، ثابت اور صحیح ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا شان ہے وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ اور جس کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ وہ باطل ہے۔ غیر اللہ کی عبادت بلاشبہ بے حقیقت اور غلط ہے۔ حق بات یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے کیونکہ وہی ذات قائم دائم اور برحق ہے۔ فرمایا یاد رکھو وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ بیشک اللہ تعالیٰ ہی بلند مرتبت اور بڑائی والا ہے۔ تمام کبریائی اسی کو سزاوار ہے۔ تمام چیزوں کا مافوق الاسباب کنٹرول اسی کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا عبادت بھی اسی کی ہونی چاہیے۔

مردہ دلوں کی زندگی

ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً کیا تم نے اس حقیقت پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اور اس کے ذریعے زمین کو سرسبز و شاداب بنا دیا۔ بارش برسا کر مردہ زمین کو نئی زندگی بخشنا، اس میں پھل، پھول، درخت اور اناج پیدا کرنا اسی مالک الملک کا کام ہے جس طرح وہ بارش کے ذریعے زمین کو ترو تازگی بخشتا ہے۔ اسی طرح

وہ وحی الٰہی کے ذریعے کفر و شرک کی وجہ سے مردہ دلوں کو نئی زندگی بخشتا ہے
فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ بیشک اللہ تعالیٰ بہت باریک
بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ
اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ہر چیز اسی کی پیدا کردہ
اور اُسی کے تصرف میں ہے۔ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ وَاِنَّ اللّٰہَ
لَہُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ بیشک اللہ تعالیٰ وہی بے نیاز اور تعریفوں والا
ہے۔ وہ غنی ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ برخلاف اس کے ساری مخلوق
اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ وہ تعریفوں والا ہے کہ کوئی اس کی تعریف
کرے یا نہ کرے، وہ پھر بھی سب تعریفوں کا مستحق ہے۔ ساری حمد و ثنا
کا سزاوار وہی ہے۔ وہ غنی ہے اور باقی سب محتاج ہیں

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ
وَالْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ
اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِىْٓ اَحْيَاكُمْ ز ثُمَّ
يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾
لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا
يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ
لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ:- کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے کام میں لگا دیا ہے تمہارے لیے اُن چیزوں کو جو زمین میں ہیں اور کشتیاں چلتی ہیں دریا میں اس (اللہ تعالیٰ) کے حکم سے۔ اور وہ روکتا ہے آسمان کو زمین پر گرنے سے مگر اُس کے حکم سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بہت شفقت کرنے والا اور مہربان ہے (۶۵) اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی ہے، پھر وہ تم پر موت طاری کرتا ہے، پھر تم

کو زندہ کرے گا۔ بیشک انسان البتہ ناشکرگزار ہے (٦٦) ہر
امت کے لیے مقرر کیا گیا ہے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ
کہ وہ اس عبادت کو کرنے والے ہیں۔ پس نہ جھگڑا کریں
آپ سے یہ لوگ اس معاملہ میں۔ اور آپ دعوت دیں اپنے
پروردگار کی طرف۔ بیشک آپ البتہ سیدھی راہ پر ہیں (٦٧)
اور اگر یہ جھگڑا کریں آپ کے ساتھ۔ پس آپ کہہ دیں کہ
اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اُن کاموں کو جو تم کرتے ہو (٦٨)
اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن
اُن باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے (٦٩)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ کی قدرت کی بعض نشانیوں کا ذکر کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف رغبت دلائی گئی تھی۔ اللہ کے سوا کسی دوسری ذات کی عبادت کو باطل قرار دیکر اُس سے منع کیا گیا تھا، پھر رات اور دن کے اختلاف، آسمان کی طرف سے پانی کے نزول اور زمین کے سرسبز و شاداب ہونے کا ذکر تھا۔ اللہ نے یہ نشاناتِ قدرت اس لیے بیان فرمائے ہیں تاکہ انسان ان میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکیں اور اس پر ایمان لے آئیں۔

تسخیرِ اشیائے ارضی

اسی ضمن میں اللہ نے اپنی قدرت کی کچھ مزید نشانیوں کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اے مخاطب! کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا۔ اس مشاہدہ سے مراد رویت بصری نہیں بلکہ قلبی اور علمی رویت مراد ہے یعنی کیا تمہارے دل میں یہ بات پیدا نہیں ہوئی یا تمہارے علم میں یہ بات نہیں آئی؟ اگر ابھی تک تمھیں اس بات کی سمجھ نہیں آئی تو اب آجانی چاہیئے کہ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔ یعنی تمہارے کام میں لگا دیا ہے جو کچھ زمین میں ہے۔ زمین کی تمام اشیاء تمہاری خدمت پر مامور ہیں اور تم

اِن سے مستفید ہو رہے ہو۔ سورۃ البقرہ میں بھی اللہ کا فرمان خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (آیت ۔ ۲۹) اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے فائدے کے لیے پیدا کی ہیں۔ اِن اشیاء میں سے انسان کسی چیز سے براہ راست فائدہ اٹھاتے ہیں اور کسی چیز سے بالواسطہ طور پر، حتیٰ کہ زمین کے زہریلے کیڑے مکوڑے اور سانپ بچھو بھی انسان کے لیے کسی نہ کسی طور پر مفید ہیں۔

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ فرماتے ہیں کہ بعض چیزوں سے انسان بایں صورت مستفید ہوتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر عبرت حاصل ہوتی ہے۔ زمین میں موجود مٹی، پہاڑ، پتھر، صحرا، پانی، درخت، سبزہ، پھول، پھل، اناج، دریا، سمندر چشمے بےشمار چیزیں ہیں جو انسان کی خدمت پر مامور ہیں۔ اسی طرح جانور بھی اللہ نے انسان کے فائدے کے لیے پیدا فرمائے ہیں۔ لوگ ان سے طرح طرح کے فائدے حاصل کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے، کہ کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کس طرح ان چیزوں کو تمہارے بس میں کر دیا ہے؟ حقیقت میں تمام اشیاء کا مالک اور خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن اُس نے اِن کو انسان کے لیے مسخر کر کے اِن سے مستفید ہونے کی اجازت دے دی ہے۔

کشتی رانی کے فوائد

فرمایا وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ اسی طرح اللہ کے حکم سے سمندر میں چلنے والی کشتیوں کو بھی تمہارے تابع کر دیا ہے کشتی رانی بھی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کشتی سازی کا علم عطا فرمایا اور پھر انہیں پانی میں چلانے کا طریقہ سکھلایا۔ جب اس کی مشیت ہوتی ہے تو ہوا کشتی کی منزل کے موافق چلتی ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو ہوا مخالف سمت میں چلنے لگتی ہے سمندر میں طوفان برپا ہو جاتا ہے اور بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز سامان سمیت ڈوب جاتے ہیں۔ پہلے

زمانے میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں۔ جو نقل و حمل کا کام دیتی تھیں۔ اب اُن کی جگہ بڑے بڑے سٹیمروں اور جہازوں نے لے لی ہے جو بھاپ اور تیل سے چلتے ہیں اور لاکھوں ٹن سامان ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچاتے ہیں۔ بہرحال کشتی ہو یا جہاز، وہ جس ایندھن کے ساتھ بھی چلتا ہے، اللہ کا حکم اس میں شامل ہوتا ہے۔ پھر جب اللہ کی مشیت اس کے برخلاف ہوتی ہے تو جدید دَور کے تمام تر حفاظتی انتظامات کے باوجود بڑے بڑے جہاز حادثے کا شکار ہو کر غرق ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ کشتی رانی کسی بھی قسم کی ہو، اس کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے یہ اسی کے حکم سے چلتی ہیں۔

آسمانی نظام قدرت

آگے اللہ تعالیٰ نے آسمانی نظامِ قدرت کی طرف توجہ دلائی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو آسمان کو زمین پر گرنے سے روکتا ہے۔ اس نے آسمان کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا ہے اور پھر ایسا انتظام بھی کر دیا ہے کہ یہ نیچے نہ گرنے پائے مگر اُس کے حکم سے۔ إِلَّا بِإِذْنِهِ میں یہ اشارہ پایا جاتا ہے کہ آسمان کو اللہ نے ایک خاص مدت تک کے لیے تھام رکھا ہے۔ پھر جب قیامت کا وقت آجائیگا، تو اللہ تعالےٰ آسمان و زمین سے اپنی حفاظت اٹھا لے گا۔ آسمان زمین پر گر پڑے گا۔ اور زمین کی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ اور صدر ایوب کے زمانے کا واقعہ ہے، آپ نے اخبارات میں پڑھا ہو گا کہ امریکہ کے کسی علاقے میں ایک شہاب ثاقب گر پڑا تھا جس میں چار پانچسو آدمی ہلاک ہو گئے تھے اور بہت سی عمارتیں تباہ ہو گئی تھیں۔ یہ تو شہاب کے ایک ٹکڑے کا کارنامہ ہے اندازہ لگائیے جب آسمان و زمین کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا تو اُس وقت کیسی قیامت برپا ہو گی۔ موجودہ آسمان ٹوٹ پھوٹ جائیگا اور موجودہ آسمان و زمین کی جگہ

دوسرا نظام لایا جائے گا۔ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ بے شک تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑی شفقت والا اور نہایت مہربان ہے۔ یہ اُس کی شفقت اور مہربانی کا نتیجہ ہے کہ اس نے کائنات کے پورے نظام کو انسانوں کے فائدے کے لیے اپنے اپنے کام پر لگا رکھا ہے اور یہ تمام چیزیں انسانوں کی خدمت کر رہی ہیں۔

انعاماتِ الٰہی کا شکریہ

ارشاد ہوتا ہے۔ وَھُوَ الَّذِیْٓ اَحْیَاکُمْ اور خدا تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی ہے ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ پھر وہ تم پر موت طاری کرتا ہے۔ گویا موت و حیات کا سر رشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ایک وقت آئے گا ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ کہ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ اُس کے بعد تمہیں اللہ کے روبرو پیش ہو کر زندگی بھر کا حساب کتاب دینا ہو گا۔ اور پھر اُس دن انسان کی ابدی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ہو گا۔ اللہ نے فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ بیشک انسان البتہ ناشکر گزار ہے اللہ نے انسان کو زندگی عطا کی اور پھر اُس کے ساتھ ہدایت کا سامان بھی مہیا فرمایا۔ کفر اور شرک سے بھٹکے ہوئے مردہ دل لوگوں کو ہدایت عطا کی اور انہیں حقیقی زندگی سے روشناس کرایا۔ بعض اوقات اللہ انسان کی اپنی بدعقیدگی اور بدعملی کی وجہ سے اُسے ایمان کی دولت سے محروم کر دیتا ہے، ایسا شخص کفر، شرک اور نفاق کی دلدل میں پھنس جاتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اِن بے شمار انعامات کے پیش نظر انسان کا فرض تھا کہ وہ اس کی توحید کو مانتا، شرک سے پرہیز کرتا، اس کی عبادت کرتا اور اُس کے حکم کی تعمیل کرتا مگر اکثر انسان ناشکر گزار واقع ہوئے ہیں جو ہر وقت اللہ کی نعمتوں کو استعمال تو کرتے ہیں مگر اُس کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ اللہ نے کفر و شرک

کی قباحت اور برائی کا ذکر کیا ہے اور بعض دلائل قدرت بیان فرمائے جن کو دیکھ کر انسان اللہ کی توحید کو سمجھ سکتا ہے۔

عبادت کا طریقہ

آگے فرمایا لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ ہم نے ہر امت کے لیے عبادت کا طور طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اس عبادت کو کرنے والے ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اپنی عبادت کا حکم کرتا ہے۔ تو پھر اپنے نبی کے ذریعے اس کا طریقہ بھی بتلاتا ہے۔ منسک کا اطلاق مطلق عبادت پر بھی ہوتا ہے اور یہ لفظ اس کی راہ میں جانور قربان کرنے پر بھی بولا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص حج یا عمرے کی ادائیگی کے دوران کسی جنایت کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی تلافی کے طور پر جانور ذبح کرتا ہے جسے عرف عام میں دم کہا جاتا ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے نسک کہا ہے۔ سورۃ البقرہ میں جہاں حج اور عمرے میں سر منڈوانے کا حکم دیا، وہاں فرمایا کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سر میں کسی تکلیف کی وجہ سے یہ رکن پورا نہ کر سکے فَفِدْیَۃٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَۃٍ اَوْ نُسُکٍ (آیت ۔ ۱۹۶) تو اس کا فدیہ ادا کرے روزوں کی صورت میں، صدقہ کی صورت میں یا قربانی کی صورت میں۔ اسی سورت حج میں بھی پہلے گزر چکا ہے وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ (آیت ۔ ۳۴) ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اللہ کے عطا کردہ مویشیوں پر اس کا نام لیکر ذبح کریں۔ الغرض! منسک نفس قربانی کو بھی کہتے ہیں اور جائے قربانی یعنی قربان گاہ کو بھی اس طریقے سے منسک کا معنیٰ نفس عبادت بھی ہوتا ہے اور عبادت کا طور طریقہ بھی۔ تو فرمایا ہم نے ہر امت کے عبادت گزاروں کے لیے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

عیدالاضحیٰ کے دن ہمارا سب سے پہلا کام نماز ہوتا ہے۔ اس کے بعد اللہ کی راہ میں جانور قربان کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے بسا اوقات ایسا بھی کیا کہ عید کی نماز ادا کی اور متصلاً جانور بھی ذبح کیا۔ اس مقام پر آپ نے نماز کے لیے بھی نسک کا لفظ استعمال کیا ہے کہ عید کے دن ہماری پہلی عبادت نماز ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں قربانی کے لیے بھی نسک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام:۱۶۳) اللہ نے اپنے پیغمبر سے فرمایا کہ آپ یوں کہیں کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

فرمایا ہم نے ہر امت کے لیے عبادت اور قربانی کا ایک طریقہ مقرر فرمایا ہے فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الْاَمْرِ لہٰذا کفار و مشرکین کو اس معاملہ میں آپ سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ تو خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے قربانی کرتے ہیں۔ جب کہ وہ بتوں کی عظمت کے لیے جانور ان کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ ان کا فرض تھا کہ وہ قربانی کا وہی طریقہ اختیار کرتے جو اللہ نے ہر امت کے لیے مقرر کیا ہے، نہ کہ مشرکانہ طریقہ اختیار کرتے اور پھر جب ایک چیز اللہ کی طرف سے طے ہو چکی ہے تو انہیں اس معاملہ میں آپ کے ساتھ جھگڑا نہیں کرنا چاہیئے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں[1] کہ دین کی چار بنیادی چیزیں ہر نبی کے دور میں یکساں رہی ہیں اور یہ ہیں طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت۔ اسی بنیاد پر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہر نبی کی امت کے لیے دین ایک ہی رہا ہے اور ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ اور دیگر عبادات بھی مقرر رہیں۔ جب تمام امتوں کے لیے اللہ نے ایک طریقہ رائج کیا ہے۔ تو پھر یہ کافر اور مشرک لوگ اس کے خلاف کیوں کرتے ہیں اور آپ سے

[1] ہمعات ص ۸۹ وحجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۵ ج ۱ (فیاض)

ساتھ جھگڑا کیسے کرتے ہیں؟ ۔ اِن کو تو چاہیئے کہ آپ کا بتایا ہُوا طریقہ اختیار کریں اور اہل ایمان سے جھگڑا نہ کریں۔

دعوتِ توحید

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیا وَادْعُ اِلٰی رَبِّكَ آپ سب لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیں لوگوں کو اُس کی توحید اور عبادت کی طرف بلائیں۔ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّسْتَقِيْمٍ بیشک آپ سیدھی ہدایت پر ہیں۔ اور اس ہدایت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ نہ کسی کو اللہ کی ذات میں شریک بنایا جائے۔ نہ صفات میں اور نہ عبادت میں آپ اسی بات کی لوگوں کو دعوت دیں۔ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ اور اگر یہ آپ سے جھگڑا کریں فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ تو آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ وہ علیم کل ہے، بھلا تمہاری بدکرداریاں اُس سے کیسے چھپ سکتی ہیں؟ محاسبے کی منزل آنے والی ہے تمہیں اپنی ہر کارگزاری کا حساب دینا ہوگا۔ آج تم حق کو ٹھکراتے ہو مگر قیامت کے دن سخت عذاب میں مبتلا ہو گے۔ فرمایا اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کریگا فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ اُن معاملات میں جن میں تم بلا وجہ جھگڑا کرتے ہو۔ اُس دن اللہ تعالیٰ نیکی اور بدی کو واضح کردیگا اور پھر ہر ایک کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دیگا۔

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ
اِنَّ ذٰلِكَ فِىۡ كِتٰبٍ‌ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ‏ ﴿۷۰﴾
وَيَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ سُلۡطٰنًا
وَّمَا لَيۡسَ لَهُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ
نَّصِيۡرٍ‏ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعۡرِفُ
فِىۡ وُجُوۡهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا الۡمُنۡكَرَ‌ؕ يَكَادُوۡنَ
يَسۡطُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ يَتۡلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا‌ؕ قُلۡ
اَفَاُنَبِّئُكُمۡ بِشَرٍّ مِّنۡ ذٰ لِكُمۡ‌ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا
اللّٰهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا‌ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۷۲﴾ ع ۸ / ۱۶

ترجمہ:- کیا آپ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ بلاشبہ یہ بات کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔ بیشک یہ بات اللہ پر آسان ہے (۷۰) یہ لوگ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اُن چیزوں کی کہ نہیں اتاری اللہ نے اُن کے بارے میں کوئی دلیل، اور نہیں اُن کو اس بارے میں کچھ علم۔ اور نہیں ہے ظالموں کا کوئی مددگار (۷۱) اور جب پڑھی جاتی ہیں اُن کے سامنے ہماری آئتیں واضح، تم پہچانو گے اِن لوگوں کے چہروں

ہیں جنہوں نے کفر کیا ، ناگواری ، قریب ہے کہ یہ لوگ حملہ کر دیں
اُن لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ہماری آئتیں۔ آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر)
کیا بتلاؤں میں تم کو اس سے زیادہ بُری بات ، وہ۔ دوزخ
کی آگ ہے ۔ وعدہ کیا ہے اس کا اللہ نے اُن لوگوں سے
جنہوں نے کفر کیا ، اور بُری ہے جگہ لوٹ کر جانے کی (۷۲)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں قربانی کا ذکر اور کفر و شرک کا رد تھا۔ اللہ نے توحید کے کچھ دلائل بیان فرمائے اور قربانی کے متعلق فرمایا کہ ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے ۔ اور اگر یہ لوگ اس معاملہ میں کوئی جھگڑا کریں تو اللہ نے اپنے نبی کو فرمایا کہ آپ انہیں توحید کی طرف دعوت دیں ، نیز بتادیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری کارگزاریوں کو جانتا ہے ، اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کے متعلق وہ قیامت کو فیصلہ کر دے گا ۔

متعلقات قربانی

گذشتہ آیات میں قربانی کا خصوصی ذکر آیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ہر امت کے لیے قربانی کا طریقہ مقرر کیا ہے تاکہ معلوم دنوں میں لوگ حلال مویشیوں کو اللہ کا نام لے کر ذبح کریں ۔ اِس قربانی کو اپنی جان کا بدل سمجھیں اور اس طرح جذبۂ قربانی کو زندہ رکھیں ۔

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ ائمہ اہل سنت کے نزدیک قربانی واجب ہے ۔ امام ابوحنیفہؒ ، امام محمدؒ ، امام ابویوسفؒ اور امام زفرؒ بھی اسی کے قائل ہیں ۔ امام ابوحنیفہؒ کے استاذ الاستاذ امام ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ قربانی صاحب نصاب مقیم آدمی پر واجب ہے ، مسافر کے لیے ضروری نہیں ۔ حاجی بھی چونکہ مسافر ہوتا ہے اس لیے اُس پر بھی ہر سال گھر پہ کی جانے والی قربانی واجب نہیں ہوتی ۔ تاہم امام مالکؒ کے نزدیک ہر صاحب حیثیت پہ قربانی ضروری ہے خواہ مقیم ہو یا مسافر ۔ البتہ شافعیؒ کے نزدیک عید الاضحیٰ کی قربانی سنتِ مؤکدہ ہے ۔

قربانی تین ایام یعنی دس، گیارہ اور بارہ ذی الحج کو کی جاسکتی ہے صحیحین[1] کی روایت میں آتا ہے کہ ایک سال حضور علیہ السلام نے تین دن سے زیادہ گوشت رکھنے کی ممانعت فرمادی۔ وجہ یہ تھی کہ اُس سال بہت سے غریب لوگ باہر سے مدینہ منورہ آگئے تھے اور اگر مدینہ کے لوگ قربانی کا گوشت زیادہ دنوں تک کے لیے محفوظ کرلیتے تو ان غرباء کو کچھ نہیں مل سکتا تھا۔ لہٰذا آپ نے فرمایا کہ اپنے لیے تین دن سے زیادہ گوشت نہ رکھو۔ جو تین دن کی ضروریات سے زیادہ ہو، اُسے غریبوں میں تقسیم کردو۔ پھر اگلے سال آنحضرت علیہ السلام نے حکم دیا کہ سابقہ حکم منسوخ ہے اب گوشت خشک کرکے جتنے دن تک چاہو رکھ سکتے ہو اس روایت میں چونکہ تین دن کا ذکر ہے اس لیے جمہور ائمہ کرام تین دن کی قربانی کے ہی قائل ہیں۔

امام شافعیؒ قربانی کو ایام تشریق کے ساتھ منسلک کرتے ہیں جو کہ چار دن ہیں یعنی دسویں تا تیرھویں ذی الحج۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ چار دن والی روایت میں راوی کو بیان کرنے میں غلطی ہوئی ہے۔ اُس نے بیان کیا ہے اَیَّامُ مِنٰی کُلُّھَا مَنحَر یعنی منیٰ میں ٹھہرنے کے سارے دن (ایام تشریق) قربانی کے دن ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام نے قیام عرفہ کے متعلق فرمایا تھا العرفات کُلُّھَا مَوْقِف یعنی سارا میدان عرفات موقف ہے، تو تاریخ جہاں کسی کا جی چاہے ٹھہر جائے۔ البتہ اس میں وادی عرنہ شامل نہیں جو مسجد نمرہ کے عقب میں نشیبی جگہ ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مزدلفہ میں ہر جگہ ٹھہر سکتے ہو سوائے وادی محسّر کے کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں پر عذاب نازل فرمایا تھا جس کا ذکر سورۃ الفیل میں موجود ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مکے کی گلیاں اور بازار اور سارے میدانِ منیٰ میں جہاں چاہو قربانی کرلو۔ مگر آجکل انتظامی امور کے تحت حکومت وقت نے منیٰ میں قربانی کے لیے بعض قربان گاہیں مقرر کردی ہیں اور حاجی لوگ ان مقررہ قربان گاہوں میں ہی قربانی کرتے ہیں

---

[1] بخاری ص۸۳۵ ج۲ و مسلم ص۱۵۸ ج۲ و ابوداؤد ص۳۸۸ و موطا امام مالک ص۱۸۷ (فیاض)

ہر خیمے میں قربانی کرنے سے صفائی کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے ایامِ تشریق کو کہیں بھی قربانی کے دن نہیں فرمایا، لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ قربانی صرف تین دن ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی فرماتے ہیں کہ قربانی دس تاریخ اور دو دن بعد ہے لہٰذا قربانی کے کل ایام تین ہی ہیں۔

اللہ کا علم محیط

اب اسی سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اے مخاطب! کیا تو نہیں جانتا؟ اگر یہ بات تجھے معلوم نہیں تو جان لینا چاہیئے اور اس پر قطعی یقین رکھنا چاہیئے کہ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔ قرآن پاک میں ہے وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ نہ صرف ذاتی طور پر ہر چیز کا علم رکھتا ہے بلکہ اِنَّ ذٰلِکَ فِیۡ کِتٰبٍ کائنات کی ہر چیز لوحِ محفوظ میں بھی درج ہے۔ لوحِ محفوظ کے اندراج کو تقدیر کتابی کہتے ہیں اور تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر ایمان ہے خَلَقَہٗ فَقَدَّرَہٗ (عبس۔۱۹) اللہ نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کی تقدیر بنائی۔ صحیح حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں قَدَّرَ مَقَادِیۡرَ الۡخَلۡقِ قَبۡلَ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مخلوق کی تقدیر بنائی۔

تقدیر کی تین قسمیں

محدثین کرام تقدیر کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے نمبر پر تقدیر ارادی ہے یعنی کائنات میں جو کام بھی واقع ہوتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر بھی کوئی چیز واقع ہو سکتی ہے تو اس کا عقیدہ مشرکانہ سمجھا جائے گا۔ تقدیر کی دوسری قسم علمی تقدیر ہے یعنی کائنات کی پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ

ہر چیز کو جانتا تھا، کہ فلاں چیز فلاں وقت پر ظاہر ہوگی۔ اور فلاں واقعہ اس طرح پیش آئیگا۔ اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ (الملک۔۱۴) کیا وہی نہیں جانے گا جس نے خود ہر چیز کو پیدا کیا؟ حالانکہ وہ باریک بین اور ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے۔ وہ تو ازل سے ہر چیز کو جانتا ہے۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کسی واقع ہو چکی یا آئندہ پیش آنے والی چیز کو نہیں جانتا تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ سابقہ موجودہ اور آئندہ پیش آنے والی ہر چیز کو اللہ نے کتاب یعنی لوح محفوظ میں بھی لکھوا دیا ہے۔ اس مقام پر بھی یہی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ فرمایا اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے۔ یہ اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں۔ وہ تو قادر مطلق اور علیم کل ہے، اس کے لیے کون سی بات مشکل ہے؟

غیر اللہ کی بلا دلیل عبادت

آگے اللہ نے مشرکوں کا رد فرمایا ہے وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا یہ لوگ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی سند اور دلیل نہیں فرمائی۔ غیر اللہ کی عبادت پر نہ کوئی عقلی دلیل پیش کی جا سکتی ہے، نہ نقلی اور نہ مشاہداتی۔ اسی لیے قرآن میں بار بار بیان کیا گیا ہے کہ کفر اور شرک کرنے والے کے پاس لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ (المومنون۔۱۱۷) قطعاً کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ وہ تو صرف آباؤ اجداد یا خاندان اور برادری کے رسم و رواج کو ہی دلیل کے طور پر پیش کر سکتا ہے۔ جس کے متعلق اللہ نے فرمایا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ (البقرہ۔۱۷۰) اگرچہ انکے آباؤ اجداد بے علم اور غیر ہدایت یافتہ ہی کیوں نہ ہوں، مگر یہ بلا سوچے سمجھے اُنہی ڈگر پہ

چلے جا رہے ہیں۔ ہاں اگر آباؤ اجداد صحیح راستے پر ہوں تو پھر اُن کا اتباع کرنا فخر کی بات ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی تو یہی کہا تھا۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ (یوسف۔ ۳۸) میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت پر چلتا ہوں اور اُنہی کا اتباع کرتا ہوں۔ آباؤ اجداد کے اختیار کردہ غلط راستے پر چلنا اندھی تقلید کہلاتا ہے۔

فرمایا مشرک لوگ اللہ کے سوا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جس کے متعلق نہ تو اُن کے پاس کوئی دلیل ہے وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ اور نہ ہی اُن کے پاس اس چیز کا کوئی علم ہے۔ یہ تو پوجا کی جانے والی چیز کی حقیقت سے ہی نابلد ہیں۔ یہ لوگ بعض بے جان چیزوں سے حاجت روائی کرتے ہیں جو کہ ویسے ہی بے جان ہیں۔ یا اُن کو اپنا سفارشی تسلیم کر کے ان کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ نے اُن کا یہ بیان نقل فرمایا ہے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (الزمر۔ ۳) ہم تو اِن کی اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیتے ہیں یعنی ہماری سفارش کرتے ہیں۔ بعض معبودوں کے متعلق یہ لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان پر الوہیت کی چادر ڈال دی ہے۔ یہ اللہ کے محبوب ہیں اور اُس سے ہر بات منوا لیتے ہیں۔ یہ محض جاہلانہ باتیں ہیں جن کے پیچھے اندھی تقلید کار فرما ہے۔

فرمایا، یہ کتنے ظالم لوگ ہیں جو قادرِ مطلق، مختارِ مطلق اور علیم کل ہستی کو چھوڑ کر بے اختیار چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ کبھی کسی قبر سے مانگنے لگتے ہیں کبھی شجر و حجر کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور کبھی شمس و قمر سے حاجت براری کرتے ہیں۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ تمام انسان، ملائکہ اور جن اور کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ سے حاجتیں طلب کرتے ہیں يَسْئَلُهٗ مَنْ

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الرحمٰن - ۲۹) آسمان و زمین کی ہر چیز اُسی مالک الملک کی سوالی ہے۔ بھلا جو خود سوالی ہوں وہ دوسروں کی کون سی حاجت پوری کریں گے؟ فرمایا وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ اس قسم کے ظالموں اور مشرکوں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ اس سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر مخلوق میں کرشمہ مانا جائے اور اُن کے سامنے اپنی حاجات پیش کی جائیں۔ یہ ظالم لوگ ہیں جن کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوگا۔

توحید سے چڑ

اللہ نے کفار و مشرکین کی ایک بری حرکت یہ بھی بیان فرمائی ہے۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ جب اُن کے سامنے ہماری واضح آئیتیں پڑھی جاتی ہیں تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ تو تم کافروں کے چہروں پر ناگواری کے اثرات محسوس کرو گے۔ آیاتِ الٰہی کی تلاوت کافروں کے لیے سخت پریشانی کا باعث بنتی ہے۔ سورۃ الزمر میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (الزمر - ۴۵) جب اُن کے سامنے صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو اُن کے دل کچڑ جاتے ہیں، اور جب اُس کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جائے تو وہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ آپ روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ مشرک لوگ توحید کے مسئلہ کو خشک مضمون سمجھ کر ناک بھوں چڑھاتے ہیں مگر جب جھوٹی کرامتیں، جھوٹے قصے اور بے بنیاد باتیں بیان کی جائیں تو خوب جھومتے ہیں۔ تو فرمایا کہ توحید کے ذکر سے وہ ناگواری محسوس کرتے ہیں حالانکہ ایمان والوں کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی صفت سن کر خوشی ہونی چاہیئے۔ دین کی تو جڑ اور بنیاد ہی توحید ہے مگر یہ لوگ توحید کے بیان پر سیخ پا ہو جاتے ہیں فرمایا يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ

اٰیٰتُنَا قریب ہے کہ یہ لوگ حملہ آور ہو جائیں اُن پر جو ہماری آیتیں پڑھتے ہیں۔ مشرکین کی ساری تاریخ پڑھ لیں۔ ہر نبی کے دور میں انہوں نے اپنے نبی پر حملہ کیا۔ اس کی تکذیب کی، جادوگر کہا اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں نوح علیہ السلام کے ساتھ کیا سلوک کیا اور پیغمبر آخر الزمان کو کونسی تکلیف تھی جو نہ پہنچائی گئی ہو، محض اس لیے کہ وہ کہتے تھے اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، ہم اُس کے سوا کسی کو خالق، مالک اور لائق عبادت نہیں مانتے۔ سارے انبیاء اسی جرم کی پاداش میں ماریں کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ بعض کو قتل بھی کر دیا گیا۔ بہرحال اسی طرح اہل بدعت اور غالی رافضی اور شرک نواز لوگ بھی اہل توحید کی بات سننا گوارا نہیں کرتے بلکہ بسا اوقات اُن پر حملہ کر دیتے ہیں۔ اس قسم کی مثالیں آپ کو ہر جگہ ملیں گی۔ نواب آف بہاولپور کی مسجد میں مولانا رحمت اللہ رحؒ جیسے متدین اور نیک سیرت عالم دین کو بم مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے خطبہ جمعہ کے دوران قرآن پاک کی روشنی میں مسئلہ بشریت رسول بیان کیا، مگر اہل بدعت اُسے برداشت نہ کر سکے۔ اسی مسئلہ پر اوکاڑہ میں دو طالب علموں کو شہید کر دیا گیا خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ مبارک میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ پر حملہ ہوا۔ آپ کو اتنا پیٹا گیا کہ سر کے بال اکھڑ گئے۔ آج بھی لوگ قرآن سے بدکتے ہیں۔ دراصل مشرکوں کو توحید سے چڑ ہے۔ سورۃ البینہ میں ہے وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (آیت۔۵) تمام کائنات کے لوگوں کو اللہ نے یہی حکم دیا ہے کہ وہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں، اسی کی غلامی اختیار کریں کیونکہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جب یہ بات کی جاتی ہے تو وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ یہاں اسی بات کو بیان کیا گیا ہے۔

دوزخ کی آگ

ارشاد ہوتا ہے، اے پیغمبر! قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ

ذٰلِكُمْ آپ کہہ دیجئے کیا میں بتلاؤں تم کو اس سے بھی بری بات. یعنی قرآن پاک کی آیات اور توحید الٰہی کا بیان سن کر چین بچیں ہونے سے بھی زیادہ بری چیز اَلنَّارُ دوزخ کی آگ ہے وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا جس کا اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ اُن کو ضرور اس آگ میں ڈالے گا۔ آج تو ان کو آیاتِ الٰہی پسند نہیں آتیں مگر قیامت کا دن آنے والا ہے. جب ان کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہوگا۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور یہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بری جگہ ہے جو خدا تعالیٰ کے غضب اور قہر کا مقام ہے.

يَاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا
وَّلَوِاجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا
يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا
قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾
اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ
النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ
الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

ترجمہ :- اے لوگو ! بیان کی گئی ہے ایک مثال ۔ پس اس کو غور سے سنو ۔ بیشک وہ لوگ کہ پکارتے ہو تم اُنکو اللہ کے سوا ۔ ہرگز نہیں پیدا کر سکتے ایک مکھی بھی اگرچہ سب اکٹھے ہو جائیں اس کے لیے ۔ اور اگر چھین لے اُن سے مکھی کوئی چیز تو نہیں چھڑا سکتے اُس کو اس سے ۔ کمزور ہے طالب (طلب کرنے والا) اور مطلوب (جو چیز طلب کی گئی ہے) ﴿۷۳﴾ نہیں کی انہوں نے عظمت اللہ کی جیسا کہ اس کی عظمت کا حق تھا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ زور والا اور کمال قدرت کا مالک

ہے ﴿۷۴﴾ اللہ تعالیٰ منتخب کرتا ہے فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے اور لوگوں میں سے بھی۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے ﴿۷۵﴾ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تمام امور لوٹائے جائیں گے ﴿۷۶﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ نے مشرکین کا رد فرمایا تھا وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا یہ لوگ ایسی ہستیوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ پھر کفر اور شرک کرنے والوں کی قباحت بیان کی کہ وہ حق بات یعنی آیاتِ الٰہی کو سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ تاہم جب کبھی وہ یہ آیات سُن لیتے ہیں تو اُن کے چہرے بگڑ جاتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم کو جو ناگواری آیاتِ الٰہی کے سننے سے ہوتی ہے۔ اس سے بھی زیادہ بُری بات یہ ہے کہ تم دوزخ کی آگ کا شکار ہونے والے ہو۔

مشرکوں کے لیے مکھی کی مثال

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کے ذریعے کفر و شرک کا رد فرمایا ہے۔ اس سورۃ کی اہم ترین باتوں میں سے ایک بات شرک کی تردید بھی ہے۔ اس کے علاوہ ایمان کا مسئلہ ہے، رسالت کا بیان اور قیامت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جزائے عمل کی بات کی ہے، حج کے بعض مسائل اور بعض دوسرے ذیلی احکام بیان کیے ہیں۔ چنانچہ شرک کی تردید میں یہ مثال پیش کی گئی ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ اے لوگو! ایک مثال کا اطلاق تمثیل اور واقعہ پر بھی ہوتا ہے، اور یہ لفظ عجیب و غریب چیز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو فرمایا، اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ پس اسے غور سے سنو۔ اس مثال سے مشرکوں کی بے سمجھی اور شرک کی قباحت ظاہر ہوتی ہے۔ اس مثال کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے اور مشرکوں کی سی قبیح حرکات سے باز رہنا چاہیئے۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ بیشک وہ جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو، اُن کی حالت تو یہ ہے لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَہٗ وہ ہرگز نہیں پیدا کر سکتے ایک مکھی بھی اگرچہ وہ سب کے سب اس کام کے لئے اکٹھے ہو جائیں۔ مکھی ایک حقیر سا جانور ہے جو گندگی پر بیٹھتا ہے اور جسے کوئی دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ فرمایا اگر سارے معبودانِ باطلہ مل کر بھی کوشش کریں تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ فرمایا مکھی کو تخلیق کرنا تو بڑی بات ہے کہ اس کا ڈھانچہ بنانا پڑے گا۔ اس کے جسم کا سارا نظام قائم کرنا پڑے گا اور پھر اس میں جان بھی ڈالنا ہوگی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ وَاِنۡ یَّسۡلُبۡہُمُ الذُّبَابُ شَیۡـًٔا لَّا یَسۡتَنۡقِذُوۡہُ مِنۡہُ اگر مکھی ان سب سے کوئی چیز اچک کر لے جائے تو وہ اس سے چھڑانے پر بھی قادر نہیں ہیں۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالۡمَطۡلُوۡبُ دیکھو طلب کرنے والے اور طلب کی گئی چیز کتنے کمزور واقع ہوئے ہیں۔

سورۃ عنکبوت میں مکڑی کے جالے کو کمزور ترین چیز فرمایا گیا ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہ مَثَلُ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡلِیَآءَ کَمَثَلِ الۡعَنۡکَبُوۡتِ (آیت ۔ ۴۱) اللہ کے علاوہ دوسروں کو کارساز بنانے والے مشرکوں کی مثال مکڑی کی ہے اور مکڑی کا گھر سب سے کمزور ہوتا ہے۔ گویا اللہ نے شرکیہ عقیدے کی کمزوری کو مکڑی کے جالے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو سب سے کمزور چیز ہے۔ فرمایا جب یہ سارے معبود اتنے کمزور ہیں کہ مکھی سے کوئی چیز واپس لینے پر بھی قادر نہیں تو ان کو الوہیت کے مرتبہ پر بٹھانا کس قدر حماقت کی بات ہے۔

مشرک لوگ بسا اوقات اپنے معبودانِ باطلہ کے سامنے مٹھائی، شہد، دودھ یا دہی وغیرہ رکھتے ہیں تاکہ ان کی رضا حاصل کر سکیں۔ ہنود بھی مختلف چڑھاوے بتوں پر چڑھاتے ہیں، مگر اللہ نے فرمایا کہ مکھی کو تخلیق کرنا تو کجا وہ

تو مکھی سے اپنی چھینی ہوئی چیز بھی واپس نہیں لے سکتے، وہ تمہاری حاجت روائی اور مشکل کشائی کیا کریں گے؟

اس آیت میں طالب اور مطلوب دونوں کو کمزور فرمایا گیا ہے۔ طالب سے مراد عبادت گزار اور مطلوب سے معبودِ باطل مراد لیا جا سکتا ہے، اور اللہ نے دونوں کے متعلق فرمایا کہ انہیں کچھ اختیار حاصل نہیں۔ وہ تمہاری پریشانیوں کو کیسے دور کر سکتے ہیں اور تمہارے بیماروں کو کیسے شفا دے سکتے ہیں۔ طالب سے مراد معبودِ باطل اور مطلوب سے مراد مکھی بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح معنیٰ یہی ہوگا کہ جو ہستی ایک مکھی پر قدرت نہیں رکھتی، وہ تمہاری ترقی و تنزل کی کیسے ذمہ دار ہو سکتی ہے؟ اس قسم کے شرکیہ عقائد محض خام خیال ہیں اور ان کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ بہرحال مٹی اور پتھر کی بے جان مورتیاں ہوں یا کوئی جاندار ہستیاں ہوں، کسی کو کچھ اختیار نہیں ہے کہ وہ مافوق الاسباب کسی کی مدد کر سکیں۔

تصویر کشی

حدیث شریف میں تصویر کشی اور بت سازی کی سخت مذمت بیان کی گئی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تصویریں اور مجسمے بنانے والوں سے فرمائے گا کہ ذرا ان میں جان تو ڈال کر دکھاؤ۔ تم نے شبیہ تو بنالی، میری تخلیق کی نقل تو اتار لی۔ اب ذرا اسے مکمل بھی کرو۔ کوئی بڑی چیز نہیں بنا سکتے تو ایک چیونٹی ہی بنا ڈالو یا جَو کا ایک دانہ ہی پیدا کر کے دیکھو۔ پھر جب وہ ایسا نہیں کر سکیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا لَعَنَ اللّٰهُ الْمُصَوِّرِيْنَ اللہ نے تصویریں بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ انسان کی تخلیق کے متعلق اللہ نے سورۃ آل عمران میں فرمایا ہے هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ (آیت - ۶) اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو ماں کے رحم میں تمہاری شکل و صورت بناتا ہے، جیسی چاہتا ہے۔ مصور حقیقی تو وہ ہے۔ جو لوگ اللہ کی اس صفت میں مشابہت پیدا کرنے کی

کوشش کرتے ہیں، وہ کر تو نہیں سکیں گے مگر سخت عذاب میں ضرور پھنس جائیں گے۔

اللہ کی عظمت کی پہچان

فرمایا مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ان لوگوں نے اللہ کی وہ عظمت نہیں کی جو اُس کی عظمت کا حق تھا۔ انہوں نے بے اختیار اور عاجز چیزوں کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا۔ قدر کا معنی پہچاننا بھی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے جملے کا مطلب ہوگا مَا عَرَفُوا اللّٰهَ حَقَّ مَعْرِفَتِهٖ انہوں نے اللہ کو اُس طرح نہیں پہچانا جس طرح اُس کو پہچاننے کا حق تھا۔ اللہ تعالیٰ عظمت اور بزرگی والا ہے، وہ تمام اختیارات کا مالک ہے۔ اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، مگر یہ ایسی ہستیوں کو معبود بناتے ہیں جن میں کوئی بھی ایسی صفت نہیں پائی جاتی، لہٰذا الوہیت کا منصب بھی صرف اللہ کے پاس ہے۔ حدیث شریف میں بھی معرفتِ الٰہی کا اشارہ ملتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا یمن اہلِ کتاب کا مسکن ہے۔ انہیں سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دینا فَاِذَا عَرَفُوا اللّٰهَ جب وہ اللہ کو پہچان لیں تو پھر انہیں پانچ نمازوں روزے، زکوٰۃ اور حج کی تعلیم دینا گویا خدا تعالیٰ کی پہچان اولین چیز ہے اور دین کی پوری عمارت اسی بنیاد پر قائم ہوتی ہے ویسے پہچاننے کو تو یہود، نصاریٰ مجوس ہندو وغیرہ سب کسی نہ کسی طرح خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل ہیں اور وہ اس کو پہچانتے ہیں مگر وہ صحیح طریقے سے نہیں پہچانتے جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے۔ یہ لوگ حجابِ سوءِ معرفت میں مبتلا ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ محدثؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے کچھ لوگ شرک میں مبتلا ہیں اور کچھ عقیدہ تشبیہ میں پھنسے ہوئے ہیں شرک یہ ہے کہ مخلوق میں خالق کی صفت مانی جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ فلاں بھی مافوق الاسباب مدد کر سکتا ہے یا عالم الغیب ہے اور تشبیہ یہ ہے کہ مخلوق کی صفت خالق میں تسلیم کی جائے جیسے قَالُوا

اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا (الکہف - ۴) انہوں نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے حالانکہ اولاد رکھنا مخلوق کی صفت ہے۔ یہاں بھی پہچان غلط ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ تو ایسی چیزوں سے پاک اور منزہ ہے۔ خدا تعالیٰ کو اس تنزیہہ کے ساتھ پہچاننا چاہیئے۔ اور اس کی طرف وہی صفات منسوب کرنی چاہیئں جو اس کے لائق ہیں اگر غلط صفت کے ساتھ اللہ کو موصوف کیا گیا تو پہچان غلط ہو گئی۔ جو جہنم میں لے جانے کا باعث ہو گی۔

حجاب سوءِ معرفت کا ذکر تو ہو چکا ہے، دوسری قسم کا حجاب حجاب طبع ہے۔ اکثر لوگ مادیت کے اس حجاب میں مبتلا ہو کر خدا تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ وہ سب کچھ اسی دنیا کو سمجھتے ہیں، لہذا آخرت میں ان کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا اور وہ دائمی زندگی میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ تیسری قسم حجاب رسم ہے۔ بعض لوگ عمر بھر رسم ورواج کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ موت وحیات کی رسومات ہوں یا شادی بیاہ کی، خاندانی رسم ہو یا ملکی رواج، ہمیشہ اسی کی تکمیل میں لگے رہتے ہیں اور مالک حقیقی اور اس کے احکام کی طرف توجہ کا موقع ہی نہیں ملتا۔ بہرحال جو شخص ان تین اقسام کے حجابات سے نکل جائیگا اللہ تعالیٰ کی صحیح پہچان اُسی کو حاصل ہو گی اور وہی کامیاب ہو گا۔ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ بیشک اللہ تعالیٰ زبردست طاقت والا اور ہر چیز پر غالب ہے، اس کے ارادے اور مشیت کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں آتی، وہ کمال قدرت کا مالک ہے، علیم کل اور مختار مطلق ہے، تمام چیزوں پہ مافوق الاسباب تسلط اُسی کو حاصل ہے۔

رسولوں کا انتخاب

آگے فرمایا اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اللہ ہی ہے جو فرشتوں میں سے رسولوں کا انتخاب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی تمام نبی اور رسول اللہ کے منتخب بندے ہوتے ہیں اور اللہ کے ہاں سب سے مقرب ہوتے ہیں۔ رسولوں کا انتخاب محض

اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہوتا ہے، کوئی فرشتہ یا انسان اپنی محنت اور کاوشش کے بل بوتے پر رسول بننے کا حق نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی استعداد اور صلاحیت کو جانتا ہے اور وہ اسی کے مطابق نبی یا رسول کا انتخاب کرتا ہے فرشتے اگرچہ مجموعی طور پر سارے کے سارے نیک بندے ہیں اور بڑے درجات والے ہیں مگر ان میں سے بلند ترین مراتب والے وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پیغام رسانی کے لیے منتخب کرتا ہے اس کے باوجود وہ بااختیار نہیں ہیں بلکہ سارے کا سارا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ بَصِیۡرٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

فرمایا یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡھِمۡ وَمَا خَلۡفَھُمۡ ؕ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے۔ یعنی وہ فرشتوں کے اگلے پچھلے تمام حالات سے واقف ہے، اور وہی سب پر کنٹرول رکھتا ہے وَاِلَی اللّٰہِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ اور تمام معاملات خدا تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔ فرشتوں کے متعلق گذشتہ سورۃ انبیاء میں بھی گزر چکا ہے وَمَنۡ عِنۡدَہٗ لَا یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِہٖ (آیت۔ ۱۹) کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ وہ اللہ کے نیک اور عاجز بندے ہیں۔ جو خود عاجز اور عابد ہیں، وہ معبود کیسے بن سکتے ہیں؟ جو ان کو معبود تسلیم کرے گا۔ وہ جہنمی ہوگا غرضیکہ بے جان اصنام ہوں یا مقربین الٰہی انبیاء اور ملائکہ ہوں، ان میں سے کوئی بھی الٰہ بننے کا اہل نہیں ہے اور نہ وہ کسی کی غائبانہ حاجت روائی اور مشکل کشائی کر سکتا ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا مقام اور مرتبہ ہے مگر الوہیت کے درجے تک کوئی نہیں پہنچا۔ سورۃ سبا میں موجود ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ سب کو جمع کریگا، تو فرشتوں سے کہیگا، کیا یہ لوگ تمہاری پرستش کیا کرتے تھے۔ فرشتے جواب دینگے سُبۡحٰنَکَ اَنۡتَ وَلِیُّنَا مِنۡ دُوۡنِھِمۡ (آیت۔ ۴۱) مولا کریم! تیری

ذات پاک ہے، تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ غرضیکہ فرشتے اپنی الوہیت کا انکار کریں گے۔ اور کہیں گے کہ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ ہمیں اپنا کارساز بنالیں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں شرک کی تردید فرمائی ہے اور یہ بات ایک مکھی کی مثال کے ذریعے سمجھائی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ
وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٧٧﴾ وَجَاهِدُوْا فِي
اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ
فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ
سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا
لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى ١٠ ع ٦/١٢
وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٧٨﴾ ع

ترجمہ:- اے ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو اور عبادت کرو اپنے پروردگار کی اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿٧٧﴾ اور جہاد کرو اللہ کے واسطے جیساکہ حق ہے اس کے جہاد کرنے کا۔ اُس نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور نہیں رکھا اُس نے تم پر دین میں کوئی حرج (تنگی) لازم پکڑو ملت اپنے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کی۔ اُس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، اُس سے پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی، تاکہ رسول بتانے والا ہو تم کو اور تم

بتانے والے ہو لوگوں کو ۔ پس قائم کرو نماز اور ادا کرتے رہو زکوٰۃ ، اور مضبوطی سے پکڑو اللہ تعالیٰ کو ۔ وہی تمھارا مولا ہے ۔ پس بہتر مولا ہے اور بہتر مددگار (۷۸)

رابطہ آیات
گذشتہ آیات میں مشرکین کی برائی اور قباحت کا ذکر تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو صحیح طریقے پر نہیں پہچانا وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جنہیں کچھ اختیار حاصل نہیں ۔ اس ضمن میں اللہ نے معبودانِ باطلہ کی بے بسی کو مکھی کی مثال دے کر بیان فرمایا کہ وہ تو مکھی جیسی حقیر چیز کو پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں ، بلکہ اگر مکھی کوئی چیز چھین لے جائے تو اُسے واپس لینے کی طاقت بھی نہیں رکھتے چہ جائیکہ وہ دوسروں کی حاجت براری کریں ۔ اللہ کی ساری مخلوق خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان اللہ کے سامنے عاجز ہے ، لہٰذا اُن میں الوہیت کا پایا جانا بعید از قیاس ہے ۔ مشرکین کی طرف سے اُن کی پرستش نہایت ہی بے وقوفی کی بات ہے ۔

عبادت صرف اللہ کی
غیر اللہ کی پرستش کی مذمت بیان کرنے کے بعد اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کرنے کی تلقین کی ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ
اے ایمان والو ! رکوع کرو ، سجدہ کرو ، اور عبادت کرو اپنے پروردگار کی ۔ رکوع و سجود سے مراد نماز ہے کیونکہ یہ دونوں نماز کے اہم ارکان شمار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے کے بعد سجدہ صرف اللہ کو روا ہے ۔ دوسرے مقام پر اللہ کا فرمان ہے لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ (حٰم السجدۃ ۔ ۳۷) شمس و قمر کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا فرمایا ہے ۔ سجدہ انتہائی درجے کی تعظیم کا نام ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی روا ہے ۔ رکوع اس سے ادنیٰ درجے کی تعظیم ہے مگر یہ بھی

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اسی لیے کسی کے ساتھ ملاقات کے وقت جھک کر رکوع کی شکل نہیں اختیار کرنی چاہیئے کریہ مکروہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے اِنحنا سے بھی منع فرمایا ہے۔ بہرحال فرمایا کہ رکوع و سجود اور ہر قسم کی عبادت اللہ ہی کی کرو۔

سجدۂ تلاوت

یہ آیت امام شافعیؒ کے نزدیک سجدہ تلاوت والی آیت ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس آیت میں مذکورہ سجدہ سے مراد نماز کا سجدہ ہے۔ لہٰذا اس کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت لازم نہیں آتا۔ ان دو فقہائے کرام میں اس معمولی سے اختلاف کے باوجود دونوں ائمہ قرآن پاک کے کل چودہ مقامات میں سجدہ تلاوت کے قائل ہیں امام شافعیؒ آیت زیر درس والے سجدہ کو سجدۂ تلاوت مانتے ہیں۔ مگر سورۃ صٓ والے سجدہ کے قائل نہیں۔ امام ابوحنیفہ سورہ صٓ کے سجدہ کے قائل ہیں مگر اس سورۃ کے سجدہ تلاوت کو تسلیم نہیں کرتے۔ امام مالکؒ ساتویں منزل میں سورہ نجم، سورۃ انشقاق اور سورۃ علق کے تین سجدے تسلیم نہیں کرتے لہٰذا اُن کے نزدیک پورے قرآن میں سجدہ ہائے تلاوت صرف گیارہ ہیں۔ غالباً ان تک وہ احادیث نہیں پہنچ سکیں جن میں ساتویں منزل کے سجدوں کا ذکر ہے اور جن کے مطابق خود حضور علیہ السلام نے ان مقامات پر سجدہ ادا فرمایا۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک گیارہ سجدات مؤکد ہیں اور تین غیر مؤکد۔

نیکی کے کام

نماز اور عبادت کے حکم کے بعد فرمایا وَافْعَلُوا الْخَيْرَ بھلائی کے کام کرو لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ شرک اور کفر سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ خدا تعالیٰ کے سامنے تعظیم بجالاؤ اور اپنی پیشانی کو اُسی کے سامنے رکھو۔ شرک اور کفر میں انسان کی ہلاکت ہے جب کہ بھلائی کے کاموں میں فلاح ہے۔ بنیادی طور پر نیکی کے کاموں میں عبادات اربعہ یعنی نماز، روزہ زکوٰۃ اور حج ہیں۔ اس کے علاوہ صلہ رحمی، مکارمِ اخلاق، مخلوقِ خدا کے ساتھ ہمدردی، غریب پروری، حق و انصاف کی شہادت وغیرہ سب نیکی کے کام

ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اس کی عبادت کرو اور دیگر نیکی کے کام بھی انجام دو۔

جہاد فی سبیل اللہ

اگلی آیت میں اللہ نے جہاد کا بھی حکم فرمایا وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ اللہ کی رضا کی خاطر جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ جہاد صرف قتال کا نام نہیں بلکہ اس سے مراد ہے استعمال الوسع والطاقة في مقابلة العدو ظاهراً وباطناً یعنی اپنی وسعت اور طاقت کے مطابق ظاہری اور باطنی طور پر دشمن کا مقابلہ کرنا "جہاد" کہلاتا ہے۔ اسی لیے کبھی جہاد کا معنیٰ اصلاحِ نفس بھی ہوتا ہے۔ ترمذی شریف[1] کی روایت میں ہے وَالْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ یعنی مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس کے ساتھ جہاد کیا۔

میدانِ جنگ میں دشمن کے خلاف صف آرا ہو کر لڑائی کرنا بھی جہاد ہے ارشاد ربانی ہے وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (التوبہ - ۴۱) اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو۔ ابوداؤد شریف اور مسند احمد کی روایت میں ہے جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں سے جہاد کرو۔ غیر مسلموں کے سامنے زبان کے ذریعے کلمۂ حق ادا کرنا اور ان کو تبلیغ کرنا بھی جہاد میں داخل ہے۔ حضور[2] علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ یعنی ظالم حاکم کے روبرو کلمہ حق کہنا افضل جہاد ہے۔ کج رو گمراہوں کے شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے تحریر و تقریر کا استعمال بھی جہاد میں شامل ہے۔ مسئلہ دین کی وضاحت کے لیے کتاب، رسالہ یا مضمون لکھنا قلمی جہاد ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔ اور محض معاوضہ لینا مقصود نہ ہو۔ پیسے لے کر اخبار میں صحیح غلط ہر قسم کا کالم لکھ دیا تو یہ جہاد نہیں ہوگا۔ علمائے حق نے حدیث کی کتابیں جمع کی ہیں۔ قرآن پاک اور حدیث کی شرح بیان کی ہے اور دیگر

[1] ترمذی ص۲۵۲ [2] ترمذی ص۳۱۶ (فیاض)

دینی کتب تحریر کی ہیں، یہ سب جہاد میں داخل ہے۔ گمراہ فرقوں کے پول کو زبانی یا تحریری طور پر کھولنا بھی جہاد ہے۔ غرضیکہ اسلام کی دعوت دینا، اُس کی تعلیم کا بندوبست کرنا اور لوگوں کی روحانی تربیت کرنا بھی جہاد ہی کی ایک قسم ہے بعض نوجوان جان تو دے سکتے ہیں مگر مالی طور پر کمزور ہوتے ہیں۔ وہ جان کی بازی لگا کر عملی جہاد میں شریک ہوسکتے ہیں۔ بعض صاحب ثروت لوگ جسمانی طور پر جہاد بالسیف کے قابل نہیں ہوتے، وہ مالی جہاد کر سکتے ہیں اور جن کو اللہ نے زبان و قلم کی وسعت عطا فرمائی ہے وہ اس استعداد کو ذریعہ جہاد بنا سکتے ہیں۔

امام ابوبکر جصاصؒ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں کہ کوئی بھی اہل ایمان جہاد سے مستثنیٰ نہیں۔ ہاں معذور لوگ اندھے، لنگڑے، مالی اور جسمانی طور پر کمزور مسلمان اس صورت میں مستثنیٰ ہیں إِذَا نَصَحُوا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ (التوبۃ۔۹۱) جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے حق میں خیر خواہ ہوں۔ اگر وہ خیر خواہ بھی نہیں ہیں اور مجاہدین کے پیچھے ان کی برائی اور مذمت بیان کر رہے ہیں، یا غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں تو وہ مجرم ہوں گے، غرضیکہ ہر آدمی کو حسب استطاعت جہاد میں حصہ لینے کا حکم ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ کے لیے جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

جہاد کے معاملہ میں غفلت

کتنے افسوس کی بات ہے کہ مسلمانوں کے وسائل جہاد میں صرف ہونے کی بجائے برائی کے کاموں میں صرف ہو رہے ہیں۔ اخبارات بلاشبہ قلمی جہاد کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں مگر ان میں اکثر صوبہ واریت کی بات کی جاتی ہے اقتدار کی خاطر انتشار پھیلانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ غلط سیاست کا پروپیگنڈا کیا جاتا ہے۔ دشمنانِ اسلام کے نظام کی تعریف و توصیف کا اہتمام ہوتا ہے اسلام کی بات برائے نام ہوتی ہے اس کے برخلاف یہود و نصاریٰ کی طرف سے ذہنوں میں ڈالی گئی بات کی تشہیر ہوتی ہے۔ اسی لیے بغیر سوچے سمجھے اخبارات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ جان بوجھ کر واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش

کرنا گمراہی کو تقویت دینے کے مترادف ہے۔ یہی حال دیگر ذرائع ابلاغ کا بھی ہے۔ مسلمانوں کے وسائل کس کام میں صرف ہو رہے ہیں؟ آرٹ گیلریوں کی تعمیر و ترقی کے لیے لاکھوں روپے صرف ہو رہے ہیں۔ ؟ مگر آج تک کسی حکومت کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ حدیث کی کوئی کتاب ہی شائع کر دے۔ سونے کے تاروں سے قرآن کریم کی کتابت پر بہت بڑی رقم خرچ ہوئی ہے مگر اس کا فائدہ؟ نمود و نمائش کے سوا اس میں کیا رکھا ہے؟ اتنی رقم کاغذ پر قرآن حکیم کی اشاعت پر صرف ہوتی اور قرآن کی تعلیم کا بندوبست ہوتا، اس کی تعلیمات پر عمل درآمد کو ممکن بنایا جاتا تو کوئی فائدہ بھی ہوتا۔

بعض مزاروں پر سونے کے دروازے لگے ہیں، ان پر بڑے بڑے گنبد تعمیر ہوئے ہیں، مینار بنائے گئے ہیں۔ یہ تو مشرکین کا شیوہ ہے اور اللہ نے ان کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ بڑی بڑی عمارات تو کھڑی کر دی ہیں بھلا یہ تو بتاؤ کہ تعمیر انسانیت کے لیے کتنا کام کیا ہے؟ غربت اور جہالت کو دور کرنے کے لیے کتنی مساعی کی ہیں؟ آج بھی ستر فیصد لوگ جاہل ہیں۔ ان کی جہالت کو کون دور کرے گا، یہی تو جہاد ہے کہ لوگوں تک علم کی روشنی پہنچائی جائے اور انہیں ضروریات دین سے روشناس کرایا جائے۔ انسان کی عقلی اور دینی ضروریات کو پورا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، وہ اسے اپنا فرض سمجھ کر پورا کریں۔

امتِ محمدیہ کی خصوصیت

آگے اللہ تعالیٰ نے اس آخری امت کی خصوصیت بیان فرمائی ہے۔ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے تمہیں افضل الانبیاء کی امت میں شامل کیا، قرآن جیسی عظیم المرتبت کتاب عطا کی، اسلام کی دولت سے نوازا مگر تم نے نہ قرآن کی قدر کی، نہ اسلام اور نہ ایمان کی۔ تمہارے نزدیک مال و دولت، رسم و رواج، جہالت، بے ایمانی اور برائی کی قدر ہے۔ کاش کہ تم اللہ کی نعمتوں کی قدر کرکے اس کے شکر گزار بندے بن جاتے۔ فرمایا اس کا ایک اور بڑا انعام یہ ہے وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ

اس نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی۔ تمھیں کوئی مشکل میں پڑنے والا حکم نہیں دیا۔ اس کے برخلاف آپ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں پڑھتے ہیں کہ اللہ نے انہیں کتنے سخت احکام دیے۔ انہیں کل مال کا چوتھا حصہ زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، جب کہ اس آخری امت کے لیے چالیسواں حصہ مقرر ہے مگر لوگ پھر بھی اس کی ادائگی حیلوں بہانوں سے ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کی توبہ ہی بعض اوقات قبول نہیں ہوتی تھی۔ جب تک وہ ایک دوسرے کو قتل نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے بچھڑے کے کثیر پجاریوں کی توبہ اسی صورت میں قبول کی کہ ان کے رشتہ داروں ہی نے ان کو قتل کیا۔ ان کے ہاں اگر قیمتی سے قیمتی کپڑے پر بھی پیشاب کی چھینٹ پڑ جاتی تو وہ دھونے سے پاک نہیں ہوتا تھا بلکہ اس حصہ کو کاٹنا پڑتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر ایسی تنگی نہیں ڈالی۔ یہاں تو نجاستِ غلیظہ بھی کپڑے کو لگ جائے تو تین دفعہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس امت کے لیے توبہ کی قبولیت بھی آسان ہے، اگر کوئی شخص سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ اللہ نے بعض احکام میں بھی اس امت کو رخصت عطا کی ہے سفر میں ہے تو روزہ افطار کر سکتا ہے۔ تکلیف ہے تو نماز بیٹھ کر اور لیٹ کر بھی پڑھ سکتا ہے۔ وضو نہیں کر سکتا تو تیمم کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری سہولتیں دی ہیں کیونکہ اَلدِّیْنُ یُسْرٌ ہمارا دین آسان ہے، اس میں تنگی والی کوئی بات نہیں ہے۔

ملت ابراہیمی پر ثابت قدمی

ارشاد ہوتا ہے مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ اپنے جد امجد ابراہیم علیہ السلام کی ملت کو لازم پکڑو۔ اللہ نے تم پر آسانی رکھی ہے جو ملتِ ابراہیمیہ کا خاصہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے نبی آخر الزمان کے تو بالفعل جد امجد ہیں۔ جب ہمارے نبی کے باپ ہیں، تو ہمارے بھی باپ ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے اَبِيْكُمْ کہہ کر خطاب فرمایا ہے آپ اسرائیلیوں کے بھی بالفعل باپ

ہیں کیونکہ بنی اسرائیل حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ۔ اسی طرح عرب کے لوگ بھی آپ کی براہ راست اولاد ہیں کیونکہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اَبِیْکُمْ کے لفظ سے ساری نسل انسانی کو خطاب فرمایا ہے ۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے نحن معشر الانبیاء علّات یعنی ہم نبیوں کا گروہ سارے علاتی بھائی ہیں، جن کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہیں مطلب یہ کہ سب انبیاء کا دین تو واحد ہے مگر شرائع مختلف ہیں اس لحاظ سے بھی ابیکم کا خطاب مناسب حال ہے ۔

امت مسلمہ کی شہادت

ارشاد ہوتا ہے هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ اے لوگو! اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے هُوَ سے ابراہیم علیہ السلام بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے ۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ (البقرہ - ۱۲۸) اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں باپ بیٹا کو اپنا فرمانبردار بنا دے وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اور ہماری اولاد میں سے امت مسلمہ برپا کر ، اور ان میں اپنا عظیم الشان رسول مبعوث فرما ۔ امت مسلمہ اسی وقت کا رکھا ہوا نام ہے جس کا ظہور ہزاروں سال بعد ہوا ۔ فرمایا اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے بھی وَفِیْ هٰذَا اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے مسلمان کا معنیٰ فرمانبردار اور اطاعت گزار ہے، لہٰذا تم اسم با مسمیٰ بن جاؤ ۔

فرمایا اللہ نے تم پر یہ انعامات کیے ہیں لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ تاکہ اللہ کا رسول تم پر گواہ بن جائے وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ اور تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ ۔ شہادت کا ایک معنیٰ تو گواہی ہے اور یہ گواہی قیامت والے دن ہوگی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی صفائی کی شہادت دیں گے ، اور پھر اس امت کے لوگ پہلی امتوں اور ان کے نبیوں کے حق میں گواہی دیں گے ۔ شاہ عبدالقادر اس کا معنیٰ یوں کرتے

[1] ابن کثیر ص۱۸۶ ج ۱ (فیاض)

ہیں؟ تاکہ رسول تمہارے سامنے حق و صداقت کو ظاہر کرنے والا بن جائے اور تم حق و صداقت کی گواہی دینے اور اس کو ظاہر کرنے والے بن جاؤ۔ دوسرے لفظوں میں اللہ کا رسول تمہارا معلم بن جائے اور تم باقی لوگوں کے معلم بن جاؤ اور ان تک دین پہنچاؤ۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے اولین مخاطبین قریش اور انصار نے اللہ کا دین آگے چلایا اور باقی دنیا کو اسلام کی تعلیم سے روشناس کرایا۔

خلاصہ سورۃ

بات قیامت کے زلزلے سے شروع کی، پھر توحید، رسالت، حج، جہاد، قربانی کے مسائل بیان کیے جو کہ دین کی اہم ترین باتیں ہیں۔ اب آخر میں سورۃ کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ یہ دو عبادات ملت اسلامیہ کی رکنیت کی علامت ہیں۔ ایک کے ذریعے اللہ سے تعلق درست ہوتا ہے۔ اور دوسری کے ذریعے مخلوق کے ساتھ بھلائی ہوتی ہے آگے فرمایا وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لو یعنی اپنی حاجات میں اسی پر اعتماد رکھو۔ تنگی، بیماری، تندرستی، راحت ہر حالت میں خدا کی ذات پر توکل رکھو، تمہاری مشکلات کو حل کرنے والی وہی ذات ہے۔ هُوَ مَوْلٰىكُمْ وہی تمہارا کارساز ہے فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ پس بہتر مولیٰ ہے اور بہترین مددگار ہے۔ اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی کی اطاعت کرتے رہو۔

سُورۃ
المؤمنون
مکمل

درس اوّل ۱ — آیت ۱ تا ۱۱

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا سِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ المومنون مکی ہے اور یہ ایکسو ۱۱۸ اٹھارہ آیات اور اِس میں چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ
خٰشِعُوْنَ ۝٢ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤ وَالَّذِيْنَ هُمْ
لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝٥ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝٦
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝٨
وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝٩ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝١٠ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝١١

ترجمہ:- تحقیق کامیاب ہو گئے ایمان والے لوگ ① وہ جو اپنی نمازوں میں عاجزی کرنے والے ہوتے ہیں ② اور وہ جو لغو (بیہودہ) بات سے اعراض کرنے والے ہیں ③ اور وہ جو زکوٰۃ دیا کرتے

ہیں ④ اور وہ جو اپنے مقام شہوت کی حفاظت کرنے
والے ہیں ⑤ مگر اپنی بیویوں کے سامنے یا اپنی لونڈیوں
کے سامنے۔ پس بیشک وہ اِس میں ملامت نہیں
کیے گئے ⑥ پس جو تلاش کرے گا اس کے سوا کوئی
اور راستہ، پس یہی لوگ ہیں تعدی کرنے والے ⑦ اور
وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوپیمان میں رعایت
کرنے والے ہوتے ہیں ⑧ اور وہ جو اپنی نمازوں کی
حفاظت (نگہداشت) کرنے والے ہیں ⑨ یہی لوگ ہیں جو
وارث ہوں گے ⑩ وہ جو وارث ہوں گے جنت
الفردوس کے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ⑪

نام اور کوائف — اِس سورۃ کا نام اس کی پہلی آیت میں آمدہ لفظ المؤمنون کے نام پر رکھا گیا ہے۔ یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی۔ مفسرین کے قول کے مطابق یہ سورۃ سابقہ سورۃ الحج کے معاً بعد نازل ہوئی۔ سورۃ ہذا ایک سو اٹھارہ آیات، چھ رکوع، ۱۸۴۰ الفاظ اور ۴۸۰۱ حروف پر مشتمل ہے۔

گذشتہ سورۃ کے ساتھ ربط — گذشتہ سورۃ کے آخری رکوع میں ہم پڑھ چکے ہیں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اے ایمان والو! رکوع و سجود کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ اور بھلائی کے کام کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ اب اس سورۃ کی ابتدا میں بھلائی کے کاموں کی تشریح کی گئی ہے جن پر دنیا و آخرت کی کامیابی کا انحصار ہے۔ گویا گذشتہ سورۃ میں بھلائی کے کاموں کی نوید سنائی گئی تھی اور اِس سورۃ میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ جو لوگ بھلائی کے کاموں کو بالفعل انجام دیں گے، وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ اس سورۃ کا گذشتہ سورۃ کے ساتھ ربط ہے۔

مضامین سورۃ

سابقہ سورۃ الحج کی طرح اس سورۃ میں بھی اسلام کے بنیادی اصولوں توحید، رسالت اور قیامت کے متعلق ذکر ہے۔ رسالت کے بارے میں جو لوگ شکوک و شبہات ظاہر کرتے تھے اُن کو جواب دیے گئے ہیں توحید کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ علی ہذا سورۃ الانبیاء کی طرح اس سورۃ میں بھی بعض انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے جن میں حضرت نوح علیہ السلام، صالح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت مریم رضی شامل ہیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں وحدت ملت انبیاء کا ذکر بھی ملے گا۔ نافرمانوں کی گمراہی اور ناکامی کے اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

آج تو کفار و مشرکین اپنی ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں مگر قیامت کے دن اُن کی جو فضیحت (رسوائی) ہوگی، اُس کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اُس دن یہ لوگ درخواست کریں گے کہ انہیں دنیا میں واپس لوٹا دیا جائے تاکہ وہ نیکی کا کام کرسکیں مگر اُن کی یہ خواہش قبول نہیں ہوگی۔ سورۃ ہذا کے آغاز میں مومنوں کے اوصاف بیان کرکے انہیں کامیابی کی بشارت سنائی گئی ہے جب کہ سورۃ کے آخر میں کفار کے متعلق فرمایا گیا ہے اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ یعنی وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکام ہو جائیں گے۔

اس سورۃ میں بعض دیگر ضمنی مسائل بھی بیان کیے گئے ہیں تاہم اس کا زیادہ تر حصہ بنیادی تعلیمات پر ہی مشتمل ہے دیگر مکی سورتوں کی طرح یہاں بھی مکارم اخلاق کی بات کی گئی ہے۔ اور نبی کریم اور آپ کے پیروکاروں کے لیے تسلی کا مضمون بھی موجود ہے۔ قرآن کریم کی تعلیمات سے مستفید ہونے والوں کا نیک انجام اور اعراض کرنے والوں کا بُرا انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔

کامیاب ہو گئے مومن (۱) خشوع کرنے والے

سب سے پہلے مومنوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے اور اُنکے

اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ تحقیق فلاح پا گئے ایمان والے۔ یعنی اُن اہلِ ایمان نے کامیابی حاصل کر لی اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ وہ جو اپنی نمازوں میں خشوع یعنی عاجزی کرنے والے ہیں۔ خشوع کا معنی پست ہو جانا، دب جانا، عجز و نیازمندی کا اظہار کرنا، سکون اور تذلل اختیار کرنا ہوتا ہے۔ خشوع اعضاء جوارح کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور قلب کے ساتھ بھی۔ گویا نماز کی حالت میں قلب پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور تمام اعضاء کو بالکل پرسکون ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ آنکھ سے اِدھر اُدھر دیکھنا بھی درست نہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اَلْاِلْتِفَاتُ فِی الصَّلٰوةِ هَلَكَةٌ یعنی اس قسم کا فعل ہلاکت کا باعث ہے۔ غرضیکہ دورانِ نماز بلاوجہ کسی عضو کو حرکت نہیں دینی چاہیے اور قلب میں عاجزی اور نیازمندی ہونی چاہیے۔ جو لوگ اس معیار پر اترتے ہیں۔ انہیں کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔

(۲) لغویات سے پرہیز کرنے والے

کامیاب مومنین کی دوسری صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ کہ وہ لغو یعنی فضول اور بیہودہ چیزوں سے پرہیز کرنے والے ہوتے ہیں۔ لغو بڑا جامع لفظ ہے، اس میں تمام ناپسندیدہ اشغال مثلاً گانا بجانا، کھیل تماشہ، سینما، تھیٹر، بیہودہ مجالس، عریانی، فحاشی، تصویر کشی، بداخلاقی، غیر اخلاقی کتابوں اور رسالوں کا مطالعہ وغیرہ شامل ہیں۔ غرضیکہ فضول اور بیکار باتیں لغویات میں داخل ہیں جن کے ارتکاب سے فائدے کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف مومنوں کی صفت تو یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی عبودیت کی طرف رجحان رکھتے ہیں اور ایسے افعال انجام دیتے ہیں جو اُن کے لیے دنیا و آخرت میں مفید ہوں۔ سورۃ فرقان میں عبادالرحمٰن کی صفات میں سے اللہ نے اُن کی ایک صفت یہ بھی بیان کی ہے وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا (آیت ۷۲) جب وہ کسی بیہودہ چیز کے قریب سے گزرتے ہیں۔

تو شریفانہ طور پر گزر جاتے ہیں۔ یعنی اُدھر توجہ ہی نہیں کرتے۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج لغویات ہماری زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔ جن کی وجہ سے اخلاق، دین اور عاقبت کا نقصان ہو رہا ہے کام تو وہ ہونا چاہیئے جس سے قوم، ملت اور انسانیت کو فائدہ پہنچے۔ محض اپنے نفس کی تسکین کا انتظام کر لیا تو کوئی کام نہیں ہے۔ عمل وہ ہونا چاہیئے جس سے مخلوقِ خدا کی بہتری اور عاقبت اچھی ہو جائے تو فرمایا کامیاب مومنین وہ ہیں جو لغویات سے اعراض کرتے ہیں۔

(۳) زکوٰۃ دینے والے

فرمایا اُن کی تیسری صفت یہ ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرنے والے ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ سے مراد اصطلاحی زکوٰۃ بھی ہو سکتی ہے جو ہر سال نصاب کے مال کا چالیسواں حصہ ادا کی جاتی ہے اور جو صاحبِ نصاب اہلِ ایمان کے لیے فرض ہے۔ البتہ بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر زکوٰۃ سے یہ زکوٰۃ مراد نہیں کیونکہ زکوٰۃ کا حکم تو مدنی زندگی میں نازل ہوا تھا۔ اور یہ سورۃ مکی دور کی ہے۔ اُن کی تحقیق کے مطابق یہاں پر زکوٰۃ سے مراد طہارت اور پاکیزگی ہے۔ اس طرح جملے کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ وہ مومنین کامیاب ہو گئے جو اپنی روح اور قلب کی پاکیزگی اختیار کرتے ہیں اور کفر و شرک کی نجاست سے بچتے ہیں اور اپنے آپ کو دیگر معاصی سے بھی بچاتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اسی طرح منقول ہے۔

تاہم صحیح بات یہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم مکی زندگی میں ہی نازل ہو گیا تھا۔ البتہ اس کا نصاب مدنی دور میں مقرر ہوا تھا۔ مکی زندگی میں زکوٰۃ کی مقدار مقرر نہیں تھی، تاہم اپنے مال میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ادا کرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ زکوٰۃ کا حکم سورۃ المزمل میں بھی موجود ہے جو قرآن پاک کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (آیت ۲۰) بہرحال جس طرح نماز اور روزہ بدنی عبادت ہے، اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی انسان پر مالی حق ہے۔ مالی عبادات میں سے پہلا نمبر زکوٰۃ کا ہے اس کے بعد

واجبات اور نوافل وغیرہ آتے ہیں۔ تو زکوٰۃ کی ادائیگی ہر صاحب نصاب پر فرض ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے مومنوں کی صفت کے طور پر بیان کیا ہے۔

۱۳ مقامات شہوت کے محافظین

ارشاد ہوتا ہے، کامیاب مومنین وہ ہیں وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ جو اپنے مقاماتِ شہوت کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ مگر اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے سامنے۔ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ کہ ان پر کوئی ملامت نہیں۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ البتہ جو کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا، تو یہی زیادتی کرنے والے ہوں گے۔ قدرت نے انسان کے اندر میلانِ شہوانی فطری طور پر رکھا ہے جس کو فرو کرنے کے لیے اللہ نے صرف دو ذرائع بتلائے ہیں یعنی منکوحہ بیوی اور شرعی لونڈی۔ پرانے زمانے میں لونڈی غلام کا رواج تھا۔ دورانِ جنگ ہاتھ آنے والے جنگی قیدیوں کو لونڈی غلام بنا کر مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ جو شرعی لونڈی ہوتی تھی اس سے تمتع جائز تھا مگر اب پوری دنیا میں یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا شہوت رانی کا اب واحد ذریعہ منکوحہ بیوی ہی رہ گیا ہے گویا اب اپنی بیوی کے علاوہ جو کوئی دوسرا ذریعہ استعمال کرے گا۔ اس کو اللہ نے تعدی کرنے والا فرمایا ہے۔

شہوت رانی کے غیر شرعی ذرائع میں زنا، لواطت، مشت زنی، یا جانوروں کے ساتھ بدفعلی جیسے قبیح ذرائع شامل ہیں۔ قدیم زمانے میں بعض لوگ ایک دوسرے کی لونڈی عاریتاً لے لیتے تھے۔ بعض فرقوں میں متعہ کو جائز قرار دیا گیا ہے یعنی کسی خاص مدت کے لیے نکاح کر لیا جائے اور پھر اس مدت کے بعد خود بخود علیحدگی ہو جاتی ہے۔ یہ تمام ذرائع ناجائز ہیں اسی لیے شریعت نے نکاح عام کرنے کی تلقین کی ہے۔ نکاح کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے بلکہ اسے آسان بنانا چاہیئے۔ رسم و رواج

کی پابندیاں اور غیر ضروری جہیز کی لعنت نکاح کے راستے میں رکاوٹیں ہیں، ان کو ختم ہونا چاہیئے تاکہ نکاح عام ہو۔ اس پر غیر ضروری پابندیاں ناجائز ذرائع اختیار کرنے کا موجب بنتی ہیں جس سے نسل خراب ہوتی ہے اخلاق اور دین بگڑتا ہے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ کامیاب مومن وہ ہیں جو اپنے مقامات شہوت کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے علاوہ کسی دوسرے ذریعے سے شہوت کو فرو نہیں کرتے۔

انسان کا شہوانی میلان

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح بھوک پیاس وغیرہ انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسی طرح اللہ نے شہوت کو بھی انسان پر مسلّط کر رکھا ہے۔ انسانی جسم میں موجود مادہ تولید باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے جو کہ ہر جائز یا ناجائز ذرائع سے ممکن ہوتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ناجائز ذرائع پر پابندی لگا دی ہے تاکہ انسان کی نسل خراب نہ ہو، اور شہوت رانی کے بعد انسان اپنی ذمہ داری بھی محسوس کرے، یہ اسی صورت میں ہوگا۔ جب انسان اپنی منکوحہ بیوی سے متمتع ہوگا۔ پھر وہ اپنی اولاد کی پرورش کی ذمہ داری بھی اٹھائے گا۔ اور اگر محض شہوت رانی کر کے انسان علیحدہ ہو جائے تو نہ وہ قانون کی پابندی کرنے والا ہوگا اور نہ اس کے نتیجے میں آنے والی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائیگا۔ یہی وہ قباحت ہے جو پوری انسانی سوسائٹی کو خراب کرتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نکاح کی پابندی عاید کر کے معاشرے کو مہذب، متمدن اور ذمہ دار بنایا ہے اس طریقے سے نسل انسانی کی حفاظت بھی ہوگی، جس طرح ایمان اور عقیدے کی حفاظت ضروری ہے اسی طرح نسل اور اخلاق کی حفاظت بھی ضروری ہے اور یہ نکاح کی صورت میں ہی ہو سکتی ہے۔

ایک اچھی حکومت کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرتی حقوق کی حفاظت کرے، بے حیائی اور بداخلاقی کا قلع قمع کرے، بلکہ سب سے پہلے تو عقیدے

کی حفاظت ضروری ہے۔ حکمران طبقہ چونکہ عام طور پہ خود ملحد ہوتا ہے۔ اس لیے وہ عقیدے کی حفاظت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے جس کی وجہ سے کفر شرک اور بدعات فروغ پاتی ہیں۔ بہرحال نکاح کے لوازمات اور مرد و زن کی ذمہ داریوں کی تفصیل قرآن و سنت نے واضح کر دی ہے۔ جو ان کی پابندی کرے گا وہی کامیاب و کامران ہو گا۔

آج ہم دنیا بھر میں دیکھ رہے ہیں کہ شہوانی جذبات کے فرو کرنے میں خدائی قوانین کی پرواہ نہیں کی جا رہی، بلکہ مغرب کی متمدن دنیا میں تو خود ساختہ قوانین کے ذریعے خدائی احکام کے الٹ کیا جا رہا ہے۔ برطانوی قانون کے مطابق اگر دو مرد باہمی رضامندی سے ہم جنسی کے مرتکب ہوتے ہیں تو قانون کی نظر میں اُن پر کوئی جرم عاید نہیں ہوتا۔ اسی طرح امریکہ، برطانیہ اور یورپ کے کئی دوسرے ممالک میں بالغ مرد و زن باہمی رضامندی سے بدکاری کر سکتے ہیں، اُن پر کوئی پابندی عاید نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ قانون کی نظر میں قصوروار ہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص زنا بالجبر کا مرتکب ہوتا ہے تو پھر اُن کا قانون حرکت میں آتا ہے، ورنہ نہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کے متعلق فرمایا ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل ۔ ۳۲) زنا کے قریب نہ جاؤ کہ یہ بے حیائی اور بُرا راستہ ہے۔ زنا عقل اور دستورِ دین سب کے خلاف ہے۔ اور ہم جنسی تو زنا سے بھی زیادہ فحش ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ نکاح کے راستے میں تو معاشرے نے طرح طرح کی پابندیاں لگا رکھی ہیں اور غلط راستہ کھلا ہے۔ فرمایا جائز ذرائع کے علاوہ جو کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہ تعدی کرنے والا ہو گا اور اللہ کے ہاں ماخوذ ہو گا۔

(۵) امانت اور عہد کے پابند

پانچویں قسم کے کامیاب لوگ وہ ہیں وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ جو اپنی امانتوں اور عہد کے پابند ہیں۔ امانت ایک وسیع المعانی لفظ ہے جس کی ضد خیانت ہے۔ غسل، وضو، نماز وغیرہ بھی

امانت میں داخل ہیں۔ ان کی پابندی کرنا گویا امانت کا حق ادا کرنا ہے۔ اگر کسی کے کام میں شراکت کی ہے تو یہ بھی امانت ہے۔ کسی نے کسی کے پاس وصیت رکھی ہے تو یہ امانت ہے۔ کسی مجلس میں کوئی مخفی صلاح مشورہ ہوا ہے تو وہ بھی امانت ہے۔ کوئی راز کی بات ہے تو اسے فاش نہ کرو کہ یہ تمھارے پاس بطور امانت ہے۔ اگر کسی سے کسی معاملہ میں کوئی عہد و پیمان کیا ہے۔ کوئی قول و قرار کیا ہے تو اس کو پورا کرو۔ امانت میں خیانت کرنا منافقوں کا کام ہے۔ فرمایا کامیابی اُن اہل ایمان کے حصے میں آئیگی جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان میں رعایت کرنے والے ہیں۔

(۱۰) محافظین نماز

ابتداء میں بھی نماز کا ذکر ہوا تھا، وہاں نماز میں خشوع و خضوع کرنے والوں کو کامیاب قرار دیا گیا تھا۔ اب آخر میں فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ وہ مومن لوگ کامیاب ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ نماز کیلئے وقت کی پابندی، شرائط کی تکمیل، طہارت، خشوع وغیرہ نماز کی حفاظت کرنے والی بات ہے۔ انسان کی فلاح کا دارومدار حقوق اللہ اور حقوق العباد پر ہے۔ نماز تعلق باللہ درست کرنے کا ذریعہ ہے۔ جب کہ زکوٰۃ مخلوق کے ساتھ تعلقات استوار کرتی ہے۔ اب نماز کی حفاظت کو بھی کامیابی کی کلید قرار دیا گیا ہے۔

جنت کی وراثت

ان تمام صفات کے حاملین کے متعلق اللہ نے فرمایا أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ یہی لوگ ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جب جنت مانگو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کہ یہ سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ خدائے رحمٰن کا عرش اسی جنت کے اوپر ہے۔ اس جنت سے نہریں پھوٹتی ہیں جو دوسری جنتوں کو سیراب کرتی ہیں۔ فرمایا یہ لوگ اسی جنت الفردوس کے مالک ہوں گے هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وہاں سے نہ نکلنے کا خطرہ، نہ زوال کا خدشہ اور نہ رحمت چھن جانے کا ڈر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دائمی کامیابی نصیب فرمائے گا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾
ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ
خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ
اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾
ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ
طَرَآئِقَ ڰ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ:- اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے خلاصے سے (۱۲) پھر ہم نے رکھا اُس کو قطرۂ آب کی شکل میں ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں (۱۳) پھر ہم نے پیدا کیا قطرۂ آب کو خون کا لوتھڑا ۔ پھر پیدا کیا ہم نے اس لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا ۔ پھر ہم نے بنائیں گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں ۔ پھر ہم نے ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا ۔ پھر ہم نے بنایا اِس کو ایک اور صورت میں ۔ پس بڑی برکت والی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے (۱۴) پھر تم اس کے بعد مرنے

والے ہو (۱۵) پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے (۱۶)
اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیے ہیں تمھارے اوپر سات
طبقات ، اور نہیں ہیں ہم مخلوق سے غافل (۱۷)

ربطِ آیات

سورۃ کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں اور تو یہ سنائی ہے کہ جن لوگوں میں یہ اوصاف پائے جائیں گے اُن کو کامیابی نصیب ہو گی اور وہ آخرت میں جنت الفردوس کے مالک بن جائیں گے ۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسئلہ تخلیقِ انسانی بیان فرمایا ہے کہ اس نے انسان کی تخلیق کن کن مراحل کے بعد کی ۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ انسان اپنی طبعی عمر پوری کر کے فوت ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے گا اور پھر حساب کی منزل آئیگی اور جزا اور سزا کا فیصلہ ہو گا ۔

انسان کی اولین تخلیق مٹی سے

اِن آیات میں اللہ نے تخلیقِ انسان کی دو صورتیں بیان فرمائی ہیں ۔ اُس نے پہلے انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو براہ راست مٹی سے پیدا کیا جب کہ باقی نسلِ انسانی کو قطرۂ آب کے توسط سے ۔ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ اور البتہ تحقیق ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ نے فرشتے کو حکم دیا کہ تمام سطح ارض سے چھانٹ کر مٹھی مٹی لاؤ ۔ تعمیلِ حکم کی گئی تو اسی مٹی سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا ڈھانچہ تیار کیا ، پھر اُس میں روح پھونکی تو وہ جیتا جاگتا انسان بن گیا ۔ زمین کی مٹی مختلف مقامات پر مختلف نوعیت کی ہے ، کہیں ریتلی ہے اور کہیں چکنی ۔ کوئی مٹی سفید ہے ، کوئی سرخ اور کوئی سیاہ ، کوئی پتھریلی ہے اور کوئی بھربھری ، مٹی کی انہی خصوصیات کی وجہ سے انسانوں میں بھی مختلف خصوصیات پائی جاتی ہیں ۔ مختلف علاقوں میں مختلف رنگوں کے لوگ پائے جاتے ہیں ۔ پھر ان کی طبیعتیں بھی مختلف ہوتی ہیں ، کوئی سعادت مند اور کوئی شر پسند ۔

کوئی نرم طبیعت اور کوئی سخت طبیعت، کوئی صلح کن اور کوئی جنگجو، گویا اس مٹی کا اثر انسانی اخلاق پر بھی پڑتا ہے اور اسی لیے مختلف لوگوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں۔

اگرچہ براہِ راست مٹی سے تخلیق صرف آدم علیہ السلام کی ہوئی تھی تاہم اُسکو تمام انسانوں پر بھی منطبق کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ جن غذاؤں کے استعمال سے انسان کی پرورش ہوتی ہے اور نسلِ انسانی کی بقا کے لیے نطفہ کا سلسلہ چلتا ہے، وہ ساری کی ساری غذائیں مٹی ہی کی پیداوار ہیں۔ اناج پھل سبزیاں وغیرہ جو انسان استعمال کرتے ہیں۔ وہ مٹی سے ہی اگتی ہیں۔ لہٰذا اس لحاظ سے بھی انسان کی تخلیق مٹی سے ہی ثابت ہوتی ہے۔ گویا مٹی انسان کی اصل ہے، مرنے کے بعد پھر مٹی ہی اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور قیامت کو دوبارہ اسی مٹی سے انسان کو اٹھایا جائے گا۔ مٹی میں فطرتی طور پر عاجزی اور انکساری پائی جاتی ہے، لہٰذا جو شخص منکسر المزاج ہوگا۔ وہ دراصل اپنے اصل کی طرف رجوع کرنے والا ہوگا۔ جو کہ ایک اچھی صفت ہے۔

قطرۂ آب سے تخلیق

مٹی سے ابتدائی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کے فطری ذریعہ تخلیق کا ذکر فرمایا ہے ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ پھر ہم نے اُسے قطرۂ آب کی شکل میں جمے ہوئے ٹھکانے یعنی رحمِ مادر میں رکھا۔ نطفہ شفاف پانی کو کہتے ہیں جس میں کوئی میل کچیل یا کسی دوسری چیز کی ملاوٹ نہ ہو۔ انسان کا مادہ تولید بھی بایں معنیٰ شفاف ہوتا ہے کہ یہ صرف ایک ہی انسان کا مادہ ہوتا ہے اور اسمیں کسی دوسرے شخص کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ غرضیکہ فرمایا کہ ہم نے مرد کے مادہ تولید کو عورت کے رحم میں رکھا اور پھر وہاں اُسے مختلف مراحل سے گزارا اور اس کی مختلف شکلیں بنائیں اور پھر اس سے مکمل انسان کو پیدا کر دیا۔ قرآن میں دوسری جگہ نطفہ کو مَآءٍ مَّهِیْنٍ بھی کہا گیا ہے یعنی یہ ایک حقیر پانی ہے جس کی ناپاکی

میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر یہ کپڑے کو لگ جائے تو کپڑا بھی اچھی طرح دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی ہے کہ جس راستے سے اس پانی کا اخراج ہوتا ہے وہ بھی نجاست آلود ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو حقیر پانی کہا گیا ہے اور پھر اس سے انسان جیسی اشرف مخلوق کو پیدا کیا جو اس کی ساری مخلوق میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔

رحم مادر میں تغیرات

فرمایا، ہم نے اس قطرۂ آب کو رحم مادر میں مقررہ جگہ پر رکھا۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً پھر اس قطرۂ آب کو خون کے لوتھڑے میں تبدیل کیا۔ گویا چالیس دن کے عرصہ میں پانی کا یہ حقیر قطرہ خون کا لوتھڑا بن گیا۔ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً پھر ہم نے خون کے جمے ہوئے لوتھڑے کو گوشت کے ٹکڑے میں بدل دیا۔ اس تبدیلی پر بھی چالیس دن کا عرصہ صرف ہوا۔ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا پھر مزید چالیس دن کے عرصہ میں ہم نے اس گوشت میں ہڈیاں پیدا کر دیں۔ فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنا دیا یہ کورس بھی چالیس دن میں مکمل ہوا۔ ایک تحقیق کے مطابق انسانی جسم میں پانچسو ہڈیاں ہیں جن کو جوڑ کر انسانی ڈھانچہ مکمل کیا جاتا ہے۔ ہڈیوں کو جوڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ہی لچکدار مادہ تخلیق کرتا ہے اور ہڈیوں کو باندھنے کے لیے رباطات یعنی رسیاں بھی جسم کے اندر ہی پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جھلیاں اور پٹھے ہوتے ہیں جن کے ذریعے ہڈیوں کو اس طریقے سے آپس میں باندھ دیا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسری سے مربوط ہو جاتی ہیں، اور پھر ان پر گوشت چڑھا کر انسانی اعضا کو مکمل کر دیا جاتا ہے فرمایا ہڈیوں پر گوشت چڑھانے کے بعد ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ پھر ہم نے اس کو ایک نئی شکل و صورت میں لا کھڑا کیا۔ جب ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو پھر جسم پر کھال پیدا ہو گئی۔ بال اُگ آئے، ناخن بن گئے اور

اندرونی اور بیرونی تمام نشیب و فراز بن گئے۔ ذرا غور کریں کہ کجا ایک حقیر قطرہ آب اور کجا ایک مکمل انسان جس کی آنکھیں، کان، دل کام کرنے لگتے ہیں۔ ایک خاص مدت کے بعد دل کی دھڑکن بھی شروع ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے تمام شریانوں میں خون گردش کرنے لگتا ہے اور جسم کی نشوونما شروع ہو جاتی ہے۔ ورنہ انسان تو اس قدر کمزور ہے کہ ساری دنیا کے سائنسدان بھی مل کر ایک قطرہ خون نہیں پیدا کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ یہ کام کروڑوں فرشتوں کے ذریعے کرتا ہے

قدرت کا شاہکار

جب کوئی شخص تخلیقِ انسانی کے اِن مراحل پر غور و فکر کرتا ہے۔ تو اس کی زبان پر بے ساختہ خدائے بلند برتر کی حمد کا ترانہ آجاتا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ پس بڑی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو سب سے بہتر تخلیق کرنے والا ہے۔ انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بہترین شاہکار ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم کے لفظ سے موصوف کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے انسان اس کی بہترین مخلوق ہے اس کی شکل و صورت اور اعضاء و جوارح اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا بہترین نمونہ ہیں۔

مفسر قرآن علامہ زمخشریؒ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس جملے سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے مرغی کا انڈا چھین کر اُسے مرغی کے نیچے رکھ دے اور اس سے بچہ نکل آئے تو وہ شخص صرف انڈا واپس کرنے کا ذمہ دار ہوگا نہ کہ انڈے سے نکلنے والا بچہ، اگر انڈا میسر نہ ہو تو اُس کی قیمت ادا کریگا وہ شخص بچہ واپس کرنے کا مکلف نہیں کیونکہ خود اللہ تعالیٰ نے اُسے دوسری شکل و صورت میں تبدیل کر دیا ہے۔ جیسا کہ اس حصہ آیت سے واضح ہے[1]

سائنسی تحقیقات

میڈیکل سائنس والوں نے انسانی تخلیق کے نو ماہ کے عرصہ پر بڑی عرق ریزی کے ساتھ تحقیق کی ہے۔ اس عرصہ کے دوران ایک ایک لمحہ میں ہونے

[1] کشاف ص ۱۷۸ ج ۳ (فیاض)

والے تغیرات کا غور دربینوں کے ذریعے مطالعہ کیا ہے جو کہ دس سال میں مکمل ہوا۔ ڈر والفری کی مشہور کتاب (TEN TEACHERS (دس معلمین) میں اس تحقیق کی تمام تفصیلات درج ہیں۔ گذشتہ کچھ عرصہ میں سائنسدانوں نے بڑی بڑی تحقیقات کر کے دنیا کو نئی نئی چیزوں اور نئے نئے تجربات سے روشناس کرایا ہے بعض سائنسدانوں نے محض چیونٹیوں پر چالیس سال تک محنت کی، ان کے تمام خدوخال، ان کے حرکات و سکنات اور ان کے معمولات و مشغولات کا مطالعہ کیا اور پھر انہیں کتابی صورت میں شائع کیا ظاہر ہے کہ بغیر محنت کے کوئی چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ بڑے بڑے تجربات اور مشاہدات ہی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

اپنے عروج کے زمانے میں مسلمانوں نے بھی سائنسی تجربات کرنے میں بڑی بڑی محنت کی ہے۔ اس وقت دنیا بھر میں ان کے مقابلہ کی کوئی قوم نہ تھی، اس سے پہلے رومیوں اور یونانیوں نے بھی بڑی بڑی مشقتیں اٹھائیں اور بنی نوع انسان کی خدمت کی۔ بعد میں ابن سینا جیسے مسلمان سائنسدان بھی پیدا ہوئے۔ اس شخص نے صرف سولہ سال کی عمر میں پانچ جلدوں پر محیط فن طب پر "قانون" نامی کتاب لکھی جس کے نتائج آج کے سائنسی دور میں بھی پچھتر فیصد تک درست ثابت ہو رہے ہیں۔ اس کے باوجود اس شخص کا دعویٰ ہے کہ اس کا اصل موضوع تو فلسفہ ہے، طب کی تحقیق تو اس نے محض شغل کے طور پر اختیار کر رکھی ہے۔ جب اسے بادشاہِ وقت نے وزارتِ عظمیٰ کی پیشکش کی تو اس نے قبولیت کے لیے دو شرائط پیش کیں۔ پہلی یہ کہ اگر کوئی مجھ سے علاج معالجے کے متعلق مشورہ طلب کرے گا تو مجھے وہ مشورہ دینے کی اجازت ہو گی، اور دوسری شرط یہ کہ اگر میرے طالب علم حصولِ علم کے لیے آئیں تو ان کو روکا نہیں جائیگا اور مجھے ان کی تشنگی دور کرنے کا اختیار حاصل ہو گا۔ بادشاہ نے آپ کی یہ دونوں شرائط تسلیم کیں اور وزارتِ عظمیٰ پر فائز کیا۔

افسوس کا مقام ہے کہ اب مسلمانوں میں یہ جذبہ باقی نہیں رہا، ان کی صلاحیتیں تباہ ہو چکی ہیں، دوسروں کے غلام بن چکے ہیں اور اب ان کے پاس غیروں کی خوشہ چینی کے سوا کچھ نہیں رہا۔

ایک کاتب وحی کا واقعہ

حضور علیہ السلام کے زمانے میں آپ ایک شخص کو قرآن پاک لکھوایا کرتے تھے۔ جب آیت ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ کا نزول ہوا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص کو لکھنے کے لیے کہا۔ جب وہ شخص یہ الفاظ لکھ چکا تو آگے اُس کی زبان پر خود بخود یہ الفاظ جاری ہو گئے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اُس پر اُس قدر اثر ہوا کہ وہ خالق ارض وسما کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ جب حضور علیہ السلام نے اُسے یہی الفاظ لکھنے کے لیے کہا تو شیطان نے اُس کے دماغ میں فتور پیدا کر دیا اور کہنے لگا کہ یہ الفاظ تو پہلے ہی میری زبان پر جاری ہو چکے ہیں لہٰذا یہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے۔ وحی کے نزول کا دعویٰ کر کے وہ شخص مرتد ہو گیا اور مکے چلا گیا، تاہم فتح مکہ کے بعد اللہ نے اُسے پھر توفیق بخشی اور وہ تائب ہو کر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ تاریخ میں اس کے بڑے بڑے کارناموں کا ذکر بھی ملتا ہے۔

انسان کی موت اور بعثت

آگے فرمایا ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ پھر اس کے بعد تمھیں موت آنے والی ہے کیونکہ اللہ رب العزت کا یہ اٹل فیصلہ ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران - ۱۸۵) ہر ذی جان کو موت سے ہمکنار ہونا ہے۔ فرمایا ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ پھر تم قیامت والے دن دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ پھر حساب کتاب اور جزائے عمل کی منزل آئے گی اور تمہیں اسی دنیا کی کارکردگی کا پھل مل کر رہے گا۔

پیدائش انسان کا آغاز تھی۔ اس کے ساتھ اللہ نے انجام کا ذکر بھی کر

دیا۔ یہ سب باتیں توحید خداوندی کے دلائل ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت سمجھ میں آتی ہے۔ یہ تو انسان کا اندرونی حال تھا، آگے اللہ نے بیرونی مشاہدات کا تذکرہ بھی کیا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ہم نے تمہارے اوپر سات طبقات بنا ڈالے۔ طرائق راستے کو بھی کہتے ہیں اور طبقہ کو بھی۔ یہاں آسمان کے ساتھ طبقات مراد ہیں۔ اللہ نے ہر طبقہ میں اپنی حکمت کے شواہد رکھے ہیں۔ فرمایا ہم نے ہر چیز کو تخلیق کیا وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ اور ہم اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔ یہ سب کچھ پیدا کر کے اُسے ویسے نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی مسلسل نگہداشت بھی کرتے ہیں اور ہر مخلوق کے لیے اُس کے مناسب حال سامان بھی مہیا کرتے ہیں۔ یہ ہمارے علم و حکمت میں ہے کہ کس کو کیا چیز کس وقت میں دیتی ہے اور کس سے کیا چیز کب روکتی ہے۔ جس نے پیدا کیا ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے غافل نہیں ہے۔ فیملی پلاننگ والے تو دنیا کو بھوک سے بچانے کے لیے بڑے بڑے منصوبے بناتے ہیں مگر وہ سارے بیکار محض ہیں۔ ہر جاندار کی روزی کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھا ہے۔ اس کا واضح اعلان ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود - ۶) وہ پیدا کرتا ہے تو روزی کے وسائل بھی مہیا کرتا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہکار ہیں۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ یہ دلائل قدرت دیکھ کر انسان کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آنا چاہیئے تاکہ اسے دائمی فلاح نصیب ہو سکے۔

درس سوم ۳ — آیت ۱۸ تا ۲۲

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى
الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿١٨﴾ فَاَنْشَاْنَا
لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ
فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً
تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ
لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ
نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ
كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى
الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ ع ۲۲ ۱

ترجمہ:۔ اور اُتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی ایک خاص اندازے کے ساتھ۔ پس ہم نے اس (پانی) کو ٹھہرا دیا زمین میں۔ اور بیشک ہم اس کو لے جانے پر بھی قادر ہیں (۱۸) پھر ہم نے پیدا کیے تمہارے لیے اس (پانی) کے ساتھ باغات کھجوروں کے اور انگوروں کے۔ تمہارے لیے ان میں بہت سے پھل ہیں اور انہی میں سے تم کھاتے بھی ہو (۱۹) اور ہم نے وہ درخت اگایا جو نکلتا ہے طور پہاڑ سے اور وہ اگاتا ہے

تیل اور سالن کھانے والوں کے لیے ⑳ اور بیشک
تمہارے لیے مویشیوں میں البتہ عبرت کا سامان ہے
ہم پلاتے ہیں تم کو اُس سے جو اُن کے پیٹوں
میں ہے۔ اور تمہارے لیے اِن مویشیوں میں بہت
سے فائدے ہیں۔ اور بعضوں کو ان میں سے تم
کھاتے ہو ㉑ اور اِن جانوروں اور کشتیوں پر تم کو
اٹھایا (سوار کیا) جاتا ہے ㉒

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے درسِ توحید کے سلسلے میں اپنی قدرت کے کچھ نمونے بیان فرمائے ہیں۔ پہلے انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کا ذکر کیا اور پھر انتہائے عمر تک کے حالات بیان کیے۔ درمیان میں اپنی کبریائی کا ذکر بھی کیا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی ہی برکتوں والی اور بہترین خالق ہے وہی معبودِ برحق ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اِس زندگی کے بعد اللہ نے انسان کی موت کا ذکر بھی کیا اور پھر قیامت کو دوبارہ اٹھائے جانے کی بات ہوئی۔ اللہ نے آسمان کے سات طبقات کا ذکر بھی کیا اور یہ بھی کہ اللہ کے فرشتے آسمانوں کے مختلف مقامات پر چلتے ہیں اور اس مقصد کے لیے اُن کے راستے مقرر ہیں۔ اللہ نے آخر میں فرمایا کہ ہم اپنی پیدا کردہ مخلوق سے غافل نہیں ہیں بلکہ ہم اُن کی مصلحت کو خوب جانتے ہیں۔

پانی کی نعمت

اب اسی سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی کچھ مزید نشانیوں کا ذکر کیا ہے ابتداء میں پانی کا ذکر ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا۔ عربی زبان میں ہر بلند چیز پر سما کا لفظ بولا جاتا ہے۔ جس میں آسمان، فضا اور بادل وغیرہ شامل ہیں۔ بارش بادلوں کے ذریعے برستی ہے اور یہ بھی فضا میں ہوتے ہیں اس لیے یہاں بھی سما کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے

ہیں کہ سماء سے مراد صرف بادل نہیں جو بارش کا ذریعہ بنتے ہیں، بلکہ اس سے یہ بھی مراد ہے کہ بارش کے نزول کا حکم اُوپر سے آتا ہے تو بارش برستی ہے اور نہ نہیں، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے اللہ نے فرمایا وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریت - ۲۲) یعنی تمہاری روزی آسمان میں ہے۔ وہاں سے حکم آتا ہے تو روزی ملتی ہے اسی طرح جب اُوپر سے اللہ تعالیٰ کا حکم آتا ہے تو بارش بھی ہوتی ہے۔ تو فرمایا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا، اور یہ نزول بھی بِقَدَرٍ ایک خاص اندازے کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ بے تحاشا۔ جس قدر اللہ کی مصلحت ہوتی ہے اس کے مطابق بارش ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات اللہ کی مصلحت میں ضرورت سے زیادہ بارش ہوتی ہے جس کی وجہ سے سیلاب آکر نقصان کا باعث بھی بنتے ہیں بہرحال بارش برسانے کے مقام، وقت اور مقدار کا تعین اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر موقوف ہوتا ہے۔ دراصل ہر چیز کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ جیسے فرمایا وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (الحجر - ۲۱) ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم انہیں ایک خاص اندازے کے مطابق اتارتے ہیں۔ بارش کا خزانہ بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اور وہ اُسے اپنی مشیت کے مطابق نازل فرماتا ہے۔

فرمایا، ہم نے پانی اتارا فَأَسْكَنَّٰهُ فِي الْأَرْضِ اور پھر ہم نے اُسے زمین میں ٹھہرا دیا یعنی اس کو زمین کے اندر جذب کر لیا۔ بارش کا کچھ پانی زمین کی سطح کے اُوپر رہ جاتا ہے، کچھ حصہ زمین جذب کر لیتی ہے اور کچھ حصہ زمین کی نچلی تہہ میں ذخیرہ کر دیا جاتا ہے جو کہ عام طور پر پہاڑی علاقوں میں چشموں کی صورت میں بہ نکلتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ

(النمر ۔۲۱) پھر اُسے زمین میں چشموں کی صورت میں چلا دیا جس سے انسان اور حیوان سیراب ہوتے ہیں۔ پانی کے زیر زمین ذخیرہ سے کنوؤں اور ٹیوب ویلوں کے ذریعے پانی نکالا جاتا ہے جو انسانوں، حیوانوں اور نباتات کی آبیاری کرتا ہے۔ البتہ ریگستانی علاقوں میں پانی بہت گہرا ہوتا ہے۔ اس لیے اُسے نکالنے کے لیے بہت زیادہ محنت اور رقم درکار ہوتی ہے۔ بعض اوقات پانی میں تیل کی ملاوٹ بھی ہوتی ہے جسے بڑے بڑے پلانٹوں کے ذریعے صاف کر کے قابل استعمال بنایا جاتا ہے، آگے پانی کی اسی نایابی کی طرف اشارہ ہے وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ اور ہم اس پانی کو کہیں دور لے جانے پر بھی قادر ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کو اس پانی کے ذریعے انسان کی مصلحت منظور ہوتی ہے تو وہ اسے زرخیز زمین پر برساتا ہے جس سے پھل پھول اور اناج پیدا ہوتے ہیں۔ پہاڑوں سے چشمے اور ندی نالے جاری ہوتے ہیں جو سارا سال پانی کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں۔ اور جب اُسے منظور نہیں ہوتا تو ایسی چٹانوں پر بارش برساتا ہے جس کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ یا وہ زمین کے اندر اتنی دور لے جاتا ہے کہ اس کا نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بہر حال فرمایا کہ ہم نے آسمان کی طرف سے ایک اندازے کے مطابق پانی نازل کیا اور پھر اُسے زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اسے لے جانے پر بھی قادر ہیں۔

پھلوں کی پیداوار

آگے اللہ نے نازل کردہ پانی کی افادیت کا ذکر کیا فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ اس کے ذریعے ہم نے تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کیے۔ جب پانی میسر آتا ہے تو سبزہ، درخت اور اناج پیدا ہوتا ہے۔ یہاں پر اللہ نے باغات کا ذکر کیا ہے اور اُن میں بھی خاص طور پر کھجور اور انگور کا کیونکہ یہ دونوں پھل انسان کے لیے نہایت ہی کارآمد ہیں۔ کھجور ایک سدا بہار درخت ہے جس کا پھل جلدی خراب

نہیں ہوتا اور یہ سارا سال بطور غذا استعمال ہو سکتا ہے۔ صحرائی علاقوں میں غذا کا سب سے بڑا ذریعہ کھجور ہی ہے۔ اسی طرح انگور بھی بڑی کارآمد چیز ہے۔ یہ پھل بیک وقت غذا اور مشروب کا کام دیتا ہے۔ اس کے استعمال سے خون کثرت سے پیدا ہوتا ہے جو انسانی زندگی کا لازمی جزو ہے۔ انسانی جسم کے لیے شکر بھی نہایت ضروری ہے اور انگور شکر کی بہترین قسم مہیا کر کے انسان کو تندرست و توانا رکھتا ہے۔ گرم ممالک کا انگور زیادہ میٹھا نہیں ہوتا، البتہ سرد علاقوں کا انگور بہت شیریں ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں افغانستان، روس اور ایران کا انگور کمال درجے کا میٹھا ہوتا ہے۔ بہرحال یہ دونوں پھل نہایت مفید ہیں، اس لیے ان کا یہاں پر خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے فرمایا لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ تمہارے لیے ان میں بہت سے پھل ہیں اور تم ان میں سے کھاتے ہو۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ یہ دونوں پھل نہایت لذیذ، مقوی اور دیرپا ہیں، اور یہ سارا سال استعمال ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں کھجور کو مرد مومن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جس طرح ایک ایماندار آدمی عبادت و ریاضت میں مصروف رہتا ہے، وہ مکارم اخلاق کا نمونہ ہوتا، خدمت خلق اس کا وطیرہ ہوتا ہے اسی طرح کھجور کا درخت بھی ہمیشہ سرسبز رہتا ہے اور اس کا پھل ہمیشہ کارآمد رہتا ہے۔

زیتون کا درخت

آگے ایک اور درخت کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ ہم نے پانی کے ذریعے ایک اور درخت پیدا فرمایا جو طور سینا سے بکثرت نکلتا ہے۔ اس سے مراد زیتون کا درخت ہے یہ اگرچہ دوسرے مقامات پر بھی ملتا ہے مگر اس کا اصل وطن طور سینا یعنی سرزمین شام و فلسطین ہے۔ اس خطہ کی زمین اس درخت کے لیے زیادہ موزوں ہے اسی لیے یہ درخت وہاں پر پھل بھی زیادہ دیتا ہے۔ اس درخت کی خصوصیت

یہ ہے تَنۢبُتُ بِالدُّهْنِ یہ تیل یا روغن اُگاتا ہے۔ زیتون میں تیل کی مقدار بکثرت موجود ہوتی ہے جو کہ دوائی اور غذائی لحاظ سے استعمال کیا جاتا ہے۔ کئی ایک بیماریوں میں اس تیل کی مالش بہت مفید ہے، اور مشرقِ وسطیٰ کے اکثر ممالک میں کھانا پکانے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے گویا یہ تیل گھی کا کام بھی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ یہ کھانے والوں کے لیے سالن کا کام بھی دیتا ہے عام طور پر لوگ سالن میں روٹی کا لقمہ ڈبو کر کھاتے ہیں۔ تاہم جن علاقوں میں زیتون بکثرت ہوتا ہے وہاں اس کے ساتھ روٹی بھی کھاتے ہیں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے یہ عجیب و غریب قسم کا درخت پیدا کیا ہے جس کا پھل بھی کھایا جاتا ہے اور اس کا روغن بھی مختلف طریقوں سے استعمال ہوتا ہے، اس درخت کی طویل العمری کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدثؒ فرماتے ہیں[1] کہ شام و فلسطین کے علاقے میں زیتون کے بعض درخت دو ہزار سال پرانے ہیں اور یہ یونانیوں کے زمانے سے پھل دیتے آرہے ہیں۔ اس کا چھلکا اور پتے بھی کارآمد ہوتے ہیں۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زیتون کا تیل بھی کھاؤ اور اس کی مالش بھی کرو کیونکہ یہ مبارک درخت کی پیداوار ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ بعض نبیوں نے اس کی برکت کے لیے دعائیں کیں، اس لیے اللہ نے اس کو بابرکت بنایا ہے۔

مویشیوں کا دودھ

زمینی پیداوار کے تذکرے کے بعد اللہ نے فرمایا وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً بیشک تمھارے لیے چوپاؤں میں عبرت کا سامان ہے یہ جانور مختلف طریقوں سے تمھاری خدمت کرتے ہیں۔ تم نہ صرف ان کے بال، کھال، اون اور گوشت استعمال کرتے ہو اور بعض سواری اور باربرداری کے کام بھی آتے ہیں، بلکہ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا ہم تمہیں

[1] تفسیر عزیزی فارسی ص ۲۹۸ پ ۳۰ (فیاض)

پلاتے ہیں اُس میں سے جو اِن کے پیٹوں میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے دودھ مراد ہے جس کے متعلق سورۃ النحل میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے نُسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ (آیت ۶۶) ہم تمھیں مویشیوں کے پیٹوں کی چیز پلاتے ہیں جو گوبر اور خون کے درمیان سے گزرتی ہے اور یہ خالص دودھ ہے جو نہایت خوشگوار ہے۔ اللہ نے جانوروں کے پیٹ کے اندر ایسا مِلک پلانٹ لگا دیا ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ لیس شیئ یجزء مکان الطعام والشراب غیر اللبن (ترمذی ص۵۸۲) یعنی دودھ کے قائم مقام دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے۔ جو کھانے اور پینے دونوں کے لیے کفایت کرے۔ یہ ایسی بے مثال چیز ہے جو بیک وقت غذا اور مشروب کا کام دیتی ہے۔ خود جانوروں کے بچے کچھ عرصہ تک اسی دودھ پر گذارہ کرتے ہیں اور انسانوں کے بچے تو دو اڑھائی سال تک دودھ پیتے رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ دودھ کی نعمت عطا کرے اسے یوں دعا کرنا چاہیئے اَللّٰهُمَّ زِدْنَا مِنْهُ اے اللہ! اس میں ہمارے لیے اضافہ فرما۔ دیگر نعمتوں کے متعلق حکم ہے کہ اس کا شکریہ ادا کرو اور ساتھ دعا کرو کہ اے اللہ! ہمیں اس سے بہتر نعمت عطا فرما، مگر دودھ میں صرف اضافہ کی دعا ہے کیونکہ اس سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ اس میں انسانی غذا کے تمام عناصر من جملہ شکر، پروٹین، کیلشیم نمکیات، نشاستہ، وٹامن اور روغنیات پائے جاتے ہیں۔ جس طرح مصنوعی گھی اصل گھی کا بدل نہیں اسی طرح مصنوعی دودھ بھی خدا کے پیدا کردہ دودھ کا کسی طور مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مویشیوں کے دیگر فوائد

فرمایا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ تمھارے لیے ان جانوروں میں اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔ اُن کی کھال، اُون، پشم، ہڈیاں، چربی

اور سینگ وغیرہ سب مفید چیزیں ہیں اور انسانوں کے کام آتی ہیں۔ نیز وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ تم ان میں سے کھاتے بھی ہو، یعنی ان کا گوشت تمہاری خوراک کا حصہ ہے۔ یہ وہی چار قسم کے حلال جانور اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری ہیں جن کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور جنہیں انسانی صحت کے ساتھ خصوصی مناسبت ہے۔ اسی لیے یہ جانور روحانی اور جسمانی لحاظ سے انسان کے لیے مفید ہیں۔ برخلاف اس کے انسانی صحت پر منفی اثرات ڈالنے والے جانوروں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حرام جانور کھانے سے اخلاق پر بھی برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، مثلاً خونخوار جانوروں کا گوشت کھانے سے انسان میں بھی درندگی والی صفت پیدا ہوتی ہے۔ کتا، بلی، شکرا، باز وغیرہ کھانے سے چھینا جھپٹی کی خصلت پیدا ہوتی ہے اور خنزیر کا گوشت استعمال کرنے سے بے غیرتی کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔

سواری کے ذرائع

فرمایا وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ اور بعض جانور ایسے ہیں جو سواری کا کام دیتے ہیں۔ اسی طرح کشتیاں بھی تمہارے لیے نقل وحمل کا ذریعہ ہیں۔ جانوروں میں اونٹ، گھوڑا، خچر، گدھا، بیل وغیرہ ایسے جانور ہیں جو قدیم زمانے سے نقل وحمل کے لیے استعمال ہو رہے ہیں۔ اگرچہ سائنسی دور میں اب تیز ترین سواریاں بھی ایجاد ہو چکی ہیں مگر قرآنِ پاک کے نزول کے زمانے میں یہی سواریاں تھیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض دور افتادہ مقامات میں اب بھی یہی سواریاں کام دیتی ہیں۔ سورۃ النحل میں اللہ کا ارشاد ہے کہ اونٹ، گھوڑے اور گدھے تمہاری سواری اور زینت کا سامان ہیں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (آیت - ۸) ان کے علاوہ اللہ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔ ظاہر ہے کہ اس جملے میں وہ تمام سواریاں آجاتی ہیں جو اُس زمانے میں نہیں تھیں مگر قیامت تک ایجاد ہوتی رہیں گی۔ اس وقت ہمارے سامنے سائیکل، موٹر سائیکل، موٹر کار، ریل گاڑی، بحری جہاز اور ہوائی جہاز جیسی سواریاں موجود ہیں، جو آج تیز ترین

سواریاں سمجھی جاتی ہیں ۔ آج یہ ہوائی جہاز ہی ہے جس کی بدولت پاکستان کے ساٹھ ستر ہزار حاجی ہزاروں میل کا سفر طے کرتے ہیں اور چار ہفتے میں حج کر کے واپس آجاتے ہیں ۔

اس زمانے میں بادبانی کشتیاں ہوتی تھیں جو سواری اور بار برداری کا کام دیتی تھیں یہ کشتیاں ہوا کے رُخ پر چپوؤں کے ذریعے چلتی تھیں ۔ ان پر بڑے بڑے بادبان باندھ دیئے جاتے تھے ۔ مگر اب بحری سواریوں کے لیے موٹر لانچیں اور بڑے بڑے بحری جہاز ایجاد ہو چکے ہیں جو تیز رفتار بھی ہیں اور لاکھوں ٹن سامان ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جاتے ہیں ۔ یہ تو اس زمانے کی بات ہے ، ہو سکتا ہے کہ آمدہ زمانے میں اس سے بھی مفید سواریاں ایجاد ہو جائیں جن سے آج ہم بے بہرہ ہیں ۔

بہر حال اللہ نے فرمایا کہ جن جانوروں اور کشتیوں کے ذریعے تم اپنی ضروریات پوری کر رہے ہو ۔ یہ خدا کی قدرت کے نمونے ہیں ۔ اگر اب بھی تم اللہ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے ، بلکہ مخلوق کو خدا کی کرسی پر بٹھاتے ہو ، تو اس کا نتیجہ ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوگا ۔

یہاں پر کشتی کے ذکر کی مناسبت سے اگلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ ، قیامت ، توحید اور دلائل قدرت کا ذکر آرہا ہے ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾
فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ
شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ ۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ
حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾
فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا
وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ
فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ
سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ
اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ
اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ:۔ اور البتہ تحقیق ہم نے بھیجا نوح علیہ السلام
کو (رسول بنا کر) اُن کی قوم کی طرف۔ پس انہوں نے کہا
کہ اے میری قوم کے لوگو! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی
نہیں ہے تمہارے لیے اُس کے سوا کوئی معبود۔ کیا تم
ڈرتے نہیں؟ (۲۳) تو کہا سربرآوردہ لوگوں نے جنہوں نے کفر
کیا تھا اُن کی قوم میں سے۔ نہیں ہے یہ شخص مگر انسان
تمہارے جیسا۔ یہ چاہتا ہے کہ بڑائی حاصل کرے تمہارے
مقابلہ میں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اتارتا فرشتوں کو (وہ
رسول ہوتے)۔ ہم نے نہیں سُنا اِس بات کو جو یہ شخص
کہتا ہے اپنے اگلے باپ دادوں سے (۲۴) نہیں ہے
یہ مگر ایک شخص جو مجنون ہے۔ پس انتظار کرو اس
کے بارے میں ایک وقت تک (۲۵) کہا نوحؑ نے اے
میرے پروردگار! میری مدد فرما اس وجہ سے کہ انہوں
نے جھٹلایا ہے مجھ کو (۲۶) پس ہم نے وحی بھیجی اس کیطرف
کہ بناؤ تم کشتی ہمارے سامنے ہمارے حکم سے۔ پس آئے گا
ہمارا حکم، اور جوش مارے گا تنور۔ پس ڈال دینا اس (کشتی) میں
ہر چیز کا جوڑا دو دو، اور اپنے گھر والوں کو مگر وہ جن کے
بارے میں پہلے بات ہو چکی ہے اِن میں سے۔ اور نہ مجھ
سے بات کرنا اُن لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا
بیشک وہ غرق کیے جائیں گے (۲۷) پس جب تو بیٹھ جائے
چڑھ کر کشتی پر اور جو تیرے ساتھ ہیں۔ پس کہو، سب
تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے نجات دی ہمیں ظالم قوم

سنے (۲۸) اور کہو ، اے میرے پروردگار ! اتارنا مجھ کو اچھی
طرح برکتوں والا اتارنا ، اور تو سب سے بہتر اتارنے والا
ہے (۲۹) بیشک البتہ اس میں نشانیاں ہیں اور بیشک
ہم البتہ آزمانے والے ہیں (۳۰)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قدرت کی نشانیاں اور توحید کے عقلی دلائل بیان کیے جن میں غور کرنے سے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے۔ اللہ نے انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل بیان کیے، آسمان کے طبقات اور پانی کے نزول کا ذکر کیا۔ زمین میں پانی کی ذخیرہ اندوزی کی طرف اشارہ کیا اور اس کے ذریعے باغات، سبزہ، پھل اور اناج کی پیدائش کو موضوع سخن بنایا۔ زیتون کے درخت کا خصوصی تذکرہ کیا کہ یہ کھانے اور مالش کرنے کے کام آتا ہے اور اس کو اللہ نے بڑا بابرکت بنایا ہے۔ پھر اللہ نے جانوروں کا ذکر کیا کہ اس نے اپنی قدرتِ تامہ سے جانوروں کے پیٹوں میں دودھ جیسا لذیذ اور غذائیت سے بھرپور مشروب پیدا کیا ہے جو تم استعمال کرتے ہو۔ اس کے علاوہ جانوروں سے بے شمار دیگر فوائد بھی حاصل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کشتیوں کی افادیت بھی بیان کی جو قدیم زمانے سے انسانوں کے لیے نقل و حمل کا کام دے رہی ہیں۔ اِن تمام چیزوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے دلائلِ قدرت اور دلائلِ توحید کے طور پر کیا۔

کشتی کے ذکر سے متصل اللہ نے آج کے درس میں حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا ہے جنہوں نے دنیا کی اولین کشتی تیار کی اور آپ کے واقعات میں اس کشتی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہاں پر اللہ نے اپنی وحدانیت کے نقلی دلائل بیان کیے کہ تمام انبیائے کرام نے سب سے پہلے اللہ کی توحید کا درس دیا۔ اور یہی چیز حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے سامنے پیش کی۔ بہرحال آج کی آیات کو گذشتہ آیت کے ساتھ کشتی کے ذکر کی مناسبت ہے۔

نوح علیہ السلام کا درسِ توحید

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ آپ صاحبِ شریعت رسول تھے اور آپ نے سب سے پہلے قوم کو توحید کی دعوت دی۔ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ کہنے لگے، اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اُسی کے سامنے سرِ نیاز خم کرو، اُسی سے اپنی مشکل کشائی اور حاجت روائی کی اُمید رکھو۔ ______ ، وہی خالق اور مالک ہے، وہی علیم کل اور قادرِ مطلق ہے۔ وہی نافع اور ضار ہے، وہی تمہاری ضروریات کو پورا کرنے والا ہے لہٰذا عبادت بھی اُسی کی کرو۔ اور یاد رکھو مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ عبادت کے لائق صرف وہی ذات ہے اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم ڈرتے نہیں؟ ان تمام تر حقائق کے باوجود کیا پھر بھی کفر اور شرک میں مبتلا ہو اور تمہیں خوف نہیں آتا کہ قیامت والے دن خدا تعالیٰ کو کیا جواب دو گے؟

قوم کا جواب

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوتِ توحید کے جواب میں فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ کہا سربرآوردہ لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا آپ کی قوم میں سے۔ یعنی سردارانِ قوم نے دعوتِ توحید پر اپنا ردِ عمل اس طرح ظاہر کیا، کہنے لگے مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ شخص تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہے جو تمہیں ایک خدا کی طرف بلا رہا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے خود ساختہ معبودان ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑ دو، یہ تمہارے کسی کام نہیں آسکتے، اور ساتھ ساتھ اپنی رسالت کا دعویٰ بھی کرتا ہے بھلا ہم اپنے جیسے ایک انسان کو کس طرح خدا کا فرستادہ رسول تسلیم کر لیں يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ اس کی ساری تبلیغ کا مقصد یہ ہے کہ یہ شخص تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے ہم اس کی رسالت کو نہیں مانتے کیونکہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنانا چاہتا تو اپنے

فرشتوں کو اس کام پر مامور کرتا۔ بھلا ایک معمولی انسان کو یہ فرض کیسے تفویض
کیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب اللہ نے دوسرے مقام پر دیا ہے قُلْ لَّوْ كَانَ
فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ
السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل - ۹۵) اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے
تو ہم اُن کی طرف لازماً کسی فرشتے کو ہی رسول بنا کر بھیجتے۔ چونکہ اس زمین پر انسان
آباد ہیں، لہٰذا اُن کی طرف انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ بہر حال ان کا اعتراض
یہ تھا کہ انسان رسول نہیں ہو سکتا۔ ان کی دلیل یہ تھی مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ
اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ کہ ہم نے تو اپنے پہلے آباؤ اجداد سے یہ بات نہیں سنی
کہ کوئی انسان بھی خدا کا رسول ہو سکتا ہے۔ کہنے لگے بات یہ ہے اِنْ هُوَ
اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ کہ یہ شخص تو مجنون معلوم ہوتا ہے جو اپنے ہوش و
حواس کھو بیٹھا ہے اور اس قسم کی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے اس معاملے میں انہوں
نے فیصلہ کیا فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ کچھ عرصہ تک اس معاملے
میں انتظار کرو اور دیکھو۔ چند دن کی بات ہے یا تو یہ ٹھیک ہو جائیگا یعنی
اس کا پاگل پن دور ہو جائیگا یا پھر خود بخود ختم ہو جائے گا۔

نوحؑ کی دعوت اور خدا کا جواب

حضرت نوح علیہ السلام طویل عرصہ تک قوم میں تبلیغ کرتے رہے اور خدائے
وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتے رہے مگر قوم نے آپ کی بات نہ مانی۔
آخر ساڑھے نو سو سال تک تبلیغ حق میں شب و روز ایک کر دینے کے بعد اللہ
کے نبی اللہ کے حضور اسی طرح دست بدعا ہوئے قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ
بِمَا كَذَّبُوْنِ کہنے لگے اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس وجہ
سے کہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلایا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب
آیا فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ ہم نے اُس کی طرف وحی کی اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ
بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا کہ ہمارے سامنے ہمارے حکم سے ایک کشتی تیار کرو۔
فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آجائے

اور تنور ابلنے لگے۔ تنور مٹی کی اس بھٹی کو کہتے ہیں جس میں روٹی پکائی جاتی ہے عربی، فارسی، پنجابی، اردو وغیرہ میں یہ لفظ یکساں معنی میں استعمال ہوتا ہے یہ کونسا تنور تھا جس کے جوش مارنے کی بات ہو رہی ہے؟ مفسرین کرام اس کی مختلف توجیہات بیان کرتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا کے زمانے کا تنور تھا جس میں پانی نے جوش مارا تھا اور یہ قوم کی ہلاکت کی نشانی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی خاص چشمہ تھا، بعض نے تنور کا معنی سطح ارض بھی کیا ہے کہ جب سطح ارض سے پانی نکلنا شروع ہو جائے گا تو فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ تو اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں کا جوڑا جوڑا سوار کر لینا۔ اور ساتھ ہی وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ اپنے گھر والوں کو بھی بٹھا لینا سوائے ان کے کہ جن کے بارے میں پہلے بات ہو چکی ہے کہ وہ نافرمان ہیں اور دیگر نافرمانوں کے ساتھ ہی غرق ہو جائیں گے، ان میں ایک بیوی اور ایک نافرمان بچہ تھا۔ اللہ نے تنبیہ بھی کر دی وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا اور میرے ساتھ ان لوگوں کے متعلق بات نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا ہے إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ، کیونکہ وہ تو لازماً پانی میں ڈبوئے جانے والے ہیں۔ یہ نافرمان عذاب الٰہی میں مبتلا ہو کر رہیں گے، لہٰذا ان کے بارے میں مجھ سے کوئی سفارش نہ کرو۔

فرمایا فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ جب تم اور تمہارے ساتھی اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ ساتھیوں میں تمام اہل ایمان اور گھر والے تھے جن کی تعداد ستر اور اسی کے درمیان بتائی جاتی ہے۔ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ تو پھر اس طرح کہنا سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے ہیں جس نے ہمیں اس ظالم قوم سے نجات دی۔ یہ لوگ ہر آن تکلیفیں دیتے تھے اور ٹھٹھا کرتے تھے

اللہ نے ان سے اہل ایمان کو بچالیا۔ اس واقعہ کی بہت سی تفصیلات، سورۃ اعراف، سورۃ ہود، سورۃ نوح اور دیگر سورتوں میں موجود ہیں، تاہم اس مقام پر دلائل توحید کے طور پر مختصر بیان ہے۔

دعا بوقت نزول از کشتی

زمین و آسمان سے پانی پھوٹ پڑا، طوفان آگیا جس میں سارے مکذبین ہلاک ہو گئے۔ کشتی چلتی رہی جب تک اللہ کو منظور تھا۔ پھر وہ جودی پہاڑ پر ٹک گئی تو اللہ نے اپنے نبی کو اس سے اترنے کا حکم دیا اور ساتھ یہ دعا سکھلائی وَقُل رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا اے اللہ مجھے اس کشتی سے اتار دے بابرکت اتارنا مُنزَلًا کا لفظ دو طریقے سے پڑھا جاتا ہے۔ اگر مُنزَلًا یعنی زا کی زبر کے ساتھ ہو تو یہ مصدر ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے۔ کہ اے پروردگار! اتار مجھے برکتوں والا اتارنا۔ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ جب نوح علیہ السلام کشتی سے اترے تو یہ دعا آپ کی زبان پر جاری ہو گئی جس کا مطلب یہ ہے کہ مولا کریم! زمین پر واپس اُتار کر مجھے زندگی کی تمام سہولتیں اور نیکی حاصل ہو جائے جس میں تیری رضا شامل ہو اور اگر مَنزِلًا یعنی زا کی زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کا معنیٰ ٹھکانا ہو گا یعنی اے اللہ مجھے اچھے ٹھکانے پر اتارنا جہاں تمام سہولتیں اور نیکی کے کام میسر ہوں۔ وَأَنتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے، لہٰذا تیرے ہی سامنے دست سوال دراز کرتا ہوں۔

نشانات قدرت

فرمایا، یاد رکھو! إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ اس سارے واقعہ میں نشانات قدرت موجود ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین آتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی طویل جد و جہد محض اس لیے تھی کہ لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف دعوت دی جائے اور انہیں سمجھایا جائے کہ تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تم نے جن ہستیوں کو معبود بنا رکھا ہے اُن کی کوئی حیثیت نہیں وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ اور

بیشک ہم البتہ آزمانے والے ہیں۔ ابتلا کا معنی آزمائش بھی ہوتا ہے اور سزا دینا بھی، اور انعام کرنا بھی، تاہم یہاں پر مبتلائے عذاب کرنے والی بات زیادہ قرین قیاس ہے کہ دیکھو ہم نافرمانوں کو کس طرح سزا دیتے ہیں اور قوم نوح کا کیا حشر ہوا۔ انہوں نے توحید خداوندی کا انکار کیا تو پانی میں غرق کر دیے گئے۔

ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرۡسَلۡنَا
فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ
اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۳۲﴾ ع وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِهِ ع ٢
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ وَاَتۡرَفۡنٰهُمۡ
فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ۙ يَاۡكُلُ
مِمَّا تَاۡكُلُوۡنَ مِنۡهُ وَيَشۡرَبُ مِمَّا تَشۡرَبُوۡنَ ﴿۳۳﴾
وَلَئِنۡ اَطَعۡتُمۡ بَشَرًا مِّثۡلَكُمۡ اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۳۴﴾
اَيَعِدُكُمۡ اَنَّكُمۡ اِذَا مِتُّمۡ وَكُنۡتُمۡ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمۡ
مُّخۡرَجُوۡنَ ﴿۳۵﴾ هَيۡهَاتَ هَيۡهَاتَ لِمَا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۳۶﴾
اِنۡ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنۡيَا نَمُوۡتُ وَنَحۡيَا وَمَا نَحۡنُ
بِمَبۡعُوۡثِيۡنَ ﴿۳۷﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ
كَذِبًا وَّمَا نَحۡنُ لَهٗ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِىۡ
بِمَا كَذَّبُوۡنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيۡلٍ لَّيُصۡبِحُنَّ نٰدِمِيۡنَ ﴿۴۰﴾
فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ بِالۡحَـقِّ فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً ۚ فَبُعۡدًا
لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ :- پھر اٹھائیں ہم نے اُن کے بعد دوسری قومیں ﴿۳۱﴾

پس بھیجا ہم نے اُن کے اندر رسُول اُن میں سے۔ (اس نے
تعلیم دی) عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی۔ نہیں ہے تمہارے لیے
کوئی معبود اُس کے سوا ، کیا تم ڈرتے نہیں ؟ (۳۲) اور کہا سرآورہ
لوگوں نے اس کی قوم میں سے جنھوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلایا
تھا آخرت کی ملاقات کو۔ اور ہم نے اُن کو آسودگی بخشی تھی
دنیا کی زندگی میں۔ (انھوں نے کہا) نہیں ہے یہ مگر ایک
انسان تمھارے جیسا ، یہ کھاتا ہے اُن چیزوں سے جن سے تم
کھاتے ہو ، اور پیتا ہے اُس میں سے جو تم پیتے ہو (۳۳)
اور اگر تم نے اطاعت کی ایک انسان کی اپنے جیسے ، تو
بیشک البتہ تم نقصان اٹھانے والے ہو گے (۳۴) کیا یہ وعدہ
کرتا ہے تم سے کہ جب تم مرجاؤ گے اور ہو جاؤ گے
مٹی اور ہڈیاں ، تو کیا تم دوبارہ نکالے جاؤ گے ؟ (۳۵)
بعید ہے یہ بات بعید ہے جس کا تم سے وعدہ کیا
جاتا ہے (۳۶) نہیں ہے یہ مگر ہماری صرف دنیا کی زندگی
ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اِس میں۔ اور نہیں ہم
دوبارہ اٹھائے جائیں گے (۳۷) نہیں ہے یہ شخص مگر
اس نے افترا، باندھا ہے اللہ پر جھوٹ۔ اور نہیں ہیں
ہم اس کی بات کی تصدیق کرنے والے (۳۸) کہا اُس (اللہ
کے رسول) نے ، اے میرے پروردگار ! میری مدد فرما اس
وجہ سے کہ انھوں نے مجھے جھٹلایا ہے (۳۹) فرمایا (اللہ نے)
تھوڑے وقفے کے بعد ضرور ہو جائیں گے یہ پشیمان
ہونے والے (۴۰) پس پکڑا اُن کو ایک چیخ نے حق کے

ساتھ۔ پس کر دیا ہم نے اُن کو کوڑا کچرا۔ پس ہلاکت ہے
اُس قوم کے لیے جو ظلم کرنے والی ہے (۴۱)

ربطِ آیات

گذشتہ دروس میں پہلے توحید باری تعالیٰ کے عقلی دلائل پیش کیے گئے اور پھر نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہوا۔ انہوں نے بھی لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دی اور فرمایا یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ کافروں نے نوح علیہ السلام پر یہ اعتراض کیا کہ یہ تو ہمارے جیسا انسان ہے، بھلا ہم اِس کو اللہ کا رسول کیسے تسلیم کر لیں انہوں نے آپ کی بات سننے کی بجائے آپ کو ہر طرح سے تنگ کیا۔ نوح علیہ السلام نے طویل عرصہ تک تبلیغی جدوجہد کے بعد اللہ تعالیٰ سے نجات کی درخواست کی تو اللہ نے کشتی بنانے اور اُس میں ہر جاندار کا جوڑا جوڑا نیز اپنے اطاعت گزار گھر والوں کو سوار کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ پھر اللہ نے ایسا طوفان بھیجا کہ ساری قوم غرق ہو گئی جن میں نوح علیہ السلام کی بیوی اور بیٹا بھی شامل تھا، اور صرف وہی چند لوگ بچے جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔

قومِ عاد یا ثمود کا تذکرہ

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد یا قومِ ثمود کا ذکر کیا ہے قومِ عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو اللہ نے مبعوث فرمایا اور قومِ ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مامور کیا گیا۔ اِن دونوں اقوام کا مفصل تذکرہ سورۃ اعراف، سورۃ ہود، سورۃ الشعراء وغیرہ میں موجود ہے تاہم اِن آیات میں نہ تو کسی قوم کو نامزد کیا گیا ہے اور نہ اُن کی طرف مبعوث ہونے والے نبی کا اسمِ گرامی ذکر کیا ہے نفسِ مضمون وہی ہے جو گذشتہ درس میں حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق بیان ہو چکا ہے البتہ اِس درس کی آخری آیت میں لفظ اَلصَّيْحَةُ سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ

قومِ ثمود کا ذکر ہے جنکی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اور جب یہ قوم حد سے بڑھ گئی تو اللہ نے نیچے سے زلزلہ اور اُوپر سے ایک خوفناک چیخ بھیج کر سب کو ختم کر دیا۔ تاہم اس سے مطلق عذاب بھی مراد لیا جا سکتا ہے، جیسے سورۃ یٰس میں ہے اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خَامِدُوْنَ (آیت - ۲۹)

ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ یعنی قومِ نوح ؑ کی ہلاکت کے بعد ہم نے اور بھی قومیں اٹھائیں۔ قرن کا اطلاق ایک صدی پہ ہوتا ہے، تاہم اس سے چالیس سال، اسی سال اور ایک سو بیس سال کا عرصہ بھی مراد لیا جاتا ہے۔ یہ لفظ ایک عمر یا سنگت کے دور پر بھی بولا جاتا ہے۔ تو پھر ہم نے اور قوموں کو اٹھایا فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اور اُن کی طرف انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ اس سے مراد حضرت ہود ؑ یا صالح ؑ ہیں جو کہ اپنی اپنی قوم کے ہی فرد تھے، اور دونوں نے ایک ہی پیغام پہنچایا جو کہ توحید کا پیغام تھا، مگر اُن کی قوموں نے اُن کی دعوت قبول کرنے کی بجائے اُن کے ساتھ سخت بدسلوکی کی ہے اور اُن کو تکلیفیں پہنچائیں۔ قومِ نوح کے بعد قومِ عاد یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کو عروج نصیب ہوا، اور پھر اُس کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کی قومِ ثمود برسرِ اقتدار آئی۔ اگرچہ دونوں قوموں کے زمانے مختلف ہیں مگر دونوں قومیں ایک جیسے حالات سے گزریں اور انہوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ بھی تقریباً ایک جیسا سلوک کیا۔ یہ دونوں متمدن قومیں تھیں جو جسمانی اور مالی لحاظ سے بڑی مضبوط تھیں، اسی لیے انہوں نے اللہ کے نبیوں کی تکذیب کی۔

دعوتِ توحید اور قوم کا جواب

فرمایا، ہم نے اُس قوم کی طرف جو نبی بھیجا اُس نے قوم سے کہا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اَفَلَا تَتَّقُوْنَ

کیا تم ڈرتے نہیں ؟ خدا کی وحدانیت کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو کیا تمھیں خدا تعالیٰ کی گرفت کا خوف نہیں ہے۔

اس کے جواب میں وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کہا آپ کی قوم کے سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ اور آخرت کی ملاقات کو بھی جھٹلایا، مطلب یہ کہ قوم ہود یا قوم ثمود کے ان سربرآوردہ لوگوں نے نبی کی دعوت کا جواب دیا جنہوں نے ایک تو کفر کا ارتکاب کیا یعنی توحید خداوندی کو نہ مانا اور دوسرے قیامت اور جزائے عمل کا انکار کیا۔ یہ ایسے لوگ تھے وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ حال بنایا تھا۔ یہ بڑے خوشحال لوگ تھے جنہیں دنیا کی تمام آسائشیں حاصل تھیں۔ کہنے لگے مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ نہیں ہے یہ مگر تمھارے جیسا ایک انسان۔ صاحب ثروت لوگوں نے عام لوگوں کو نبی سے بدظن کرنے کے لیے یہ پٹی پڑھائی کہ یہ کیسے نبی ہو سکتا ہے، یہ تو تمھارے جیسا عام انسان ہے۔ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ شخص بھی وہی کچھ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ اور وہ چیز پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ اگر یہ اللہ کا رسول ہوتا تو اس کا کھانا پینا، بیٹھنا اٹھنا، سونا جاگنا اور دیگر معمولات تم سے مختلف ہوتے بھلا ایک انسان کے دعویٰ نبوت کو ہم کیسے تسلیم کر لیں۔ کہنے لگے اس کی بات ہرگز نہ ماننا۔ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اگر تم نے اپنے جیسے انسان ہی کی اطاعت اختیار کر لی اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ تو ضرر (نقصان) اٹھانے والے بن جاؤ گے۔ غرضیکہ قوم کے لوگوں نے اس نبی کی اطاعت کا انکار کر دیا جو کمال اخلاق، کمال دیانت اور کمال امانت کا مالک ہوتا ہے۔

اس کا کردار اس قدر شفاف ہوتا ہے کہ کوئی اس کی طرف انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ اور اس نبی کی تعلیم ہمیشہ یہ ہوتی ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ

(الشعرآ - ۱۲۶) لوگو! اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اس طرح نبی کی اطاعت فرض ہوتی ہے مگر اِن لوگوں نے کہا کہ اگر اِس کی اطاعت کرو گے تو خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

اتراف کے نقصانات

اِن آیات میں آمدہ الفاظ مَلَا اور اُتْرِفْتُمْ قابلِ غور ہیں مَلَا سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق کے مخالفین اکثر بڑے لوگ ہی ہوتے ہیں جو یا تو قوم یا قبیلے کے سردار ہوتے ہیں یا پھر حکومت میں صاحب اقتدار ہوتے ہیں۔ گمراہی کا دوسرا سبب اتراف یعنی آسودہ حالی ہے۔ مالدار لوگ بھی اپنے عیش و عشرت میں ہی لگے رہتے ہیں اور انہیں زندگی میں کسی قسم کا انقلاب منظور نہیں ہوتا کیونکہ انقلاب کے ذریعے اُن کے آرام و آسائش میں فرق آنے کا خطرہ ہوتا ہے امام شاہ ولی اللہؒ اس کو رفاہیتِ بالغہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ آپ کے نظریہ کے مطابق قیصر و کسریٰ اسی رفاہیت بالغہ میں مبتلا تھے اور یہی چیز مہلک ہے غلط نظام کی یہی قباحت ہے کہ حکومتیں اپنی عیاشی کے لیے زیادہ سے زیادہ ٹیکس لگاتی ہیں اور مالدار لوگ اپنے مال کے بل بوتے پر سامان تعیش حاصل کرتے ہیں۔ پھر متوسط طبقہ امراء کی اقتداء میں ہر جائز اور ناجائز طریقے سے وہی سہولتیں حاصل کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ادنیٰ طبقہ ظلم کی چکی میں پستا رہتا ہے۔ اُن سے جانوروں کی طرح کام تو لیا جاتا ہے مگر معاوضہ پورا نہیں دیا جاتا۔ ان بیچاروں کو اتنی بھی فرصت نہیں ملتی کہ آخرت کے بارے میں بھی کچھ غور و فکر کر سکیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جس طرح رفاہیت بالغہ غلط ہے اسی طرح تقشف بھی غلط ہے۔ ملنگ بن کر خدا کے خلاف جوگیانہ یا راہبانہ زندگی بسر کرنا اتراف کا الٹ ہے۔ نہ تو بہت زیادہ عیش و آرام کی زندگی ہونی چاہیئے اور نہ بالکل تارکِ دنیا ہی ہو جانے۔ بلکہ درمیانہ راستہ ہی بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے قیصر و کسریٰ کا اترافی نظام نبی آخر الزمان علیہ السلام کے ذریعے ختم کر دیا مترف لوگ اپنی روش کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور حق کی مخالفت میں پیش پیش

رہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا حاکم مقرر کر کے رخصت کرتے وقت جو نصائح فرمائی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی ایاك والتنعم فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ عیش و عشرت سے بچو کیونکہ اللہ کے بندے عیش و عشرت میں نہیں پڑتے۔ شاہ ولی اللہ رح یہ بھی فرماتے ہیں، کہ جس شہر کی آبادی دس ہزار نفوس تک بڑھ جائے وہاں اختیار کیے جانے والے پیشوں پر بھی نظر رکھنی چاہیئے اور ضروری ہے کہ حکومت ان میں توازن پیدا کرے۔ اچھے پیشوں کو اختیار کرنے کے لیے سہولتیں فراہم کی جائیں، اور برے پیشوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ اگر اس طرف سے غفلت برتی گئی تو لوگوں میں اتراف پیدا ہو جائے گا۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ اب دنیا میں ترقی کا معیار عیش و عشرت ہی رہ گیا ہے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے بڑے بڑے منصوبے بنائے جاتے ہیں اور پھر مشورے بھی ان ممالک سے لیے جاتے ہیں جو نام نہاد ترقی یافتہ ہیں اور جنہوں نے اتراف کو ترقی کا معیار بنا رکھا ہے يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ (روم - ۷) وہ دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو تو خوب جانتے ہیں، اس کے نفع نقصان سے بھی بخوبی واقف ہیں مگر آخرت سے یکسر غافل ہیں۔ ان کا جغرافیہ اسی مادی حیات پر ختم ہو جاتا ہے جو اتراف کا لازمی نتیجہ ہے۔

مشرق کے ترقی پذیر ممالک میں عام لوگ صحت اور تعلیم جیسی بنیادی سہولتوں سے بھی محروم ہیں۔ انہیں معیاری خوراک، پانی اور رہائش تک میسر نہیں غرباء کو پلاٹ دینے کا وعدہ محض پراپگنڈا ہے۔ سرمایہ دار اور صاحبانِ اقتدار تو کاروں اور کوٹھیوں کی زندگی بسر کرتے ہیں جب کہ ایک عام آدمی کم از کم ضروری تعلیم بھی حاصل نہیں کر پاتا۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ہمارے ملک کی صرف تیس فیصد آبادی تعلیم یافتہ ہے جب کہ ستر فیصد بالکل جاہل ہیں۔ کیا ان کے

حقوق کی ادائیگی حکومتِ وقت کا فرض نہیں؟ پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے بیرونِ ملک بھیجا جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعلیم حاصل کرنے والا انہی کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور جو تھوڑا بہت دین لے کر جاتا ہے، وہ بھی وہیں چھوڑ آتا ہے فنی تعلیم کے لیے بیرونِ ملک بھیجنے کی بجائے باہر سے ماہرین تعلیم منگوائے جاسکتے ہیں تاکہ ہماری نوجوان نسل کا ماحول تو تبدیل نہ ہو بہرحال یہ سب اتراف کے ذرائع اور معاشرے کی خرابی کے ذمہ دار ہیں۔

بعث بعد الموت کا انکار

بات انکارِ رسالت کی چل رہی تھی کہ قوم عاد یا ثمود نے اپنے نبی کی نبوت کا اس لیے انکار کر دیا کہ یہ ہمارے جیسا انسان ہے اور ہماری طرح کھاتا پیتا ہے اور دوسری بات یہ کہ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ جو شخص یہ وعدہ بھی کرتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی اور ہڈیاں بن جاؤ گے تو پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے نکالا جائیگا۔ قوم کے سردار کہنے لگے کہ دیکھو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ سورۃ الٓمٓ سجدہ میں منکرین بعث کا بیان یوں نقل کیا گیا ہے ءَ اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَ اِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ (آیت ۔ ۱۰) کیا جب ہم مٹی میں رل مل جائیں گے تو ہم نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے۔ سورۃ النّٰزعٰت میں ہے ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (آیت ۔ ۱۱) کیا جب ہم بھربھری ہڈیاں ہو جائیں گے تو پھر بھی جی اٹھیں گے؟ غرضیکہ انہوں نے حیات بعد الممات کا انکار کیا اور کہنے لگے هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یعنی مر کر دوبارہ جی اٹھو گے، یہ بات بالکل بعید ہے، ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ ساتھ یہ بھی کہا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا ہماری تو صرف اسی دنیا کی زندگی ہے، ہم اس سے پرے کسی زندگی کو نہیں مانتے نَمُوْتُ وَنَحْيَا ہم اسی دنیا میں مرتے ہیں اور اسی میں جیتے ہیں وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ

اور دوبارہ بالکل نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ سب اس شخص کی خود ساختہ باتیں ہیں۔ نہ کوئی برزخ ہے، نہ آخرت، نہ حشر ونشر ہے اور نہ کوئی دوزخ جنت۔ اسی دنیا میں انسان پیدا ہوتے ہیں اور پھر طبعی عمر پوری کر کے ختم ہو جاتے ہیں۔ آگے کچھ نہیں ہے۔

نبی پر الزام تراشی

توحید خداوندی اور معاد کے منکرین اور انحراف کرنے والے لوگ نبی کی نبوت کا تو پہلے ہی انکار کر چکے تھے کہ ایک انسان نبی کیسے ہو سکتا ہے اب اس پر الزام تراشی بھی شروع کر دی۔ کہتے اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا یہ ایک ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر افتراء باندھا ہے جھوٹ کہتا ہے کہ خدا نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے گا، یہ بالکل جھوٹ ہے (نعوذ باللہ) جو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے وَمَا نَحۡنُ لَهٗ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ہم اس شخص کی بات پر یقین کرنے والے نہیں ہیں۔

دوسرے مقام پر اللہ نے بشریت رسول کے منکرین کو مدلل جواب دیا ہے۔ کہ جس شخص سے کوئی دوسرا شخص فائدہ اٹھاتا ہے ان دونوں کے درمیان مناسبت ہونا ضروری ہے ورنہ وہ ایک دوسرے سے مستفید نہیں ہو سکیں گے۔ انسانوں کو وحی الٰہی کا علم اور اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین نبی سے سیکھنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر نبی انسان نہیں ہوگا تو دوسرے انسان اس سے فائدہ کیسے اٹھا سکیں گے۔ ایسی صورت میں تو غیر جنس کا اسوۂ حسنہ بھی اختیار نہیں کیا جا سکے گا تو پھر کامیابی کیسے حاصل ہو گی؟ منکرین کا مطالبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیجتا۔ ظاہر ہے کہ اگر اللہ کسی فرشتے کو بھیجتا تو انسانی شکل میں ہی بھیجتا کیونکہ عام انسانوں میں یہ تاب ہی نہیں کہ وہ فرشتے کو اصلی شکل میں دیکھ سکیں۔ اور جب وہ انسان کی صورت میں آتا تو مسئلہ پھر وہی پیدا ہو جاتا۔ کہ یہ تو انسان ہے، ہم اس کا اتباع کیوں کریں۔

لہٰذا انسانوں کی راہنمائی کے لیے نبی کا انسان ہونا ہی ضروری ہے جس میں تمام لوازمات بشری پائے جائیں تاکہ لوگ اس کا نمونہ اختیار کر سکیں۔

نبی کی دُعا اور عذاب الٰہی

جب نبی اور امت کے درمیان خلیج اس حد تک وسیع ہو گئی کہ اس کا پاٹنا ناممکن نظر آنے لگا تو نبی نے دعا کی۔ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ یہ مجھے تکلیفیں پہنچا رہے ہیں۔ نہ خود مانتے ہیں اور نہ دوسروں کو قریب آنے دیتے ہیں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ صبر کرو، تھوڑے عرصہ کے بعد یہ خود ہی پشیمان ہو جائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آئے گی اور ان کے حواس درست ہو جائیں گے اور پھر ایسا ہی ہُوا فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ پس پکڑا اُن کو ایک چیخ نے حق کے ساتھ۔ جب خدا نے گرفت کی تو پھر نیچے سے زلزلہ آیا۔ اور اُوپر سے ایک خوفناک چیخ سنائی دی جس سے مکذبین کے جگر پھٹ گئے فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً پھر ہم نے اُن کو بنیں کیا کوڑا کچرا بنا ڈالا جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ بڑے مغرور تھے، مال و دولت کی فراوانی تھی، اسراف و تبذیر کا شکار تھے اپنے زعم میں بڑے باعزت اور نامور تھے مگر اللہ نے انہیں کوڑا کچرا بنا کر رکھ دیا۔ فرمایا فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ پس تباہی اور بربادی ہے ظالم قوم کے لیے۔ کفر شرک دنیا میں سب سے بڑا ظلم ہے۔ اللہ نے فرمایا وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (البقرہ - ٢٥٤) کافر ہی ظالم ہیں۔ نیز فرمایا إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ (لقمان - ١٣) شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ گویا خدا کی وحدانیت سے انکار شدید ترین ظلم ہے۔ بہرحال اللہ نے اِن آیات میں نبی کا نام لیے بغیر اُس کی قوم کا سلوک بیان کر دیا ہے۔ پروگرام اِس نبی کا بھی وہی تھا جو دوسرے نبیوں کا تھا کہ لوگو! عبادت صرف اللہ کی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی

معبود نہیں۔ اسی مضمون کو نبی آخر الزمان علیہ السلام نے بھی پیش کیا۔ آگے اسی سلسلہ میں مزید انبیاء علیہم السلام کا ذکر آرہا ہے۔

درس ششم ۶ آیت ۴۲ تا ۵۰

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ
مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا
رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ
فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا
لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ
هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾
فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾
فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا
مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ
مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ
قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ ع ۳ ۳

ترجمہ:- پھر پیدا کیں ہم نے اُن کے بعد اور قومیں ﴿۴۲﴾
نہیں سبقت کرتی کسی امت سے اُس کی ٹھہرائی ہوئی
موت اور نہ وہ پیچھے ہوتے ہیں ﴿۴۳﴾ پھر ہم نے
بھیجا اپنے رسولوں کو لگاتار۔ جب بھی کسی امت کے پاس
اُس کا رسُول آتا تھا، تو وہ اُس کو جھٹلاتے تھے۔ پھر ہم

نے ان میں سے بعض کو بعض کے پیچھے لگایا ، اور ہم نے
اُن کو کر دیا افسانے ، پس ہلاکت ہے اُن لوگوں کے لیے جو
ایمان نہیں لاتے (۴۴) پھر ہم نے بھیجا موسیٰ علیہ السلام اور اُن
کے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے
ساتھ (۴۵) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف ۔ پس تکبر
کیا انہوں نے ، اور تھے وہ لوگ مغرور (۴۶) پھر انہوں
نے کہا ، کیا ہم ایمان لائیں اِن دو آدمیوں پر جو ہمارے
جیسے ہیں ، اور اُن کی قوم ہماری غلام ہے (۴۷) پس جھٹلایا
انہوں نے ان دونوں کو ۔ پس ہو گئے وہ ہلاک ہونے
والوں میں (۴۸) اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب
تاکہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں (۴۹) اور بنایا ہم نے مریم کے
فرزند اور اُس کی والدہ کو ایک نشانی ۔ اور ہم نے اُن کو
ٹھکانا دیا ایک اونچی جگہ جو برابر تھی اور ستھرے پانی والی (۵۰)

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے درسِ توحید کا ذکر کیا ، اور یہ بھی کہ قوم نے آپ کے ساتھ بدسلوکی کی جس کے نتیجے میں ساری قوم طوفان میں غرق ہوگئی ۔ اِس کے بعد اللہ نے ایک دوسرے رسول کا ذکر کیا ، اس نے بھی لوگوں کو وہی درس دیا جو پہلے انبیاء دیتے آئے تھے یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ لوگو! اللہ کی عبادت کرو کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ، مگر اس قوم نے بھی رسول اور توحید کا انکار کیا اور اپنے کفر و شرک پر ہی اڑی رہی ۔

اِس قسم کے منکرین اور مکذبین اکثر آسودہ حال لوگ تھے جنہیں اپنے وقت میں زندگی کی تمام سہولتیں حاصل تھیں ۔ ایسے لوگوں نے ہمیشہ اللہ کے نبیوں کی توہین کی اور کہا کہ تم تو ہمارے جیسے انسان ہو ، ہم تمہاری پیروی کیوں کریں ؟ اس پر اللہ کے

نبیوں نے خدا کی بارگاہ میں درخواست پیش کی اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔ اللہ نے ظالم لوگوں پر اتنا سخت عذاب نازل فرمایا کہ انہیں صفحہ ہستی سے ناپید کر دیا۔

قوموں کا عروج و زوال

اب آج کے درس میں بھی بعض قوموں کے غرور و تکبر اور ان کی تباہی کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پھر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کا مختصر تذکرہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ پھر اُن کے بعد ہم نے بعض دیگر قوموں کو اٹھایا یعنی دنیا میں عروج دیا۔ پھر اِن قوموں نے بھی اللہ کے نبیوں کی تکذیب کی اور توحیدِ الٰہی سے انکار کیا، تو وہ بھی عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو کر نیست و نابود ہو گئیں، اللہ نے فرمایا کہ ہر نافرمان قوم کی سزا کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ کوئی قوم یا امت اپنے مقررہ وقت سے نہ تو سبقت کرتی ہے اور نہ پیچھے ہوتی ہے بلکہ عین وقتِ مقررہ پر تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

فرمایا ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا پھر ہم نے بھیجے اپنے رسول لگاتار، پے در پے۔ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ جب بھی کسی قوم کے پاس اُس کا رسول آیا، انہوں نے اُسے جھٹلا دیا۔ تاریخ انسانی بتاتی ہے کہ ہر نبی کا اتباع بہت تھوڑے لوگوں نے کیا اور اُن کی غالب اکثریت نے رسولوں کی مخالفت ہی کی۔ فرمایا فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا پھر ہم نے اُن کے بعض کو بعض کے پیچھے لگایا، یعنی پہلے لوگوں کو اُن کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک کر کے اُن کی جگہ دوسروں کو کھڑا کیا۔ پھر انہوں نے بھی نافرمانی کی تو اُن کو بھی اس طور پر نیست و نابود کیا وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ کہ انہیں قصہ کہانی یا افسانہ بنا کر رکھ دیا۔ اُن کا فردِ واحد بھی دنیا میں زندہ نہ رہا اور قوم کا نام و نشان محض قصے کہانیوں میں محدود ہو کر رہ گیا۔

لوگ تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ کسی زمانے میں فلاں قوم فلاں جگہ پر آباد تھی۔ آمدہ نسلوں نے ان کی بستیوں کے کھنڈرات میں سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ان کے آثار نکالے اور انہیں عجائب گھروں کی زینت بنا دیا۔ فرمایا فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُونَ پس ہلاکت اور تباہی ہے، خدا کی رحمت سے دوری ہے ایسی قوم کے لیے جس کے افراد ایمان نہیں لاتے۔

موسیٰ اور ہارونؑ کی بعثت

اللہ نے فرمایا کہ جب سابقہ ادوار گذر گئے، نافرمانوں کو سزا مل چکی تو پھر آخر میں ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوۡنَ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو بھیجا بِاٰيٰتِنَا وَسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا جیسے واضح معجزات عطا فرمائے جن کا قوم کوئی جواب نہ دے سکی بلکہ آپ کا مقابلہ کرنے والے چوٹی کے جادوگر مغلوب ہوگئے اور وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف۔ موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں بھائی تھے اللہ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور ان کی درخواست پر ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا کی۔ اللہ نے ان دونوں کو فرعون اور اس کے حواریوں کی طرف بھیجا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ابتدائی طور پر فرعون کی قبطی قوم کی طرف تھی اور آپ کو بنی اسرائیل کی آزادی اور ان کی اصلاح کے کام پر بھی مامور کیا گیا اس طرح آپ قبطی اور بنی اسرائیل دونوں کی طرف رسول تھے۔ اللہ نے فرمایا اِذۡهَبۡ اِلٰى فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰى (آیت ۱۷) فرعون کی طرف جاؤ کہ وہ سرکش ہو چکا ہے اور اس نے اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى (النّٰزعٰت۔ ۲۴) کا نعرہ لگایا ہے۔ اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا ہے۔ جا کر اس کو خدا کا پیغام سناؤ اور توحید کی دعوت دو۔ اللہ کے حکم کے مطابق جب اللہ کے دونوں نبی فرعون اور اس کی قوم کے پاس پہنچے، انہیں توحید خالص کی دعوت دی۔

فَاسْتَكْبَرُوْا تو انہوں نے تکبر کیا۔ اللہ کے نبیوں کو حقیر جانا اور ان کی دعوت کا مذاق اڑایا۔ اللہ نے فرمایا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ یہ بڑے مغرور لوگ تھے، اپنے آپ کو دوسروں سے بلند و برتر سمجھتے تھے۔ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں۔ ہماری طرح یہ بھی کھاتے پیتے چلتے پھرتے اور دیگر لوازمات رکھتے ہیں۔ ان کو ہم پر کونسی برتری حاصل ہے بلکہ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ان کی تو ساری قوم ہماری غلام ہے ہم ان بنی اسرائیل سے حسب منشا خدمت لیتے ہیں۔ بھلا ہم اپنے غلاموں کا کیسے اتباع کر سکتے ہیں؟ فَكَذَّبُوْهُمَا پس قوم نے اللہ کے دونوں نبیوں کی تکذیب کی، ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ اور ہو گئے وہ ہلاک ہونے والوں میں۔ تمام بڑے بڑے سرداروں، ان کے باڈی گارڈوں اور دوسرے لوگوں کو سمندر میں غرق کر دیا گیا اور اللہ نے ان کو ذلت ناک سزا سے دوچار کیا نبیوں کی بشریت لوگوں کے لیے ہمیشہ قابل اعتراض رہی ہے۔ کہتے تھے کہ یہ ہمارے جیسے انسان ہو کر ہمیں کیا سبق پڑھا سکتے ہیں، انہیں ہم پر کون سی برتری حاصل ہے؟ یہ بھی ہماری طرح پیدا ہوتے، فوت ہوتے زندگی میں کاروبار کرتے، چلتے پھرتے اور سودا سلف خریدتے ہیں، ہم کس بنا پر انہیں نبی تسلیم کر لیں؟ لوگوں کی بیوقوفی کی وجہ سے یہ چیز ایمان کے راستے میں ہمیشہ رکاوٹ بنی رہی ہے، مگر ان لوگوں کو سمجھ ہوتی تو وہ بعثت انبیاء کو غنیمت سمجھ کر قبول کرتے، ان کی بات کو سنتے، سمجھتے اور پھر اس پر عمل پیرا ہو جاتے کیونکہ ان کی سلامتی کا یہی ایک واحد راستہ تھا۔ اللہ نے تو نبی بھیج کر ان پر خاص مہربانی فرمائی تاکہ وہ راہ حق کو پا کر ہمیشہ کی کامیابی حاصل کر لیں۔ مگر اللہ کے اس فضل کو لوگوں نے از خود عجیب بنا لیا، اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا بلکہ مخالفت کر کے جہنم رسید ہو گئے۔

تورات کا نزول

پھر فرمایا فَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب، تورات، عطا فرمائی۔ یہ بنی اسرائیل کے لیے خصوصی اور دوسرے لوگوں کے لیے عمومی سامانِ ہدایت تھا تاکہ لوگ اس پر عمل پیرا ہو کر منزل مقصود تک پہنچ جائیں اور انہیں فلاح حاصل ہو جائے۔ یہ اس دور کی عظیم الشان کتاب تھی جس کے لیے خود بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے قانون کی کوئی کتاب نازل کرنے کی درخواست کریں جس پر ہم آزادانہ ماحول میں عمل درآمد کر سکیں۔ اور اس کتاب کا مقصد یہ تھا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ تاکہ لوگ اس کے ذریعے ہدایت حاصل کر سکیں۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ بنی اسرائیل نے اس کتاب پر کسی حد تک عمل درآمد بھی کیا مگر بعد میں انہوں نے اس میں تحریف کر کے اس کی اصل شکل و صورت کو مسخ کر دیا۔ اس کی تفصیلات قرآن پاک میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔

حضرت مسیح کا تذکرہ

سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے لہٰذا اب آخر میں اللہ نے ان کا ذکر کیا ہے وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗٓ اٰيَةً ہم نے ابن مریم یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ یعنی حضرت مریم کو قدرت کی ایک نشانی بنا دیا۔ قرآن پاک میں مسیح علیہ السلام کو ابن مریم کے نام سے ہی موسوم کیا گیا ہے اور مومن لوگ بھی آپ کو اسی نام سے یاد کرتے تھے عِیْسَی ابْنَ مَرْيَمَ یعنی اے مریم کے بیٹے عیسیٰ۔ مگر بعد میں عیسائیوں نے مشرکانہ عقیدہ اختیار کر لیا اور مسیح علیہ السلام کو کبھی خدا کہا کبھی خدا کا بیٹا اور کبھی تینوں میں تیسرا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس عقیدہ کی بار بار نفی کی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ ایک پاکباز خاتون کے فرزند تھے۔ یہ دونوں قدرت کی نشانیاں بایں وجہ تھے کہ آپ کی پیدائش غیر معمولی طریقے سے مرد کی قربت کے بغیر ہوئی۔ اور حمل کا معمول کے مطابق نو ماہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔ جونہی فرشتے نے حضرت مریم کے گریبان یا آستین

میں پھونک ماری، آپ کو حمل ٹھہر گیا اور پھر چند گھنٹوں کے اندر اندر دردِ زہ شروع ہو کر عیسٰی علیہ السلام کی ولادت ہوگئی۔ سورۃ المائدہ میں ہے وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (آیت ۔ ۷۵) آپ کی والدہ صدیقہ تھیں جو نبوت کے بعد سب سے بڑا درجہ ہے۔ کسی شخص کی نسبت اُس کی ماں کی طرف کرنے کا مطلب واضح ہے کہ وہ ایک عورت کے بیٹے تھے نہ کہ خدا تعالیٰ کے۔ پھر آپ کی بشریت کا یہ بھی ثبوت ہے کہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھاتے تھے۔ اگر خدا یا خدا کے بیٹے ہوتے تو لوازمات بشریہ سے پاک ہوتے۔ جب کھانا کھاتے تھے تو آپ کو بول و براز کی حاجت بھی ہوتی تھی۔ یہ سب انسانی لوازمات ہیں جنہیں خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بڑی زیادتی کی بات ہے۔ بہر حال اللہ نے مختلف طریقوں سے یہ بات سمجھا دی ہے کہ مسیح علیہ السلام انسان تھے اور ان میں الوہیت والی کوئی بات نہ تھی۔ اس میں عیسائیوں کے باطل عقیدے کا رد بھی ہوگیا۔

مقام ربوہ یا رملہ

پھر انہی ماں بیٹے کے متعلق فرمایا وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ہم نے دونوں کو ایک اونچی جگہ پہ ٹھکانا دیا۔ اور یہ ایسی جگہ تھی ذَاتِ قَرَارٍ جو برابر تھی، وَّمَعِيْنٍ اور ستھرے پانی والی تھی۔ اس سے مراد وہی مقام بیت اللحم ہے جہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت ہوئی تھی۔ یہ اونچی مگر ہموار جگہ ہے اور اس کے نیچے پانی کا چشمہ بھی تھا۔ جب حضرت مریمؑ بچے کی ناگہانی پیدائش پہ پریشان ہوگئیں تو اللہ نے فرشتے کے ذریعے تسلی دی اور کہا اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا (مریم آیت ۲۴ تا ۲۶) اس کھجور کے درخت کے نیچے چلی جاؤ۔ اس کے تنے کو ہلاؤ تو تازہ کھجوریں گریں گی، نیچے پانی کا چشمہ ہے۔ ان کو کھاؤ پیو۔ اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ بہر حال بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ربوہ

سے مراد آپ کی جائے پیدائش ہے۔

بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ ولادتِ مسیح کے زمانے میں ہیرودوس نامی حاکمِ وقت کو نجومیوں نے بتایا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو بڑا ہو کر تیری سلطنت چھین لے گا۔ لہٰذا اُس نے ایسے بچے کی تلاش کے لیے نگرانی شروع کر دی۔ چنانچہ بچے کی جان کے خوف سے حضرت مریمؑ مسیح علیہ السلام کو ہمراہ لے کر شام سے مصر چلی گئیں۔ وہاں انہوں نے ایک اونچی بستی میں قیام کیا جس کے نیچے شفاف پانی کا چشمہ بھی جاری تھا۔ وہاں کے کسی زمیندار نے اُن کو دس بارہ سال تک بیٹی بنا کر رکھا۔ اس دوران ظالم بادشاہ مر گیا اور مسیح علیہ السلام بھی بچپن سے نکل کر جوانی میں پاؤں رکھنے لگے، تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر واپس شام آگئیں۔ اس بستی کا نام بعض مفسرین نے رملہ بتایا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تیری موت ربوہ کے مقام پر واقع ہوگی۔ صحابہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو رملہ کے مقام پر موت آئی جو کہ مصر کے علاقے میں ایک اونچی جگہ ہے اور جس کی آب و ہوا خوشگوار ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں یہ جگہ مسلمانوں کی چھاؤنی ہوا کرتی تھی، اس کے قریب ایک نہر بھی بہتی ہے۔ اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رملہ وہی مقام ہے جس کو قرآن پاک اور حدیث میں ربوہ کا نام دیا گیا ہے۔ بہر حال وہ بیت المقدس تھا یا رملہ کی بستی تھی جس کے متعلق اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ ہم نے دونوں کو ٹھکانا دیا جب کہ دشمن اُن کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔

قادیانوں کا دجل

تقسیمِ برصغیر کے بعد قادیانی ٹولہ جب قادیان سے پاکستان منتقل ہوا تو انہوں نے ضلع سرگودھا میں ایک جگہ کا انتخاب کر کے اپنا ہیڈ کوارٹر وہاں منتقل کیا۔ ایک نئی بستی آباد کی اور اس کا نام ربوہ رکھا۔ اس نام سے وہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھو ہم سچے ہیں، ہماری بستی کا نام تو قرآن پاک میں موجود ہے

دراصل مرزائیوں کا سارا فلسفہ ممات مسیح پر چلتا ہے۔ سب سے پہلے وہ مسیح علیہ السلام کی وفات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے لیے وہ قرآن پاک کی بعض آیات کی صریحاً غلط تاویل کرتے ہیں۔ حدیث کے مطابق جب مسیح علیہ السلام کے قرب قیامت میں نزول کی بات کی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ مسیح تو فوت ہو چکے ہیں، اب جن کی آمد کی پیشین گوئی کی گئی ہے وہ مسیح نہیں بلکہ مثیل مسیح ہیں اور وہ مرزا غلام احمد کی شکل میں دوبارہ دنیا میں آچکے ہیں۔

چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، اس لیے کبھی یہ مرزا قادیانی کو مثیل مسیح کبھی مہدی اور کبھی مکمل نبی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے بعد نبوت کے سارے دعویدار کذاب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بھی ہے کہ قیامت تک تیس[۲۰] بڑے بڑے دجال پیدا ہوں گے بلکہ یاد رکھو اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّینَ لَا نَبِیَّ بَعْدِی میں سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والا ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ اب تک جن دعویداران نبوت کا تاریخ میں ذکر ملتا ہے، ان میں مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، بابک خرمی، اسحاق اخرس خراسانی وغیرہ کے ناموں کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کا نام بھی شامل ہے۔ بہر حال یہ قادیانی گروہ ربوہ کے نام سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کا سدباب حکومتی سطح پر ہونا چاہیئے اور اس قسم کا دھوکا دینے والا نام بدل دینا چاہیئے۔

۱۔ ترمذی ص۳۲۳ اقتباس

درس ہفتم ۷ آیت ۵۱ تا ۵۶

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا
صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ
هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾
فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا
لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى
حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ
وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا
يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ :- اے رسولو ! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے اور عمل کرو نیک بیشک جو کچھ تم کرتے ہو میں اُن کو جانتا ہوں ﴿۵۱﴾ اور بیشک تمھارا یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں تمھارا پروردگار ہوں۔ پس مجھ ہی سے ڈرو ﴿۵۲﴾ پھر (بعد میں لوگوں نے) پھوٹ ڈالی اپنے معاملے میں اپنے درمیان (اور) ٹکڑے ٹکڑے (کر دیا) ہر گروہ جو کچھ اس کے پاس ہے اُس پر خوش ہونے والا ہے ﴿۵۳﴾ پس چھوڑ دیں اُن کو اُن کی غفلت میں ایک وقت تک ﴿۵۴﴾ کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم اُن کو مدد پہنچا رہے ہیں مال اور اولاد سے ﴿۵۵﴾ ہم جلدی کرتے ہیں اُن کے لیے بھلائیوں میں، نہیں بلکہ یہ لوگ شعور نہیں رکھتے ﴿۵۶﴾

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء کا ذکر کیا اور بتایا کہ انہوں نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور توحید کی دعوت دی۔ پھر انبیاء کے تذکرے میں قوموں کی نافرمانی اور اُن کی ہلاکت کا ذکر ہوا۔ پھر اللہ نے فرعون کی سرکشی، نافرمانی اور تکبر کا حال بیان کیا اور آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کا ذکر کیا۔ یہ دونوں ماں بیٹا اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اکثر قوموں نے محض اس لیے انبیاء کی تکذیب کی کہ وہ انسان تھے، کہتے تھے ہم اپنے جیسے انسان کا اتباع کیسے کریں اور اسی بنیاد پر انہوں نے رسالت کا انکار کیا۔ پھر اللہ نے وقوع قیامت اور بعث بعد الموت کا ذکر کیا اور اسے برحق فرمایا۔ اللہ نے اس بارے میں بہت سے دلائل دیے جن سے اللہ کی توحید اور وقوع قیامت پر ایمان لانے کی ترغیب ملتی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس بارے میں شبہ کرنے والے لوگ غلط کار اور نادان ہیں۔

اکلِ حلال اور اعمالِ صالحہ

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملت کا ایک عام اصول بیان کیا ہے جو تمام انبیاء کی تعلیم میں مشترک ہے۔ ارشاد ہوتا ہے يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال انجام دو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب تمام انبیاء سے کب ہوا، اس کے متعلق مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ خطاب معراج کے موقع پر کیا گیا جب تمام انبیاء نے بیت المقدس میں حضور علیہ السلام کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ بعض دوسرے مفسرین کا خیال ہے کہ یہ خطاب اس وقت کا ہے جب اللہ نے تمام انبیاء سے میثاق لیا جس کا ذکر سورۃ آل عمران میں ہے وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ (آیت۔ ۸۱) بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ خطاب سارے انبیاء کو اکٹھا نہیں کیا گیا تھا بلکہ ہر نبی کو اللہ نے اُس کے زمانہ نبوت کے دوران میں حلال چیزیں کھانے اور نیک اعمال انجام دینے کا حکم دیا تھا، تاہم اُس کو اکٹھا ذکر کر دیا

گیا ہے۔ بہر حال ان دو باتوں کا حکم ملت کا ایک عام اصول ہے۔

دین ملت اور شریعت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس کام کا حکم اللہ نے نبیوں کو دیا ہے۔ وہ حکم تمام مومنوں کے لیے بھی قابل عمل ہے کہ حلال چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ گذشتہ دروس میں انبیاء کی یہ تعلیم اپنی اپنی قوم کے لیے گزر چکی ہے کہ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ (آیت ۔ ۳۲) لوگو! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ یہ دین کا اصول ہے جو ہر نبی نے اپنی امت تک پہنچایا۔ دین کے بڑے بڑے اصولوں میں توحید رسالت، قیامت، کتب سماویہ، ملائکہ اور تقدیر پر ایمان لانا ہے جب کہ اکل حلال اور عمل صالح کا تعلق ملت سے ہے۔ تمام انبیاء کا دین اور ملت ایک ہی ہے۔ سورۃ الانبیاء میں بھی وحدت ملت انبیاء کا ذکر ہو چکا ہے اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً (آیت ۔ ۹۲) اور یہاں بھی اگلی آیت میں یہی الفاظ آ رہے ہیں۔ ملت میں کلی اصول ہوتے ہیں۔ چنانچہ اخلاق کی پاکیزگی، اکل حلال اور عمل صالح سارے نبیوں کے مشترک اصول ہیں۔ دراصل یہ تین چیزیں ملتی جلتی ہیں ایک دین دوسری ملت اور تیسری شریعت۔ دین میں بنیادی اصول ہوتے ہیں جو کہ تمام انبیاء کی تعلیم میں مشترک ہوتے ہیں۔ اور ملت میں کلی اصول ہوتے ہیں اور یہ بھی تمام انبیاء کی ملل کے لیے مشترک ہوتے ہیں۔ تیسری چیز شریعت ہے۔ جو ہر نبی کی الگ ہوتی ہے۔ اس میں جزئیات ہوتی ہیں۔ بعض شرائع میں کوئی چیز حلال ہوتی ہے تو بعض میں حرام ہوتی ہے۔ اور ایک شریعت کے بعض احکام دوسری شریعت کے لیے منسوخ ہو جاتے ہیں۔ شریعت کو منہاج کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا (المائدہ ۔ ۴۸) ہم نے ہر امت کے لیے علیحدہ علیحدہ منہاج یا شریعت مقرر کر دی ہے اور پھر آخر میں اللہ نے حضور علیہ السلام سے خطاب کر کے

فرمایا ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْھَا (الجاثیۃ - ۱۸) ہم نے آپ کے لیے بھی ایک خاص شریعت مقرر کی ہے اس کا اتباع کریں، اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ بہرحال اکلِ حلال اور عملِ صالح ملت کے اصولوں میں سے ہیں، اور سارے نبیوں کے مشترک اصول ہیں اللہ نے سب انبیاء کو یہی حکم دیا ہے۔

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے کسی چیز کے سیاہ و سفید رنگ کی بنیاد پر یہ حکم نہیں دیا بلکہ حلال چیز کو معیاری قرار دے کر اُس کو کھانے کا حکم دیا ہے۔ حضرت نعمان بن قوقلؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو مانوں، رسالت کی گواہی دوں، نماز ادا کروں، زکوٰۃ دوں، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں، تو کیا مجھے نجات حاصل ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ حلت و حرمت کے امتیاز کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا اور حلال و حرام کی تعریف یہ ہے۔ اَلْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰہُ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ حلال وہ چیز ہے جس کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جس کو اللہ نے حرام کہا ہے۔

لفظ "طیب" کی تشریح

طیب اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو حلال بھی ہو اور پاکیزہ بھی۔ بعض مقامات پر حَلٰلًا طَیِّبًا (البقرہ - ۱۶۸) دونوں الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کھانا عام طور پر حلال بھی ہوتا ہے اور پاکیزہ بھی، اور اگر اس میں بدبو پیدا ہو جائے تو طیب نہیں رہتا بلکہ مکروہ تحریمی کے حکم میں آجاتا ہے۔ طیب ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس کے ساتھ کسی کا حق متعلق نہ ہو۔ مثلاً اگر ایک مسروقہ بکری کو شرعی طریقے سے ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا جائے تو اس کا گوشت پاک تو ہے مگر طیب نہیں ہے۔ یا اگر کوئی طیب گوشت کو چوری کر کے پکائے تو پھر بھی وہ طیب نہیں ہوگا۔ حرام چیز کے استعمال

سے حرام خون پیدا ہوگا اور ایسی چیز کھانے سے عبادت بھی مقبول نہیں ہوگی۔ اسی طرح حرام لباس پہننے سے بھی عبادت نامقبول ہوگی۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فلسفہ اکل وشرب بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں، یاد رکھو! انسان کی سعادت چار خصلتوں پر موقوف ہے اور وہ خصلتیں (۱) طہارت (۲) اخبات (۳) سماحت اور (۴) عدالت ہیں۔ اگر ان کی متضاد خصلتیں پائی جائیں گی یعنی (۱) نجاست (۲) تکبر (۳) خساست (۴) ظلم تو وہ شخص شقی یا بدبخت ہوگا۔ سعادت مند شخص وہ ہوگا جس میں پہلی چار خصلتیں پائی جائیں گی۔ فرماتے ہیں کہ انسان کے جسم اور اخلاق پر خوراک سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر خوراک پاک ہوگی تو اخلاق بھی پاک ہوں گے۔ اور اگر خوراک ناپاک ہوگی تو انسان کے اخلاق بھی ناپاک ہوں گے۔ اسی لیے اللہ نے اپنے رسولوں اور ان کی معرفت تمام لوگوں کو حکم دیا کہ پاک چیزیں کھاؤ جو حلال بھی ہوں اور صاف ستھری بھی۔

باطنی نجاست

نجاست ظاہری بھی ہوتی ہے اور باطنی بھی۔ اگر کھانے یا مشروب میں کوئی نجاست پڑ جائے تو ظاہر ہے کہ وہ ناپاک ہو کر کھانے پینے کے قابل نہیں رہیگا۔ یہ تو ظاہری نجاست ہے۔ اور باطنی نجاست یہ ہے کہ کوئی چیز غیر اللہ کی نیاز کے طور پر دی جائے۔ وہ بظاہر تو صاف ستھری ہوگی۔ مگر اس میں روحانی نجاست پائی جاتی ہے اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو قطعی حرام قرار دیا ہے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (البقرہ۔ ۱۷۳) ان میں سے مردار میں ظاہری نجاست ہے۔ خون کے استعمال سے درندگی کی خصلت پیدا ہوتی ہے۔ اور خنزیر کے گوشت اور نذر لغیر اللہ میں روحانی نجاست پائی جاتی ہے جس سے دل اور روح پلید ہو جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے اَنْجَاسُ النَّاسِ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ یعنی لوگوں کی نجاست ان کے نفسوں میں پڑی ہوئی

[1] طحاوی ص ۱۲۰۸ (فیاض)

ہے۔ شرک سے روح ناپاک ہوجاتی ہے ۔ اسی لیے فرمایا فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج - ۳۰) بت پرستی کی گندگی سے بچو۔ یہ قوائے باطنہ کی گندگی ہے۔ جس شخص کا دل دماغ اور روح ناپاک ہو وہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچنے کے اہل نہیں رہتا۔ خدا کی بارگاہ میں تو اس کی رسائی ہوگی اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (الشعرآء - ۸۹) جو قلب سلیم لے کر جائیگا۔ ایسا دل جس میں کفر، شرک اور نفاق جیسی کوئی گندی چیز نہ ہو۔

اکلِ حلال اور صدقِ مقال

اللہ نے سارے نبیوں اور اہل ایمان کو طیب چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے۔ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ (طٰہٰ - ۸۱) جو روزی ہم نے تمھیں دی ہے اس میں سے طیب چیزیں کھاؤ یعنی جو حلال بھی ہوں اور صاف ستھری بھی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا[1] اللہ تعالیٰ خود پاک ہے اور وہ صرف پاک چیز کو ہی قبول کرتا ہے۔ حرام مال سے صدقہ وخیرات قبول نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص مرنے کے بعد پیچھے حرام مال چھوڑ گیا ہے تو وہ اُس کے لیے جہنم کا توشہ ہوگا۔ علامہ اقبال مرحوم نے بھی کہا ہے ؎

سِرِ دین اکلِ حلال و صدقِ مقال
خلوت و جلوت، تماشائے جمال

دین کا راز اِن دو چیزوں میں ہے یعنی اکلِ حلال اور صدقِ مقال۔ حلال چیز کھانا اور سچی بات کرنا۔ فرماتے ہیں کہ جلوت و خلوت میں اللہ ہی کی صفت ظاہر ہونی چاہیئے۔ الغرض اکلِ حلال بہت بڑی چیز ہے۔ "کشف الغمہ" میں امام حسن بصریؒ سے منقول ہے، کاش مجھے خالص حلال روزی نصیب ہو تو میں اسے ہسپتالوں میں بیماروں میں تقسیم کردوں، کیونکہ حلال خوراک میں اللہ نے شفا رکھی ہے بہرحال جہاں اللہ نے پاک اشیا کھانے اور نیک عمل کرنے کا حکم دیا، وہاں یہ بھی فرمایا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ بیشک میں تمھارے اعمال سے

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۴۷ ج ۳ (فیاض)

بخوبی واقف ہوں۔

فرقہ بندی

ارشاد ہوتا ہے وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً بلاشک تمھارا دین اور ملت ایک ہی ہے۔ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ اور میں تمھارا پروردگار ہوں، پس مجھ ہی سے ڈرو۔ میری نافرمانی سے بچتے رہو۔ اللہ نے سارے نبیوں کو ان کے اپنے اپنے دور میں یہی حکم دیا، مگر بعد میں آنے والے لوگوں کی حالت یہ ہوئی فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا انھوں نے اپنے معاملات کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ دین کے بنیادی عقائد کو ترک کر دیا۔ اس میں اپنی خواہشات کے مطابق محرمات اور مشکوکات کو داخل کر دیا اور اس طرح بہت سے گمراہ فرقے بن گئے۔ سورۃ الانعام میں اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ (آیت - ۱۶۰) جن لوگوں نے دین میں گروہ بندی کر دی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ فرقہ بندی یہی ہے کہ دین کے اساسی اصولوں کو ترک کر دیا جائے یا ان کو غلط معنے پہنا دیے جائیں اور یا پھر غلط عقیدے وضع کر لیے جائیں۔ اچھے اعمال کو چھوڑ کر غلط رسومات کو اختیار کر لینا بھی فرقہ بندی میں شامل ہے۔ یہ ایک مہلک چیز ہے جس کی انتہا جہنم ہے۔ فرمایا اس تمام تر فرقہ بندی کے باوجود كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ہر گروہ اپنی اپنی بات پر خوش ہے کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ یاد رکھو! گمراہ فرقے وہ ہیں جن میں اساسِ دین کا بگاڑ ہے اس سے فروعات مراد نہیں ہیں کیونکہ فروعات میں توسع ہوتی ہے اگر اس میں اختلاف بھی ہو گا تو بنیاد بہرحال ایک ہی ہو گی۔ چنانچہ مشہور مذاہب اربعہ یا محدثین میں جو اختلاف ہوتا ہے وہ فرقہ بندی میں داخل نہیں۔ یہ سب لوگ ہدایت پر ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی طرح عقیدے، رسومات اور اعمال میں گڑبڑ ہو تو یہ فرقہ بندی ہے جو کہ گمراہی ہے۔

فرمایا فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ان فرقہ پرست گمراہ لوگوں کو ایک مقررہ وقت تک ان کی غفلتوں میں چھوڑ دیں، یہ لوگ دنیا میں اپنا وقت گزار لیں۔ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم اُن کی مال و اولاد کی صورت میں جو مدد کر رہے ہیں۔ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ تو کیا ہم اُن کے لیے بھلائیوں میں سبقت کر رہے ہیں؟ جب نافرمانی کے باوجود اللہ کسی کو مال و اولاد میں برکت دیتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اللہ مجھ سے راضی ہے جبھی تو انعام و اکرام ہو رہے ہیں۔ فرمایا، یہ اُس کی خام خیالی ہے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ (القلم-۴۴) یہ تو استدراج ہے۔ ہم اُنہیں ایسے طریقے سے پکڑیں گے کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (القلم-۴۵) میں اُن کو مہلت دیتا ہوں اور میری تدبیر بڑی قوی ہے اگر اس زندگی میں بچ بھی گیا تو آئندہ زندگی میں ضرور گرفت ہوگی۔ فرمایا، یہ لوگ توحید کی بجائے شرک، اعمال صالحہ کی بجائے اعمالِ فاسدہ اور عقائد حقہ کی بجائے عقائد باطلہ اختیار کر کے اور حلال و حرام کی تمیز سے صرفِ نظر کر کے سمجھ رہے ہیں کہ وہ ٹھیک راستے پہ جا رہے ہیں۔ نہیں بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ بلکہ اُن کو تو شعور ہی نہیں ہے۔ خدا مہلت دے رہا ہے اور یہ اپنی کارکردگی پہ خوش ہو رہے ہیں عنقریب پکڑے جائیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۞۵۷
وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۞۵۸ وَالَّذِينَ
هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۞۵۹ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا
وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۞۶۰
أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۞۶۱
وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ
بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۞۶۲ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ
مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ
لَهَا عَامِلُونَ ۞۶۳ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ
إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ۞۶۴ لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُم مِّنَّا
لَا تُنصَرُونَ ۞۶۵ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ
فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ۞۶۶ مُسْتَكْبِرِينَ
بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ۞۶۷

ترجمہ :۔ بیشک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے
ڈرنے والے ہوتے ہیں ۞۵۷ اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں
پر ایمان رکھتے ہیں ۞۵۸ اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ
کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتے ۞۵۹ اور وہ جو دیتے ہیں

وہ چیز جو دیتے ہیں ۔ اُن کے دِل ڈرنے والے ہوتے
ہیں کہ بیشک انہوں نے اپنے پروردگار کی طرف ہی لوٹ
کر جانا ہے (۶۰) یہی لوگ ہیں جو سبقت کرتے ہیں
بھلائیوں میں اور وہ اس کے لیے سب سے آگے جانے
والے ہوتے ہیں (۶۱) اور ہم نہیں تکلیف دیتے کسی
نفس کو مگر اُس کی طاقت کے مطابق ، اور ہمارے پاس
ایک کتاب ہے جو بولتی ہے حق کے ساتھ ۔ اور ان
پہ ظلم نہیں کیا جائے گا (۶۲) بلکہ نافرمانوں کے دِل غفلت
میں ہیں اِس سے ۔ اور اِن کے لیے اعمال ہیں اس کے
سوا جن کو وہ کرنے والے ہیں (۶۳) یہاں تک کہ جب
ہم ان میں سے پکڑتے ہیں آسودہ حال لوگوں کو عذاب
کے ساتھ ، تو یہی لوگ چلاتے ہیں (۶۴) (اُدھر سے حکم ہوگا)
مت چلاؤ آج کے دِن ۔ بیشک تم ہماری طرف سے مدد
نہیں کیے جاؤ گے (۶۵) تحقیق تھیں میری آیتیں پڑھ کر
سنائی جاتی تم کو ۔ پس تم اپنی ایڑیوں پر الٹے پلٹتے تھے (۶۶)
تکبر کرنے والے تھے اس کے ساتھ اور قصہ گوئی کرنے
والے اور بیہودہ باتیں کرتے تھے (۶۷)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دلائلِ توحید ذکر کرنے کے بعد نافرمان لوگوں کا حال بیان کیا اور اس سلسلے میں بہت سے نبیوں کا تذکرہ کیا ۔ انہوں نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا مگر انہوں نے انکار کیا ۔ آخر میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر آیا ۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کا بھی مختصر تذکرہ ہوا ۔ اس کے بعد اللہ نے تمام نبیوں کی مشترک تعلیم کا ذکر کیا ۔ اللہ نے تمام رسولوں کو یہی اصول

سمجھا، كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ہمیشہ حلال اور طیب چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال انجام دو۔ اسی اصولِ ملت کی تعلیم انبیاء علیہم السلام نے عام لوگوں کو بھی دی۔ پھر بعد میں لوگوں میں اختلافات پیدا ہو گئے اور وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ بہت سے گمراہ فرقے پیدا ہوئے جنہوں نے دین کے اصول ترک کر دیے، یا پھر اُن کو غلط معنی پہنا کر اُن سے غلط مطلب اخذ کیا۔ اُن کا عقیدہ فاسد اور اخلاق بگڑ گیا۔ ہر گروہ اپنے اپنے عقائد میں مگن ہو گیا اور اسی کو اصل دین سمجھنے لگا۔ لیکن اللہ نے اپنے نبی کو فرمایا کہ اِن غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو چھوڑ دو، ہم نے اِن کو دُنیا کا مال، اولاد، اور دیگر نعمتیں عطا کی ہیں مگر یہ لوگ اِن اشیاء میں اپنی بہتری خیال نہ کریں۔ آج یہ لوگ لہو و لعب اور عیش و عشرت میں پڑے ہوئے ہیں مگر ایک دِن آنے والا ہے جب یہ مبتلائے عذاب ہوں گے۔ اِن کی موجودہ آسودہ حالی محض استدراج ہے اور انہیں اللہ کی طرف سے مہلت مل رہی ہے جس سے یہ فائدہ اٹھا کر ایمان نہیں لے آتے۔ دراصل ان کو حق و باطل کی پہچان کا شعور ہی نہیں ہے۔

اہل ایمان کے خصائل

اب اللہ تعالیٰ نے نافرمانوں کے مقابلے میں اہل ایمان کے بعض خصائل بیان کیے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ایمان اور نیکی والے لوگ، وہ ہیں جو اپنے رب کے خوف سے ڈرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ محتاط رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کسی نافرمانی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں جس کی وجہ سے اُن کی گرفت ہو جائے۔ یہ لوگ اپنے رب کے انعامات کی ناقدری نہیں کرتے بلکہ ہر نعمت پر اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

فرمایا نیکی والوں کی دوسری خصلت یہ ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ وہ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں آیات میں معجزات، قدرت کی نشانیاں، احکام، کتب سماویہ، تمام شرائع اور دین و ملت کے اصول سب چیزیں شامل ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اطاعت گزار ان سب چیزوں

پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ برحق ہیں اور وہ انہی کے اتباع میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

فرمایا تیسری خصلت یہ ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ کہ وہ اپنے رب کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناتے۔ وہ خالص ایمان اور توحید پر قائم رہتے ہیں۔ اُن میں کسی قسم کا جلی یا خفی شرک نہیں پایا جاتا اور ان کے عمل میں سچائی اور اخلاص ہوتا ہے۔ غرضیکہ ایسے لوگ نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک بناتے ہیں، نہ صفات میں اور نہ عبادت میں۔ اُن کو یقین ہوتا ہے کہ سارا اختیار اللہ کے پاس ہے اور اختیار میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

فرمایا وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا اللہ کے نیک بندوں کی چوتھی خصلت یہ ہے کہ وہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں۔ یا وہ کرتے ہیں جو کچھ کہ کرتے ہیں اس حالت میں وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کہ اُن کے دل اس بات سے خوفزدہ ہوتے ہیں اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ کہ بیشک وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں موجود ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا حضرت! کیا يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا میں ہر اچھا برا عمل شامل ہے؟ فرمایا: یا بنت صدیق اس سے برائی کے کام از قسم چوری، ڈاکہ، زنا وغیرہ نہیں۔ بلکہ صرف نیکی کے کام مراد ہیں۔ یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ نماز، روزہ، صدقہ خیرات وغیرہ کام کرنے کے باوجود اپنے رب سے ڈرتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انہیں ایک دن اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہونا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کسی خامی کی بنا پر اُن کی کوئی نیکی قبول ہی نہ ہو اور وہاں انہیں شرمندگی اٹھانا پڑے۔ وہ اسی فکر میں غلطاں رہتے ہیں۔ امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ مومن نیکی اور خوف خدا کو جمع کرتا ہے جب کہ منافق آدمی برائی اور بے فکری کو اکٹھا کرتا ہے۔ تو مومن کی حالت یہ ہے کہ نیکی کے کام انجام دینے کے باوجود وہ خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جب کہ منافق لوگ برائی بھی کرتے ہیں اور اُن میں خوف خدا بھی پیدا

نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرمایا اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَا کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔ یہ دونوں چیزیں ایمان کی علامت ہیں۔

نیکی کی قبولیت

نیکی کی قبولیت کا مسئلہ بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس شخص کی کون سی نیکی درجہ قبولیت کو پہنچتی ہے، اور کون سی نیکی رائیگاں گئی ہے بہت سے لوگ ہیں جو راہِ خدا میں صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں اور نیکی کے دوسرے کام بھی انجام دیتے ہیں مگر وہ غیر معیاری ہونے کی بناء پر درجہ قبولیت کو نہیں پہنچ پاتے۔ اور جو لوگ نیکی کا کام کرنے کے باوجود دل میں ڈرتے رہتے ہیں کہ پتہ نہیں یہ قبول بھی ہوئی ہے یا نہیں، فرمایا اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ یہی لوگ ہیں جو بھلائی کے کاموں کی طرف دوڑتے ہیں یعنی ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ اور وہ ایسے کام میں سبقت کرنے والے ہوتے ہیں۔ یعنی آگے بڑھنے والے ہوتے ہیں۔

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہم کسی نفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے۔ کسی شخص کی طاقت سے باہر کسی کام پر اللہ تعالیٰ باز پرس نہیں کرتا۔ دین میں اللہ نے بڑی وسعت رکھی ہے اور فرمایا ہے اَلدِّيْنُ يُسْرٌ یعنی دین آسان ہے، اس میں کوئی مشکل بات نہیں ہے جو انسان کے بس سے باہر ہو۔ اللہ نے انسان کی سہولت کی خاطر اس کے ہر عذر پر رخصت رکھی ہے۔ مگر انسان ہے کہ طاقت رکھنے کے باوجود نیکی کے کاموں میں کوشش نہیں کرتا۔ لاپرواہی کرتا ہے جس کا نتیجہ خطرناک صورت میں ظاہر ہوگا۔

انسان کا نامۂ اعمال

فرمایا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ ہمارے پاس ایک نوشتہ اور کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسانوں کے اعمال نامے محفوظ کر رکھے ہیں جنہیں جزائے عمل کے وقت سامنے رکھ دیا

جائے گا اور ہر شخص سے کہا جائے گا اِقْرَأْ كِتٰبَكَ (بنی اسرائیل۔۱۴) اپنا اعمال نامہ خود ہی پڑھ لو۔ جو لوگ اس دنیا میں بالکل ان پڑھ ہیں۔ وہ بھی خدا کے حضور اپنی کارکردگی کا مطالعہ خود کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان میں پڑھنے کی استعداد پیدا کر دے گا اور وہ اپنی زندگی بھر کی پونجی کا ریکارڈ خود پڑھ سکیں گے۔ اور پھر کہیں گے مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (الکہف۔۴۹) یہ کیسی کتاب ہے جو نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی کو بلکہ اس نے ہر عمل کا احاطہ کر رکھا ہے۔ پھر وہ اپنا ہر عمل اپنے سامنے موجود پائیں گے۔ حدیث قدسی میں حضور کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِيْهَا عَلَيْكُمْ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جنھیں میں نے شمار کر رکھا ہے۔ جو ان میں بھلائی پائے وہ خدا کا شکر ادا کرے اور جو ان میں برائی دیکھے فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ تو وہ اپنے ہی نفس کو ملامت کرے۔ غرضیکہ قیامت والے دن جزا و سزا کا فیصلہ ہر آدمی کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوگا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جائے گی۔

نافرمانوں کا حال

اہل ایمان کے ذکر کے بعد آگے اللہ نے پھر نافرمانوں کا حال بیان کیا ہے بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا اس طرف سے یعنی آخرت کی جانب سے ان کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ کہ ان غافل لوگوں کے اعمال اہل ایمان کے اعمال سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ نیکی کی بجائے برائی کا ارتکاب کرتے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ توحید پر ایمان لاتے وہ کفریہ، شرکیہ کام انجام دیتے ہیں۔ رسوماتِ باطلہ، لہو و لعب، نفاق اور بدعملی میں مبتلا ہیں۔ وہ آخرت کی طرف دھیان ہی نہیں کرتے اور نہ اس کے لیے کوئی تیاری کرتے ہیں۔

اگر کوئی عمل کرتے ہیں تو ریاکاری کے لیے جو ایمان کے تقاضے پورے نہیں کرتے اُن کے ہاتھوں قوم وملک کی بھلائی کا کوئی کام انجام نہیں پاتا، بلکہ شیطان کے اتباع میں غرور و تکبر والے کام کرتے ہیں جن میں رسومات فاسدہ پیش پیش ہوتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ غافل لوگ کرنے والے کام تو کرتے نہیں اور ان کی بجائے دوسرے کام کرتے ہیں جو انہیں مزید گمراہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ یہاں تک کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑ لیتے ہیں اِذَا هُمْ يَجْــَٔرُوْنَ تو وہ چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ واویلا کرتے ہیں کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ پھر اُدھر سے آواز آتی ہے لَا تَجْــَٔرُوا الْيَوْمَ آج کے دن مت چلاؤ تم نے دنیا میں نیکی کی طرف دھیان نہ دیا۔ خدا کی توحید، اس کے رسولوں اور قیامت کا انکار کیا۔ آج جب تم اپنے انجام کو پہنچ چکے ہو اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ تو آج ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائیگی ہم نے تمھیں زندگی دی۔ ہدایت کے سارے سامان مہیا کیے مگر تم نے کچھ پرواہ نہ کی۔ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ میری آیتیں تم پر پڑھی جاتی تھیں۔ میرے احکام، شرائع اور قوانین تمھیں پڑھ کر سنائے جاتے تھے۔ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ مگر تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ کر بھاگتے تھے اور میرے فرامین کو سننے کے لیے بھی تیار نہ تھے عام کافروں کا وطیرہ اللہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو کہتے تھے لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ (حٰمٓ سجدہ۔ ۲۶) شور وغل مچاؤ تاکہ قرآن کی آواز ہی کانوں میں نہ پڑے۔ منافقوں کا حال بھی یہ تھا کہ جب قرآن کی بات ہوتی تو آنکھ بچا کر مجلس سے کھسک جاتے۔ تو فرمایا، آج تو چیختے چلاتے ہو مگر دنیا میں تو نیکی کے کام سے بھاگتے تھے

مُسۡتَكۡبِرِيۡنَ بِهٖ تم غرور و تکبر میں مبتلا تھے۔ انبیاء کو حقیر سمجھتے تھے اور اہل ایمان کو ذلیل کہتے تھے۔ اپنے مالوں اور اولادوں پر اتراتے تھے اور اہل ایمان کی بات تک سننے کے لیے تیار نہ تھے۔

بِهٖ کے مرجع کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مرجع حرم شریف ہے یعنی نافرمان لوگ حرم شریف میں تکبر کرتے تھے۔ اس کا مرجع کتاب یعنی قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگ قرآن پاک کے ساتھ تکبر کرتے تھے اور اگر بِهٖ کا مرجع پیغمبر علیہ السلام کی ذات ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ وہ نبی کے ساتھ تکبر کرتے تھے۔

پھر فرمایا سٰمِرًا تَهۡجُرُوۡنَ ۝ سَمَرَ چاندنی رات میں قصہ گوئی کرنے کو کہتے ہیں کفار و مشرکین بیت اللہ شریف کے گرد بیٹھ کر راتوں کو قصے بیان کیا کرتے تھے، اس لیے ان کی ایک یہ خصلت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ سامر تھے۔ وہاں پر وہ پیغمبر اسلام کے متعلق بھی بیہودہ گفتگو کرتے تھے۔ کبھی شاعر، کبھی کاہن اور کبھی مجنون کہتے تھے اللہ نے فرمایا وہ تَهۡجُرُوۡنَ یعنی یاوہ گوئی کرنے والے تھے۔ فضول باتیں کرتے تھے۔ اگر یہ لفظ هُجۡر کے مادہ سے ہو تو یہی معنی ہے۔ اور اگر هَجۡر کے مادہ سے ہو تو اس کا معنی چھوڑنا ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے رسول کو قصہ گو سمجھ کر چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ سامر اور تهجر سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کو قصہ گو سمجھ کر تکبر کرتے تھے اور پھر چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ یہ حال بیان کرنے کے بعد اللہ نے آگے مزید تفصیلات بیان کی ہیں اور ان کا انجام بھی ذکر کیا ہے۔

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ
الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ﴿٦٩﴾
أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ
لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ
السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ
فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿٧١﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا
فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿٧٢﴾ وَإِنَّكَ
لَتَدْعُوهُمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ الَّذِينَ
لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُونَ ﴿٧٤﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ
وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُونَ ﴿٧٥﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا
اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿٧٦﴾ حَتّٰى إِذَا فَتَحْنَا
عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٧﴾ ع ٤ ٢٠

ترجمہ:- کیا ان لوگوں نے غور و فکر نہیں کیا اس بات میں
یا آئی ہے انکے پاس وہ بات جو اُن کے پہلے آباؤ اجداد کے
پاس نہیں آئی تھی ﴿٦٨﴾ یا انہوں نے نہیں پہچانا اپنے رسول کو

پس وہ اس کو اوپرا سمجھ رہے ہیں (۶۹) کیا یہ کہتے ہیں
کہ اس کو جنون ہے ۔ نہیں بلکہ وہ لایا ہے ان کے
پاس حق بات ، اور اکثر ان میں سے حق بات کو ناپسند
کرنے والے ہیں (۷۰) اور اگر پیروی کرے حق ان کی
خواہشات کی تو البتہ بگڑ جائیں گے آسمان اور زمین
اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ۔ نہیں بلکہ ہم لائے
ہیں ان کے پاس ان کیلئے نصیحت کی بات ۔ پس وہ اپنی اس
نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں (۷۱) کیا آپ ان
سے کچھ خراج مانگتے ہیں ۔ پس تیرے رب کا
خراج بہتر ہے ، اور وہ بہتر روزی دینے والا ہے (۷۲)
اور بیشک آپ البتہ ان لوگوں کو بلاتے ہیں سیدھے راستے
کی طرف (۷۳) اور تحقیق وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے
آخرت پر سیدھے راستے سے ، وہ مڑنے والے ہیں (۷۴)
اور اگر ہم اُن پر رحم کریں اور کھول دیں جو کچھ اُن کو
تکلیف ہے تو البتہ وہ برابر اصرار کریں گے اور اپنی سرکشی
میں سرگرداں ہوں گے (۷۵) اور البتہ تحقیق ہم نے
پکڑا ہے اُن کو عذاب کے ساتھ ۔ پس نہیں دبے
وہ اپنے رب کے سامنے اور نہیں وہ گڑگڑاتے (۷۶)
یہاں تک کہ جب ہم نے کھول دیا اُن پر ایک
دروازہ مستقل شدید عذاب کا تو اچانک وہ لوگ اُس میں
مبتلا ہو کر مایوس ہو گئے (۷۷)

ربطِ آیات — پہلے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے اوصاف بیان کیے اور پھر نافرمانوں

کی غفلت کا شکوہ کیا کہ وہ قرآن پاک اور ہدایت کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے جس کی وجہ سے ان میں مسلسل انکار اور برائی پر اصرار پایا جاتا ہے۔ اللہ نے مشرکین کی اس غلط ذہنیت کا رد فرمایا۔

تدبر فی القرآن

اب اسی سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ کیا ان لوگوں نے اس قرآن پاک میں غور و فکر نہیں کیا؟ یہ وہی قرآن کریم ہے جس کے متعلق گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ کفار و مشرکین اسے قصہ کہانی سمجھ کر چھوڑ جاتے تھے۔ اگر یہ لوگ کلام الٰہی میں غور و فکر کرتے تو ان پر ہدایت کے دروازے کھل جاتے اور اللہ کے کلام کا کمال ان پر ظاہر ہو جاتا۔ اللہ نے عام انسانوں کے متعلق بھی فرمایا ہے اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد-۲۴) کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں؟ ذرا غور کریں تو انہیں پتہ چلے کہ یہ بے مثال اور معجز کلام ہے۔ اللہ نے اس کے متعلق فرمایا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (النساء-۱۷۵) ہم نے آپ کی طرف نور مبین نازل کیا ہے۔ اگرچہ ساری کتب سماویہ نور ہیں مگر قرآن کو اللہ نے نور مبین کہہ کر پکارا ہے۔ یہ بڑی واضح روشنی ہے جس کے سامنے کفر و شرک کے تمام اندھیرے چھٹ جاتے ہیں اور ایمان کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ اللہ نے تو یہ عبرت کا سامان مہیا کیا ہے مگر مشرکین اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔

قرآن میں تدبر کے فقدان کی وجہ سے ہی آج مسلمانوں کی حالت بحیثیت مجموعی ناگفتہ بہ ہے۔ قرآن میں غور و فکر کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کا ترجمہ ہی سیکھ لیں، مگر یہ تو قرآن کا ظاہری مفہوم بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے چہ جائیکہ اس کے علوم و معارف تک پہنچتے۔ اللہ نے فرمایا ہے كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (صٓ-۲۹) ہم نے یہ مبارک کتاب آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ صاحب عقل لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور اس سے نصیحت حاصل کریں مگر

آج ہماری حالت یہ ہے کہ اس میں تدبر کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کی بجائے
اس کلامِ الٰہی کو موت کی رسومات کے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ اس کا مصرف یہ
رہ گیا ہے کہ تیسرے، ساتے، جمعرات یا چالیسویں کے موقع پر تلاوت کر لی جائے
یا پھر قسم اٹھانے کے لیے اس پر ہاتھ رکھ دیا جائے۔ اللہ نے جس قدر تاکید کے
ساتھ قرآن میں غور و فکر کی دعوت دی ہے، ہم اُسی قدر اس سے غفلت برت رہے ہیں۔
دنیا کا یہ عام دستور ہے کہ کوئی شخص کسی کتاب کو سوچے سمجھے بغیر نہیں پڑھتا۔
اگر کوئی قصہ، کہانی یا ناول کی کتاب بھی پڑھے گا تو اسے سمجھنے کی کوشش کرے گا۔
مگر یہ اللہ کی پاک کتاب ہی واحد کتاب ہے جس کا معمولی ترجمہ بھی
پڑھنے کی کوشش نہیں کی جاتی، غور و فکر تو دور کی بات ہے بہرحال اللہ نے مشرکین
کا شکوہ کیا ہے کہ وہ اس کتاب کو سمجھے بغیر اس کا انکار کر دیتے ہیں۔

قرآن کی اساسی تعلیم

سورۃ ہذا کی ابتداء میں بیان ہو چکا ہے کہ اس میں اللہ نے توحید، رسالت، معاد،
تردیدِ شرک، انبیاء کی تعلیم اور اُن کی ملتِ واحدۃ کا ذکر ہے۔ چنانچہ انہی بنیادی حقائق
کے متعلق ارشاد ہوتا ہے اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ
کیا اِن کے پاس کوئی ایسی نئی چیز آئی ہے جو اس سے پہلے اِن کے آباؤ اجداد کے
پاس نہیں پہنچی؟ کیا اِن کے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ ہے کہ اس کی تعلیم سے تو اِن کے
باپ دادا بھی واقف نہیں تھے۔ فرمایا یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایسی
تعلیم ہے جو اللہ کے سارے نبی اپنے اپنے زمانے میں دیتے رہے اور ان کے
آباؤ و اجداد کو بھی یقیناً یہی تعلیم پہنچی ہے جو ہر نبی نے دی يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (المؤمنون ۔ ۲۳) اے میری قوم کے لوگو! صرف
اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ گویا یہ تعلیم اور اساس
دین تمام انبیاء کی مشترک میراث ہے۔ یہ آخری نبی بھی تمہیں یہی تعلیم دے رہا ہے
جو تمہارے بڑوں کو دی گئی، لہٰذا تمہارے پاس انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

معرفتِ رسول

فرمایا، کیا یہ اس لیے کتابِ ہدیٰ کا انکار کر رہے ہیں اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا

رَسُولَهُمْ کہ انہوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ اور یہ اس کو اوپرا سمجھ رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ انکار کی وجہ یہ بھی نہیں ہے کیونکہ وہ تو اپنے رسول کو اچھی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبل از نبوت چالیس سالہ زندگی بھی ان کے درمیان گزری ہے۔ انہوں نے کبھی آپ کی سچائی، امانت، دیانت، پاکیزہ اخلاق و گفتگو پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یہ لوگ آپکی پوری زندگی سے واقف ہیں، ہر شخص ان کی دیانت، امانت اور راست بازی کی تعریف کرتا رہا ہے اور اب دعویٰ نبوت کے بعد ان کی آنکھیں ہی بدل گئی ہیں اور آپ کو اچھی طرح پہچاننے کے باوجود آپ کی رسالت کا انکار کر رہے ہیں۔ اسی بات کو اللہ نے سورۃ یونس میں حضور علیہ السلام کی زبان سے اس طرح کہلوایا ہے۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (آیت ۔ ۱۶) اس سے پیشتر میں نے عمر کا بہت سا حصہ تمہارے درمیان گزارا ہے۔ تم میرے اطوار و خصائل سے بخوبی واقف ہو۔ کیا اس کے باوجود تم عقل سے کام نہیں لیتے اور مجھے جھٹلاتے ہو؟ فرمایا نہ تو قرآن نے کوئی نئی بات پیش کی ہے جس کا تم انکار کرتے ہو، اور نہ ہی تم مجھ سے ناواقف ہو، پھر بھلا ہدایت کو کیوں نہیں قبول کرتے؟ فرمایا کیا تم اس وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نبی کو نعوذ باللہ جنون ہو گیا ہے۔ یہ پاگلوں جیسی باتیں کرتا ہے۔ فرمایا تمہارا یہ اعتراض بھی غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ کہ اللہ کا رسول ان کے پاس سچی بات لے کر آیا ہے وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ مگر ان کی اکثریت حق کو پسند نہیں کرتی۔ جنون کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (القلم ۔ ۲) اللہ کے فضل سے آپ مجنون نہیں ہیں۔ آپ تو منبع علم و حکمت ہیں۔ اللہ کے کلام کی تو کوئی مثال ہی نہیں، خود آپ کے ذاتی کلام میں بھی کمال درجے کی حکمت اور موعظت پائی جاتی ہے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو

کلام کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ آپ کے ایک ایک مزاجاً ادا کیے جانے والے جملہ سے محدثین نے ایک سو مسائل نکالے ہیں۔ آپ کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک جملے کی سارا سارا دن تشریح کرتے رہیں تو بھی ان کا حق ادا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا نبی تو سچی بات لایا، مگر یہ لوگ ہٹ دھرمی کی بنا پر اس کو ناپسند کرتے ہیں۔ الٹا ان کی خواہش تو یہ ہے کہ خود نبی ان کی بات مان لیں۔ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (القلم - ۹) چاہتے تھے کہ حضور علیہ السلام کچھ ڈھیلے پڑ جائیں یعنی وہ بھی ہماری کوئی بات مان لیں تو ہم بھی اُن کی کچھ باتیں تسلیم کر لیں گے۔ اس طرح وہ سودے بازی کرنا چاہتے تھے۔ بعض یہ اعتراض کرتے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف - ۳۱) یہ قرآن مکہ اور طائف کی دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔ اس شخص کو ہم کیسے نبی مان لیں جس کی مالی طور پر کوئی حیثیت نہیں نہ زمین ہے، نہ باغات، نہ مالِ تجارت رکھتا ہے اور نہ اس کے پاس لونڈی غلام ہیں۔ کیا اللہ کے پاس رسالت کے منصب کے لیے ابوطالب کا یتیم بھتیجا ہی رہ گیا تھا؟ بہرحال اللہ نے ان سب اعتراضات کا رد فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ اللہ کا نبی حق بات ہی لے کر آیا ہے۔

حق و باطل کی کشمکش

فرمایا وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ اگر حق ان منکرین کی خواہشات کی پیروی کرنے لگے لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ تو آسمان و زمین اور ان میں موجود ہر چیز بگڑ جائے، اگر اللہ کا نبی غلط بات کو تسلیم کر لے تو فرشتے اور انسان بگڑ جائیں اور پھر ساری مخلوق بگڑ جائے۔ ایسی حالت میں کائنات کی بقاء کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ مطلب یہ ہے کہ حق کسی باطل کی پیروی نہیں کر سکتا حق ہمیشہ رہنے والا ہے جب کہ باطل ناپائیدار چیز ہے۔ فرمایا بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ بلکہ ہم تو قرآن کی صورت میں اُن کے پاس ایک نصیحت لائے ہیں فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ مگر وہ لوگ اپنی نصیحت سے اعراض کرنے والے ہیں۔ یہ کتنی بدبختی کی بات ہے کہ بنی اسرائیل کی طرح پہلے

تو کتاب کا خود مطالبہ کیا۔ کہتے تھے کہ اہلِ کتاب کے پاس کتاب موجود ہے ہمارے پاس بھی کوئی نصیحت کی کتاب ہونی چاہیئے۔ مگر اللہ نے وہ کتاب نازل فرمائی تو صاف انکار کر دیا۔

انبیاء کی بے لوث تبلیغ

فرمایا اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا کیا آپ اُن سے کوئی فیس یا ٹیکس مانگتے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کر رہے ہیں۔ ایسی بات بھی نہیں ہے کہ اللہ کا نبی ان کو تبلیغ کرنے کی اِن سے مزدوری یا معاوضہ طلب کرے اس کے برخلاف اللہ کے ہر نبی نے تو یہی اعلان کیا وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الشعراء ۱۲۷) لوگو! میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، کیونکہ میرا معاوضہ تو اللہ کے پاس ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ میں نے تمہارے فائدے کی بات کی ہے اور یہ میری بے لوث خدمت ہے۔ کاہن، نجومی، شاعر، حکیم وغیرہ بھی اپنی کارکردگی کی فیس وصول کرتے ہیں مگر نبی کہتے ہیں کہ ہماری بات سنو اور قبول کرو، یہی ہمارا معاوضہ ہے۔

فرمایا، کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ طلب کرتے ہیں؟ ایسی بات نہیں ہے بلکہ فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ آپ کو اپنے پروردگار سے ملنے والا معاوضہ ہی بہتر ہے۔ دنیا کے حقیر مال اور چند ٹکوں کے مقابلہ میں اللہ کا عطاکردہ معاوضہ لازوال ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ اور وہ بہتر روزی دینے والا ہے چونکہ رزاق اللہ ہے، اس لیے اللہ کے نبی تم سے کچھ نہیں مانگتے۔ یہاں پر کوئی خود غرضی یا مالی منفعت کی بات نہیں بلکہ سراسر اخلاص اور بے لوث خدمت ہے۔ اب بھی اگر تم اس دعوتِ حق کو قبول نہ کرو تو پھر یہ تمہاری بدبختی کی علامت ہے۔ فرمایا وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ آپ تو اِن کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ اس میں آپ کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ ایمان اور نیکی کا راستہ بتلا رہے ہیں، عقیدے، اخلاق اور عمل کی

پاکیزگی کی بات بتائے ہیں۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ (الحجر۔ ۴۱) میری رضا ورحمت تک پہنچنے کا یہی سیدھا راستہ ہے۔

آخرت کی بے یقینی

فرمایا وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاکِبُوْنَ وہ سیدھے راستے سے مڑنے والے ہیں۔ اگر انہیں قیامت اور محاسبہ اعمال کا ڈر ہوتا تو یہ ضرور سیدھا راستہ اختیار کر لیتے معاد کا عدم تصور ان کے لیے رکاوٹ کا باعث ہے۔ چنانچہ آخرت کی بے یقینی کے متعلق اللہ نے قرآن میں مختلف مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ گناہوں کا سبب بنتی ہے جب کوئی شخص محاسبہ اعمال سے بے خوف ہو جاتا ہے تو پھر وہ برائی کے ارتکاب میں کوئی پس وپیش نہیں کرتا۔

کفار کی عہد شکنی

بعض سورتوں میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ مشرکین کے شرور سے تنگ آکر حضور علیہ السلام نے اللہ کے ہاں درخواست کی کہ مولا کریم! ان کو کسی ابتلاء میں ڈال شاید ان کو اسی طریقے سے تنبیہ ہو جائے۔ چنانچہ مکے میں قحط پڑ گیا۔ پھر مشرکین کا ایک وفد نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ اللہ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قحط سے نجات دے۔ انہوں نے آپ کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس مصیبت کے دور ہو جانے پر ہم آپ کی بات مان لیں گے۔ مگر جب وہ تکلیف دور ہو گئی تو ان کا کفر اور شرک پہلے سے بھی بڑھ گیا۔ اللہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے وَلَوْ رَحِمْنٰھُمْ وَکَشَفْنَا مَا بِھِمْ مِّنْ ضُرٍّ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کی تکلیف دور کر دیں لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ تو وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب مکے والوں سے قحط دور ہو گیا۔ تو وہ پھر کفر پر اصرار کرنے لگے۔

فرعونیوں کے ذکر میں بھی ملتا ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی تو موسیٰ علیہ السلام سے آکر کہتے کہ دعا کرو تاکہ یہ تنگی دور ہو جائے تو ہم بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ اور آپ پر ایمان بھی لے آئیں گے فَلَمَّا کَشَفْنَا عَنْھُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓی

اَجَلٍ هُمْ بَالِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ (الاعراف - ۱۳۵) پھر جب ہم نے اُن کی تکلیف کو دور کر دیا جو ان کو پہنچنے والی تھی تو انہوں نے اس عہد کو توڑ دیا۔

شدید عذاب کا دروازہ

فرمایا وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ بیشک ہم نے ان کو پکڑا عذاب کے ساتھ۔ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ پس یہ نہ دبے اپنے پروردگار کے سامنے اور نہ گڑگڑائے۔ شاہ عبدالقادرؒ مفسر قرآن فرماتے ہیں کہ اس عذاب سے وہی مکے کا قحط مراد ہے۔ اس آزمائش پر انہیں خدا تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا چاہیئے تھا، گڑگڑا کر معافی طلب کرنی چاہیئے تھی، مگر انہوں نے نہ تو معافی طلب کی اور نہ حق کو تسلیم کیا۔ حَتّٰى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر شدید عذاب کا دروازہ کھول دیا۔ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ تو اچانک وہ اسمیں مبتلا ہو کر مایوس ہو گئے۔

شدید عذاب کا دروازہ یہ ہے کہ اللہ نے اہل ایمان کو مسلسل جہاد کرنے کا حکم دیدیا۔ فرمایا کفار و مشرکین کی سرکوبی کے لیے جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ - ۴۱) اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے جہاد میں کود پڑو۔ شروع شروع میں کفار نے اہل ایمان کا بڑا مقابلہ کیا جیسا کہ بدر، احد اور احزاب کی جنگوں سے ظاہر ہوتا ہے مگر آہستہ آہستہ مغلوب ہونے لگے اور اس طرح اللہ نے ان کو شدید عذاب میں مبتلا کر دیا۔ عرب کے کفار و مشرکین تو حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی ختم ہو گئے۔ ائمۃ الکفر مارے گئے اور باقیوں نے ایمان قبول کر لیا۔ پھر رومیوں اور ایرانیوں اور دوسری قوموں کے مقابلے میں بھی مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا۔ یہی مستقل سزا کا دروازہ تھا۔ پھر جب مسلمانوں میں جذبہ جہاد کمزور پڑ گیا، ان میں آرام طلبی اور عیش و عشرت آگئی، تو ان کو وہ مقام حاصل نہ رہا۔ اب غیر مسلموں کے دلوں میں اہل ایمان کا کچھ رعب باقی نہیں رہا، بلکہ اب

یہ خود مغلوب ہو کر رہ گئے ہیں۔ کافروں پر شدید عذاب کا دروازہ آہستہ آہستہ بند ہوتا چلا گیا اور اب دنیاوی لحاظ سے یہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں کہلاتی ہیں۔ اب سائنس اور ٹیکنالوجی ان کے پاس ہے اور مسلمان تہی دست ہو چکے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس میں غور و فکر کرنا ترک کر دیا ہے۔ نہ اس کے پروگرام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں۔ ان میں بہت سی کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں اور اب یہ اغیار کے زیر اثر ہیں۔

وَهُوَ الَّذِىٓ اَنۡشَاَ لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ‌ؕ
قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ ذَرَاَكُمۡ فِى
الۡاَرۡضِ وَاِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ يُحۡىٖ وَ
يُمِيۡتُ وَلَهُ اخۡتِلَافُ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ‌ ؕ اَفَلَا
تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۸۰﴾ بَلۡ قَالُوۡا مِثۡلَ مَا قَالَ الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۸۱﴾
قَالُوۡۤا ءَاِذَا مِتۡنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدۡ وُعِدۡنَا نَحۡنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنۡ
قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ:- اور اللہ کی ذات وہ ہے جس نے بنائے ہیں تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل ، بہت کم تم شکر ادا کرتے ہو ﴿۷۸﴾ اور وہ وہی ذات ہے جس نے تم کو پھیلا دیا ہے زمین میں ، اور اُسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ﴿۷۹﴾ اور وہ وہی ذات ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے ، اور اُسی کے قبضہ میں ہے اختلاف رات اور دن کا ، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ﴿۸۰﴾ بلکہ کہا اُن لوگوں نے مثل اُس کے جو پہلے لوگوں نے کہا ﴿۸۱﴾ انہوں نے کہا کیا ہم جب مر جائیں گے اور ہو

جائیں گے مٹی، اور ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو کیا
ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿۸۲﴾ بیشک ہم سے وعدہ
کیا گیا ہے اور ہمارے آباؤ و اجداد سے اس بات
کا اس سے پہلے، لیکن نہیں ہے یہ مگر قصے کہانیاں
پہلے لوگوں کی ﴿۸۳﴾

ربطِ آیات

اللہ نے نافرمانی کرنے والے لوگوں کا حال بیان کیا اور اُن کی سرکشی کا ذکر کیا۔ انہوں نے اللہ کے عطا کردہ انعامات کی ناقدری کی۔ اُن کو اللہ کی طرف سے مہلت ملتی رہی مگر وہ کفر و شرک پر ہی اصرار کرتے رہے۔ اللہ نے اُن کو تنبیہ بھی کی، مگر وہ برائیوں سے باز نہ آئے۔ پھر اللہ نے اُن پہ عذاب کا ایک مستقل دروازہ کھول دیا یعنی مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دے دیا۔ ابتداء میں تو کفر و اسلام کا بڑا مقابلہ ہوا۔ لیکن آہستہ آہستہ کفار مغلوب ہوتے چلے گئے اور پھر آخر میں بڑے بڑے سردارانِ کفر مارے گئے اور باقیوں نے اسلام قبول کر لیا، اس طرح کفار مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔

توحید اور معاد کا ذکر

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور معاد کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔ اللہ نے ایسے شواہد بیان فرمائے ہیں جن میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل پائی جاتی ہے تو دوسری طرف وقوعِ قیامت کا ثبوت ملتا ہے۔ توحید کے عقلی اور نقلی دلائل گذشتہ دروس میں بھی بیان ہو چکے ہیں۔ اب یہاں بھی اللہ نے بعض اندرونی اور بیرونی مشاہدات کے ذریعے اپنی توحید پہ دلیل قائم کی ہے۔ وقوعِ قیامت سے متعلق کفار و مشرکین کا انکار تیسرے رکوع میں بھی گذر چکا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہماری موت و حیات تو اسی دنیا تک محدود ہے، اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں۔ اور اس کے بعد کچھ نہیں۔ آج کے درس میں بھی کفار کا اسی قسم کا عندیہ ظاہر کیا گیا ہے جس میں انہوں نے بعث بعد الموت کا انکار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے نظریہ کا رد فرمایا ہے۔

کان اور آنکھ کی نعمت

اندرونی دلائل قدرت میں سے اللہ نے انسان کے بعض حواسِ ظاہرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِيٓ اللہ تعالیٰ کی رحیم وکریم اور قدرتِ تامہ کی مالک وہ ذات ہے اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں بنائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ انسان کا کان معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر کسی کے کان سلب ہو جائیں تو انسان کو بیشتر معلومات حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اگرچہ مشاہدہ کے ذریعے بھی کچھ نہ کچھ معلومات حاصل ہو جاتی ہیں مگر علم کا اصل ذریعہ قوتِ سماعت ہی ہے۔ کانوں کے ذریعے ہی وعظ و نصیحت کی باتیں سنی جاتی ہیں جن پر عمل کیا جاتا ہے اور بُرائی کی باتیں گانے بجانے بھی انہی کانوں کے ذریعے سنتے ہیں جن سے بچنے کا حکم ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کانوں اور آنکھوں کا ذکر بہت سی جگہوں پر کر کے اِن کی افادیت کو ظاہر کیا ہے اور اِن قویٰ کو دلائل قدرت کے طور پر بیان کیا ہے۔

امام رازیؒ اور بعض دیگر حضرات نے اس بات میں بحث کی ہے کہ انسان کے لیے کانوں کی اہمیت زیادہ ہے یا آنکھوں کی۔ اگر قوتِ سماعت موجود ہے، تو آنکھوں کے بغیر بھی انسان بہت کچھ معلومات حاصل کر سکتا ہے اور اچھائی اور بُرائی میں تمیز کر سکتا ہے۔ اور اگر قوتِ سماعت ختم ہو جائے تو انسان کی زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔

آنکھیں بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہیں جن کے ذریعے مختلف شکلوں اور رنگوں میں امتیاز کیا جاتا ہے۔ آنکھوں کے بغیر پورا جہان گھپ اندھیرا ہے۔ اسی لیے اللہ نے جہاں اپنی دیگر نعمتوں کا ذکر کیا ہے، وہاں آنکھوں کی نعمت کا احسان بھی جتلایا ہے۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ (البلد-۸) کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں نہیں دیں جن کے ذریعے اچھائی اور بُرائی میں امتیاز کرتے، ان کے ذریعے اللہ کی کتاب اور دیگر دینی کُتب کا مطالعہ کرتے جن سے فکر پاک ہوتی

اور اعمال میں اخلاص پیدا ہوتا۔ اگر پھر بھی کوئی کمی رہ جاتی تو وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ (البلد-۹) تو ہم نے زبان اور دو ہونٹ بھی دیے ہیں۔ ان کو بروئے کار لاکر کسی اہلِ علم سے دریافت کیا جاسکتا تھا مگر اکثر لوگ نہ تو آنکھوں سے صحیح کام لیتے ہیں اور نہ نیک مقصد کے لیے زبان کو بروئے کار لاتے ہیں۔ زبان سے جھوٹ بولنا اور گالیاں دینا تو اس کا غلط مصرف ہے اور خدا تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری کے مترادف ہے۔

آنکھوں کے متعلق حضور علیہ السلام کی حدیث[1] ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے مَنْ اِذَا اَخَذْتُ کَرِیْمَتَیْهِ اگر میں کسی شخص کی دو عزت والی چیزیں یعنی آنکھیں سلب کرلوں اور وہ اس پر صبر کرے تو میں اُسے جنت میں پہنچائے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گا۔ بہرحال کان اور آنکھ اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں جن کا جائز مصرف میں استعمال اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے مترادف ہے۔

دِل مرکزِ اخلاق ہے

فرمایا، اللہ تعالیٰ کی وہی ذات ہے جس نے کان آنکھیں وَالْاَفْئِدَةَ اور دل عطا کیے۔ عربی زبان میں فؤاد دِل کو کہتے ہیں، اور یہ وہی چیز ہے۔ جس کو امام بیضاویؒ عقل سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ ادراک کا مادہ دِل میں مانتے ہیں جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ادراک کا مادہ دماغ میں ہے مگر یہ دونوں اعضاء آپس میں مربوط ہیں جس طرح دِل کے بغیر دماغ کام نہیں کرسکتا اسی طرح دماغ بھی دِل کے بغیر بے سود ہے۔ یہ درست ہے کہ انسان کی سوچ اور سمجھ کا تعلق عقل سے ہے مگر قوتِ عملیہ اللہ نے دِل میں رکھی ہے۔ قلب کی منشا کے خلاف کوئی کام انجام نہیں دیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ اللہ نے ہر اچھائی، برائی، عقیدے اور اخلاق کا مرکز قلب کو بنایا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جو ہر انسان کے سینے میں رکھی ہوئی ہے۔ یہ صرف گوشت کا لوتھڑا نہیں بلکہ مرکزِ اخلاق ہے۔ خدا کی وحدانیت کا تصور بھی قلب میں ہے اور کفر، شرک، نفاق اور بدعقیدگی کا مرکز بھی قلب ہی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو دِل ہے اگر یہ درست ہے تو سارا جسم صحیح ہے اور اگر

[1] ترمذی ص۳۴۶ (فیاض)

یہ خراب ہے تو سارا جسم ہی خراب ہے۔ الغرض! کان، آنکھ اور دل کی نعمتوں کا ذکر دوسرے مقامات پہ آتا ہے۔ مثلاً سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (آیت ۳۶) کان، آنکھ اور دل ہر ایک کے متعلق قیامت کے دن باز پرس ہو گی کہ میں نے تمہیں یہ عظیم نعمتیں عطا کی تھیں، تم نے ان کو کس طرح استعمال کیا؟

انسان کی ناشکری

فرمایا، میں نے تمہیں یہ بہت بڑی نعمتیں عطا کی تھیں مگر افسوس قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ شکر تو یہ تھا کہ ان قویٰ کے ذریعے اچھائی کی باتیں حاصل کرتے، خدا کی وحدانیت کو اپنے دل میں جگہ دیتے اور برائی سے نفرت کرتے، مگر تم نے ان نعمتوں کا صحیح استعمال نہیں کیا۔ تم نے کانوں کے ذریعے بیہودہ باتیں، قصے کہانیاں اور گانے وغیرہ سنے، تمہیں تو قرآن پاک سننا چاہیئے تھا۔ اللہ کے نبی کے فرمان سننے چاہئیں تھے اور نیکی کی دوسری باتوں کو کانوں میں جگہ دینی چاہیئے تھی، مگر تم نے اس کے برخلاف صحیح چیز کو دیکھا نہیں بلکہ غلط نگاہ ڈالی ہے، صحیح بات کو سننے کی توفیق نہیں ہوئی۔ قلب کے ساتھ نیکی کی بجائے برائی کا ارادہ کیا، دل میں ایمان، توحید اور نیکی کو جگہ دینے کی بجائے کفر، شرک، نفاق، بدعت اور رسومات باطلہ کو جگہ دی، تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ تم بہت کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔

شکر گزاری کا طریقہ

شکر گزاری کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ کی ہر نعمت کو اس کے صحیح مقام پر استعمال کیا جائے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ عمر بھر تو آنکھوں سے کوئی مفید کام نہیں لیا مگر مرتے وقت وصیت کر دی کہ مرنے کے بعد میری آنکھیں کسی نابینا کو لگا دی جائیں۔ ساری عمر کسی اندھے سے حسن سلوک نہیں کیا تو بعد از مرگ آنکھیں دینے سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟ کرنے کا کام تو یہ تھا کہ اپنی زندگی میں نابیناؤں کی بھلائی کے لیے جدوجہد کرتے مگر ایسا نہیں کیا۔ یہ کام تو ولید بن عبدالملک نے انجام دیا تھا

اُس نے ہر نابینا آدمی کو ایک خادم مہیا کیا تھا اور اس کی ضروریات بیت المال
سے پوری ہوتی تھیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ بعض نابینا حضرات نے بھی بڑے بڑے
کام انجام دیے ہیں ہمارے زمانے میں مصر کا وزیر طٰہٰ حسین پی۔ ایچ۔ ڈی مگر نابینا تھا
اس نے بہت سی کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں حضور علیہ السلام اور صحابہ کی سیرت پہ کتابیں
خاص طور پہ قابل ذکر ہیں۔ ابو العلیٰ معری بھی نابینا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ آخر
عمر میں نابینا ہو گئے تھے مگر اسی حالت میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ بعض
دیگر نابیناؤں نے بھی بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں جنہیں دیکھ کر
حیرت ہوتی ہے۔

بہر حال مرنے کے بعد کسی کو آنکھیں یا کوئی دوسرا عضو دے دینا کوئی خدمت
نہیں۔ اصل کام یہ ہے کہ نابیناؤں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دی جائے
انہیں تعلیم دی جائے۔ آج کل بریل سسٹم موجود ہے جس کے ذریعے نابینا بھی
پڑھ لکھ جاتے ہیں۔ انہیں ہنر سکھایا جائے اور اس قابل بنایا جائے کہ وہ بھیک مانگنے
کی بجائے اپنی روزی خود کما سکیں۔ غرضیکہ اللہ نے کان، آنکھ اور دل جیسی عظیم نعمتیں
عطا کی ہیں۔ انسان کا فرض ہے کہ انہیں صحیح کام پہ لگائے اور ان سے صحیح فائدہ اٹھائے

نشاناتِ قدرت

ارشاد ہوتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ اللہ کی ذات
وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا ہے۔ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ اور تم
اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے انسانی آبادی
کو دنیا کے مختلف خطوں میں بکھیر دیا ہے۔ ہر خطے کی آب و ہوا کا اثر اس کی آبادی
پر بھی پڑتا ہے جس کا اثر رنگ، صحت اور شکل و صورت میں واضح ہوتا ہے۔ گرم
اور سرد علاقوں کی اپنی اپنی ضروریات اور اپنے اپنے وسائل ہوتے ہیں۔ اسی طرح
میدانی اور پہاڑی خطوں کے لوگوں کے اپنے اپنے اطوار اور اپنے اپنے رسم و رواج
اور اپنی اپنی ضروریات ہوتی ہیں۔ ہر خطے کے لوگوں کو اپنے اپنے علاقے اور وطن
سے محبت ہوتی ہے اور پورے اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ

اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت کا ثمرہ ہے کہ ہر قوم اپنے اپنے مقام پر مطمئن ہے۔ اور پھر یہ ہے کہ کوئی انسان دنیا کے کسی بھی خطے میں زندگی گزارے، مرنے کے بعد اسے بہر حال اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔ وہ اپنی بارگاہ میں ہر رنگ و نسل اور ہر ملک و قوم کے لوگوں کو اکٹھا کرے گا۔

فرمایا وَهُوَ الَّذِي يُحْيِ وَيُمِيتُ خدا تعالیٰ وہ ہے جو زندہ رکھتا ہے اور موت دیتا ہے۔ جب تک اُسے منظور ہوتا ہے انسان سطح ارضی پر زندگی گزارتا ہے اور پھر جب اُس کی منشا ہوتی ہے تو اس زندگی کو واپس لے کر موت سے ہم کنار کر دیتا ہے۔ گویا موت و حیات کا پورا نظام اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ یہ اختیار اُس نے کسی دوسری ہستی کو تفویض نہیں کیا۔ یہ بھی اس کی قدرت کی ایک دلیل ہے۔

وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ دن رات کا اختلاف یعنی نظام شمسی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ایک مقررہ طریقے کے مطابق رات اور دن کو آگے پیچھے لاتا ہے۔ اُس نے دن رات کے ذریعے دنوں کی گنتی کا حساب رکھا ہوا ہے۔ ایک دن رات چوبیس گھنٹے میں مکمل ہوتا ہے، ہفتہ سات دن میں، مہینہ تیس دن میں اور سال بارہ مہینوں میں، اللہ نے ایسی تقویم مقرر کر رکھی ہے جس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں پڑتا اور تمام لوگ اسی رات اور دن کے حساب سے معمولات زندگی گزارتے ہیں۔

فرمایا یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔ وہ اکیلی ذات ہے جو پوری کائنات کا نظام نہایت احسن طریقے سے چلا رہی ہے اور جس میں کبھی کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ اِن تمام شواہد کے باوجود اگر کوئی خدا کی ذات پر ایمان نہیں لاتا تو یہ اُس کی اپنی بدبختی ہے۔ فرمایا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی اَفَلَا تَعْقِلُونَ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ کیا تمھیں اتنا بھی شعور نہیں کہ اِن دلائل قدرت پر غور و فکر کر سکو؟

وقوع قیامت کا انکار

فرمایا، اِن تمام حقائق کی وضاحت کے بعد بھی ان لوگوں کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی بجائے بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ انہوں نے بھی وہی بات کی جو پہلے لوگوں نے کی تھی۔ پرانے زمانے کے کفار و مشرکین نے بھی دلائلِ قدرت دیکھنے کے باوجود توحید باری تعالیٰ اور قیامت کا انکار کیا تھا تو اِن لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا کہنے لگے کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی میں مِل جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو جائیں گی۔ سورۃ النّٰزعٰت میں ہے ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً (آیت - ۱۱) کیا جب ہماری ہڈیاں گل سڑ کر بھر بھری ہو جائیں گی۔ ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی، کہتے تھے لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا وعدہ تو اس سے پہلے ہمارے آباؤ اجداد سے بھی کیا گیا مگر ہم نے تو آج تک کسی کو مر کر دوبارہ زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ کہنے لگے کہ اس دعویٰ میں کوئی حقیقت نہیں بلکہ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ بلکہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو ہم شروع سے سنتے آئے ہیں مگر اِن کی عملی شکل کبھی نہیں دیکھی۔ کہتے تھے کہ وقوعِ قیامت، بعث بعد الموت، حشر نشر، جنت دوزخ سب کہانیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، لہٰذا ہم اِن باتوں کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ نزولِ قرآن کے زمانے کے کافر اور بعد والے کافر سب ایسا ہی کہتے آئے ہیں۔

الغرض! بنیادی بات یہ ہے کہ مذکورہ تمام مشاہدات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی قدرت کی دلیل ہیں۔ جب وہ قادرِ مطلق اور وحدہٗ لاشریک ہے تو پھر وہ وقوعِ قیامت پر بھی قادر ہے اور یہ واقع ہو کر رہے گی۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر مختلف عنوانات سے بیان فرمایا ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ
رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ
بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ
عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ
لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ
وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ
وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ
بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ سُبْحٰنَ
اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
ع ۵ ۱۵ ۵ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع

ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے، کس کے لیے ہے زمین اور
جو کچھ اس کے اندر ہے، اگر تم کچھ جانتے ہو ﴿۸۴﴾
جواب میں کہیں گے، اللہ ہی کے لیے ہے۔ (آپ
کہہ دیجئے) پھر تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے ﴿۸۵﴾ آپ کہہ
دیجئے کہ کون ہے رب ساتوں آسمانوں کا اور کون ہے مالک

عرشِ عظیم کا (۸۶) تو کہیں گے کہ یہ سب اللہ ہی کے
لیے ہیں (آپ کہہ دیجئے) پھر تم ڈرتے کیوں نہیں ؟ (۸۷)
آپ کہہ دیجئے ، کون ہے جس کے قبضۂ قدرت میں
ہے اقتدار ہر چیز کا ۔ اور وہ پناہ دیتا ہے اور اُس کے
مقابلے میں پناہ نہیں دی جا سکتی ، اگر تم جانتے ہو (۸۸)
تو کہیں گے ، یہ بھی اللہ ہی کے لیے ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے
پھر تم پر کہاں جادو کیا جا رہا ہے ؟ (۸۹) بلکہ ہم لائے
ہیں اِن کے پاس حق ، اور بیشک یہ لوگ البتہ جھوٹے
ہیں (۹۰) نہیں بنائی اللہ نے کوئی اولاد ، اور نہیں ہے
اُس کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ ۔ (اگر ایسا ہوتا) تو البتہ
لے جاتا ہر الٰہ اُس چیز کو جو اُس نے پیدا کی ہے ۔
اور بعض غالب آجاتے بعض پر ۔ پاک ہے اللہ کی ذات
اُن چیزوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں (۹۱) وہ جاننے والا
ہے پوشیدہ چیزوں کا اور کھُلی چیزوں کا ۔ پس بلند و برتر
ہے وہ اُن چیزوں سے جن کو یہ اُس کے ساتھ شریک
بناتے ہیں (۹۲)

ربطِ آیات

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اُن کے مشن کا ذکر کیا کہ انہوں نے کس طرح خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور ایمان و توحید کی دعوت دی ۔ اللہ نے ساتھ ساتھ توحید کے مختلف دلائل بھی بیان فرمائے ۔ چونکہ وہ لوگ قیامت کا بھی انکار کرتے تھے ، اس لیے اللہ نے توحید اور قیامت کے اکٹھے دلائل بھی دیے ۔ گذشتہ آیات میں بعض ایسے دلائل کا ذکر تھا جو انسانی مشاہدے میں ہر وقت آتے رہتے ہیں ۔ انہیں دیکھ کر انسان کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ

کی نعمتوں کی قدر کرے، توحید اور قیامت کا انکار نہ کرے۔ اللہ نے مشرکین کے اس نظریہ کو بھی بیان کیا کہ وہ کہتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی میں رل مل جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی، تو بھلا پھر ہم کیسے دوبارہ جی اٹھیں گے کہتے تھے کہ یہ تو پرانے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو ہم آباؤ اجداد سے سنتے چلے آرہے ہیں مگر ہم انہیں تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

زمین و مافیہا کی ملکیت

اب آج کے درس میں دلائلِ توحید ہی کے ضمن میں ارشاد ہوتا ہے قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَا اے پیغمبر! آپ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیجئے کہ زمین اور اس میں موجود ہر چیز کس کی ملکیت ہے۔ اس زمین پر مخلوقِ خدا آباد ہے۔ اسی میں پیدا ہوتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں، چلتے پھرتے ہیں۔ اس پر مکانات بناتے ہیں۔ اس میں کھیتی باڑی کر کے اپنے لیے روزی کا سامان مہیا کرتے ہیں مگر یہ تو بتلاؤ کہ اتنا بڑا کرہ ارض آخر کس کی ملکیت ہے۔ مطلب یہ کہ اس کو پیدا کس نے کیا ہے اور اس کا پورا کنٹرول کس کے ہاتھ میں ہے۔ فرمایا بتاؤ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم جانتے ہو تو اس سوال کا جواب دو۔

پھر اللہ نے خود ہی جواب میں فرمایا سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ کہ ان لوگوں کا جواب یہی ہوگا کہ زمین اور مافیہا کی ملکیت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے وہی اس کا خالق اور وہی اس کا متصرف ہے۔ قُلْ فرمایا، ان لوگوں کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں تو پھر ان سے دریافت کریں اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ پھر تم نصیحت کیوں نہیں پکڑتے؟ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کیوں کرتے ہو۔ اور وقوعِ قیامت پہ ایمان لانے سے کیوں ہچکچاتے ہو؟

آسمانوں اور عرش کی ملکیت

آگے دلائلِ توحید کے سلسلے میں دوسرا سوال کیا جا رہا ہے۔ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ بھلا بتاؤ تو ساتوں آسمانوں کا پروردگار کون ہے وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟ اس کے جواب میں بھی کفار و مشرکین یہی کہیں گے۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ

کہ یہ چیزیں بھی اللہ ہی کی ہیں۔ وہی ان کا خالق، مالک اور متصرف ہے۔ فرمایا، اگر یہ بات ہے قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ تو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ جب تم ہر چیز کا مالک خدا تعالے کو مانتے ہو تو پھر اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے تمھیں خوف کیوں نہیں آتا؟ یہ تو بڑی گستاخی کی بات ہے۔

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آسمانوں کو تو ہر کافر، مشرک اور ملحد بھی مانتا تھا اور انہوں نے اقرار کیا کہ ان کا مالک اللہ ہی ہے مگر یہ لوگ عرش الٰہی سے تو واقف نہیں تھے، پھر انہوں نے اس کے متعلق کیسے تسلیم کر لیا کہ یہ بھی اللہ ہی کی ملکیت ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں آسمانی کتب کا علم رکھنے والے یہود و نصاریٰ تو عرش عظیم سے بھی واقف تھے کیونکہ اس کا ذکر اُن کی اپنی کتابوں میں موجود تھا۔ اور اُن سے سن کر مشرک بھی مانتے تھے کہ ساتوں آسمانوں کے اُوپر عرش الٰہی بھی ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس کا مالک بھی اللہ ہی ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عرش عظیم سے مراد وہ عرش نہیں جس پر خدا تعالیٰ مستوی ہے بلکہ اس مقام پر اس سے مراد سلطنت عظمیٰ (GREAT KINGDOM گریٹ کنگڈم) ہے۔ وہ لوگ چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور علاقائی ملوک و سلاطین کا تصور تو رکھتے تھے۔ مگر پوری کائنات یعنی سب سے بڑی سلطنت کا مالک کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا جواب بھی انہیں یہی دینا پڑتا ہے کہ سب سے بڑی سلطنت کا مالک و متصرف بھی اللہ ہی ہے۔

پھر تیسرا سوال یہ اٹھایا قُلۡ مَنۡۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَیۡءٍ اے پیغمبر! آپ ان سے یہ بھی پوچھیں کہ ہر چیز کا تصرف اور اختیار کس کے ہاتھ میں ہے؟ ملکوت، ملک کا مبالغہ ہے تسبیح میں بھی ہم پڑھتے ہیں سُبۡحٰنَ ذِی الۡمُلۡكِ وَالۡمَلَكُوۡتِ اور وہ کون ہے وَهُوَ یُجِیۡرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیۡهِ جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی ہر چیز پر تصرف

پناہ نہیں دے سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو چاہے اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے، کوئی دوسری ذات اس معاملہ میں دخل نہیں دے سکتی۔ اور اگر وہ کسی کو سزا دینا چاہے تو کوئی ذات ایسی نہیں جو اسے اپنی پناہ میں لے کر اس کو سزا سے بچا لے۔ فرمایا، اس سوال کا جواب دو اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم جانتے ہو۔ فرمایا کافر اور مشرک بھی اس کا جواب یہی دیں گے سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ یہ تو اللہ ہی کی صفات ہیں۔ وہ جسے چھوڑنا چاہے اُسے کوئی پکڑ نہیں سکتا، اور جسے پکڑنا چاہے اُسے کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ فرمایا، اگر یہ بات ہے۔ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ تو اے پیغمبر! آپ اِن سے کہہ دیں کہ تم پہ کہاں جادو کیا جا رہا ہے؟ تم ہوش و حواس کیوں کھو بیٹھے ہو اور کیوں اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہو؟ اِن حقائق کا علم ہونے کے باوجود تم توحید اور معاد کا انکار کس بنا پر کر رہے ہو؟

فرمایا حقیقت یہ ہے بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ بلکہ ہم اِن کے پاس سچی بات لے آئے ہیں یعنی ہمارا پیغمبر اِن کے پاس خدا کی سچی کتاب اور صحیح پروگرام لے کر آیا ہے۔ توحید، معاد بالکل برحق ہیں مگر وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ یہی جھوٹے ہیں جو باطل خیالات کی پیروی کر کے اللہ کے سچے نبی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اسے ساحر، کاہن اور شاعر کا لقب دیتے ہیں اور یہ اپنے اس دعوے میں سراسر جھوٹے ہیں یہ لوگ محض سنی سنائی باتوں پر غلط عقیدے بنا کر بیٹھ گئے ہیں۔ یہ نہ تو خدا تعالیٰ کی قدرت کو سمجھتے ہیں اور نہ اس کی حکمت کو بلکہ بلاوجہ حق کی مخالفت کر رہے ہیں۔

توحید پہ دلیل

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے توحید پہ دلیل قائم کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ خدا تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ ہی اس کا کوئی حقیقی بیٹا ہے یہ تو مخلوق کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ اِن سے مبرا ہے، وہ بے نیاز ہے

ذات تو مخلوق سے وراء الوراء ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ ۔۱۱) وہ بے مثل اور بے مثال ہے۔ یہ تو عیسائیوں کا باطل عقیدہ ہے کہ اللہ نے مسیح علیہ السلام کو بیٹا بنا لیا ہے اور وہ سفارش کر کے لوگوں کو اللہ کے قہر سے بچالیں گے اور لوگوں کی مرادیں پوری کرتے ہیں۔ فرمایا وَمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے جو قادر مطلق، علیم کل، ازلی اور ابدی ہو۔ اگر بالفرض کوئی دوسرا الٰہ ہوتا۔ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ تو ہر الٰہ اپنی اپنی پیدا کردہ چیزوں کو لیکر الگ ہوتا جاتا اور وہ اپنی جدا جدا سلطنتیں قائم کر لیتے۔ اگر بہت سے معبود ہوتے تو ظاہر ہے کہ اُن میں سے ہر ایک دوسرے پر تسلط جمانے کی کوشش کرتا اور اپنی سلطنت کو وسیع تر کرنے کی کوشش کرتا۔ سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (آیت ۔۲۲) اگر ارض و سما میں خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور الٰہ بھی ہوتا تو کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ یہ تو عام محاورہ ہے کہ ایک گودڑی میں دس فقیر تو سما سکتے ہیں مگر ایک سلطنت میں دو بادشاہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اُن میں سے ہر کوئی دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کریگا اور اس طرح فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جائیگا۔ اور اگر ان دو میں سے ایک با اختیار اور دوسرا کمزور رہے تو پھر بھی الٰہ ایک ہی ہوگا، کمزور تو الٰہ بننے کا اہل نہیں ہوگا۔ بہرکیف معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔

آگے ایک اور نکتہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود بھی ہوتا وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ تو ایک الٰہ دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ ایک معبود دوسرے پر چڑھائی کر دیتا، جیسا کہ دنیا کے عام سلاطین کا دستور ہے۔ فرمایا اس طریقے سے بھی امن مفقود ہو جاتا ہے اور کائنات شر و فساد کا میدان بن جاتی۔ فرمایا سُبْحٰنَ اللّٰهِ

عَمَّا يَصِفُوْنَ اللہ کی ذات پاک ہے اُن چیزوں سے جن کو وہ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا نہ کوئی حقیقی بیٹا ہے اور نہ منہ بولا، اور نہ ہی خدا نے کسی کو اپنے اختیارات تفویض کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں بے مثل اور بے مثال ہے۔ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے، نہ صفات میں، نہ تصرف میں، نہ تدبیر میں، نہ خلق میں اور نہ ربوبیت میں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور مشرکوں کی بیان کردہ کمزوریوں سے پاک ہے۔

خدا کی صفت علیم

ارشاد ہوتا ہے عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہ غائب اور حاضر سب کو جاننے والا ہے۔ دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات سے تو کوئی چیز غائب نہیں۔ اس کا اپنا فرمان ہے وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ (یونس - ٦١) تیرے پروردگار کی نگاہوں سے تو ایک ذرہ بھی غائب نہیں۔ تو یہاں پر غائب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو مخلوق کی نگاہ سے اوجھل ہیں، مثلاً جنات، فرشتے، سعادت، شقاوت وغیرہ۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر اور باطن چیز کو جانتا ہے۔ وہ علیم کل ہے اور اس کی ذات سے کوئی چیز مخفی نہیں وہ عالم محسوسات اور عالم غیر محسوسات سب کو جاننے والا ہے۔

فرمایا فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ پس خدا تعالیٰ کی ذات بلند و برتر ہے، اُن چیزوں سے جن کو یہ خدا کا شریک بناتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی صفات غیر محدود ہیں۔ جب کہ انسان کا علم اور سمجھ محدود ہے اور انسان ہر طرح سے محتاج ہے جب حقیقت یہ ہے تو پھر مخلوق کو خدا کی کسی صفت میں یا اس کی عبادت میں شریک کرنا سب سے بڑا ظلم ہے۔ انسان کو شرک سے ہر حالت میں بچنا چاہیئے کہ مشرک کی نجات نہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا
تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَاِنَّا عَلٰٓى
اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ
هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾
وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾
وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ
اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ
اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ
هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ
يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ:- آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) اے میرے پروردگار! اگر تو دکھا دے مجھے وہ چیز جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے ﴿۹۳﴾ اے میرے رب! پس نہ کرنا مجھے اُن لوگوں میں جو ظلم کرنے والے ہیں ﴿۹۴﴾ اور بیشک ہم قادر ہیں اس پر کہ دکھا دیں، آپ کو جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے ﴿۹۵﴾ آپ برائی کا دفاع کریں اس خصلت کے ساتھ جو بہتر ہے، ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ

لوگ بیان کرتے ہیں ﴿۹۶﴾ آپ کہہ دیجئے ، اے میرے پروردگار
میں پناہ چاہتا ہوں تیری ذات کے ساتھ شیطانوں کی
چھیڑ چھاڑ سے ﴿۹۷﴾ اور میں پناہ چاہتا ہوں تیرے
ساتھ اے میرے پروردگار ! اس بات سے کہ یہ
(شیاطین) میرے پاس حاضر ہوں ﴿۹۸﴾ یہاں تک کہ جب
ان میں سے کسی کے پاس پہنچتی ہے موت تو کہتا
ہے ، اے میرے پروردگار ! مجھ کو واپس لوٹا دے ﴿۹۹﴾
شاید کہ میں عمل کروں اچھا اُس چیز میں جو میں نے
چھوڑ دی ہے ۔ خبردار ! یہ ایک بات ہے جس کو یہ
شخص کہنے والا ہے ۔ اور اِن کے آگے برزخ (پردہ)
ہے اُس دن تک جس دن یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے ﴿۱۰۰﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں ، مشرکوں اور منکروں کا رد فرمایا اور دلائلِ توحید بیان فرمائے ۔ فرمایا کہ ارض و سما اور اِن کے درمیان موجود ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت اور تصرف میں ہے ۔ وہ کسی لاچار کو پناہ دے سکتا ہے مگر اُس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا ۔ فرمایا اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود یہ لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور قیامت کا انکار کرتے ہیں ۔ یہ جھوٹے لوگ ہیں ۔ پھر اللہ نے یہ فرمایا کہ اُس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کا کوئی حقیقی بیٹا ہے اور نہ ہی اُس کے سوا کوئی معبود ہے ۔ اگر کوئی ہوتا تو ہر الٰہ اپنی اپنی پیدا کردہ چیز لے کر الگ ہو جاتا اور ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کر کے غالب آنے کی کوشش کرتا ۔ ایسی صورت میں نظامِ کائنات درہم برہم ہو کر رہ جاتا ۔

اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ عالم الغیب و الشہادۃ ہے اور شرک سے بالکل منزہ ہے ۔ نیز جو لوگ دلائلِ توحید دیکھنے کے باوجود انکار کرتے ہیں ، وہ بلاشبہ سزا کے

مستحق ہیں۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ منکرین کو جلدی سزا کیوں نہیں ملتی تو اللہ نے مختلف مقامات پر اس کا جواب یہ دیا ہے کہ سزا کا ایک وقت معین ہے وہ اپنے قانونِ امہال کے مطابق جب چاہے گا سزا میں مبتلا کر دے گا۔ بعض اوقات وہ شدید ترین مجرموں کو بھی فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے اور پھر اچانک پکڑ لیتا ہے۔

یہ لوگ وقوعِ قیامت پر یقین ہی نہیں رکھتے تھے، بلکہ کہتے تھے۔ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا (المؤمنون۔٣٧) یہ ہماری دنیا کی زندگی ہی ہے جس میں ہم مرتے اور جیتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی دوسری دنیا نہیں ہے۔ جس میں ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور حساب کتاب ہوگا۔ کہتے تھے کہ عالم برزخ عالم آخرت، جنت دوزخ وغیرہ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو ہمارے سامنے دہرائی جا رہی ہیں، وگرنہ اس میں حقیقت کچھ نہیں اللہ نے فرمایا کہ ایسے لوگ سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔

پیغمبر کی دُعا

بعض اوقات منکرین کی حد سے زیادہ سرکشی دیکھ کر پیغمبر اسلام علیہ السلام کو بھی خیال آتا تھا کہ یہ بدبخت گرفت میں کیوں نہیں آتے۔ ایسے حالات میں اللہ نے اپنے نبی کی اس طرح راہنمائی فرمائی۔ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ اے پیغمبر! آپ اس طرح دُعا کریں کہ اے میرے پروردگار! اگر تو مجھے وہ چیز دکھا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے۔ یعنی اگر میری زندگی میں ہی ان پر عذاب آجائے رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اے میرے پروردگار! نہ ٹھہرانا مجھے ان لوگوں میں جو ظالم ہیں۔ یعنی جب تیرا عذاب آئے تو مجھے ان سے الگ کر لینا۔ حدیث شریف میں یہ دُعا بھی سکھائی گئی ہے اے مولیٰ کریم! اِذَا اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَتَوَفَّنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنہ یا آزمائش کا ارادہ کرے تو مجھے ایسی حالت میں اپنی طرف اٹھا لے کہ میں فتنے میں مبتلا نہ ہوں، یہاں بھی اللہ نے اپنے نبی کو

یہی دُعا سکھلائی ہے کہ عذاب کے وقت آپ اِن ظالموں سے علیحدگی کی درخواست کریں۔

بعض اوقات جب کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر کسی خاص و عام کو نہیں چھوڑتی منکرین اور اہلِ ایمان سب اُس میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس دنیا میں تو بعض کو ناکردہ گناہ کی سزا بھی ملتی ہے۔ ثُمَّ یُبْعَثُوْنَ عَلٰی نِیَّاتِھِمْ مگر جب قیامت کو دوبارہ اٹھیں گے تو اپنی اپنی نیت اور عقیدے کے مطابق بعث ہوگی۔ اس دن اطاعت گزار لوگ اس سزا سے محفوظ ہوں گے۔ جس میں منکرین مبتلا ہوں گے

فرمایا وَاِنَّا عَلٰٓی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُھُمْ لَقٰدِرُوْنَ

اور بیشک ہم اس بات پر قادر ہیں کہ آپ کو وہ چیز دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وعدہ تو نافرمانوں سے سزا کا ہی ہے اللہ نے فرمایا کہ ہم یہ سزا آپکو آپکی زندگی میں بھی دکھا سکتے ہیں۔ چنانچہ بعض چیزیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی میں ہی دکھا دیں۔ آپ کی حیاتِ مبارکہ میں کفار و مشرکین کو ذلّت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہیں پے در پے شکست ہوئی حتیٰ کہ آپ کی زندگی میں ہی پورا جزیرۃ العرب مشرکوں سے پاک ہوگیا۔ سردارانِ مشرکین مارے گئے اور باقیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر آپ کے بعد خلفائے راشدین رضہ کے زمانہ میں کفار و مشرکین مکمل طور پر مغلوب ہو گئے حتیٰ کہ دنیا بھر میں ایمان والوں کی طرف بُری نظر اٹھا کر دیکھنے والا کوئی نہ رہا۔

برائی کا دفاع اچھائی کے ساتھ

ارشاد ہوتا ہے کہ مشرک لوگ آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے ہیں۔ آپ کو جسمانی اور ذہنی طور پر پریشان کرتے ہیں، مگر اُن کی برائی کا جواب برائی سے دینے کی بجائے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ اس برائی کا دفاع نیکی اور اچھائی کے ساتھ کریں۔ مشرکین کی بداخلاقی کے مقابلے میں آپ نرمی اور خوش اخلاقی سے کام لیں کیونکہ اللہ نے بداخلاقی کی اجازت کبھی نہیں دی۔ البتہ آپ تبلیغ دین کا کام کرتے رہیں اور اس میں کمی نہ آنے

دیں۔ فرمایا، آپ فکر نہ کریں نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ہم اِن کی کرتوتوں کو خوب جانتے ہیں۔ یہ لوگ جس قدر کینہ و بغض رکھتے ہیں، طعن و ملامت کرتے ہیں، گالیاں دیتے ہیں اور اذیتیں پہنچاتے ہیں، وہ سب ہمارے علم میں ہیں، ہم خود اِن سے نپٹ لیں گے، مگر آپ اِن کی ہر برائی کا جواب نیکی کے ساتھ دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ بھی نرم پڑ جائیں گے، آپ کا کام آسان ہو جائے گا اور پھر کامیابی بھی آپ ہی کے حصے میں آئے گی۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ جس چیز میں سختی داخل ہو جاتی ہے۔ وہ اُس کو بگاڑ دیتی ہے، اور جس چیز میں نرمی پائی جاتی ہے وہ اُس کو زینت بخشتی ہے۔

ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ہر کام کا اپنا اپنا مقام ہوتا ہے۔ تعلیم و تربیت کے معاملہ میں تو بلاشبہ نرم روی ہی بہترین ہتھیار ہے مگر جہاں نفاذِ حدود کا تعلق ہو، وہاں کسی قسم کی نرمی روا نہیں بلکہ مجرم کو پوری پوری سزا دی جائے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ زانی مرد اور زانی عورت کو سو سو دُرّے لگاؤ۔ وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ (النور۔ ۲) اور نفاذِ دین کے معاملہ میں تمھیں اُن پر کوئی ترس نہیں آنا چاہیئے۔ یاد رہے کہ سو کوڑے مارنے کی سزا غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے ہے جبکہ شادی شدہ مرد و زن کی صورت میں ان کی سزا سنگساری ہے۔

اسلام کے ابتدائی دَور میں بعض اوقات بعض نو مسلم صحابہؓ کی زبان سے بے ادبی کی باتیں بھی نکل جاتی تھیں مگر حضور علیہ السلام نے ہمیشہ شفقت اور محبت کا اظہار کیا اور کسی کو سختی سے جواب نہیں دیا۔ حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ سے بعض ایسی باتیں سرزد ہو گئیں تھیں مگر اُن کو پیار سے ساری بات سمجھا دی۔ آخر اُن کو کہنا پڑا فَوَاللّٰهِ مَا رَاَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهٗ خدا کی قسم میں نے ایسا معلم پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ انہوں نے نہ مجھے ڈانٹا اور نہ بُرا بھلا کہا بلکہ میری ہر درشتگی کا جواب نہایت عمدہ طریقے سے دیا۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ برائی کا

دفاع اچھائی کے ساتھ کریں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اے ابوذرؓ! اگر تم سے کوئی بداخلاقی یا برائی کی بات ہو جائے تو اس کو نیکی کے ساتھ مٹا دو، ہر برائی کے پیچھے نیکی لگا دو۔ اگر ایسا کرو گے تو برائیاں خود بخود مٹتی چلی جائینگی۔ اور اگر برائی کا جواب برائی سے دو گے تو برائی میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

تعوذ من الشیاطین

تبلیغ دین کے سلسلہ میں بعض اوقات بحث مباحثہ بھی ہو جاتا ہے اور پھر شیطان وسوسہ اندازی کر کے غصہ دلانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ یہ شیطان کی چھیڑ چھاڑ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ چونکہ حضور علیہ السلام کو ایسے معاملات سے اکثر واسطہ پڑتا رہتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے آپ کو یہ دعا سکھلائی۔ فرمایا۔ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ اے پیغمبر! آپ اس طرح دعا کریں، اے میرے پروردگار! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ چاہتا ہوں شیطانوں کی چھیڑ چھاڑ سے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ شیطان سے ہر موقع پر استعاذہ کرنا چاہیئے چنانچہ آپ نے یہ استعاذہ بھی سکھلایا ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں شیطان مردود کی چھیڑ چھاڑ، اُس کے تکبر اور اُس کے سحر سے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی شخص بیت الخلا میں جاتا ہے تو شیطان اُس کے اعضائے مستورہ سے کھیلتے رہتے ہیں، اسی لیے آپؐ نے فرمایا[1] کہ بیت الخلا و جاتے وقت اس طرح استعاذہ کرنا چاہیئے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ اے اللہ! میں نر اور مادہ شیاطین سے تیری ذات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ فرمایا ایک تو شیاطین کی چھیڑ چھاڑ سے پناہ مانگیں اور یہ بھی کہیں وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ اے اللہ! میں اس بات سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیاطین میرے پاس حاضر ہوں۔ نہ وہ میرے پاس آئیں گے اور نہ وسوسہ اندازی کریں گے، لہٰذا میں شیطان

[1] بخاری ص۹۳۶ ج۲ (فیاض)

کے شر سے محفوظ رہوں گا۔

دنیا میں واپسی کی تمنا

فرمایا آپ دعوتِ دین کا کام کرتے رہیں۔ اگر یہ لوگ نہیں مانیں گے تو پھر مرنے کے بعد انہیں سخت حسرت ہوگی۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ حتیٰ کہ جب اُن میں سے کسی کو موت آگئی تو ہر کافر، مشرک اور نافرمان کہے گا۔ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ اے پروردگار مجھے دنیا میں واپس لوٹا دے نافرمانوں کی یہ تمنا عالم برزخ میں بھی ہوگی اور اس خواہش کا اظہار وہ آخرت میں بھی کریں گے۔ سورۃ المنافقون میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے خرچ کرو پیشتر اس کے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجائے تو وہ کہنے لگے کہ اے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی۔ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (المنافقون ۱۰) تاکہ میں صدقہ و خیرات کرلیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا مگر اُدھر سے جواب آئے گا۔ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا (آیت ۱۱) مگر جب موت کا وقت آجاتا ہے۔ تو پھر خدا تعالیٰ کسی کو مہلت نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا عام قانون بھی یہی ہے فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (الاعراف ۳۴) جب مقررہ وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔

فرمایا جب ان لوگوں کو موت آجاتی ہے تو پھر یہ تمنا کرتے ہیں کہ مولیٰ کریم! ہمیں واپس لوٹا دے لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ تاکہ میں کچھ نیک کام کرلوں اُس چیز میں جو میں نے پیچھے چھوڑی ہے۔ پیچھے چھوڑی جانے والی چیزوں میں ایک تو ایمان ہے جس کو اُس نے دنیا میں ہی چھوڑ دیا اور اس کو اختیار کر کے ساتھ نہ لایا اور دوسری چیز مال ہے جو وہ دنیا میں چھوڑ آیا ہے اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر سکا۔ اب تمنا کرتا ہے کہ مولیٰ کریم۔ مجھے دنیا میں واپس بھیج تو میں تیری وحدانیت اور وقوعِ قیامت پر ایمان بھی لے

آؤں گا، اور تیرے دیے ہوئے مال میں سے تیرے راستے میں خرچ بھی کروں گا۔
اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کَلَّا خبردار، یہ زجر اور تنبیہ ہے تمھاری
یہ خواہش ہرگز قبول نہیں ہوگی۔

اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا یہ ایک بات ہے جس کو وہ کہنے والا
ہے۔ یہ اُس کی تمنا ہی تمنا ہے، محض آرزو ہے جو کبھی پوری نہیں ہوگی سورۃ انبیا
میں واضح کیا جا چکا ہے اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (آیت - ۹۵) کہ وہ دُنیا
میں واپس نہیں آسکیں گے۔ جو ایک دفعہ چلا گیا، اُس کی واپسی ناممکن ہوگئی۔

برزخ کی زندگی

ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اور اُن کے آگے
ایک پردہ ہے اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ اُس دن تک جب وہ دوبارہ اٹھائے
جائیں گے۔ مطلب یہ کہ اب انہیں قیامت تک اسی برزخی زندگی میں رہنا
ہوگا۔ وراء کا لفظ اضداد میں سے ہے اور یہ آگے اور پیچھے دونوں معنوں
میں استعمال ہوتا ہے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو پھر پیچھے آنے
کی خواہش تو پوری نہیں ہوگی، البتہ ان کے آگے برزخ یا پردہ ہے۔ دوبارہ اٹھائے
جانے کے دن تک۔ جب صور اسرافیل پھونکا جائیگا تو پھر سب دوبارہ جی اٹھیں
گے، اس وقت اُن کے آگے پردہ ہے۔

عالمِ برزخ دنیا اور آخرت کا درمیانی جہان ہے۔ ان تینوں جہانوں کے
احکام مختلف ہیں۔ مفسرِ قرآن حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ برزخ کا جہان بَقِيَّةُ
الدُّنْيَا یعنی اس دنیا کا باقی ماندہ حصہ ہے۔ شاہ ولی اللہؒ بھی برزخ کے متعلق
فرماتے ہیں مِنْ بَقَآءِ هٰذَا الْعَالَمِ کہ یہ اس جہان کے بقایا
میں سے ہے۔ وہاں کے مشاہدات صاف نظر نہیں آتے بلکہ ایسے نظر آتے
ہیں جیسے کوئی جالی کے پیچھے سے دھندلی سی چیز نظر آئے، پھر جب حشر
برپا ہوگا، اور عالمِ برزخ ختم ہو جائیگا تو پھر ہر چیز صاف نظر آنے لگے گی
عالمِ برزخ میں بھی سزا اور جزا ملتی ہے۔ مگر وہ مکمل نہیں ہوتی بلکہ اصل سزا اور

جزا کا کچھ نمونہ ہوتا ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے حدیث نقل کی ہے کہ عالمِ برزخ میں بعض ظالموں پر دو سانپ مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ ایک سر کی طرف سے کاٹتا ہے اور دوسرا پاؤں کی طرف سے، اور یہ عمل صورِ اسرافیل تک ہوتا رہے گا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ بعض مجرموں پر ننانوے ۹۹ سانپ مسلط کیے جاتے ہیں کیونکہ اُس نے خدا تعالیٰ کے ننانوے ناموں میں سے کسی ایک کو بھی یاد نہیں کیا ہوگا۔

شاہ صاحبؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ عالمِ برزخ میں انسان بالکل انفرادی زندگی گزارے گا۔ چونکہ انفرادی زندگی کے احکام مختلف ہوتے ہیں اس لیے برزخی زندگی میں بھی اُسے عقیدے سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہی مفید ہوں گی۔ اگر دنیا میں اس کا عقیدہ اور فکر پاک تھی تو برزخ میں راحت حاصل ہوگی اور اگر اس میں خرابی تھی تو پھر سزا بھی ملے گی۔

حشر کے بعد جب سب لوگ دوبارہ جی اٹھیں گے، تو پھر اجتماعی زندگی شروع ہو جائے گی۔ اُس وقت کے احکام بھی مختلف ہوں گے۔ اس دن ہر قسم کے مجرموں کو اُن کے جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ قطاروں میں کھڑا کیا جائے گا۔ اُس دن قطعی فیصلے ہوں گے اور ہر شخص کو اس کے عقیدے اور عمل کی بناء پر جزا یا سزا ملے گی۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ
يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ
خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا
كٰلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ
بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿١٠٥﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا
وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿١٠٦﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ
عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾
اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ
اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾
فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ
مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿١١٠﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا
اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ﴿١١١﴾ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ
عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿١١٢﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ
فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿١١٣﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا

لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ:- پھر جس وقت پھونک ماری جائیگی صور میں تو ان
کے درمیان نسب (قرابتیں) نہیں ہوں گی اس دن، اور
نہ وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے ﴿۱۰۱﴾ پس جس شخص
کے اعمال بھاری ہوں گے، پس یہی لوگ ہیں فلاح پانے
والے ﴿۱۰۲﴾ اور جن کے اعمال ہلکے ہوں گے، پس یہی لوگ
ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنی جانوں کو اور وہ جہنم
میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۰۳﴾ جھلس دے گی انکے
چہروں کو آگ، اور وہ اس میں بدشکل ہوں گے ﴿۱۰۴﴾
(اُن سے کہا جائے گا) کیا میری آیات تم کو پڑھ کر نہیں
سنائی جاتی تھیں، پس تم اُن کی تکذیب کرتے تھے ﴿۱۰۵﴾
وہ کہیں گے، اے ہمارے پروردگار! ہم پر غالب آئی
ہماری بدبختی، اور تھے ہم لوگ گمراہ ﴿۱۰۶﴾ اے ہمارے پروردگار
ہم کو نکال دے اس سے، پھر اگر ہم لوٹ کر ایسی بات
کریں گے تو ہم گنہگار ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ (اللہ تعالیٰ) فرمائے گا،
ذلیل ہو جاؤ اسی (دوزخ) میں، اور نہ مجھ سے بات کرو ﴿۱۰۸﴾
بیشک میرے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا تھا جو
کہتے تھے، اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہیں
پس بخش دے ہمیں، اور رحم فرما ہم پر، اور تو سب سے
بہتر رحم کرنے والا ہے ﴿۱۰۹﴾ پس اُن کو بنا لیا تم نے
ٹھٹا کیا ہوا، یہاں تک کہ انہوں نے تم سے بھلا دیا
میری یاد کو۔ اور تھے تم لوگ اِن سے ہنسی اڑاتے ﴿۱۱۰﴾

بیشک میں نے ان کو بدلہ دیا ہے آج کے دن اس کا جو
انہوں نے صبر کیا۔ بیشک وہ فائزالمرام ہونے والے ہیں (۱۱۱)
فرمائے گا (اللہ تعالیٰ) کہ کتنی مدت تم ٹھہرے زمین میں
گنتی کے سال (۱۱۲) تو کہیں گے کہ ہم ٹھہرے ایک دن
یا دن کا بعض حصہ۔ پس تو پوچھ گنتی والوں سے (۱۱۳)
فرمائے گا (اللہ تعالیٰ) تم نہیں ٹھہرے مگر بہت تھوڑا
عرصہ، اگر تم کو کچھ سمجھ ہو (۱۱۴)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی تردید فرمائی جو شرک میں مبتلا ہونے کے ساتھ ساتھ وقوعِ قیامت کا انکار بھی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وقوعِ قیامت کے بعد اگر کوئی جزا و سزا کا تصور ہے تو پھر وہ سزا آ کیوں نہیں جاتی؟ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ اکثر و بیشتر مجرموں کو دنیا میں مہلت ملتی رہتی ہے اور سزا اپنے مقررہ وقت پر ہی آتی ہے۔ پھر اللہ نے ایسے منکرین کا ذکر کیا کہ جب اُن پر اس دُنیا کا دَور ختم ہو جاتا ہے۔ پردہ غیب اُٹھ جاتا ہے اور اگلے جہان کے حالات منکشف ہونے لگتے ہیں تو پھر وہ اللہ کے سامنے تمنا کرتے ہیں کہ انہیں دنیا میں واپس لوٹا دیا جائے، اب کہ وہ بُرے کاموں کی بجائے نیک کام انجام دیں گے، شرک کی بجائے توحید کو اختیار کریں گے اور گمراہی کی بجائے ہدایت کے راستے پر چل نکلیں گے اللہ نے فرمایا اُن کی یہ خواہش ہرگز پوری نہیں ہوگی، بلکہ یہ لوگ قیامت کے دِن تک دُنیا اور آخرت کے درمیان عالمِ برزخ میں رہیں گے اور وہاں بھی انہیں سزا کا احساس ہوتا رہے گا۔

صورِ اسرافیل

اب اللہ نے وقوعِ قیامت کا حال بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ پس جب صور میں پھونکا جائے گا۔ یعنی برزخی زندگی ختم ہو کر آخرت کا دور شروع ہوگا۔ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ اُس

اِن مجرموں کے درمیان کوئی نسب اور قرابت داری نہیں ہوگی یعنی ایک دوسرے کا خاندانی لحاظ بھی نہیں ہوگا، ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ اور نہ ہی وہ ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔ مطلب یہ کہ ایک دوسرے کا حال پوچھنے کی ہوش بھی نہیں ہوگی

صور پھونکنے کا ذکر قرآن پاک میں مختلف مقامات پر آیا ہے نفخ صور دو دفعہ واقع ہوگا۔ جب پہلی مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا تو کائنات کی ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی۔ پھر جب دوسری مرتبہ صور میں پھونکا جائے گا۔ تو ساری مخلوق دوبارہ زندہ ہوجائے گی اور پھر اُن کا حساب کتاب اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔ ان[1] دو نفخوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ ہوگا۔ حدیث[2] میں آتا ہے کہ ایک شخص نے دریافت کیا، حضور! صور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک قرن یعنی سینگ جیسی چیز ہے جس کا منہ ایک طرف سے تنگ اور دوسری طرف سے کشادہ ہے۔ تنگ حصہ فرشتے کے منہ میں ہے اور وہ اللہ کے حکم کے انتظار میں ہے کہ کب حکم ہو اور وہ اس میں پھونک مار دے، ترمذی شریف اور بعض دوسری کتابوں میں یہ حدیث[3] بھی آتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا، میں کیسے خوش رہ سکتا ہوں یا کیسے بے فکر ہو سکتا ہوں۔ جب کہ صور پھونکنے والا فرشتہ بالکل تیار کھڑا ہے، منہ میں صور تھامے ہوئے ہے، اُس نے اپنی پیشانی جھکا رکھی ہے اور اللہ کے حکم کا منتظر ہے، یہ سن کر صحابہ کرامؓ پریشان ہوگئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا خدا تعالیٰ کی طرف دھیان رکھو اور اس طرح کہو، ہمارے لیے اللہ ہی کافی جو بہترین کارساز ہے اور ہم اسی پر بھروسہ کرتے ہیں مشکلوں کو آسان کرنے والی وہی ذات ہے۔

شیخ ابن عربیؒ نے ایک کشفی روایت بیان کی جس کو محدثین بھی بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ

۱؎ مسلم ص۴۰۶ ج۲، بخاری ص۷۳۵ ج۲ ۲؎ ترمذی ص۶۶ ج۲ ۳؎ ترمذی ص۶۷ ج۲ (فیاض)

صور کیا ہے[1] تو آپ نے فرمایا کہ صور اتنا بڑا ہے کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینیں اس کے دھانے میں پڑی ہوئی ہیں۔ جب اس میں پھونک ماری جائے گی تو آسمانی کڑ دل سمیت زمین و آسمان کی ہر چیز تہہ و بالا ہو جائے گی۔
زمین پر پہلے آہستہ آہستہ جھٹکے محسوس ہوں گے اور پھر تیز ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ سب کچھ تہس نہس ہو جائے گا، سمندر بھاپ بن کر اُڑ جائیں گے، پہاڑ ذرات کی شکل میں منتشر ہو جائیں گے، حتیٰ کہ اللہ کے فرشتے بھی سخت گھبراہٹ کے عالم میں ہوں گے۔ اسے الطامۃ الکبریٰ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

خاندانی تعلقات کا انقطاع

فرمایا جب صور پھونکا جائے گا۔ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ تو اس دن نسبی تعلقات اور خاندانی رشتے ختم ہو جائیں گے۔ لوگ آج جس حسب نسب پر غرور کرتے ہیں اس دن کچھ مفید ثابت نہیں ہوں گے۔ کوئی رشتہ دار کسی رشتے دار کے کام نہیں آئے گا۔ تمام تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نسبی تعلقات فی الواقع باقی نہیں رہیں گے بلکہ وہ تو موجود ہوں گے مگر وہ کسی کام نہیں آسکیں گے۔ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ اور ایک دوسرے سے سوال بھی نہیں کریں گے، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں ہوگا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مذکرہ کیفیت کفار و مشرکین کے متعلق بیان کی گئی ہے، ورنہ اہلِ ایمان کی حالت مختلف ہوگی۔ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَاءَلُوْنَ (الطور - ۲۵) وہ تو ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھیں گے اور سوال وجواب بھی ہوں گے۔

اس آیت اور آیت زیر درس میں کچھ تعارض معلوم ہوتا ہے۔ ایک آیت میں ہے کہ ایک دوسرے سے کوئی سوال جواب نہیں ہوگا۔ جب کہ دوسری آیت میں ہے کہ ایسا ہو سکے گا۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حشر کا دن ذوالوان ہے اور اس میں مختلف کیفیتیں پیش آئیں گی۔ یہ بڑا طویل دن ہوگا جو اس دنیا کی تقویم کے لحاظ سے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ بعض مواقع ایسے آئیں گے

[1] عرف شذی ص۶۹ طبع رحیمیہ دیوبند (فیاض)

کہ کوئی ایک دوسرے کو نہیں پہچانے گا اور نہ کلام کر سکے گا، اور بعض مواقع پر جان پہچان بھی ہوگی، پھر جب جنت میں پہنچ جائیں گے تو مومن کافر سب ایک دوسرے کو پہچانیں گے، جہاں تک آپس میں دوستی کا تعلق ہے، فرمایا اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (الزخرف۔ ۶۷) اس دنیا میں دوستی کا دم بھرنے والے قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے البتہ ان متقین کی دوستی قائم رہے گی، جنہوں نے دنیا میں اللہ کی رضا کی خاطر دوستی کی تھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان[1] ہے کہ قیامت والے دن تمام سلسلہ نسب ختم ہو جائے گا، مگر میرے نسب کا سلسلہ قائم رہے گا۔ جو لوگ ایمان دار ہوں گے اور ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلق بھی ہوگا۔ ان کا نسب مفید ثابت ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثوم سے نکاح کیا تھا اور ان کے بطن سے آپ کا ایک بچہ بھی پیدا ہوا تھا مگر ماں بیٹا ایک ہی دن فوت ہو گئے تھے۔ اس نکاح کے لیے آپ نے چالیس ہزار درہم حق مہر ادا کیا تھا۔ تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ بخدا مجھے اس پیرانہ سالی میں نکاح کی کوئی رغبت نہیں۔ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ قیامت کو ہر قسم کا نسب ختم ہو جائے گا۔ اِلَّا نَسَبِیْ وَصِھْرِیْ سوائے میرے نسب اور سسرال کے کہ یہ سلسلہ قائم رہے گا۔ فرمایا میں نے حضور علیہ السلام کے ساتھ یہ سلسلہ نسب قائم رکھنے کے لیے نکاح کیا۔

بھاری اور ہلکے اعمال

میدانِ حشر میں جب جزائے عمل کی باری آئے گی تو سب کے اعمال تولے جائیں گے فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ پھر جن کے اعمال بھاری نکلیں گے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ پس یہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ اور جن کے اعمال ہلکے ہوں گے۔ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۲۵۶ ج ۳ (فیاض)

جانوں کو گھاٹے میں ڈالا ہے فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ یہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور وہاں ان کا حال یہ ہوگا تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ آگ اُن کے چہروں کو جھلس دیگی۔ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ اور وہ اس دوزخ میں نہایت ہی بدشکل ہو جائیں گے، حدیث شریف[1] میں آتا ہے کہ دوزخ کی آگ جب اُن کے قریب آئے گی تو آدمی کا اُوپر والا ہونٹ نصف پیشانی تک چلا جائے گا اور نیچے والا ہونٹ ناف تک لٹک جائے گا۔ دانت کھل جائیں گے، اور اس طرح وہ بدشکل بن جائے گا۔

مجرموں کا اعتراف گناہ

اللہ تعالیٰ اِن مجرموں سے فرمائے گا اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ کیا میری آئتیں تمھیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ پس تم اُن کو جھٹلاتے تھے تمھیں ایمان کی باتیں سمجھائی جاتی تھیں، احکام پڑھ کر سنائے جاتے تھے، دلائل قدرت کا مشاہدہ کرایا جاتا تھا، مگر تم مانتے ہی نہ تھے اور کہتے تھے کہ خدا نے کوئی کلام نازل نہیں کیا، تم رسالت کا انکار کرتے رہے، وقوع قیامت کا انکار کیا اور اس طرح آیاتِ الٰہی کو جھٹلاتے رہے، اب دیکھو تمھارا کیا حشر ہو رہا ہے۔ اس وقت وہ لوگ اعترافِ گناہ کریں گے قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی ہم سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ اور ہم یقیناً گمراہ لوگ تھے۔ پھر درخواست پیش کریں گے رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا اے ہمارے پروردگار! ہمیں ایک دفعہ یہاں سے نکال دے۔ فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ اگر ہم پلٹ کر نافرمانی کریں گے تو یقیناً ہم سخت گناہ گار ہوں گے، مطلب یہ کہ اب ہم ایمان لائیں گے، شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور نیک کام انجام دیں گے۔

اُدھر سے جواب آئے گا قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اسی دوزخ میں ذلیل ہو جاؤ، اور میرے ساتھ بات بھی

[1] ترمذی صـ۳۷۱ (فیاض)

نہ کرو۔ امام زہریؒ اور بعض دوسرے مفسرینؒ کا قول ہے کہ دوزخیوں کی چیخ و پکار اور اللہ کی طرف سے جواب آنے کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہوگا۔ ہزار سال تک چیخنے چلانے کے بعد انہیں یہ جواب ملے گا۔

صاحب ایمان گروہ

یہ تو نافرمانوں کا حال تھا۔ آگے فرمایا اِنَّہٗ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ میرے بندوں میں ایک گروہ ایسا بھی تھا یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا جو کہتے تھے اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں۔ تیری توحید اور قیامت کو تسلیم کر لیا ہے فَاغْفِرْ لَنَا لہٰذا ہماری غلطیاں معاف کر دے۔ وَارْحَمْنَا اور ہم پر رحم فرما۔ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ کہ تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ فرمایا، میرا یہ گروہ میرا اطاعت گزار تھا اور اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی طلب کرتا رہتا تھا مگر تم نے اس گروہ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فَاتَّخَذْتُمُوْھُمْ سِخْرِیًّا تم نے انہیں ٹھٹھا و تمسخر کا نشانہ بنایا۔ وہ مادی لحاظ سے کمزور تھے مگر صاحب ایمان تھے۔ تم ان کو مذاق کرتے رہتے تھے حَتّٰٓی اَنْسَوْکُمْ ذِکْرِیْ یہاں تک کہ انہوں نے تم کو میرے ذکر سے غافل کر دیا۔ تم میرا ذکر کرنا ہی بھول گئے۔ صاحب ایمان لوگوں نے ذکر سے کیسے غافل کر دیا؟ مفسرین اس کی یہ توجیہہ بیان کرتے ہیں کہ منکرین اہل ایمان کو ٹھٹھا تمسخر کرنے میں اس قدر منہمک ہو چکے تھے کہ انھیں اللہ کی یاد کے لیے وقت ہی نہیں ملتا تھا وَکُنْتُمْ مِّنْھُمْ تَضْحَکُوْنَ اور تم ان کی ہنسی اڑاتے تھے۔ اس مضمون کو سورۃ المطففین میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ وَاِذَا مَرُّوْا بِھِمْ یَتَغَامَزُوْنَ (آیت ۔ ۳۰) جب وہ اہل ایمان کے قریب سے گزرتے تھے تو آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو آنکھوں کے اشارے سے کہتے کہ دیکھو یہ جنت کے وارث اور حوروں کے خاوند جا رہے ہیں جن کے پاس نہ پہننے کو کپڑا، نہ کھانے کو روٹی، نہ رہنے کو مکان اور نہ سفر کے لیے سواری ہے۔ بہر حال اللہ فرمائے گا

کہ تم وہ لوگ ہو جو میرے صاحبِ ایمان بندوں کو ٹھٹھا اور تمسخر کیا کرتے تھے۔

اُن کے صبر کی جزا

پھر اللہ فرمائیگا اِنِّیْ جَزَیْتُھُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا بیشک آج کے دِن میں نے اِن کو بدلہ دیا ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے تمھاری ایذاء رسانیوں پر صبر کیا۔ اور اس کا پھل یہ ہے اَنَّھُمْ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ بیشک یہی لوگ فائز المرام ہونے والے ہیں۔ صبر بہت بڑا اصول ہے جس کا نتیجہ آگے چل کر ظاہر ہوگا۔ ملتِ ابراہیمیہ کے بڑے بڑے اصولوں میں سے صبر بھی ایک اہم اصول ہے۔ صاحبِ ایمان لوگوں نے صبر کیا، تکالیف کو برداشت کیا تو اللہ نے انہیں کامیابی کا مژدہ سنایا۔ اللہ نے کافروں اور مشرکوں کا حال بھی بیان فرمایا کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے، پھر برزخ میں ان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا اور حشر میں اُن کی کیا حالت ہوگی۔ اسی طرح اہل ایمان کے اچھے انجام کو بھی بیان فرمادیا۔

زندگی کا قلیل عرصہ

اُس دِن اللہ تعالیٰ مجرموں سے یہ بھی پوچھے گا۔ قٰلَ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ تم زمین میں کتنے سال تک ٹھہرے۔ دنیا میں رہ کر تو عذاب کے جلدی لانے کا مطالبہ کرتے تھے اور کہتے تھے مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (الملک - ۲۵) یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ قیامت کب آئیگی اور جزائے عمل کی منزل کب شروع ہوگی؟ اب ذرا بتلاؤ کہ تم دنیا میں کتنا عرصہ رہے جو اس طرح کے مطالبات پیش کرتے تھے۔ اُن کا جواب ہوگا۔ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کہ ہم دنیا میں ایک دِن یا دِن کا کچھ حصہ ٹھہرے۔ اس دنیا کی پچاس، ستر یا سو سالہ زندگی انہیں ایک دِن کے برابر محسوس ہوگی۔ اس میں برزخ کا عرصہ بھی شامل کر لیں تو بھی وہی تصور رہیگا۔ کیونکہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں دنیا اور برزخ کی زندگی بالکل قلیل معلوم ہوگی۔ فرمایا فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ ۝ اگر تمھیں اپنی دنیوی زندگی کا شمار یاد نہیں تو شمار کنندہ فرشتوں سے پوچھ لو۔

وہ تو تمھارا ایک ایک لمحہ شمار کرتے رہے ہیں۔ اور تمہارے ہر نیک اور بد اعمال کا ریکارڈ مرتب کرتے رہے ہیں اُن سے پوچھ لو۔ وہ تمھیں ٹھیک ٹھیک بتا دینگے کہ تم دنیا میں کتنا عرصہ رہے۔

ارشاد ہوگا حقیقت یہ ہے قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا تم نے دنیوی اور برزخی زندگی میں بہت تھوڑا عرصہ گزارا ہے لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تمھیں کچھ سمجھ بوجھ ہے۔ دنیا کی اتنی قلیل زندگی کو تم نے لہو ولعب، کفر و شرک اور نافرمانی میں ضائع کر دیا فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ (البقرہ۔۱۶) اس تجارت نے تمھیں کچھ نفع نہ دیا تمھیں اس عرصہ میں ایمان اور اچھے اخلاق کو نہ خریدا۔ اور زندگی کی اس قلیل پونجی کو ضائع کر دیا۔ اس زندگی کی مثال برف کی ڈلی کی ہے جس پر اوپر ہواؤں کی تپش ہو جسطرح یہ برف جلدی پگھل جائیگی اسی طرح تمھاری زندگی بھی جلدی ختم ہونے والی ہے، لہٰذا اس کا صحیح استعمال کرکے آخرت میں اپنا مقام پیدا کرلو، ورنہ آگے خالی ہاتھ جانا پڑے گا۔

درس چہاردہم ۱۴ — آیت ۱۱۵ تا ۱۱۸

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا
تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَّدْعُ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا
حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ
رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع ۲۶

ترجمہ :- کیا تم گمان کرتے ہو کہ بیشک ہم نے پیدا کیا ہے تم کو فضول ۔ اور یہ کہ تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے ﴿۱۱۵﴾ پس بلند ہے اللہ تعالیٰ جو سچا بادشاہ ہے ۔ نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا ، وہ عزت والے عرش کا مالک ہے ﴿۱۱۶﴾ اور جو شخص پکارتا ہے اللہ کے ساتھ دوسرے الٰہ کو ، نہیں ہے اُس کے لیے کوئی دلیل ۔ پس بیشک اُس کا حساب اُس کے رب کے پاس ہے ، بیشک نہیں فلاح پائیں گے کفر کرنے والے ﴿۱۱۷﴾ اور (اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے ، اے پروردگار ! بخش دے اور رحم فرما ، اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے ﴿۱۱۸﴾

ربطِ آیات — گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی ضد ، ہٹ دھرمی اور ان

کے انجام کا ذکر فرمایا۔ اس سورۃ کی ابتدا بھی توحید اور معاد کے مضمون سے ہوئی تھی۔ اور اب اختتام بھی اسی پر ہو رہا ہے۔ درمیان میں اللہ نے انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ اور کفار و مشرکین کی بد سلوکی کا ذکر فرمایا، اور توحید کے عقلی اور نقلی دلائل پیش کیے۔ قیامت اور محاسبہ اعمال کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا۔ اب آخر میں پھر قیامت اور جزائے عمل کا خصوصی ذکر فرمایا ہے۔

انسان مکلف ہے

ارشاد ہوتا ہے اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا کیا ہے؟ عبث کا معنیٰ باطل، مہمل، بے کار، بے سود یا فضول ہے۔ سورۃ القیٰمۃ میں ہے اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی (آیت-۳۶) کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اُسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ نہیں بلکہ یہ خیال ہی باطل ہے کہ انسان سے باز پرس نہ ہو۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ انسان کو بالکل کھلا چھوڑ دیا جائے، وہ نہ کسی حلال حرام کا پابند ہو، نہ امر و نہی کا اور نہ نیکی بدی کا، جب وہ کسی چیز کا پابند نہیں ہوگا، تو پھر اس سے باز پرس بھی نہیں ہوگی۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ ہر انسان قانونِ خداوندی کا پابند ہے اور پھر اس کا محاسبہ بھی ہوگا کہ اُس نے قانونِ قدرت کی کس حد تک پابندی کی ہے۔ یہ صرف انسان کی بات نہیں بلکہ جہاں اللہ نے زمین و آسمان کی تخلیق کا ذکر کیا وہاں فرمایا رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا (آل عمران-۱۹۱) اے ہمارے پروردگار تو نے یہ سب کچھ بیکار محض نہیں پیدا کر دیا۔ گویا پوری کائنات کی تخلیق بھی مبنی بر حکمتِ الٰہی ہے۔

فرمایا کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے وَاَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ اور یہ کہ تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ اگر انسان کی تخلیق بے مقصد ہے تو پھر اُس کے محاسبے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ اُسے اللہ کے پاس واپس لوٹائے جانے کی ضرورت ہے یہ باطل خیال ہے۔ ہر چیز کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے منشا اور حکمت کے مطابق عمل

ہیں آئی ہے۔ اللہ نے انسان کو ایک پروگرام دے کر دنیا میں بھیجا ہے۔ اس سے اس کی کارکردگی کی باز پرس ضروری ہے اور اس کے لیے اس کا واپس لوٹایا جانا بھی ضروری ہے۔ الغرض! اللہ نے انسان کو مکلف یعنی قانون کا پابند بنایا ہے لہٰذا وہ سب کو اپنے پاس اکٹھا کریگا، پھر حساب کتاب کی منزل آئیگی اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا۔

ملکیت اور بہیمت کی کشمکش

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی حکمت[1] کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں ملکیت اور بہیمیت دو قوتیں رکھی ہیں۔ ملکیت سے فرشتوں جیسی پاکیزہ خصلتیں مثلاً اللہ کے سامنے عجز و نیاز مندی، عدل و انصاف، عبادت و ریاضت، خود غرضی اور کمینی باتوں سے اجتناب وغیرہ شامل ہیں جبکہ بہیمیت میں کھانا پینا، اولاد پیدا کرنا، خواہشات کی تکمیل، جسم کا بناؤ سنگار، آرام و راحت وغیرہ خصائل شامل ہیں۔ گویا انسان ملکیت اور بہیمیت کی کشمکش کا نام ہے، انسانی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں صفت ملکیت غالب اور بہیمیت مغلوب ہو، اور پھر اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہو۔

شاہ صاحبؒ مثال کے ذریعے سمجھاتے ہیں کہ گائے، بھینس، بھیڑ بکری وغیرہ جب تک گھاس یا چارہ کھاتے ہیں اُن کا بہیمی مزاج درست رہتا ہے۔ وہ کام بھی کرتے ہیں اور دودھ بھی دیتے ہیں، اگر یہی جانور گھاس کی بجائے گوشت کھانے لگیں تو یہ اُن کی فطرت کے خلاف ہوگا اور اُن کا مزاج بگڑ جائے گا۔ اسی طرح درندوں کی فطری خوراک گوشت ہے۔ جب تک گوشت کھاتے رہیں گے اُن کا مزاج درست رہیگا۔ اگر شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ گوشت کی بجائے گھاس چرنے لگیں تو اُن کا مزاج بگڑ جائیگا۔ انسان کے مزاج کی مثال بھی ایسی ہی ہے جب تک وہ طہارت، سماحت، عبادت، ریاضت اور فکر کی پاکیزگی جیسے کام کرتا رہتا ہے تو اُس کا ملکی مزاج بالکل ٹھیک رہتا ہے۔ اور جونہی وہ نجاست، تکبر، خودغرضی، ظلم و جور وغیرہ کو اختیار کرتا ہے تو اُس کا مزاج

[1] حجۃ اللہ البالغہ صـ۱۵ (فیاض)

خراب ہوجاتا ہے اور پھر اُس کا نتیجہ بھی غلط ہی نکلتا ہے۔

الغرض! اللہ نے انسان کو ملکیت اور بہیمیت کا مزاج بخشا ہے۔ اللہ نے اس میں مکلف بننے کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ اور یہی اس کا کمال ہے۔ گویا اللہ نے انسان کو فطری طور پر مکلف بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک جیسی امانت کو ارض و سما اور پہاڑوں نے تو اٹھانے سے انکار کر دیا مگر وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ (الاحزاب - ۷۲) انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ جب انسان مکلف ٹھہرا تو پھر اُس پر جزائے عمل بھی آئے گا، وہ پیدا ہوا ہے تو موت سے بھی ہمکنار ہو گا، اس کے ذمے قانون کی پابندی بھی لازم آئیگی۔ اگر وہ اس میں ناکام رہے گا تو حظیرۃ القدس جیسے پاک مقام کا ممبر نہیں بن سکے گا، گویا اس کی ترقی کا راز اس کے مکلف ہونے میں ہے، لہٰذا یہ خیال باطل ہے کہ اللہ نے اُسے فضول پیدا کیا ہے اور یہ کہ وہ اُس کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ

فرمایا فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ پس بلند و برتر ہے اللہ کی ذات جو سچا بادشاہ ہے۔ ایسی بلند ہستی بھلا فضول کام کیسے کر سکتی ہے۔ وہ حکیم ہے اور اُس کا ہر فعل مبنی بر حکمت ہے۔ تو اللہ نے انسان کو بیکار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اُسے مکلف بنا کر اُس کے لیے ترقی کا دروازہ کھول دیا ہے تاکہ وہ قانون کی پابندی اختیار کر کے اپنے لیے اعلیٰ مقام حاصل کر سکے۔

فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی اللہ۔ اس کے علاوہ کوئی مستحقِ عبادت نہیں، کوئی نافع ضار، قادرِ مطلق، علیم کل، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان نہیں ہے۔ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کی قولی، فعلی، مالی، جسمانی اور روحانی عبادت کی جائے، عبادت انتہائی درجے کی تعظیم کا نام ہے، جو اس اعتقاد کے ساتھ کی جاتی ہے کہ معبود میرے حالات کو جانتا ہے میری بگڑی بنا سکتا ہے، خالق اور مالک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ

ہے یعنی عزت والے عرش کا مالک ہے۔ گذشتہ آیات میں عرشِ عظیم کے الفاظ بھی گزر چکے ہیں اور اب عرشِ کریم سے یاد کیا گیا ہے، عرش کا تصور دو صورتوں میں سامنے آتا ہے۔ ایک یہ ہے کہ عرشِ الٰہی بہت بڑا ہے اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اس کے مقابلہ میں ایک کنکرے کی حیثیت رکھتی ہیں جو کسی بہت بڑے میدان میں پڑا ہو۔ گویا عرشِ عظیم تمام کائنات پر محیط ہے۔ عرش کا دوسرا تصور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی سلطنت کا مالک ہے، ایسی سلطنت جو ساری کائنات اور اس سے بھی پرے تک محیط ہے۔ جس مالک الملک کی سلطنت اتنی وسیع ہے وہ اپنے وفاداروں کو اعلیٰ بدلہ اور غداروں کو سخت سزا بھی دے گا۔ ان سب کو جزائے عمل کی منزل سے گزرنا پڑے گا۔

توحید باری تعالیٰ

آگے اللہ نے پھر توحید کے مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس سورۃ مبارکہ کا اہم مضمون ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو پکارتا ہے یعنی اس سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے، لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ اس کے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کسی مشرک اور کافر کے پاس کفر و شرک کی صحت پر کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ط (البقرہ - ۱۷۰) ہم نے تو اپنے آباؤ اجداد کو اسی طریقے پر پایا ہے۔ یہ جاہلانہ دلیل ہے جسے اندھی تقلید کہا جاتا ہے جب آباؤ و اجداد بے عقل اور غیر ہدایت یافتہ ہوں تو پھر ان کی راہ پر چلنا بجائے خود بے عقلی کی دلیل ہے اس کے برخلاف اللہ کی وحدانیت کی کروڑوں دلیلیں موجود ہیں۔ اس سورۃ میں بھی اللہ نے سمع و بصر، زندگی اور موت، زمین کا پھیلاؤ۔ وغیرہ جیسی عقلی دلیلیں پیش کی ہیں۔ عقلی دلیل کا مطلب یہی ہے کہ مشاہداتِ قدرت میں غور و فکر کرو گے تو اللہ کی وحدانیت خود بخود سمجھ میں آئے گی۔ پتہ چلے گا کہ ہر شے کا خالق، مالک اور متصرف، اللہ

ہی ہے، جہاں تک نقلی دلائل کا تعلق ہے اللہ کے ہر نبی نے یہی کہا ہے
یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ (المومنون-۲۳)
اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں
ہے۔ تمام انبیاء اور تمام صلحاء نے یہی تعلیم دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا
اور حاجت روا نہیں ہے، کوئی موت وحیات کا مالک نہیں۔ اس کے علاوہ
نہ کوئی شفا دے سکتا ہے اور نہ کوئی ترقی وتنزل کر سکتا ہے۔ فرشتوں کے حالات
میں بھی یہی چیز ملیگی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، مگر مشرک کے پاس سوائے
اندھی تقلید کے کوئی دلیل نہیں ہے۔

محاسبہ اعمال

فرمایا فَاِنَّمَا حِسَابُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ ایسے کافر ومشرک کا حساب
اس کے اللہ کے پاس ہے۔ جب وہ اللہ کی عدالت میں پیش ہو گا تو پھر پتہ
چلے گا کہ اس نے دنیا میں جاہلانہ دلیل کی بنا پر شرک کا راستہ اختیار کیا، جب وہ
حساب کتاب کے لیے پیش ہو گا تو ضرور گرفت میں آئے گا۔ فرمایا اِنَّہٗ لَا
یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ بیشک کفر کرنے والے فلاح نہیں پائیں گے، جس
نے توحید، رسالت، معاد، کتب سماویہ، رسل اور ملائکہ کا انکار کیا وہ کافر بن گیا
اور وہ ہمیشہ نامراد رہے گا۔

اس حصۂ آیت کو سورۃ ہذا کی ابتدائی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھیں وہاں
تھا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ تحقیق ایمان والے فلاح پاگئے اور پھر
آگے ان کی صفات بیان کی گئی ہیں اور یہاں ارشاد ہے اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ
الْکٰفِرُوْنَ اللہ تعالیٰ کافروں کو فلاح سے ہمکنار نہیں کرے گا۔ کافروں
کو فلاح نصیب نہیں ہو گی۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی دھوم
دھام اور شور وشر سے گزار لیں، مگر انہیں برزخ اور آخرت کی فلاح ہرگز نصیب
نہیں ہو گی۔ اس طرح اس سورۃ کی ابتداء اور انتہا آپس میں مربوط ہو گئی ہے۔
فرمایا وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ اے پیغمبرؐ! آپ اس طرح دعا کریں

کہ اے میرے پروردگار! ہمیں بخش دے، ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف فرما دے وَارْحَمْ اور ہم پر رحم فرما، اپنی رحمت نازل فرما، ہمیں کسی ابتلا یا بدعقیدگی میں مبتلا نہ کر، کفر و شرک سے نجات دے اور ہماری حالت پر رحم فرما کیونکہ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ تجھ سے بڑھ کر کوئی مہربان نہیں۔

آخری آیات کے فضائل

یہ آخری آیات بہت بڑی فضیلت کی حامل ہیں، اس لیے مفسرین کرام اور بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ ان آیات کو ہر روز کم از کم دو دفعہ پڑھ لینا چاہیئے۔ صاحب روح المعانی، حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں اور صاحب حلیۃ الاولیاء نے اپنی کتاب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سورۃ ہٰذا کی یہ آخری چار آیات (اَفَحَسِبْتُمْ ..... الخ) پڑھ کر ایک مجنون زدہ آدمی کو پھونک ماری تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو شفا دیدی۔ جب یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے گوش گذار کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ لَوْاَنَّ مُوْقِنًا یعنی اگر کوئی کامل الایقان والیقین آدمی ان آیات کو پڑھ کر پہاڑ پر پھونک دے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے گا۔ بہر حال یہ بڑی فضیلت والی آیات ہیں جنہیں بطور وردِ صبح و شام پڑھا جا سکتا ہے۔

سُورَة

النُّور

مُكمل

درس اول ۱　　　　　　　　　　　　　　　　آیت ۱

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا تِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ نور مدنی ہے اور یہ چونسٹھ آیات اور اس میں نو ۹ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنیوالا ہے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

ترجمہ: یہ ایک سورۃ ہے جس کو ہم نے اُتارا ہے اور اس کے احکام کو ہم نے ہی فرض قرار دیا ہے۔ اور اتاری ہیں ہم نے اس میں واضح اور کھلی باتیں تاکہ تم نصیحت پکڑ لو ①

نام اور کوائف اس سورۃ کا نام سورۃ نور ہے جو اس کی آیت اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے ماخوذ ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں ایسے احکام و قوانین بیان کیے گیے ہیں جن کی وجہ سے اہل ایمان کے دل میں نُور پیدا ہوتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی چونسٹھ آیات، نو رکوع، ۱۳۱۶ الفاظ اور ۵۹۸۰ حروف ہیں۔ یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔

زمانہ نزول اس سُورۃ میں واقعہ افک بیان ہوا ہے جو کہ ۶ ھ میں پیش آیا۔ قبیلہ بنی مصطلق کے لوگ اکثر اسلام دشمن کاروائیوں میں ملوث رہتے تھے۔ جب ان کی ریشہ دوانیاں حد سے بڑھ گئیں، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا اور خود مجاہدین کی قیادت فرمائی۔ اس سفر میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ واپسی پر ایک ایسا حادثہ پیش آیا کہ قافلے نے ایک مقام پر رات کے وقت قیام کیا۔ صبح سویرے حضرت عائشہ رضؓ

باہر نکلیں تو اُن کا ہار گم ہو گیا، اُس کی تلاش میں انہیں دیر ہو گئی۔ قافلے کی روانگی کا وقت ہوا تو چار آدمیوں نے حضرت عائشہؓ کا خالی ہودہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور چل دیے۔ قافلے کے پیچھے دیکھ بھال کے لیے جانے والے ایک صحابی صفوان بن معطل سُلمیؓ نے آپ کو دیکھ لیا اور اپنے اونٹ پر سوار کر کے قافلے تک پہنچایا۔ اس واقعہ پر منافقین نے بڑا پروپیگنڈا کیا حتیٰ کہ حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا۔ اس سے اہلِ ایمان کو بڑی کوفت ہوئی۔ پھر ایک ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی برأت میں اس سورۃ کی سولہ آیات نازل فرمائیں۔ اس واقعہ سے اس سورۃ کے نزول کا تعین ہوتا ہے۔

گذشتہ سورۃ کے ساتھ ربط

گذشتہ سورۃ المؤمنون کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے کامیاب اہلِ ایمان کا ذکر کیا تھا اور ساتھ اُن کی بعض صفات بھی بیان کی گئی تھیں۔ پھر آخر سورۃ میں کافروں کی ناکامی کا ذکر ہوا۔ اور یہ بھی واضح کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بیکار محض پیدا نہیں کیا کہ وہ اس دنیا میں جو چاہے کرتا پھرے، اس سے باز پرس ہی نہیں ہو گی بلکہ انسان کو اللہ نے مکلف پیدا فرمایا ہے اور وہ اس کے عاید کردہ قوانین کا پابند ہے۔ قانون کی یہ پابندی یا عدم پابندی ہی اس کی کامیابی یا ناکامی کا سبب ہے۔ اب اس سورۃ میں اللہ نے بعض معاشرتی قوانین بیان فرمائے ہیں جن کی پابندی انسان پر لازم ہے۔ اور یہی اس سورۃ کا پہلی سورۃ کے ساتھ ربط ہے ان دونوں سورتوں کا دوسرا باہمی ربط یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں بعض مضامین جیسے توحید اور اس کے عقلی و نقلی دلائل، رسالت پر اعتراضات اور ان کے جوابات، قیامت اور جزائے عمل وغیرہ مشترک ہیں۔

سورۃ کی اہمیت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد اور مشہور تابعی حضرت مجاہدؒ نے حدیث[1] بیان کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ مبارک ہے عَلِّمُوْا رِجَالَكُمْ سُوْرَةَ الْمَائِدَةِ وَعَلِّمُوْا نِسَاءَكُمْ سُوْرَةَ النُّوْرِ اپنے مردوں کو سورۃ مائدہ سکھاؤ کیونکہ اس میں حلت و حرمت اور دیگر مسائل بیان ہوئے ہیں جو زیادہ مردوں

[1] تفسیر فتح القدیر صہ ۳/۴۶ (فیاض)

سے متعلق ہیں۔ اور اپنی عورتوں کو سورۃ نور سکھاؤ کیونکہ اس میں ناموس و عفت کی حفاظت اور بدکاری کے انسداد کے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں[1] کہ حضرت عمرؓ نے بعض حضرات کو اس مضمون کا مکتوب لکھا تھا اَنْ تُعَلِّمُوْا نِسَآءَكُمْ سُوْرَةَ النِّسَآءِ وَالْاَحْزَابِ وَالنُّوْرِ یعنی اپنی عورتوں کو سورۃ نساء، سورۃ احزاب اور سورۃ نور سکھاؤ۔ کیونکہ ان سورتوں میں عورتوں سے متعلق بہت سے مسائل آئے ہیں

مضامین سورۃ

اس سورۃ مبارکہ میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق بہت سے معاشرتی قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ تاہم اس کا مرکزی مضمون اسلام کا نظام عفت و عصمت ہے۔ اس لحاظ سے یہ سورۃ فحاشی، بے حیائی، بداخلاقی اور زنا کے انسداد کا ایکٹ ہے۔ اس میں عصمت و ناموس کی حفاظت کے قوانین بیان کیے گیے۔ پردے کا حکم دیا گیا۔ حدِ زنا کے علاوہ اس سورۃ میں حدِ قذف بھی بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ لعان کا قانون بیان کیا گیا ہے کہ اگر مرد اپنی عورت پہ بے حیائی کا الزام لگائے تو اس معاملے کو کس طرح نمٹایا جائے۔ حضرت عائشہؓ کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ افک بھی اسی سورۃ میں بیان ہوا ہے۔ کسی کے گھر میں داخلے کے لیے اجازت کا قانون۔ قرآن کریم کی حقانیت اور صداقت کا ذکر بھی ہے۔ قرآن پاک کی تعلیمات سے استفادہ کرنے والے اور محروم رہنے والے لوگوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کے باہمی تعلقات، عزیز و اقارب سے حسن سلوک اور آداب رسالت بھی اس سورۃ کی زینت ہیں۔ اجتماعی مسائل میں خلافتِ راشدہ کا ذکر اجمالی طور پہ بیان کیا گیا ہے۔ منافقین کی مذمت بیان ہوئی ہے۔ غلامی اور مکاتبت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے احکام، حدود، امثالیں، حقائق و معارف، نصیحت آموز باتیں۔ توحید اور تنبیہات بھی اس سورۃ کے مضامین میں شامل ہیں۔ جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور رسول کی مخالفت کرنے سے سختی کے ساتھ

[1] روح المعانی ص۴۲ ج ۱۸ (فیاض)

منع کیا گیا ہے۔

سورۃ کی تمہید

سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے بڑے زوردار طریقے سے اس کی تمہید بیان کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے سُوْرَۃٌ اَنْزَلْنٰھَا یہ ایک سورۃ ہے جس کا نزول ہماری طرف سے ہوا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کے شاہی فرمان ہیں اور اُس کی طرف سے جاری کردہ قوانین ہیں وَفَرَضْنٰھَا اور ہم نے ہی ان احکام کو فرض قرار دیا ہے۔ ان احکام میں فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات ہیں جن کو ہم نے ہی مقرر کیا ہے۔ یہاں پر فرض سے مراد مقرر کرنا ہے کہ تمام احکام قوانین اللہ ہی کی طرف سے مقرر کیے جاتے ہیں۔ دوسرے مقام پر آتا ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْھِمْ (الاحزاب ۵۰) ہم جانتے ہیں جو کچھ ہم نے اِن پر مقرر کیا ہے۔ یعنی ہم نے تمام احکامات مصلحت کے مطابق نازل کیے ہیں غرضیکہ فرمایا کہ یہ سورۃ ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے اور اس میں احکام مقرر کیے ہیں وَاَنْزَلْنَا فِیْھَآ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ اس میں ہم نے واضح احکام نازل فرمائے ہیں جن کی تعمیل ضروری ہے لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

یہ پہلی آیت گویا سورۃ کی تمہید ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ تمام قوانین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو حاکم علی الاطلاق اور شہنشاہِ مطلق ہے۔ یہ کوئی من گھڑت یا رسمی باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ جل جلالہٗ کے نازل کردہ قوانین ہیں۔ اگر اِن قوانین پر عمل کرو گے تو اس سے تمہارے ذاتی اخلاق بھی درست رہیں گے۔ اور تمہارا معاشرہ بھی سدھر جائے گا۔ تم اجتماعی طور پر مضبوط ہو جاؤ گے۔ جس کی وجہ سے تمہارا دشمن مغلوب ہو جائے گا۔ دراصل قوانین پر عملدرآمد سے ہی کوئی چیز زندہ اور قائم ہوتی ہے۔ اگر عمل نہ ہو تو قانون کی حیثیت فلسفہ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ بہرحال اس ابتدائی آیت میں قوانین پر عمل کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس کے بعد اصل قوانین آ رہے ہیں جن کا آغاز حدود سے کیا جا رہا ہے۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳

ترجمہ:- بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد، پس مارو ان میں سے ہر ایک کو سو دُرّے۔ اور نہ پکڑے تم کو ان دونوں کے بارے میں نرمی اللہ کے دین میں اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ اور چاہیئے کہ حاضر ہو اُن کی سزا کے وقت ایک گروہ ایمان والوں کا ۲ اور بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر بدکار عورت سے یا شرک کرنے والی سے۔ اور بدکار عورت نہیں نکاح کرتا اُس کے ساتھ مگر بدکار مرد یا شرک کرنے والا۔ اور حرام قرار دیا گیا ہے یہ ایمان والوں پر ۳

قانونِ انسدادِ زنا

سورۃ ہذا کی پہلی آیت میں اللہ نے بڑے زوردار طریقے سے اس کی اہمیت بیان فرمائی تاکہ اس سے نصیحت حاصل کی جاسکے، اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسدادِ زنا کا قانون بتلایا ہے اور اُس کی بعض ذیلی دفعات کا ذکر کیا۔ بدکار مرد و زن کی سزا کا ایک حصہ اس آیت میں ہے۔ جب کہ دوسرا حصہ اور مزید تفصیلات احادیث میں موجود ہیں۔ اس ضمن میں فقہائے کرام

کی وضاحتیں بھی موجود ہیں۔

مفسرین کرام اور علماء عظام یہ بنیادی بات بیان کرتے ہیں کہ قانون خواہ کتنا اچھا ہو جب تک اُس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ اگر کوئی ڈاکٹر مریض کے لیے نسخہ تجویز کرتا ہے تو اس اچھے سے اچھے نسخے کو بھی محض زبانی پڑھنے سے تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا جب تک نسخے کے مطابق دوائی خرید کر استعمال نہ کی جائے۔ اسی طرح قانون کی محض تلاوت کا کچھ فائدہ نہیں جب تک اُس پر عمل درآمد نہ کیا جائے۔

زنا دو قسم سے ہے۔ اگر کوئی کنوارہ شخص اس فعل کا مرتکب ہو گا تو اُسے اس آیت میں مذکورہ سزا دی جائیگی یعنی سَو دُرّے لگائے جائیں گے اور اگر کوئی شادی شدہ شخص زنا میں ملوث ہوتا ہے تو اس کی سزا سنگساری ہے۔ تورات میں بھی یہی قانون تھا کہ ایسا شخص جان سے مارا جائے گا۔

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر[1] میں حضرت حذیفہؓ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا یَا مَعْشَرَ النَّاسِ اتَّقُوا الزِّنَا اے انسانوں کے گروہ! زنا جیسی برائی سے بچتے رہو کیونکہ اس میں چھ باتیں پائی جاتی ہیں جن میں سے تین کا تعلق دنیا سے اور تین کا تعلق آخرت سے ہے۔ دنیا سے متعلق تین باتیں یہ ہیں کہ زانی کے چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے، بعض اوقات وہ محتاجی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کی عمر میں خیر و برکت ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کی آخرت کی خرابی یہ ہے کہ اس پر اللہ کی ناراضگی نازل ہوتی ہے۔ اس کا حساب بُرا ہو گا اور وہ جہنم کا شکار بنے گا۔

بدکاری اور اس قبیل کے دیگر جرائم کی قباحت میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ اللہ نے فرمایا ہے کہ بدکاری کا فعل عرف یعنی انسانی سوسائٹی کے اخلاق کے اعتبار سے بھی خلاف ہے اور انسانی عقل کے بھی خلاف ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی ناراضگی کے اعتبار سے یہ بڑا قبیح گناہ

[1] تفسیر کبیر ص ۱۳۱ ج ۲۳ و السراج المنیر ص ۵۹۳ ج ۲ (فیاض)

ہے۔ اس فعل کے ارتکاب سے نہ صرف خود زناکار متاثر ہوتا ہے بلکہ اس سے پوری سوسائٹی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ بدکاری کے نتیجے میں نسل خراب ہوتی ہے، اخلاق بگڑتا ہے اور معاشرے میں دیگر خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور! کون سا گناہ زیادہ قبیح ہے؟ تو آپ نے فرمایا، سب سے بڑا گناہ شرک ہے۔ عرض کیا، اس کے بعد؟ فرمایا کہ اولاد کو اس وجہ سے قتل کرنا کہ انہیں کما کر کون کھلائے گا۔ ابن مسعودؓ نے پھر عرض کیا کہ اس کے بعد کونسا گناہ ہے؟ فرمایا کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ برائی کرو۔ تورات میں بھی اس کو قابلِ سزا جرم قرار دیا گیا ہے۔

زنا کا ثبوت اور سزا

زنا کا ثبوت دو صورتوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ زانی پر چار عینی گواہ پیش کیے جائیں جس کا ذکر اگلی آیات میں آرہا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ زانی مرد یا زانی عورت خود اقرار کرے کہ اس نے اس فعلِ بد کا ارتکاب کیا ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن مجرمین کو زنا کی سزا دی گئی، ان سب نے اس جرم کا خود اقرار کیا تھا۔

سنگساری کی سزا کے لیے مجرم کا محصن ہونا ضروری ہے، ورنہ یہ سزا نہیں دی جا سکے گی۔ محصن کی شرائط یہ ہیں کہ مجرم مسلمان ہو کیونکہ غیر مسلم اس سزا کا مستحق نہیں ہے۔ البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس سزا کے لیے یہ شرط نہیں ہے بلکہ مسلم یا غیر مسلم سب کو سنگسار کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے مَنْ اَشْرَكَ فَلَيْسَ بِمُحْصِنٍ یعنی مشرک آدمی محصن نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کو امام اسحاق ابن راہویہؒ نے بھی اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ اور امام دارقطنی اور صاحب ہدایہ نے اس کو نقل کیا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک یہودی اور یہودیہ کو اس جرم میں رجم کیا تھا۔ اس کے جواب میں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ

غیر مسلموں کی یہ سزا اسلامی ضابطے کے مطابق نہیں تھی بلکہ تورات کے قانون کے مطابق تھی۔ اس واقعہ کی طرف اشارہ سورۃ المائدہ میں موجود ہے۔ جب یہودی مجرم حضور علیہ السلام کی عدالت میں پیش ہوئے تو آپ نے تورات منگوا کر اُسے پڑھنے کے لیے کہا۔ یہودی سنگساری کی سزا کو چھپانا چاہتے تھے مگر حضور علیہ السلام کی وجہ سے اللہ نے اُسے ظاہر کر دیا۔ یہودی نادم ہوئے اور مجرموں کو سنگساری کی سزا دی گئی۔

محصن بننے کی شرائط

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے کہ رجم کی سزا عائد کرنے کے لیے مجرم کا محصن ہونا ضروری ہے۔ کسی شخص کے محصن بننے کے لیے پانچ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ مجرم مسلمان ہو۔ کسی غیر مسلم کو یہ سزا نہیں دی جائے گی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ آزاد ہو کیونکہ لونڈی یا غلام کو یہ سزا نہیں ملے گی۔ ان کے لیے قرآن پاک نے آزاد کی نسبت آدھی سزا مقرر کی ہے۔ محصن ہونے کی تیسری شرط یہ ہے کہ آدمی عاقل ہو۔ کسی پاگل آدمی کو یہ سزا نہیں دی جائے گی۔ چوتھے نمبر پر مجرم کا بالغ ہونا بھی ضروری ہے کسی نابالغ کو سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ اور پانچویں شرط یہ ہے کہ مجرم صحیح نکاح کر کے اپنی بیوی سے مباشرت کر چکا ہو۔ جب یہ ساری شرائط پائی جائیں تو مجرم محصن سمجھا جائے گا اور اُسے سنگساری کی سزا دی جائے گی۔

زنا کی طرح لواطت بھی حرام ہے بلکہ زنا سے بھی زیادہ قبیح فعل ہے۔ امام شافعیؒ اس کو زنا کے زمرے میں شمار کر کے سنگساری کی سزا کے قائل ہیں مگر امام ابوحنیفہؒ اور بہت سے دیگر فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ فعل اگرچہ زنا سے بھی بدتر ہے مگر اس پر سنگساری کی سزا عاید نہیں ہوتی بلکہ حاکم کی صوابدید پر ایسے مجرم پر تعزیر لگے گی۔ جرم کی نوعیت کے اعتبار سے حاکم مجرم کے قتل کا حکم دے سکتا ہے۔ اُس پر دیوار گرا سکتا ہے۔ کسی بلندی سے گرا کر ہلاک کر سکتا ہے۔ یا قید میں ڈال سکتا ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ

جانوروں کے ساتھ بدفعلی کرنا بھی بالاتفاق حرام ہے، تاہم اس جرم پر حد کی بجائے تعزیر لگے گی۔ اسی طرح مشت زنی بھی اگرچہ سخت قبیح فعل ہے مگر اس پر بھی تعزیر لگے گی۔ ایسے شخص پر لعنت بھیجی گئی ہے۔

زنا کی شرعی سزا

ارشاد ہوتا ہے اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ زانی عورت اور زانی مرد، ان میں سے ہر ایک کو سو درے مارو۔ یہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کی سزا ہے۔ اس کے علاوہ اگر حاکم مناسب سمجھے تو ایک سال کے لیے جلاوطنی بھی کر سکتا ہے۔ یا مجرم کو جیل میں ڈال سکتا ہے۔ اور اگر مجرم مرد یا عورت شادی شدہ محصن ہیں تو ان کی سزا قرآن نے بیان نہیں کی بلکہ اُس کی سزا سنت میں موجود ہے۔ امام ابوبکر جصاص رح فرماتے ہیں کہ متواتر اور مشہور احادیث سے ثابت ہے کہ محصن شادی شدہ عورت یا مرد کیلئے رجم کی سزا ہے یعنی انہیں سنگسار کیا جائیگا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یہ سزا عملی طور پر نافذ ہو چکی ہے۔

فرمایا، ہر ایک کو سو درے مارو وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ اور نہ پکڑے تم کو نرمی ان دونوں کے بارے میں اللہ کے دین میں یعنی شرعی سزا نافذ کرتے وقت مجرموں کے متعلق تمہارے دل میں جذبہ ترحم و ہمدردی نہیں پیدا ہونا چاہیئے بلکہ اُن کو پوری پوری سزا دو اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ خدا تعالیٰ پر ایمان ہوگا تو جان لو گے کہ سزا اُسی نے مقرر کی ہے اور اُس کے حکم کی تعمیل ضروری ہے اور اگر وقوعِ قیامت پر ایمان ہے۔ تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا کی اس عارضی سزا سے آخرت کی دائمی سزا سخت ترین ہے۔ لہٰذا مجرم کی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ اُسے اللہ کی مقرر کردہ سزا دے دی جائے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی نرمی اختیار نہ کی جائے۔

اور دوسری بات یہ فرمائی وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ اور چاہیئے کہ اس سزا کو مومنوں کا ایک گروہ مشاہدہ کرے

مطلب یہ کہ یہ سزا سر عام دی جائے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔

کیا دُرے کی سزا وحشیانہ ہے

اللہ تعالیٰ نے جرم زنا اور بعض دوسرے جرموں میں دُرّے مارنے کی سزا مقرر کی ہے جب کہ بعض لوگ اسے وحشیانہ سزا قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ شیطان کی وسوسہ اندازی کا نتیجہ ہے ورنہ اسلام کی مقرر کردہ دُرّوں کی سزا ہرگز وحشیانہ نہیں۔ امام ابُو حنیفہؒ اس سزا کی تفصیل میں فرماتے ہیں کہ دُرّے لگانے والا شخص اس فن کا ماہر ہونا چاہیئے اور ایک خاص مقدار سے زیادہ شدید ضرب نہیں ہونی چاہیئے۔ چنانچہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ دُرّوں کی سخت ترین ضرب وہ ہے جو تعزیر کے طور پر لگائی جائے۔ اس سے کم تر ضرب حدِ زنا کی ہے، اور پھر اس سے کم حدِ قذف کی ضرب ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ کوڑا اپھلدار نہ ہو بلکہ صاف ہونا چاہیئے۔ اگر کوڑا نشان زدہ ہو گا تو ضرب میں شدت پیدا ہو گی جس کی اجازت نہیں دی گئی۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جن مجرموں کو زنا کے کوڑے لگوائے تھے، اُن کے زائد کپڑے مثلاً کوٹ، چادر وغیرہ اتروائے تھے۔ قمیض پاجامہ وغیرہ جسم پر چھوڑ دیے تھے تاکہ برہنگی نہ ہو۔ خاص طور پر عورت کو تو گڑھے میں کھڑا کر کے یہ سزا دی تھی تاکہ اُس کی بے پردگی نہ ہو۔ دُرّے مارتے وقت یہ بھی خیال رکھا جائے گا کہ اِن کی ضرب سر، چہرے اور اعضائے تناسلیہ پر نہ پڑے۔

اس کے برخلاف انگریزی قانون کے مطابق جو کوڑے لگائے جاتے ہیں وہ شدید ترین ہوتے ہیں۔ جسم کے سارے کپڑے اتروا لیے جاتے ہیں اور صرف ایک لنگوٹی پہنا کر ایک ماہر آدمی دور سے دوڑتا ہوا آکر شدید ترین ضرب لگاتا ہے جس سے جسم کے اندر گوشت کا قیمہ بن جاتا ہے۔ ایک بڑے سے بڑا صحت مند آدمی بھی ایسے تیس کوڑے برداشت نہیں کر سکتا۔ اب آپ خود ہی انصاف کریں کہ اسلامی سزا وحشیانہ ہے یا انگریزی قانون

کے تحت دی گئی سزا وحشیانہ ہے۔

زانیہ اور زانی میں تقدم و تاخر

اِس آیت کریمہ میں زانیہ کو زانی پر مقدم رکھا گیا ہے ۔حالانکہ جہاں چوری کی سزا کا ذکر ہے وہاں فرمایا وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ (المائدۃ۔ ۳۸) یعنی چور مرد اور چور عورت ۔ یہاں مرد کو عورت کے مقابلے میں مقدم لایا گیا ہے امام محمد بن ابوبکر رازیؒ اس کی توجیہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ مرد کی نسبت عورت کا مادہ شہوت زیادہ قوی ہوتا ہے ، اس لیے اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ میرے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کا قول ہے کہ اللہ نے اس معاملے میں عورت کو اس لیے مقدم رکھا ہے کہ عورتیں اکثر ناقصات العقل ہوتی ہیں اور بہکاوے میں جلدی آجاتی ہیں اور اکثر انکی تحریص پر ہی اس جرم کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے عورت کو پہلے بیان کیا گیا ہے ۔آپ نے اُس کی دوسری وجہ یہ بیان کی ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں ضعیف اور قابلِ رحم ہوتی ہے مگر اس سزا کے معاملے میں اللہ نے نرمی اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے ، اس لیے عورت کا ذکر پہلے کیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب عورت صنفِ نازک ہونے کے باوجود کسی نرمی کی مستحق نہیں تو مرد کو سزا دیتے وقت تو بطریق اولیٰ نرمی اختیار نہیں کی جائے گی ۔آپ نے ایک تیسری وجہ بھی بیان فرمائی ہے ۔ کہتے ہیں کہ جہاں تک زنا کی قباحت کا تعلق ہے وہ تو مرد و زن کے لیے یکساں ہے ، لیکن حمل ٹھہر جانے کی صورت میں عورت کے لیے زیادہ شرم و عار کا باعث ہوگا ۔ لہذا عورت کو مقدم رکھا گیا ہے۔

زانی اور زانیہ کے لیے قومی سزا

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے زانی اور زانیہ کے لیے سو کوڑوں کی شرعی سزا کے علاوہ ایک قومی سزا بھی مقرر فرمائی ہے ۔ یعنی شرعی سزا کے علاوہ اُنہیں معاشرے اور قوم کی طرف سے بھی ایک سزا ملتی ہے ۔اور وہ یہ ہے ۔ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً زانی مرد نہیں نکاح کرتا مگر

زانیہ عورت یا مشرکہ عورت کے ساتھ کیونکہ ایسا شخص پاکدامن عورت کے ساتھ نکاح کا اہل ہی نہیں بلکہ بدکار یا مشرکہ عورت کے قابل ہے۔ اسی طرح فرمایا وَالزَّانِيَةُ لَا يَنكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ اور بدکار عورت، نہیں نکاح کرتا اُس سے مگر بدکار مرد یا مشرک آدمی۔ امام احمدؒ تو یہی فرماتے ہیں کہ پاکدامن عورت کے ساتھ بدکار مرد اور زانیہ عورت کے ساتھ پاکدامن مرد کا نکاح حلال نہیں جب تک وہ توبہ نہ کرلیں۔ البتہ دیگر آئمہ کرام فرماتے ہیں کہ اگر آدمی ایماندار ہے اگرچہ بدکار ہے تو اس کا نکاح تو ہو جائے گا مگر یہ بہتر نہیں ہے۔ بہرحال یہاں پر زنا اور شرک کو ایک زمرے میں شمار کیا گیا ہے جس طرح شرک ذہنی طور پر بے حیائی کی بات ہے۔ اسی طرح زنا بھی سخت بے حیائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک زناکار مرد کو ایک زناکار عورت کے ساتھ ہی مناسبت ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ زانیہ عورت صرف زانی مرد سے نکاح کرتی ہے اور زانی مرد زانیہ عورت سے ہی نکاح پسند کرتا ہے ہے کیونکہ مشہور مقولہ بھی ہے

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

تاہم فرمایا وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اور یہ حرام قرار دیا گیا ہے ایمان والوں پر۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے امام احمدؒ ذٰلِکَ سے مراد نکاح لیتے ہیں کہ پاکدامن اور زناکار کا نکاح حلال نہیں ہے۔ بعض دوسرے آئمہ فرماتے ہیں کہ ذٰلِکَ کا اشارہ زنا کی طرف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کے لیے زنا حرام قرار دیا گیا ہے چاہے رضامندی سے ہو یا زبردستی۔ بہرحال شرعی سزا کے علاوہ اللہ نے ایک قومی سزا بھی مقرر کی ہے تاکہ بدکار مرد یا عورت قابل نفریں ہو جائے اور رشتے ناطے کے قابل نہ رہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ
شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ
شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ
تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾

ترجمہ :۔ اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر، پھر نہیں لاتے وہ چار گواہ، پس مارو اُن کو اسّی (۸۰) دُرّے، اور نہ قبول کرو اُن کی گواہی کبھی بھی۔ اور یہی لوگ ہیں فاسق ﴿۴﴾ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اِس کے بعد اور جنہوں نے اصلاح کی، پس بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۵﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں زنا کی حد بیان ہوئی، جو کوئی مُحصن آدمی زنا کا ارتکاب کرے، پھر اُس کا جرم بذریعہ گواہان پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے یا متعلقہ شخص خود اقرارِ جرم کرلے تو فرمایا ایسے شخص کو اسلامی عدالت سو دُرّے مارنے کی سزا دیگی۔ یہ شرعی سزا غیر شادی شدہ کے لیے ہے اور اگر زناکار شادی شدہ محصن ہو تو اس کی سزا سنت میں بیان کی گئی ہے کہ ایسے شخص کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے گا۔ اِس حد کے نفاذ کے متعلق اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے دین میں نرمی نہ کرو اور یہ سزا دیتے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ موجود ہونا چاہیئے تاکہ اس جرم اور اس کی سزا کی تشہیر ہو اور دوسرے لوگوں کو عبرت حاصل ہو اس کے ساتھ ساتھ اللہ نے ایک معاشرتی سزا کا ذکر بھی کیا ہے کہ ایک پاکدامن مرد یا عورت کسی زانیہ یا مشرکہ سے نکاح نہیں کریگا مطلب یہ کہ بدکار مرد و زن کو معاشرے میں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

قذف کی تعریف

بدکاری کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے اور عدم ثبوت کی صورت میں تہمت لگانے والے کی سزا کا ذکر کیا ہے۔ اس جرم کے لیے شریعت میں قذف کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے قذف کی حد بھی بیان فرمائی ہے۔ ان حدود کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کو جرائم سے پاک رکھا جائے اور فحاشی اور بدکاری کا انسداد کیا جائے۔ حدیث میں قذف کے جرم کو اکبر الکبائر میں شمار کیا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں محصنات یعنی پاکدامن عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن پر تہمت لگائی جائے۔ اللہ نے عورتوں کا ذکر خاص طور پر ان کی عزت و عصمت، پاکیزگی، صیانت اور ان کی لاچاری و مجبوری کی بنا پر کیا ہے۔ وگرنہ اس لفظ میں عورتوں کے علاوہ پاکدامن مرد بھی شامل ہیں جن پر بلا ثبوت زنا کا الزام لگایا گیا ہو۔ مطلب یہ کہ اگر کسی مرد پر بھی زنا کا الزام لگایا جائے جسے ثابت نہ کیا جا سکے تو متہم (اتہام لگانے والے) پر اسی طرح حد جاری ہوگی جس طرح پاکدامن عورت پر اتہام لگانے کی صورت میں جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اتہام لگانے والی کوئی عورت ہے تو اس کا اتہام خواہ مرد پر ہو یا عورت پر، عدم ثبوت کی صورت میں وہ حد قذف کی مستحق ہوگی۔ اور اگر کوئی مرد کسی مرد پر زنا کا اتہام لگاتا ہے جسے ثابت نہیں کر سکتا تو اس پر بھی حد قذف جاری کی جائے گی۔

اس آیت کریمہ میں یَرْمُوْنَ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا لغوی معنی تیر اندازی ہے۔ تاہم یہاں عیب جوئی یا تہمت لگانا مراد ہے۔ یہ لفظ صرف زنا کی تہمت پر بولا جاتا ہے، اس کا اطلاق کسی دوسری تہمت پر نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی مومن آدمی کو یہودی یا کافر کہہ دیتا ہے تو یہ اگرچہ اتہام ہے مگر یہ حد قذف میں نہیں آئے گا کیونکہ حد قذف صرف زنا کے الزام کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ دیگر جھوٹے الزامات

قذف کی سزا اسی دُرّے

کے سلسلے میں عدالت ملزم کو بیس ۲۰ دُرّے لگانے کی سزا دے سکتی ہے۔
ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں۔ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ اور پھر وہ چار گواہ پیش نہیں کرتے۔ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً پس لگاؤ ان کو اسی ۸۰ درے۔ یہ سزا اس صورت میں ہے جب کہ متہم محصن یعنی مسلمان، عاقل، بالغ، پاکدامن اور آزاد ہو۔ اگر کسی نابالغ، غلام، مجنون، غیر مسلم پر زنا کا اتہام لگایا جائے تو ایسی صورت میں حد جاری نہیں ہوگی۔ بلکہ حاکم کی صوابدید پر اتہام لگانے والا تعزیر کا مستحق ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَةٍ یعنی تین قسم کے لوگ مرفوع القلم یعنی اجرائے حد سے بری ہیں۔ ان میں نابالغ ہے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ کیونکہ نابالغ مکلف نہیں ہوتا۔ دوسرا پاگل ہے جب تک کہ وہ صحت یاب نہ ہو جائے اور تیسرا ایسا اتہام لگانے والا ہے جس نے خطا یا نسیان کی بنا پر تہمت لگائی ہو۔
زنا کے ثبوت کے لیے شریعت نے چار گواہوں کا نصاب مقرر کیا ہے حالانکہ قتل کے ثبوت کے لیے دو گواہ بھی کافی ہیں بشرطیکہ وہ عادل اور پسندیدہ ہوں۔ زنا کے جرم میں چونکہ سخت سزا ہے اس لیے اس کے ثبوت کو بھی مشکل بنایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اتنی سخت سزا کسی بے گناہ کو نہ مل جائے۔ کسی شخص کے خلاف زنا کا جرم اس وقت تک پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا جب تک چار عینی مرد گواہ اس بات کی واضح شہادت نہ دیں کہ انہوں نے فلاں مرد اور عورت کو مباشرت کرتے ہوئے اس طرح دیکھا ہے۔ جس طرح سلائی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے۔ اگر گواہ محصن اس قدر شہادت دے کہ اس نے فلاں مرد و زن کو ایک کمرے میں یا ایک چارپائی پہ اکھٹے لیٹے ہوئے دیکھا ہے، تو یہ گواہی کافی نہیں ہوگی اور نہ ہی متہم (جس پہ اتہام لگایا گیا ہے) پہ حد جاری ہوگی۔

[1] تذ۔ ج ۲، ص ۲۲۴ و احکام القرآن للجصاص ج ۳، ص ۳۳۲ (فیاض)

اسی طرح اگر کوئی گواہ عدالت میں جا کر منحرف ہو جائے۔ اگرچہ زنا فی الواقعہ ہوا ہو، پھر بھی زنا کے عدم ثبوت کی بنا پر اتہام لگانے والے پر حد جاری ہو گی۔ ایسی صورت میں اتہام لگانے والا اللہ کے ہاں تو فاسق (گنہگار) نہیں ہوگا کیونکہ زنا کا ارتکاب فی الواقعہ ہوا ہے البتہ وہ عدالت کی طرف سے حدِ قذف سے نہیں بچ سکے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قذف کا قانون نازل فرما کر بہت سے شریف لوگوں کو رسوائی سے بچا لیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر شخص کسی بھی شریف آدمی پر زنا کی تہمت لگا کر اُسے بدنام کر سکتا تھا۔ مگر اللہ نے چار گواہوں کا نصاب مقرر کر کے اور عدم ثبوت کی بناء پر حدِ قذف جاری کرنے کا حکم دے کر بہت سی دیگر خرابیوں کا راستہ بند کر دیا ہے۔ اب کوئی بھی شخص الزام لگانے سے پہلے اس کی خوب چھان بین کرے گا، اور اگر اس معاملہ میں جلد بازی کرے گا تو عدم ثبوت کی بناء پر خود پکڑا جائے گا۔ حدِ قذف کے اسقاط کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ متہم خود اتہام لگانے والے کو معاف کر دے۔ اگر گواہ عدالت تک آئے مگر گواہی نہ دی تو پھر بھی اتہام لگانے والے پر حد جاری ہو گی۔

شہادت کی عدم قبولیت

ثبوت پیش نہ کرنے والے اتہام لگانے والے پر اللہ نے ایک سزا تو یہ تجویز کی کہ اُسے اسی ۸۰ درے مارے جائیں اور دوسری معاشرتی سزا یہ بھی دی وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ایسے لوگوں کی (دوسرے معاملات میں بھی) شہادت کبھی قبول نہ کرو۔ جو شخص اتہام لگانے کے بعد عدم ثبوت کی بناء پر جھوٹا ثابت ہو چکا ہے۔ اب وہ معاشرے میں اس قدر حقیر ہو چکا ہے کہ اس کی گواہی کوئی عدالت عمر بھر قبول نہیں کرے گی۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اتہام کے عدم ثبوت پر اتہام لگانے والے کی زبان کاٹ دی جاتی مگر اس کے لیے ذلت و رسوائی کا یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اس کی شہادت ہمیشہ کے لیے غیر معتبر قرار دے دی گئی ہے

مولانا شاہ اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ جس شخص پر حدِ قذف جاری ہو چکی

ہو اس کی گواہی مالی معاملات میں تو توبہ کے بعد بھی قابلِ قبول نہیں ہوگی مگر دیانت کے معاملات مثلاً رویتِ ہلال یا روایت حدیث وغیرہ میں ایسے شخص کی شہادت معتبر سمجھی جائے گی اور قابلِ قبول ہوگی۔ فرمایا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ جن پر حدِ قذف جاری ہو چکی، یہ لوگ فاسق، نافرمان اور حد سے باہر نکلنے والے ہیں کہ انہوں نے پاکدامن عورتوں یا مردوں پر زنا کا اتہام لگایا۔

بعد از توبہ اصلاح

فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا جن لوگوں نے اس (حدِ قذف کے اجرا) کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اپنے آپ کو درست کر لیا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

حدِ قذف کے اجرا کے بعد توبہ کر لینے کی صورت میں شہادت کی قبولیت کے مسئلہ پر آئمہ کرام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص توبہ کر لینے کے بعد اللہ کے ہاں فاسق بھی نہیں رہے گا اور اس کی شہادت بھی معتبر ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اِلَّا الَّذِيْنَ کا اطلاق سابقہ آیت میں مذکور عدم قبولیت گواہی پر ہوتا ہے یعنی اُن کی گواہی بھی معتبر ہوگی اور وہ فاسق بھی نہیں رہیں گے۔ اس کے برخلاف امام ابو حنیفہؒ اور سلف میں سے قاضی شریحؒ، ابراہیم نخعیؒ، سعید ابن جبیرؒ، امام مکحولؒ، عبدالرحمٰن ابن زید ابن جابرؒ، حسن بصریؒ، محمد ابن سیرینؒ اور سعید ابن المسیبؒ کا مسلک یہ ہے کہ توبہ کر لینے کے بعد قذف کا سزا یافتہ آدمی فاسق یعنی اللہ کے ہاں گنہگار تو نہیں رہے گا۔ اُسے معافی مل جائے گی۔ البتہ شہادت کی عدم قبولیت کا داغ اس کے ماتھے پر ہمیشہ قائم رہے گا۔ ان اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ اِلَّا الَّذِيْنَ کا تعلق صرف ملحقہ لفظ فٰسِقُوْنَ سے ہے یعنی وہ اللہ کے ہاں تو اس گناہ سے معاف کر دیے جائیں گے مگر باقی دو سزائیں یعنی اسی درے اور عدم قبولیت شہادت برقرار رہے گی۔ امام صاحب کی دلیل میں اس بات سے مزید وزن

پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی اجرائے حد سے قبل تائب ہو جائے تو کیا اس سے اسی ۸۰ کوڑوں کی سزا بھی زائل ہو جائیگی؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر عدم قبولیت شہادت کی معاشرتی سزا بھی قائم رہے گی اور توبہ سے معاف نہیں ہوگی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اصولِ عربیت اور اصول نحو کے لحاظ سے بھی امام صاحب کے مسلک کی تصدیق ہوتی ہے۔ فَاجْلِدُوا اور وَلَا تَقْبَلُوا والے دونوں جملے انشائیہ ہیں جب کہ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ والا جملہ خبریہ ہے۔ اور یہ گرامر کا اصول ہے کہ جملہ خبریہ کا اطلاق جملہ انشائیہ پر نہیں ہوتا، لہذا فاسقون کا اطلاق نہ تو سزا کے دُروں پر ہوتا ہے اور نہ عدم شہادت پر۔ البتہ اس کا اطلاق وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ پر ہوتا ہے کہ اتہام لگانے والے لوگ فاسق ہیں۔ اگر وہ توبہ کر کے اصلاح کر لیں تو فاسق یعنی آخرت میں ماخوذ نہیں ہوں گے۔ البتہ مردود الشہادت ضرور رہیں گے۔ اس کی معافی نہیں۔

درس چہارم ۴ — آیت ٦ تا ١٠

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ
اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ
اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ
اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٧ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ
اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٨
وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ۝٩ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ
اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝١٠ ع ۷

ترجمہ :- اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر اتہام لگاتے ہیں بدکاری کا اور نہیں ہیں اُن کے لیے گواہ سوائے اپنی جانوں کے ، پس گواہی اُن میں سے ایک کی چار مرتبہ گواہی دے اللہ کا نام لے کر کہ بیشک وہ سچا ہے ⑥ اور پانچویں مرتبہ کی گواہی یہ کہ بیشک اللہ کی لعنت ہو اُس پر اگر وہ جھوٹا ہے ⑦ اور اُس عورت سے بھی سزا کو ہٹا دیگی یہ بات کہ وہ چار مرتبہ گواہی دے اللہ کا نام لے کر بیشک یہ شخص جھوٹا ہے ⑧ اور پانچویں گواہی یہ کہ اللہ کا غضب ہو اس عورت پر اگر مرد سچا ہے ⑨ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اُس کی مہربانی ۔ اور (یہ بات کہ) بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے (تو یقیناً تم مشکلات میں مبتلا ہوتے ⑩

ربط آیات

سورۃ ہذا کے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے زنا، فحاشی اور بدکاری وغیرہ سے متعلق تین قوانین کا ذکر کیا ہے۔ اس سے پہلے حدِ زنا اور حدِ قذف کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور آج کے درس میں لعان کا بیان آرہا ہے۔ پہلے حدِ زنا بیان ہوئی تھی جس کے مطابق غیر شادی شدہ زنا کار مرد یا عورت کو سو کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا، شادی شدہ محصن کی سزا کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا۔ البتہ سنت میں ایسے مرد یا عورت کی سزا سنگساری مقرر کی گئی ہے اور خود حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اس سزا پر عمل درآمد ہوا۔ یہ سزا سرِ عام دینے کا حکم ہے تاکہ تمام لوگوں کو اس قبیح جرم کے مرتکب کا پتہ چل جائے اور انہیں عبرت حاصل ہو۔ پھر حدِ قذف کے متعلق فرمایا کہ اگر کوئی آدمی کسی پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کا اتہام لگائے اور پھر اسے چار گواہوں کے ذریعے ثابت نہ کر سکے تو اتہام لگانے والے کو اسی درے مارنے کی سزا دی جائے گی، یہ حد قذف کہلاتی ہے۔

لعان کا بیان

اب تیسرے نمبر پر لعان کا بیان ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی خاوند اپنی بیوی پر زنا کا اتہام لگائے اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس نے خود اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ ناشائستہ حالت میں دیکھا ہو اور یا پھر اس کی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے۔ جب کہ خاوند کئی سال سے بوجوہ اس کے قریب نہ گیا ہو۔ ایسی صورت میں اسے یقین ہو گا کہ یہ بچہ اس کا نہیں بلکہ زنا کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر میاں بیوی کے درمیان اس معاملہ میں گواہ لانا قریباً قریباً ناممکن ہے۔ اگر خاوند نے بیوی کو خود برائی کرتے دیکھا ہے تو جب وہ گواہوں کو تلاش کرے گا، مجرمین اپنا کام ختم کر چکے ہوں گے۔ لہٰذا عینی گواہوں کا حصول بڑا ہی مشکل ہے۔ اور اگر بدکاری کا علم حمل کے نمایاں ہونے یا بچے کی پیدائش پر ہوا ہے تو گواہوں کو پیش کرنے کا سوال

ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے لعان کا قانون بیان فرمایا ہے جس کی رُو سے میاں بیوی کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا۔

اس قسم کے واقعات خود حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بھی پیش آئے جن کا تذکرہ صحیحین اور بعض دوسری کُتب احادیث میں موجود ہے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، حضور! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں پائے تو وہ کیا کرے؟ اگر کوئی غیرت مند آدمی اُس بدکار شخص کو قتل کر دے تو کیا قاتل کو بھی قصاص میں قتل کیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ اگر وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی خاموش رہتا ہے تو وہ ہر وقت غصے میں بھرا رہے گا۔ جس کی وجہ سے کسی وقت بھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے سائل سے فرمایا کہ زنا کے الزام کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے اگر کوئی شخص الزام لگانے کے بعد گواہ پیش نہیں کرتا تو وہ خود حدِ قذف کا مستحق ٹھہرے گا۔ حدیث[1] کے الفاظ ہیں فَحَدٌّ فِیْ ظَھْرِکَ تیری پیٹھ پر درے لگیں گے۔

صحیح حدیث میں اس قسم کا واقعہ حضرت سعد بن عبادہؓ کا بھی ملتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا، حضرت! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ قابلِ اعتراض حالت میں دیکھے گا تو وہ گواہ تلاش کرنے کے لیے جائیگا یا تلوار سے اُس آدمی کا سر قلم کر دے گا؟ حضور علیہ السلام نے انصارِ مدینہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو! تمہارا سردار یہ بات کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا یہ سردار بڑا باغیرت آدمی ہے اور اس کے لیے ایسی صورتِ حال ناقابلِ برداشت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بڑا غیرت مند ہے تو میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ سب سے زیادہ غیرت والا ہے، مگر مسئلہ یہی ہے کہ ایسے اتہام کے ثبوت کے لیے چار گواہ لازمی ہیں، ورنہ نہ تو مجرم کو

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص۲۶۶ ج۳ و قرطبی ص۱۸۳ ج۱۲ و بخاری ص۶۹۵ ج۲ (فیاض)

سزا دی جاسکتی ہے اور نہ ہی متعلقہ شخص خود قانون کو ہاتھ میں لے سکتا ہے۔ ایسے معاملے کو عدالت میں لے جانا ہوگا۔ ثبوت پیش کرنا ہوگا اور عدالت کے فیصلے کو تسلیم کرنا ہوگا۔

مرد کی پانچ قسمیں

ایسے ہی معاملے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا اتہام لگاتے ہیں، یعنی انہیں شواہد و قرائن کی بنا پر یقین ہے کہ انکی بیویاں گناہ میں ملوث ہوتی ہیں۔ اور اس کی دو ہی صورتیں ہیں، جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ ناشائستہ حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یا بیوی سے قربت کے بغیر اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے یا پیدائش متوقع ہے مگر اس شخص کے پاس اس اتہام کے ثبوت کے لیے چار عینی گواہ موجود نہیں ہیں وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ یعنی اپنی ذات کے سوا ان کے پاس کوئی دوسرا گواہ موجود نہیں۔ تو ایسی صورت میں متعلقہ شخص معاملے کو عدالت میں لے جائے گا۔ عدالت فریقین کو طلب کر کے کاروائی کا آغاز کریگی۔ پہلے مرد سے پوچھا جائے گا کہ اس کا الزام کس حد تک درست ہے۔ اگر وہ اپنے دعوے سے پھر جائے تو عدالت اُسے جھوٹا قرار دے کر حدِ قذف جاری کرے گی جس کے مطابق اُسے اسّی درے مارے جائیں گے۔ پھر عورت سے پوچھا جائے گا اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اُسے رجم کی سزا دی جائے گی اور اگر وہ انکار کرے تو اگلی کاروائی ہوگی۔

جب مرد اپنی بات پر اصرار کرے کہ اس کی بیوی نے فی الواقعہ زنا کا ارتکاب کیا ہے اور عورت مسلسل انکار کرے۔ تو پھر فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ عدالت مرد سے کہے گی کہ وہ کھڑا ہو کر چار دفعہ اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر کہے کہ اس کا الزام درست ہے اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ اور وہ اپنی بات میں سچا ہے۔ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ

اللّٰہِ عَلَیۡہِ اِنۡ کَانَ مِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ اور پانچویں دفعہ اللہ کی قسم کھا کر کہے گا کہ اگر وہ اس معاملہ میں جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ یہ پانچ قسمیں اٹھانے کے بعد وہ شخص بری ہو جائے گا اور اس پر کوئی حد جاری نہیں ہوگی۔

عورت کی پانچ قسمیں

اِس کے بعد حاکم عورت کی طرف متوجہ ہوگا اور پوچھے گا کہ کیا تو خاوند کی طرف سے لگائے گئے الزام کو تسلیم کرتی ہے؟ اگر وہ گناہ کا اقرار کرے تو اُسے رجم کرنے کی سزا دی جائے گی، اور اگر عورت الزام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو فرمایا وَیَدۡرَؤُا عَنۡہَا الۡعَذَابَ اَنۡ تَشۡہَدَ اَرۡبَعَ شَہٰدٰتٍۭ بِاللّٰہِ یہ بات اُس سے عذاب ہٹا دے گی کہ وہ اللہ کے نام کی چار قسمیں کھا کر کہے اِنَّہٗ لَمِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ کہ اُس کا خاوند جھوٹا ہے یعنی اس (عورت) پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ درست نہیں ہے وَالۡخَامِسَۃَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰہِ عَلَیۡہَاۤ اِنۡ کَانَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ۔ اور پانچویں دفعہ قسم اٹھا کر یہ کہے کہ اُس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو اگر اُس کا خاوند سچا ہے۔

لعنت اور غضب میں فرق

یہاں پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ مرد کی قسم کے بارے میں اللہ نے لعنت کا ذکر کیا ہے جب کہ عورت کے لیے غضبِ الٰہی تجویز کیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ لعنت کے مقابلے میں غضبِ الٰہی زیادہ شدید امر ہے لعنت کا معنیٰ اللہ کی رحمت سے دوری ہے اور یہ لفظ عام طور پر شیطان یا کسی دوسرے کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ وہ ملعون ہے یعنی رحمتِ الٰہی سے بعید ہے۔ اور غضب سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص نہ صرف رحمت سے محروم ہے بلکہ اُس پر اللہ کی ناراضگی بھی ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے غضب کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ لعنت تو ایک معمولی چیز ہے جو عورتیں خود بھی ایک دوسری پر بھیجتی رہتی ہیں۔ چونکہ کسی

دوسری عورت سے ناراضگی ہوئی تو جھٹ اُس کو ملعون کہہ دیا، لہذا عورتیں لعنت سے زیادہ شدید سزا کی مستحق ہیں۔

صحیحین کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تمھاری اکثریت جہنم میں جائیگی۔ ایک عورت نے عرض کیا حضور! اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تمھاری زبانوں پہ لعنت بہت زیادہ ہوتی ہے بعض عورتوں کا تکیہ کلام ہوتا ہے کہ وہ بات بات پر لعنت بھیجتی ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ تم اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ اسی لیے اللہ نے عورت کی زبان سے بوقت قسم غضب کا لفظ نکلوایا ہے، شاید کہ وہ ڈر جائے اور اگر واقعی گنہگار ہے تو گناہ کا اقرار کرکے آخرت میں غضبِ الٰہی سے بچ جائے۔

میاں بیوی میں جدائی

اب صورت حال یہ ہوگئی کہ خاوند نے پانچ قسمیں کھا کر بیوی پہ زنا کا الزام لگایا اور بیوی نے پانچ قسمیں اٹھا کر اپنی برئیت کا اظہار کیا۔ اب قاضی کا فیصلہ یہ ہوگا کہ وہ میاں بیوی میں جدائی کر دیگا۔ قاضی کا یہ حکم طلاق بائن کے قائم مقام ہوگا اور یہ مرد و زن دوبارہ نکاح بھی نہیں کر سکیں گے۔ ہاں ایک صورت ہے کہ اگر کسی وقت مرد اپنے الزام کو واپس لے لے اور عدالت میں یہ بیان دے کہ اُس نے بیوی پر اتہام لگاتے وقت جھوٹ بولا تھا، تو قاضی اُس شخص کو حدِ قذف یعنی اسّی کوڑوں کی سزا دے گا اور اس کے بعد وہی مرد و زن دوبارہ نکاح کر سکیں گے۔

اس بارے میں کچھ فقہی اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کی طرف سے پانچ پانچ قسمیں اٹھانے کے بعد جب لعان مکمل ہوگیا تو عورت خود بخود مرد سے ہمیشہ کے لیے جدا ہوگئی۔ اب نہ کسی طلاق کی ضرورت ہے اور نہ قاضی کے فیصلے کی۔ اگر عورت کے پاس بچہ موجود ہے یا ابھی پیدا ہونے والا ہے تو وہ ماں کا تصور ہوگا، خاوند کا اس

کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا، نہ تو بچہ اس کی نسل میں شمار ہوگا۔ اور نہ وہ مرد کی وراثت کا حقدار ہوگا۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے فقہائے کرام کا مسلک یہ ہے کہ محض لعان کی تکمیل پر جدائی نہیں ہو جاتی بلکہ لعان کے بعد یا تو خاوند خود طلاق دے دے یا قاضی جدا کردے۔ صحیح حدیث میں بھی ایسا ہی آتا ہے کہ اس قسم کے ایک کیس میں ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا خود حضور علیہ السلام نے میاں بیوی میں تفریق کرادی تھی۔

امام صاحبؒ کے مسلک کے مطابق اگر نہ خاوند طلاق دے اور نہ قاضی تفریق کرے تو پھر متعلقہ عورت اپنے خاوند کے نکاح سے باہر نہیں نکلے گی۔ بلکہ بدستور نکاح میں رہے گی۔ اور اُدھر یہ ہے کہ مذکورہ شخص لعان کے بعد اس عورت سے مباشرت بھی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ حرام ہے۔ اب نکاح فسخ نہیں ہوا اور مباشرت حرام ہے تو مزید پیچیدگی پیدا ہوگی۔ اور اگر اس حالت میں میاں بیوی میں سے کسی ایک کی موت واقع ہو جائے تو دوسرے کو وراثت کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ ان کا نکاح قائم ہے۔ البتہ بچہ عورت کا تصور ہوگا۔ اور مرد کی وراثت کا حقدار نہیں ہوگا۔

قانونِ لعان کی افادیت

آگے فرمایا وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی، اور یہ بھی کہ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور حکمت والا ہے، تو تمہارے لیے بہت سی مشکلات پیدا ہو جاتیں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لعان کا ایسا حکیمانہ قانون وضع فرمایا ہے کہ جس کے ذریعے ایک تو مرد و زن کے درمیان پردہ پوشی قائم رہتی ہے اور دوسرے دنیاوی مشکلات بھی آسان ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ قانون نہ ہوتا اور خاوند کی طرف سے لگائے گئے الزام کو بیوی قبول نہ کرتی تو عمر بھر کے لیے عداوت کا دروازہ کھلا رہتا اور زوجین میں سے کسی ایک کو

بھی سکھ کا سانس نصیب نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ مہربانی فرمائی ہے کہ تم اس قانون کو اپنے اوپر نافذ کرو گے تو تمھاری سوسائٹی پاک رہے گی اور تمھاری نسلیں اور اخلاق بھی نہیں بگڑیں گے۔ کسی قانون کی افادیت جبھی ہوتی ہے جب اُس پر عمل کیا جائے۔ قانون کی محض تلاوت کرنے سے تو کوئی مقصد حاصل نہیں ہوگا، لہٰذا تمھارا فرض ہے کہ اللہ کے جاری کردہ قانون پر عمل کر کے دنیا و آخرت کی بہتری حاصل کر لو۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡكِ عُصۡبَةٌ مِّنۡكُمۡ‌ؕ لَا تَحۡسَبُوۡهُ
شَرًّا لَّـكُمۡ‌ؕ بَلۡ هُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ؕ لِكُلِّ امۡرِىٴٍ
مِّنۡهُمۡ مَّا اكۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ‌ ۚ وَالَّذِىۡ تَوَلّٰى
كِبۡرَهٗ مِنۡهُمۡ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝۱۱ لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ
ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا ۙ وَّقَالُوۡا
هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ ۝۱۲ لَوۡلَا جَآءُوۡ عَلَيۡهِ بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ‌
فَاِذۡ لَمۡ يَاۡتُوۡا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓـئِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ
الۡـكٰذِبُوۡنَ ۝۱۳

ترجمہ :- بیشک وہ لوگ جو لائے ہیں ایک طوفان ، وہ ایک گروہ ہے تم میں سے نہ گمان کرو تم اس کو اپنے حق میں بُرا بلکہ وہ بہتر ہے تمہارے لیے ہر آدمی کے لیے ہے اُن میں سے جو اُس نے کمایا گناہ سے۔ اور وہ جو والی بنا ہے اِس کے بڑے حصے کا اُن میں سے ، اس کے لیے عذاب عظیم ہے ⑪ کیوں نہیں ہوا ایسا کہ جب تم نے سُنا تھا اس کو تو گمان کرتے مومن مرد اور مومن عورتیں اپنے لوگوں کے بارے میں بہتری کا اور وہ کہتے کہ یہ صریح بہتان ہے ⑫ کیوں نہیں لائے وہ اِس پر چار گواہ۔ پس اگر وہ نہ لائیں چار گواہ۔ پس یہی لوگ اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں ⑬

رابطِ آیات

پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے حدِ زنا، حدِ قذف اور لعان کا ذکر فرمایا اب اگلے دو رکوع میں اُس بہتان کا ذکر فرمایا ہے۔ جو منافقین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ پر باندھا تھا۔ اللہ نے اِس الزام کو رد کرتے ہوئے منافقین کی مذمت بیان فرمائی ہے، اور مسلمانوں کی جماعت کو تنبیہ فرمائی ہے کہ آئندہ اِس قسم کی کاروائی میں ملوث نہ ہوں۔ افک کا معنی صریح گھڑا ہوا جھوٹ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے یہ واقعہ اس سفر کے دوران پیش آیا تھا جب حضور علیہ السلام اپنے صحابہؓ کے ہمراہ قبیلہ بنی المصطلق کے خلاف جہاد کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ یہ سنہ ۶ ھ کا واقعہ ہے۔ یہ بڑا وسیع قبیلہ تھا اور لوگ بڑے سرکش تھے لہذا ان کے خلاف جہاد ضروری ہو گیا تھا۔

واقعہ افک کا پس منظر

صحاح ستہ کی کتابوں میں خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے روایت ہے[1] کہ جب حضور علیہ السلام کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو آپ کسی ایک بیوی کو ہمراہ لے جاتے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو انتخاب کا مکمل اختیار دیا گیا تھا تاہم آپ اس امر کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کرتے تاکہ کسی بیوی کے دل میں کوئی تکدر پیدا نہ ہو۔ قبیلہ بنی المصطلق کے ساتھ جہاد کے سفر کے لیے قرعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے نام نکلا اور آپ نے انہی کو اپنا ہم سفر بنایا۔

بعض فرماتے ہیں کہ اس سفر کے دوران دو حادثات پیش آئے۔ سفر پر جاتے وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ کسی مقام پر قافلے نے رات کو قیام کیا۔ اُس جگہ حضرت عائشہ رضؓ کا وہ ہار گم ہو گیا جو آپ کسی سے عاریتًہ لے کر گئی تھیں۔ ہار کی تلاش کے لیے بڑی تگ و دو کی گئی مگر وہ نہ ملا۔ بالآخر جب قافلے کی وہاں سے روانگی کا وقت آیا اور سواری کے اونٹ کو اٹھایا گیا تو ہار اُس کے نیچے سے برآمد ہو گیا۔ اسی مقام پر پانی کی سخت قلت

[1] بحوالہ السراج المنیر صـ ۳۲ ج ۲ (فیاض)

پیدا ہوگئی حتیٰ کہ وضو کے لیے بھی پانی میسر نہیں تھا۔ صحابہ کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم نازل فرما کر اہلِ ایمان کے لیے آسانی پیدا فرما دی۔ لوگوں نے پاک مٹی کے ساتھ تیمم کر کے نمازیں ادا کرنا شروع کر دیں۔

اِسی سفر سے واپسی پر اِفک کا واقعہ پیش آیا۔ مجاہدین کا قافلہ رات کے پچھلے حصہ میں ایک مقام پر تھوڑی دیر کے لیے رُکا۔ علی الصبح روانگی کا پروگرام تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ حضرت عائشہؓ قضائے حاجت کے لیے قافلے سے ذرا دور نکل گئیں۔ ابھی اندھیرا تھا کہ قافلے کی روانگی کا اعلان ہو گیا۔ آپ کی خدمت پر مامور آدمیوں نے حضرت عائشہؓ کا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا۔ آپ کا جسم ہلکا پھلکا تھا۔ اس لیے اُن آدمیوں کو محسوس ہی نہ ہوا کہ آپ کجاوے میں موجود نہیں ہیں۔ قافلہ روانہ ہو گیا۔ اتنے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ فارغ ہو کر واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا، چنانچہ آپ نے یہی سمجھا کہ اُسی مقام پر بیٹھ جائیں تاکہ جب بھی اُن کی عدم موجودگی کا علم ہو تو لوگ اُن کی تلاش کے لیے اِسی مقام پر آئیں۔ وہیں بیٹھے بیٹھے آپ کو نیند بھی آگئی۔

اِس قسم کے قافلوں کا یہ عام دستور تھا کہ کسی شخص کو مقرر کر دیتے جو قافلے سے دو تین میل پیچھے پیچھے چلتا تاکہ قافلے کی کوئی گری پڑی چیز رل جائے تو اُسے اٹھا لے۔ اس قافلے کی یہ ڈیوٹی صفوان ابن معطل سلمیؓ کے سپرد تھی۔ جب آپ قافلے کی روانگی کے بعد اُس مقام پر پہنچے تو انہوں نے کسی کو لیٹے ہوئے پایا۔ آپ قبیلہ سُلّم کے بزرگ صحابیؓ تھے اور آپ نے حضرت عائشہؓ کو پہچان لیا کہ بچپن میں کبھی دیکھا تھا۔ اس پر اُن کی زبان سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے الفاظ ادا ہوئے۔ حضرت عائشہ نے یہ استرجاع سنا تو بیدار ہو گئیں۔ حضرت صفوانؓ

نے اپنے اونٹ کو بٹھایا، حضرت عائشہؓ اُس پر سوار ہو گئیں۔ آپ نے مہار پکڑی اور آگے آگے چل دیئے۔ اس دوران، دونوں کی آپس میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی حتیٰ کہ آپ دوپہر کے وقت قافلے سے جا ملے۔

منافقین کا پراپیگنڈا

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی حضور علیہ السلام اور اہل ایمان کا سخت دشمن تھا۔ اس واقعہ سے اُسے ایک بہانہ مل گیا اور اُس نے اسے خوب اچھالا کہنے لگا کہ تنہائی کے اس موقع پر حضرت عائشہؓ برائی سے بچ نہیں سکتیں، یہ ضرور کچھ معاملہ ہوا ہے۔ بعض سادہ لوح مسلمان بھی اس پراپیگنڈا کا شکار ہو گئے۔ اس ضمن میں عورتوں میں سے ام المؤمنین حضرت زینبؓ کی بہن حمنہؓ اور مردوں میں سے شاعرِ اسلام حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے خالہ زاد بھائی اور بدری صحابی حضرت مسطحؓ کا ذکر آتا ہے۔

لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے پراپیگنڈا ہمیشہ سے ایک مؤثر ہتھیار رہا ہے۔ آج کل حکومتی سطح پر اس کا بڑا رواج ہے۔ ہر حکومت اپنے حق میں یا دوسری حکومت کے خلاف یہ ہتھیار استعمال کرتی ہے۔ خاص طور پر جنگ کے دنوں میں پراپیگنڈا کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے اور یہ اس منظم طریقے پر کیا جاتا ہے کہ غلط بات کو بھی لوگ سو فیصدی درست سمجھنے لگتے ہیں۔ پراپیگنڈے کا یہی طریقہ عبداللہ بن ابی نے بھی استعمال کر کے بعض مسلمانوں کو ورغلا لیا۔

حضور علیہ السلام کی پریشانی

قافلہ واپس مدینہ پہنچ گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بعارضہ بخار کچھ بیمار بھی ہو گئیں اور ادھر چہ میگوئیاں بھی ہوتی رہیں حتیٰ کہ ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ حضور علیہ السلام مختلف قسم کی باتیں سنتے تھے مگر بلا تحقیق کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت پریشانی میں مبتلا تھے، واقف کار اور مخلص صحابہؓ بھی ذہنی پریشانی کا شکار رہے۔ جب مجلسوں میں اس واقعہ کے تذکرے ہوتے تو صحابہ سے برداشت نہ ہو پاتا۔ ایک ماہ کے بعد حضرت عائشہؓ کو پتہ چلا کہ اُن کے بارے میں اِس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

سے اجازت لے کر اپنے والدین کے ہاں آگئیں۔ جب یہ بات اُن کے علم میں لائی گئی تو وہ بھی پریشان ہوئے مگر خاموشی اختیار کیے رکھی۔ پھر حضرت صدیق رض نے صدیقہ رض کو واپس بھیج دیا۔ آپ تین دن تک مسلسل روتی رہیں، اُن کے آنسو نہیں تھمتے تھے۔ خود حضور علیہ السلام نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا، لوگو! میرے اہل کے بارے میں اس قسم کی باتیں ہو رہی ہیں، مجھے مشورہ دو کہ میں کیا کروں۔ جب آپ کسی سے علیحدگی میں پوچھتے تو ہر شخص حضرت عائشہ رض کی صفائی پیش کرتا۔ ایک موقع پر حضرت ابوایوب انصاری رض کی بیوی نے آپ سے تذکرہ کیا کہ لوگ حضرت عائشہ رض کے بارے میں ایسی باتیں کرتے ہیں۔ تو آپ نے اپنی بیوی سے پوچھا کیا تم کوئی ایسی حرکت کر سکتی ہو؟ کہنے لگی میں تو اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آپ نے فرمایا اگر ابوایوب انصاری رض کی بیوی سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تو پھر صدیق اکبر رض کی بیٹی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ سب جھوٹے لوگ ہیں جو اس قسم کا پراپیگنڈا کر رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ رض سے براہِ راست بھی بات کی کہ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اقرار کر لو۔ اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا، اور اگر ایسی بات نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ خود تمہاری برأت فرما دے گا، اُس وقت حضرت عائشہ رض نے کچھ زیادہ جواب نہ دیا اور کہا کہ میں اس کے علاوہ کیا کہہ سکتی ہوں جو کچھ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا تھا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ (یوسف - ۱۸) میں تو صبرِ جمیل ہی کر سکتی ہوں وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ (المؤمن - ۴۴) اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتی ہوں۔ وہی بہتر فیصلہ کرے گا۔

حضرت عائشہ رض کی برأت

بہر حال مکمل ایک ماہ تک حضور علیہ السلام اور آپ کے اہلِ خانہ اور مخلص صحابہ رض پر سخت پریشانی کا عالم رہا۔ اس کے بعد اللہ کی طرف سے پورے دو رکوع کی سولہ آیات نازل ہوئیں جن میں حضرت عائشہ رض کی برأت اور دوسری ضمنی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ

بے شک جن لوگوں نے جھوٹا طوفان کھڑا کیا ہے۔ افک کا معنی اُس گھڑت
اور صریح طوفان ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ
یہ تم میں سے ایک گروہ ہے۔ احادیث میں اس گروہ سے متعلق رئیس المنافقین
عبداللہ بن ابی اور تین مسلمانوں کے نام آتے ہیں جو کہ میں نے پہلے عرض کر دیئے ہیں۔
ان تینوں مسلمانوں پر حدِ قذف جاری ہوئی۔ انہوں نے توبہ کر لی جو قبول ہوئی۔ البتہ
عبداللہ بن ابی کا معاملہ آخرت پر چھوڑ دیا گیا اُسے اس دنیا میں کوئی سزا نہیں دی گئی
اللہ نے اس کے لیے آخرت کے عذابِ عظیم کا ذکر فرمایا ہے۔ عربی محاورے
میں عصبہ کا اطلاق دس سے بیس افراد تک کے گروہ پر بولا جاتا ہے تاہم حدیث
کی کتابوں سے صرف چار مذکورہ اشخاص کے نام ملتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عبداللہ
ابن ابی کے ساتھ بہت سے دوسرے منافقین بھی شامل ہوں جن کے نام معلوم نہیں۔

واقعہ افک میں بہتری

فرمایا اس گروہ نے جو طوفانِ بدتمیزی اٹھایا ہے لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا
لَّكُمْ اسے اپنے حق میں بُرا خیال نہ کرو بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ بلکہ یہ تو
تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگرچہ بظاہر اس میں حضور علیہ السلام اور دیگر متعلقین کو ایک
مہینہ بھر سخت ذہنی پریشانی رہی مگر مومنوں کو فرمایا کہ نتیجے کے لحاظ سے یہ واقعہ
تمہارے حق میں بہتر ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہؓ کی پاکیزگی میں سولہ
آیات نازل فرمائیں جو کہ آپ کے حق میں بڑی خوبی کی بات ہے۔ حضرت عائشہؓ
کا اپنا بیان ہے کہ یہ تو مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور میری برأت فرمائے گا مگر
مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ میرے حق میں قرآن پاک کے پورے دو رکوع نازل ہوں
گے۔ یہ آپ کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ اس کے علاوہ اس واقعہ کی وجہ
سے حضور علیہ السلام، حضرت صدیق اکبرؓ اور دیگر مخلص مومنین کو جو ذہنی اذیت
پہنچی تھی اور انہوں نے صبر کا مظاہرہ کیا، اِس پر وہ اللہ کے ہاں بہت
بڑے اجر کے مستحق ٹھہرے۔ پھر یہ بھی کہ اہل ایمان کے لیے یہ بات ہمیشہ
کے لیے ایک نصیحت بن گئی کہ بلا تحقیق اس قسم کا الزام ہرگز نہیں لگانا چاہیے۔

اس کے علاوہ بہتان تراشی کرنے والوں کو سزا بھی ملی۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ اللہ نے فرمایا کہ اس واقعہ کو اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ اس میں تمہارے لیے بہتری کا پہلو نمایاں ہے۔ یہ واقعہ تمہارے لیے ترقی کا زینہ بن گیا ہے۔

سزا مطابق جرم

فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ان میں سے ہر شخص کے لیے گناہ میں حصہ ہے جس نے یہ برائی کمائی ہے۔ یعنی اس سلسلے میں ملوث جس جس شخص نے جس قدر بدگمانی کی اور اس طوفان کو اٹھانے میں جس قدر حصہ لیا، اُس قدر اُس کے ذمہ گناہ بھی لازم آگیا ہے وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ اور جو شخص اُن میں سے اِس افترا میں بڑے حصے کا مالک بنا، یعنی جس نے اس معاملہ میں بدترین کردار ادا کیا لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ اس کے لیے اللہ کے ہاں عذاب عظیم ہے۔ اس سے مراد رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی ہے جس نے اس واقعہ کو سب سے زیادہ اچھالا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تنبیہ فرمائی ہے۔ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب مومن مردوں اور مومن عورتوں نے ایسی بات سنی تھی۔ تو انہوں نے اپنے لوگوں پر بہتری کا گمان کیوں نہ کیا۔ مومنوں کو آپس میں بہتر گمان کرتے ہوئے اس قسم کے افتراء پر کان نہیں دھرنا چاہیے تھا۔ بخاری شریف میں اس واقعہ سے متعلق آتا ہے کہ جب لوگوں نے صفوان بن معطل سُلمیؓ سے اس الزام کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے، خدا کی قسم میں نے تو جاہلیت کے زمانہ میں بھی کسی غیر عورت کے منہ سے پردہ نہیں اٹھایا، بھلا اسلام لانے کے بعد تو میں ایسی بات کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ انہوں نے بعد میں ایک جہاد میں شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ بہرحال فرمایا کہ ایک طرف صفوانؓ جیسا کم گو، مسکین طبع اور نیک آدمی ہے اور دوسری طرف صدیق اکبرؓ کی بیٹی اور ختم المرسلین علیہ السلام کی زوجہ ہے جو کہ بذات خود بڑی سمجھدار اور نیک خاتون تھیں، ان کے متعلق

تم نے ایسا برا گمان کیوں کیا۔ تمھیں تو آپس کے معاملات میں بہتر گمان کرنا چاہیئے تھا۔ عام مومنوں کے متعلق بھی یہی حکم ہے کہ خواہ مخواہ بدگمانی نہ کیا کرو، بلکہ اچھا گمان رکھا کرو۔ وَقَالُوا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ یہ پراپیگنڈا سن کر تم نے یوں کیوں نہ کہا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔

صریح بہتان کی مذمت

ارشاد ہوتا ہے کہ اگر ان لوگوں کو ایسی ہی بدگمانی تھی لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ تو پھر یہ لوگ اپنے دعوے کے ثبوت میں چار گواہ کیوں نہ لائے۔ گذشتہ آیات میں گزر چکا ہے کہ زنا کے الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے جو چشم دید گواہی دیں، ورنہ یہ جرم ثابت نہیں ہوتا اور الزام لگانے والوں پہ حدِ قذف جاری ہو جاتی ہے۔ فرمایا فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ اگر یہ چار گواہ پیش نہیں کرتے فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ تو یقین جانو کہ اللہ کے نزدیک یہ لوگ جھوٹے ہیں اور ان کا الزام صریح بہتان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب زنا کے اتہام کے لیے چار عینی گواہ موجود نہ ہوں، ایسی بات زبان سے نہیں نکالنی چاہیئے۔ اس سے ایک مسلمان کی خواہ مخواہ بے آبروئی ہوتی ہے۔ حدِ قذف کا قانون بھی اسی لیے جاری کیا گیا ہے کہ کوئی بے گناہ مرد یا عورت بے عزت نہ ہونے پائے۔ آگے منافقین کی مذمت اور مزید تنبیہ آ رہی ہے۔ بعض ضمنی مسائل اور ایک مثال بھی پیش کی گئی ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾
اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا
لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ
اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ
لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ
عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ
فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲ ۱۰ ۸

ترجمہ:۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں تو ضرور پہنچتا تم کو اُس چیز میں جس کا تم نے چرچا کیا تھا عذابِ عظیم ﴿۱۴﴾ جب کہ تم اس بات کو اپنی زبانوں پر چڑھا رہے تھے اور کہتے تھے تم اپنے مونہوں کے ساتھ وہ بات جس کا تمہیں علم نہیں ۔ اور تم اس کو گمان کرتے تھے ہلکی

بات حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے ⑮ اور ایسا
کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے سُنا اِس کو تو کہتے کہ نہیں
ہے ہمارے لیے یہ بات کہ ہم کلام کریں اِس کے ساتھ۔
پاک ہے تیری ذات (اے پروردگار!) یہ بہتان ہے بہت بڑا ⑯
اللہ تعالیٰ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسی بات نہ کرنا۔ اگر
تم ایمان رکھتے ہو ⑰ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے
یہ آیات۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ⑱
تحقیق وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں کہ پھیل جائے بے حیائی کی بات
اُن لوگوں میں جو ایمان لائے، ایسے لوگوں کے لیے دردناک
عذاب ہے دنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم
نہیں جانتے ⑲ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اُس کی
رحمت، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا اور مہربان ہے
(تو یقیناً تم مصیبت میں مبتلا ہو جاتے) ⑳

بہتان تراشی پر تنبیہہ

واقعہ افک کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو مزید تنبیہہ فرمائی ہے وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت تمھارے شامل حال نہ ہوتی دنیا اور آخرت میں لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ تو ضرور تم کو عذابِ عظیم پہنچتا اُس چیز میں جس کا تم نے چرچا کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ تشہیر واقعہ افک سے متعلق تھی جس میں منافقوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر الزام تراشی کی تھی اور بعض مسلمان بھی اس پراپیگنڈا کا شکار ہو گئے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس کے فضل و رحمت کی وجہ سے تم سخت سزا سے بچ گئے، وگرنہ یہ بہت بری بات تھی جس سے ناموس رسُول میں خلل واقع ہو آتھا۔ فرمایا اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ جب تم اِس بات کو اپنی زبانوں پر چڑھا رہے تھے وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا

لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ اور اپنے مونہوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمھیں علم نہیں۔ یعنی تم بلاتحقیق منافقوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔ وَتَحْسَبُوْنَہٗ ھَیِّنًا اور تم اسے ہلکی بات خیال کر رہے تھے وَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمٌ حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی کیونکہ اس کے ذریعے صدیق اکبرؓ کی بیٹی اور حضور علیہ السلام کی پاک بیوی کی عزت پر بٹہ لگ رہا تھا۔ اللہ نے فرمایا کہ تم اسے معمولی بات سمجھ رہے تھے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ قُلْتُمْ مَّا یَکُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَکَلَّمَ بِھٰذَا ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جب تم نے یہ بات سُنی تھی تو یوں کہہ دیتے کہ اس بات کو زبان پر لانا ہمارے لیے مناسب نہیں ہے تمہیں تو ایسے الزام کی کی فوراً تردید کرنی چاہیئے تھی اور صاف کہہ دینا چاہیئے تھا سُبْحٰنَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ اے پروردگار! تیری ذات پاک ہے اور جو منافق کر رہے ہیں یہ بہت بڑا بہتان ہے اور اس میں کوئی صداقت نہیں۔ تمھیں تو نبی کے اہل بیت کے متعلق اچھا گمان کرنا چاہیئے تھا مگر تم بھی منافقوں کے جھانسے میں آ گئے اور ایسی غلط بات زبان سے نکالی۔ اللہ نے سخت تنبیہ فرمائی ہے۔

پھر فرمایا یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِہٖٓ اَبَدًا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اللہ تعالیٰ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو آئندہ ایسی بات کبھی نہ کرنا بلکہ ان منافقوں کی سازشوں سے چوکس رہنا۔ پیغمبر اسلام اور آپ کے اہل بیت کا ادب و احترام ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا۔ اللہ نے یہ بھی فرما دیا وَیُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آیات یعنی احکام کھول کر بیان کرتا ہے وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اُس نے تمام احکام اور حدود اور نصیحت کی باتیں تمھارے فائدے کے لیے بیان کر دی ہیں۔ اس کی ہر بات کی بنیاد اُس کے کلی علم اور کمالِ حکمت پر مبنی ہوتی ہے، لہٰذا اُس کے ہر حکم کو کامل یقین کے

ساتھ اپنے دلوں میں جگہ دو اور اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

اہلِ ایمان کے باہمی روابط

اہلِ ایمان کے باہمی تعلقات کے متعلق ایک بات تو پہلے بیان ہو چکی ہے ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (آیت - ۱۲) یعنی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو آپس میں اچھا گمان رکھنا چاہیئے۔ اور بدگمانی سے بچنا چاہیئے۔ کسی کے خلاف بلاتحقیق الزام تراشی نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا (بخاری، مسلم) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے ایک عمارت کی مانند ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لیے تقویت کا باعث ہوتی ہے۔ اسی طرح اہلِ ایمان کو بھی ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث بننا چاہیئے نہ کہ ضعف کا۔ نبی رحمت نے عام مومنوں کے لیے یہ قانون بھی بیان فرما دیا۔ اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ[۲] مومن وہ ہے جس کا پڑوسی اس سے امن میں ہے۔ جس کا پڑوسی اس سے نالاں ہے وہ مومن کہلانے کا حقدار نہیں ہے۔ نیز فرمایا[۱] اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (ترمذی ونسائی) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں آنحضرت علیہ السلام کا یہ بھی فرمان[۲] ہے مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَاْتِهٖ مَنِيَّتُهٗ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ جو شخص پسند کرتا ہے کہ اسے دوزخ کی آگ سے بچا لیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اُس کی موت ایسی حالت میں آنی چاہیئے کہ وہ توحید و رسالت کی گواہی دینے والا ہو۔ اور دوسری بات یہ ہونی چاہیئے يُحِبُّ اَنْ يَّاْتِىَ اِلَى النَّاسِ مَا يُحِبُّ اَنْ يَّاْتِىَ النَّاسُ اِلَيْهِ ——— وہ لوگوں کے ساتھ بھی اسی بات کو پسند کرتا ہو جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جس چیز کو کوئی شخص خود اپنے لیے پسند نہیں کرتا ہو دوسروں پر الزام تراشی کیسے کریگا۔ حضور علیہ السلام[۳] کا یہ بھی فرمان ہے لَا يُؤْمِنُ

۱۔ بخاری ص ۶ ج ۱ ۲۔ احکام القرآن للجصاص ص ۳۱۸ ج ۳ ۳۔ بخاری ص ۶ ج ۱ ومسلم ص ۵۰ ج ۱ (فیاض)

اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ (بخاری، مسلم)
کوئی شخص صحیح معنوں میں مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے
بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ کوئی اپنی تذلیل و تحقیر کو
پسند نہیں کرتا، اس لیے اُسے دوسرے کی عزت و ناموس کی بھی حفاظت کرنی چاہیے

عیب جوئی کی ممانعت

مسند احمد میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان موجود ہے[1] لَا تُؤْذُوا عِبَادَ
اللّٰہِ وَلَا تَطْلُبُوا عَوْرَاتِھِمْ لوگو! اللہ کے بندوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ
اور نہ اُن کی عیب جوئی کرو۔ جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کے عیب کو تلاش
کیا طَلَبَ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ حَتّٰی یَخْذُلَہٗ فِیْ بَیْتِہٖ اللہ اس کے
عیب اس طرح ظاہر کرے گا کہ اُسے گھر بیٹھے بیٹھے ہی ذلیل و رسوا کر دیگا
جب عام مسلمانوں کے لیے یہ قانون ہے کہ کسی کی پردہ دری نہ کرو تو اللہ کے
نبی اور اس کی پاک بیوی پہ اتہام لگانا اور پھر اس کی تشہیر کرنا کیسے درست ہو
سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سخت تنبیہ فرمائی ہے اور خبردار کیا ہے
کہ اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی شاملِ حال نہ ہوتی تو تمہیں اس بدگمانی کی وجہ
سے دنیا و آخرت میں سخت ذلت اٹھانا پڑتی۔ یہ تو اللہ کی خاص مہربانی ہے
کہ اس نے وحی کے ذریعے معاملہ کو واضح کر دیا ہے ورنہ تم تو پکڑے گئے تھے

فحاشی کی تشہیر

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک اور بات بھی بیان فرمادی ہے۔ اِنَّ
الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
تحقیق وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں۔ کہ بے حیائی کی بات کی تشہیر ہو ان لوگوں
کے بارے میں جو ایمان لاچکے ہیں۔ فرمایا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ
فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ دنیا
میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ بھی واقعہ افک ہی کی طرف اشارہ ہے۔
اس الزام تراشی کا کرتا دھرتا رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا۔ اسی نے اس
بات کا چرچا کیا اور اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں اس کے لیے دردناک

[1] بحوالہ تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۵ ج ۳ (فیاض)

عذاب کی وعید سنائی۔ قولاً یا عملاً کسی طرح بھی فحاشی کی بات کو پھیلانا درست نہیں۔

یہ آیت بتلا رہی ہے کہ بیحیائی کی تمام باتیں منجملہ زنا، لواطت، برہنگی، عریانی وغیرہ کی تشہیر معاشرے کو تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ نے ایسے لوگوں کو سزا کا مستحق قرار دیا ہے۔ یورپ اور مشرکین کی تہذیب تو اس تشہیر کی بانی مبانی ہیں آج کے زمانے میں مسلمان قوم کا بھی یہی حال ہے۔ مسلمان چاہے عرب کے ہوں یا عجم کے، ایرانی ہوں یا تورانی ہر جگہ بے حیائی کا چرچا ہے۔ اخباروں اور رسالوں میں دیکھ لیں نیم عریاں تصویروں کی بھرمار ہے۔ کھیل تماشے کی تصویریں ہوں یا فلمی اشتہارات، فن کے نام پر انٹرویو ہو یا فیشن شو کی خبریں ہر جگہ عریانی اور فحاشی کا دور دورہ ہے۔ اور تمام اخبارات اور رسائل اس کی تشہیر کا ذریعہ ہیں۔ اب ٹیلیوژن ان سب پر بازی لے گیا ہے جو محض بے حیائی اور عیاشی کا اڈہ بن چکا ہے۔ ٹھیک ہے اس میں چند منٹ کے لیے اچھی باتیں بھی ہوتی ہیں مگر بحیثیت مجموعی نت نئے فیشن متعارف کرانے کا بہترین ذریعہ ہے

بہر حال فحش بات کی تشہیر کو سخت ناپسند کیا گیا ہے اور اس کی وجہ سے دنیا و آخرت کی تذلیل کی وعید سنائی گئی ہے تم بے حیائی کی باتوں کو ترقی کا زینہ سمجھو مگر حقیقت میں یہ تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے وہ اپنے علم اور حکمت کی بناء پر ایسے احکام نازل فرماتا ہے جو تمہیں برائی سے ہٹا کر نیکی کی طرف دعوت دیتے ہیں اور تباہی سے بچا کر دائمی راحت کا سبب بنتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو گے تو سوسائٹی پاک ہو گی۔ اور تم بد اخلاقی اور بے حیائی سے بچ جاؤ گے اور تمہیں ترقی نصیب ہو گی۔

اللہ کا فضل و رحمت

فرمایا وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی اور یہ بھی کہ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ بہت شفقت کرنے والا اور بڑا مہربان ہے

اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم یقیناً تباہی و بربادی کے عمیق گڑھے میں جا گرتے۔

گذشتہ رکوع کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کا ذکر کر کے فرمایا تھا وَاَنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ حَکِیْمٌ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ کا ذکر ہے۔ مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ گذشتہ رکوع میں تین جرائم زنا، قذف اور لعان اور پھر ان کی حدود کا بیان تھا۔ وہاں پہ اللہ تعالیٰ کی صفت حکیم کا تذکرہ ہی مناسب تھا کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مہربانی کے ساتھ تمھیں کیسے قوانین دیے ہیں جو تمھاری سوسائٹی سے برائی اور بے حیائی کو ختم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ خاص طور پہ لعان کا قانون ایسا ہے جس سے میاں بیوی کی حیثیت بھی بچ گئی ورنہ کسی ایک کو تو ضرور سزا ملتی۔ اگر خاوند کی طرف سے بیوی پہ عاید کردہ اتہامِ زنا تسلیم کر لیا جاتا تو اُسے سنگسار کرنا پڑتا، اور اگر یہ الزام پایۂ ثبوت کو نہ پہنچتا تو خاوند پہ حدِ قذف جاری ہوتی۔ اللہ نے قانون لعان کے ذریعے دونوں کو بچا لیا۔ میاں بیوی بدنامی سے بھی بچ گئے اور انہیں توبہ کا موقع بھی مل گیا۔

اور اب اس آیت میں صرف معافی کا قانون ذکر کیا گیا ہے۔ جن لوگوں سے غلطی ہوئی اُن پہ حدِ قذف جاری ہوئی اور خدا نے اُن کو معاف کر دیا۔ اگر قرآن پاک کی آیات نازل ہو کر حضرت عائشہؓ کی براءت کا ذریعہ نہ بنتیں تو ہوسکتا ہے کہ امت کسی بڑے فتنے میں مبتلا ہو جاتی۔ سو یہ اللہ تعالیٰ کی رأفت اور مہربانی تھی۔ اس کا فضل شاملِ حال تھا کہ اُس نے ایسے قوانین نازل فرمائے اور اُن کو ایسی نصیحت کی جس کے ذریعے وہ مزید خرابی سے بچ گئے۔ گویا اس مقام پہ الفاظ رؤف اور رحیم ہی زیادہ مناسبِ حال ہیں۔

درس ہفتم ۷ — آیت ۲۱ تا ۲۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَ
مَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ
وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى
مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ
وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ
اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ :- اے ایمان والو ! نہ پیروی کرو شیطان کے نقشِ قدم کی پس جس شخص نے پیروی کی شیطان کے نقشِ قدم کی ۔ پس بیشک وہ حکم دیتا ہے بے حیائی اور بُری بات کا ۔ اور اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تم پر اور اس کی رحمت تو نہ پاک کرتا وہ تم میں سے کسی ایک کو کبھی بھی ۔ لیکن اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے ، جس کو چاہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سُنتا ہے اور جانتا ہے ﴿۲۱﴾ اور نہ قسم اٹھائیں فضیلت والے لوگ تم میں سے اور وسعت والے اس بات سے کہ وہ نہ دیں گے قرابتداروں کو ، اور مسکینوں کو اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو ۔ اور چاہیئے کہ وہ معاف کر دیں اور درگذر کریں ۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری لغزشوں کو معاف فرمائے ۔ اور

اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے (۲۲)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اتہام لگانے والوں کی مذمت بیان فرمائی اور اُن لوگوں کی بھی جنہوں نے اس واقعہ کی بلا سوچے سمجھے اور بلا تحقیق تشہیر کی تھی۔ اللہ نے اُن کو سزا بھی دی کہ ان پر حد قذف جاری ہوئی۔ ساتھ ساتھ اللہ نے سخت تنبیہ بھی کی کہ ایسی بات آئندہ نہیں ہونی چاہیئے۔ پھر اللہ نے انہیں معاف بھی فرما دیا۔ البتہ رئیس المنافقین پر حد جاری نہیں ہوئی تھی۔ اور اس کا معاملہ آخرت پر چھوڑ دیا گیا۔ اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب کی وعید سنائی۔ اور پھر اللہ نے معاشرے کو بے حیائی کی باتوں سے پاک رکھنے کا حکم دیا۔ فرمایا جو لوگ بری باتوں کی تشہیر کو پسند کرتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں عذاب کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو معاف نہیں کریگا۔

شیطان کے نقش قدم پر

اب آج کی دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو مختلف مسائل بیان فرمائے ہیں۔ پہلی آیت میں اللہ نے اُس کے مقرر کردہ قانون کی پابندی کرنے کا حکم دیا ہے اور قانون کی عدم پابندی کو شیطان کے نقش قدم پر چلنے کے مترادف قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ۔ اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اللہ تعالیٰ نے جو قوانین مقرر فرمائے ہیں، اُن پر عمل درآمد میں ہی اہل اسلام کی عزت و آبرو ہے اور اسی کے ذریعے اُن کی ظاہری اور باطنی تطہیر ہوتی ہے۔ دیکھو! اللہ نے زنا اور بے حیائی کے انسداد کے لیے حد مقرر کی ہے تاکہ بدمعاشوں اور غلط کار لوگوں کو برائی سے روکا جائے۔ اسی طرح اگر میاں بیوی کے درمیان الزام تراشی تک نوبت پہنچی ہے تو اس معاملے کو نپٹانے کا بھی بہترین قانون دیا ہے جس سے زوجین کی پردہ دری بھی نہیں ہوتی اور معاملے کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے۔ یہ قوانین معاشرے کی درستگی کا ذریعہ ہیں، لہذا ان کی پابندی لازمی ہے۔ اِن قوانین کو توڑنے سے نہ دنیا میں چین نصیب ہوگا اور نہ آخرت کے عذاب سے بچ سکیں گے۔

غرضیکہ فرمایا کہ شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو۔ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ جو کوئی شیطان کے نقشِ قدم پر چلے گا فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ تو وہ بے حیائی اور بُری باتوں کا ہی حکم دیتا ہے۔ شیطان سے اچھی اور نیکی کی بات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے سے یہی مراد ہے کہ اللہ کے جاری کردہ قانون کی پابندی نہ کی جائے بلکہ اپنی خواہشات کو قانون کے قائم مقام سمجھ لیا جائے۔ اس کو اتباع ہوٰی سے تعبیر کیا گیا ہے اپنی خواہشات کا اتباع کرنے کے علاوہ ـــــــ کسی خود ساختہ قانون پر چلنا بھی شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح قومی، ملکی یا خاندانی رسم و رواج کے پیچھے چلتے رہنا اور خدائی احکام کی پرواہ نہ کرنا بھی شیطان کے اتباع کے مترادف ہے۔ سنت کی بجائے بدعات کو اختیار کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ اگر شیطان کی پیروی کرو گے تو بے حیائی اور برائی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اگر اس قباحت سے بچنا چاہتے ہو اور اپنے دنیوی اور اخروی حالات کو درست رکھنا چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ کے قوانین کی پابندی اختیار کرو۔ یہی صراطِ مستقیم ہے اور اسی میں تمہاری فلاح ہے۔

واقعہ افک پر تبصرہ

اب واقعہ افک کو ہی دیکھ لو۔ بعض لوگوں نے شیطان کا اتباع کرتے ہوئے اللہ کے پاک نبی کی پاک بیوی پر اتہام لگایا اور آپ کو بدنام کرنے کی کوشش کی تو انہیں کس قدر خفت اٹھانا پڑی اہلِ ایمان پر حد قذف جاری ہوئی اور منافقوں کو آخرت کے دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی۔ یہ شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے کا ہی نتیجہ ہے۔ قرآن نے ہر معاملہ میں قانون کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ کہیں حلال و حرام کی پابندی کا ذکر ہے تو کہیں نکاح و طلاق کے معاملہ میں پابندی عاید کی گئی ہے۔ کہیں نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے تو کہیں شرک سے منع کیا گیا ہے۔ غرضیکہ رسم و رواج، لڑائی، دنگا، فساد، بدکاری، عریانی، فحاشی اور ہر قسم کی برائی سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ نے اپنی قوانین کی پابندی کا حکم دیا ہے اور ان

کی عدم پابندی کو اتباعِ شیطان سے تعبیر کیا ہے۔

تطہیرِ نفس

ارشاد ہوا ہے وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا تو تم میں سے کسی کو کبھی بھی پاک نہ کرتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت تھی کہ اُس نے اتہام لگانے والوں کو توبہ کی توفیق دی، پھر اُن پر حد جاری کر کے اُن کو پاک کیا گیا، اور آئندہ کے لیے محتاط رہنے کا حکم بھی دیا گیا۔ اللہ نے اپنی رحمت سے ایسا قانون اور ایسی شریعت نازل فرمائی جس میں اہلِ ایمان کی سراسر بہتری ہے۔ فرمایا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے جس کو توبہ کی توفیق مل گئی اور معافی حاصل ہو گئی۔ وہ پاک ہو گیا اور یاد رکھو وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سنتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ تمہاری نیت اور ارادے تک سے واقف ہے۔ اگر تم اُس کے جاری کردہ قوانین پر عمل کرو گے تو وہ تمہاری دستگیری فرمائے گا اور تمہیں برائیوں سے پاک کر دے گا۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہی بات سمجھائی ہے کہ اس کے قوانین کی پابندی لازمی ہے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی قسم

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگانے والوں میں تین مومن بھی شامل تھے۔ ان میں ایک عورت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا اور دو مرد حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور مسطح ابن اثاثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے تھے مگر غریب آدمی تھے۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی یا بھانجے تھے اور آپ ان کی مالی امداد بھی کیا کرتے تھے۔ جب واقعہ افک پیش آیا اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ پر حدِ قذف بھی جاری ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف سے بڑا دکھ پہنچا کہ یہ میرے قرابت دار بھی ہیں اور میں ان کی مالی مدد بھی کرتا ہوں مگر انہوں نے کسی بات کو ملحوظ نہیں رکھا اور میری بیٹی پر اتہام لگانے والوں

ہیں شامل ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے قسم اٹھالی کہ میں آئندہ اس شخص کی مالی مدد نہیں کروں گا۔ آپ کا غصہ اپنی جگہ پر کسی حد تک بجا تھا۔ اس سلسلے میں عربی کا مقولہ بھی ہے۔

وَظُلْمُ ذَوِی الْقُرْبٰی اَشَدُّ مَضَاضَۃً
عَلَی الْمَرْءِ مِنْ وَّقْعِ الْحُسَامِ الْمُهَنَّدِ

یعنی قرابت داری کا ظلم و زیادتی تلوار سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ان کی معمولی سی بات پر بھی زیادہ غصہ آتا ہے کہ ایسا ہو کہ اس نے کیوں ایسی حرکت کی۔ بہر حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی مالی امداد روک دینے کی قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے ایسی قسم سے منع فرمادیا آج کی دوسری آیت میں اسی بات کا تذکرہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اور نہ قسم اٹھائیں تم میں سے صاحب فضیلت اور وسعت والے اس بات سے اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کہ وہ نہ دیں گے قرابت داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو۔ ظاہر ہے کہ صاحب فضیلت سے مراد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں آپ کو پوری امت میں سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ آپ نہ صرف زہد و تقویٰ کے لحاظ سے افضل ہیں بلکہ آپ حضور علیہ السلام کے سسر اور اولین جانشین بھی ہیں مالی لحاظ سے بھی آپ صاحب وسعت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت کی بھی فراوانی دی تھی اور آپ غرباء و مساکین اور قرابت داروں کی مدد بھی فرماتے تھے۔ دوسری طرف حضرت مسطح رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے قرابت دار بھی ہیں، مسکین بھی ہیں کہ مالی حالت کمزور ہے اور پھر مہاجر بھی ہیں۔ تو اس آیت کریمہ میں اللہ نے یہی بات سمجھائی ہے کہ غصے میں آکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی امداد روک لینے کی قسم نہیں اٹھانی چاہیئے۔ بلکہ وَلْیَعْفُوْا

چاہیئے کہ انہیں معاف کر دیں ــــ حبیب اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی ہے اُن کو سزا مل گئی ہے تو اب معاملہ ختم ہو جانا چاہیئے وَلْيَصْفَحُوا اور درگزر کرنا چاہیئے یعنی اس بات کو اب ذہن سے بالکل نکال دینا چاہیئے۔ اب اس کا تذکرہ بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

فرمایا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری لغزشوں کو معاف کر دے۔ تم سے بھی تو غلطیاں ہوتی ہیں۔ جب تم اپنی کوتاہیوں کی معافی کو پسند کرتے ہو تو جن مومنوں نے واقعہ افک میں غلطی کی، اُن کی معافی کو بھی پسند کرنا چاہیئے اور اُن کے معاملے کو مزید طول نہیں دینا چاہیئے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ آیت سُنی تو کہا، خدا کی قسم ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ ہماری لغزشوں کو معاف فرما دے لہٰذا میں نے بھی مسطحؓ کو معاف کر دیا اور اس بات سے درگزر کیا۔ اس کے بعد آپ نے نہ صرف مالی امداد کو جاری رکھا، بلکہ اُسے دگنا کر دیا۔ فرمایا وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خطا کاروں پر مہربانی فرمائی اور انہیں معاف کر دیا۔ پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرما کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی یہ بات سمجھا دی اور یہ آپ پر بھی مہربانی تھی جس کا اثر پھر حضرت مسطحؓ پر دوہری امداد کی صورت میں ظاہر ہوا۔

قانون میں کمی بیشی

اس آیت کریمہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ قانون میں کمی بیشی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے۔ اس واقعہ سے متعلق لوگوں پر حد قذف جاری ہوئی جو کہ اللہ کی طرف سے مقرر کی ہوئی تھی۔ اب صدیق اکبرؓ نے اس سزا میں اضافہ کر کے ایک شخص کی امداد روک دینے کی قسم اٹھائی تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی، لہٰذا اس سے منع کر دیا گیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ قیامت والے دن

اللہ تعالیٰ ایک حاکم سے فرمائے گا کہ فلاں شخص کے جرم کی سزا چالیس دُرّے تھی، مگر تم نے اس میں ایک دُرّے کا اضافہ کیوں کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ مولیٰ کریم! میں نے یہ اضافہ جرائم کی روک تھام کے لیے کیا تھا۔ اللہ فرمائے گا کہ میں نے ایک جرم کی سزا مقرر کی تھی مگر کیا تم مجھ سے زیادہ لوگوں کو روکنا چاہتے تھے۔ پھر حکم ہوگا اس حاکم کو جہنم میں لے جاؤ۔ اسی طرح ایک دوسرا حاکم پیش ہوگا۔ اللہ فرمائے گا کہ میں نے اس جرم کی حد چالیس درے مقرر کی تھی تم نے اس میں ایک درے کی کمی کیوں کی، وہ عرض کرے گا، باری تعالیٰ! مجھے اس مجرم پر رحم آگیا تھا۔ اللہ فرمائے گا، کیا تو مجھ سے زیادہ رحیم بننا چاہتا تھا جو اس کی سزا میں کمی کر دی حکم ہوگا کہ اس کو بھی جہنم رسید کر دو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک گورنر نے آپ کو لکھا کہ میرے علاقے میں چوری کی وارداتیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں چوروں پر جرمانے کی سزا میں اضافہ کر دوں۔ اُس نے یہ بھی لکھا کہ مرکز سے کچھ رقم بھجوائیں تاکہ میں شہر کی سڑکیں اور گلیاں صاف کرا دوں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب میں لکھا کہ جس قانون کے اجراء پر جرم نہیں رکتے، خدا کرے کہ وہ کبھی نہ رکیں یعنی جب اللہ کی مقرر کردہ حد سے جرم نہیں رُکے گا تو پھر کس سزا سے رُکے گا۔ اور گلیوں اور بازاروں کی صفائی کے متعلق آپ نے گورنر کو یہ لکھا کہ تم ان گلیوں اور بازاروں کو عدل و انصاف سے بھر دو گے تو لوگ خود بخود انہیں صاف کرنے لگیں گے اور تمہاری کسی کاوش کی ضرورت نہیں رہے گی۔ چنانچہ اُس گورنر نے لوگوں پر سختی کرنا چھوڑ دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چوری کی وارداتیں کم ہوگئیں۔ لوگوں کو یقین ہوگیا کہ کوئی شخص بلا قصور نہیں پکڑا جائے گا۔ انگریزی قانون میں یہی خرابی ہے کہ جرم کی سزا میں کمی بیشی کی جاتی ہے۔ کوئی اپنا آدمی ملوث ہوگیا۔ تو چھوڑ دیا یا سزا میں ممکنہ حد تک کمی کر دی اور اگر کوئی غیر پھنس گیا تو اُسے سولی پر لٹکا دیا۔ انگریزی قوانین میں مقرر کردہ سزائیں خدائی حدود سے متصادم ہیں

یہی وجہ ہے کہ نہ چوری رکتی ہے، نہ قتل اور نہ ڈاکہ زنی۔ ہر طرف بے حیائی کا دور دورہ ہے، لوٹ مار کا بازار گرم ہے۔ نہ کسی کی عزت محفوظ ہے اور نہ مال و جان۔ یہ سب اسلامی تعزیرات سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ جب اسلامی تعزیرات کی پابندی کی جائیگی تو جرائم خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ سزاؤں میں کمی بیشی کرنا قانون کی دھجیاں اڑانے کے مترادف ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بات بھی سمجھا دی ہے کہ اس کی مقرر کردہ حدوں میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرو ورنہ قانون کی روح ہی فنا ہو جائے گی۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡغٰفِلٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ
لُعِنُوۡا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ۝۲۳
يَّوۡمَ تَشۡهَدُ عَلَيۡهِمۡ اَلۡسِنَتُهُمۡ وَاَيۡدِيۡهِمۡ وَاَرۡجُلُهُمۡ بِمَا
كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۲۴ يَوۡمَئِذٍ يُّوَفِّيۡهِمُ اللّٰهُ دِيۡنَهُمُ الۡحَقَّ
وَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ الۡمُبِيۡنُ ۝۲۵ اَلۡخَبِيۡثٰتُ
لِلۡخَبِيۡثِيۡنَ وَالۡخَبِيۡثُوۡنَ لِلۡخَبِيۡثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيۡنَ
وَالطَّيِّبُوۡنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا يَقُوۡلُوۡنَ ؕ ع ۳ / ۹
لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ۝۲۶

ترجمہ:- بیشک وہ لوگ جو متہم کرتے ہیں پاکدامن غافل مومن عورتوں کو اُن پر لعنت کی گئی ہے دنیا اور آخرت میں ، اور اُن کے لیے عذاب عظیم ہے (۲۳) جس دِن گواہی دیں گی اُن پر اُن کی زبانیں ، اُن کے ہاتھ اور اُن کے پاؤں جو کچھ وہ کرتے رہے (۲۴) اُس دن پورا پورا دے گا اللہ تعالیٰ اُن کا بدلہ ٹھیک اور جان لیں گے وہ کہ بیشک اللہ ہی حق ہے اور کھول دینے والا ہے (۲۵) گندی عورتیں گندے مردوں کے لائق ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لائق ۔ اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لائق ۔ یہی لوگ بری قرار دیے گئے ہیں اُن باتوں سے جن کو یہ لوگ کہتے ہیں ۔ اُن کیلئے

بخشش ہے اور عزت کی روزی (۲۵)

ربط آیات

گذشتہ دروس میں افک کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ یہ منافقوں کی سازش تھی۔ جس کی لپیٹ میں بعض مخلص مسلمان بھی آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ میں ملوث ہونے والے منافقوں اور مسلمانوں کی سخت ترین الفاظ میں مذمت بیان کی ہے مسلمانوں پر حدِ قذف جاری ہوئی اور اللہ نے اُن کی توبہ بھی قبول فرمائی۔ پھر اللہ نے تنبیہ کی کہ اُس کے جاری کردہ قوانین کی پابندی کرو اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کیونکہ شیطان ہمیشہ بے حیائی اور برائی کی تلقین کرتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان اور اُس کی مہربانی ہوئی کہ اُس نے تمہیں پاک کیا۔ تمہیں پاکیزہ قانون عطا کیا اور موقع دیا کہ آئندہ ایسی کسی سازش میں شریک نہ ہوں۔ پھر دوسری بات اللہ نے یہ بھی سمجھائی کہ اُس کی طرف سے نافذ کردہ قانون میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرو بلکہ اس پر ٹھیک ٹھیک عمل کرو۔ اور جن لوگوں سے افک کے سلسلہ میں غلطی ہوئی تھی، اُن کو معاف کر دو، اور ان سے درگذر کرو۔ جس طرح تم اپنے لیے چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کر دے، اسی طرح دوسروں کی خطاؤں سے بھی درگذر کرو۔

منافقین پر لعنت اور عذاب عظیم

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اللہ نے مسلمانوں پر حد جاری ہو جانے کے بعد ان کی توبہ قبول فرمائی مگر اس سازش کے اصل سرغنہ عبداللہ بن ابی اور دیگر منافقین پر نہ تو حدِ قذف جاری ہوئی اور نہ ہی انہوں نے توبہ کی۔ ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اب یہ فیصلہ کیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ بیشک وہ لوگ جو تہمت کرتے ہیں پاکدامن اور بے خبر مومن عورتوں کو محصنت سے مراد ایسی عورتیں ہیں جو شادی شدہ اور پاکدامن ہوں اور غافل اس لحاظ سے کہ ان کو خبر ہی نہیں کہ اُن پہ کیا الزام تراشی ہو رہی ہے۔ اور مومنات سے مراد صاحبِ ایمان عورتیں ہیں۔ جن کے ایمان میں کوئی شبہ نہیں۔ اس واقعہ کے تناظر میں اس سے مراد حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں اور عام قانون کے طور پر ان صفات کی حامل کوئی بھی عورت

ہوسکتی ہے ۔ تو فرمایا ایسی عورتوں پر الزام زنا کی تہمت لگانے والوں کی سزا یہ ہے
لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کہ ان پر لعنت کی گئی ہے دنیا میں بھی اور
آخرت میں بھی ۔ اس دنیا میں ایسے لوگوں کو ہمیشہ برائی کے ساتھ یاد کیا جائے گا ۔
لوگ انہیں ملعون کا لقب دیں گے وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور آخرت
میں اُن کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا گیا ہے گذشتہ آیت ۱۱ میں
رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے متعلق خاص طور پر اسی عذاب کی وعید آچکی
ہے وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ واقعہ
افک کا سب سے زیادہ ذمہ دار یہ شخص تھا لہٰذا اللہ نے اس کے لیے خاص
طور پر عذاب عظیم کی وعید سنائی ۔

متہم کیے جانے والے جوڑے میں ایک طرف صالح اور بے گناہ
شخص صفوان بن معطل ؓ ہے جس کا بیان ہے کہ اُس نے جاہلیت کے
زمانہ میں بھی کبھی ایسی برائی نہیں کی چہ جائیکہ اسلام لانے کے بعد کوئی ایسی
حرکت کرتا ۔ اور دوسری طرف وہ پاکباز خاتون ہے جو اللہ کے نبی کی بیوی
اور اُس کی ماں بنتی ہے ۔ اُس نے تو صرف یہ کیا کہ حضرت عائشہ ؓ کو اکیلی
پاکر اونٹ کو بٹھایا ، خود دوسری طرف منہ کر لیا اور ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ سوار
ہو گئیں ۔ پھر اونٹ کی مہار پکڑے قافلے سے ملا دیا ۔ اور سارا راستہ ایک
لفظ بھی زبان سے ادا نہیں کیا ۔ تو ایسے لوگوں پر الزام تراشی کرنے والوں
کے لیے اللہ نے دنیا و آخرت میں لعنت اور عذاب عظیم کی وعید سنائی ہے

سات مہلک گناہ

صحیحین کی روایت میں سات مہلک گناہوں کا ذکر آتا ہے ۔ جو
کبائر میں بھی بڑا درجہ رکھتے ہیں اور ان میں پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا بھی
ہے جو ان دو رکوعات کا موضوع ہے ۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک
ہے اِجْتَنِبُوا سَبْعَ الْمُوبِقَاتِ یعنی سات شدید مہلک گناہوں
سے بچو جو کہ یہ ہیں (۱) الشرک باللہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا مہلک

لہ مسلم ص ۶۴ ج ۱ (فیاض)

ترین گناہ ہے جو انسانوں کی عاقبت کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے۔
(۲) شہادۃ الزور یعنی جھوٹی گواہی (۳) قتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق کسی جان کا ناحق قتل (۴) اکل الربوٰ سود ی خوری (۵) اکل المال الیتیم یتیم کا مال ناحق طور پر کھانا (۶) تولی یوم الزحف جہاد میں پشت پھیر کر بھاگنا۔ جب تک دشمن اپنے سے دگنی تعداد سے زیادہ نہ ہو، اس کے مقابلے میں بھاگ جانا بھی مہلک گناہ ہے۔ اللہ نے سورۃ انفال میں اس پر جہنم کی وعید سنائی ہے اگر دشمن کی تعداد اپنی تعداد کے دوگنا سے زیادہ ہو تو پھر پیچھے ہٹ جانے کی اجازت ہے (۷) قذف المحصنٰت یعنی پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سات مہلک گناہوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ یہ ایسا جرم ہے جس کی سزا ابتدائی آیات میں اسّی ۸۰ درّے مقرر کی گئی ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اس جرم کے لیے دو سزائیں نازل فرمائی ہیں۔ ایک سزا تو اسّی ۸۰ درّے ہیں اور دوسری یہ کہ ایسا شخص ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت ہو جاتا ہے۔ اگرچہ معافی کے بعد اخروی سزا سے بچ جاتا ہے مگر معاشرتی طور پر اس کی گواہی ہمیشہ کے لیے غیر معتبر ہو جاتی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی نو خصوصیات

مفسرِ قرآن امام بغویؒ، صاحبِ تفسیرِ مظہری، مفسر قرطبی اور بعض دیگر مفسرین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نو خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے میری تصویر حضور علیہ السلام کو میرے نکاح سے پہلے دکھا دی تھی۔ چنانچہ خود حضور علیہ السلام نے بیان کیا ہے کہ عائشہؓ تیری تصویر مجھے جبریل علیہ السلام نے ریشم کے ٹکڑے پر خواب میں دکھائی، تو میں نے اس خواب کی یہی تعبیر نکالی کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ ہجرت سے پہلے آپ کا نکاح حضرت صدیقہؓ سے ہو گیا جب کہ اُس وقت صدیقہؓ

[1] مظہری ص ۴۸۵ ج ۶ و السراج المنیر ص ۶۱ ج ۲ (نیاض)

کی عمر صرف چھ سات سال تھی البتہ رخصتی تین سال بعد مدینہ منورہ جا کر ہوئی۔ یہ نکاح حضرت صدیق اکبرؓ نے خود کیا۔

ام المومنین نے فرمایا کہ میری دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی تمام ازواجِ مطہرات میں سے صرف میں دوشیزہ ہوں، باقی سب پہلے سے ایک یا دو دفعہ شادی شدہ ہیں۔ فرمایا میری تیسری خصوصیت یہ ہے کہ جب اللہ کے رسول کا اس دُنیا سے رخصت ہونے کا وقت آیا تو اسوقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ یہ بھی انتہائی قرب کی علامت ہے۔ چوتھی خصوصیت یہ بیان کی کہ حضور کی قبر بھی میرے گھر میں بنی۔ اس گھر میں فرشتوں کا ہمیشہ ہجوم رہتا ہے، آپ کی زندگی میں بھی اور اس کے بعد بھی۔ پھر فرمایا کہ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ بسا اوقات حضور علیہ السلام پر ایسی حالت میں وحی نازل ہوتی کہ میں آپ کے ساتھ ایک ہی لحاف میں ہوتی۔ یہ خصوصیت بھی کسی دوسری بیوی کو حاصل نہیں ہوئی۔ چھٹی خصوصیت یہ ہے کہ میں حضور علیہ السلام کے خلیفہ اوّل اور آپ کے صدیق کی بیٹی ہوں۔ فرمایا ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ میری برأت میں اللہ نے پورے دو رکوع کی سولہ آیات نازل فرمائیں۔ آٹھویں خصوصیت یہ ہے خُلِقْتُ طَيِّبَةً اللہ نے مجھے پاک پیدا کیا ہے اور پاک ہستی کے پاس ہی رکھا ہے۔ امہات المومنین کے متعلق قرآن کی عمومی شہادت بھی یہی ہے إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب ۳۳) اللہ نے نبی کی تمام بیویوں کو ظاہری اور باطنی نجاست سے پاک رکھا ہے اور آخر میں نویں خصوصیت یہ ہے کہ اللہ نے مجھے اس اتہام سے بری فرما کر مغفرت اور عزت والی روزی کا وعدہ فرمایا ہے۔ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلت

حدیث شریف میں بھی حضرت عائشہؓ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد[1] ہے فَضْلُ الْعَائِشَةِ عَلَى سَائِرِ النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ یعنی تمام عورتوں کے مقابلے میں حضرت عائشہؓ کی فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کھانے کو تمام کھانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ آپ شکل وصورت، علم وفقاہت، نیکی اور تقویٰ میں جامع الصفات ہیں امت کی تربیت کے سلسلہ میں آپ کی خدمات بہت زیادہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ نے ۴۷ یا ۴۸ سال زندگی پائی ہے اور لوگوں کی دینی معاملات میں راہنمائی فرمائی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو جب بھی کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو اس کا حل حضرت عائشہؓ سے ملتا۔ آپ نے بڑی زہد کی زندگی بسر کی۔ ہاتھ اتنا کشادہ تھا کہ اگر کسی دن میں دو لوری درہم بھی آتے ہیں تو سارے غرباء میں تقسیم کر دیے اور اپنے افطار کے لیے بھی کچھ نہیں رکھا۔ لونڈی سے پوچھا افطاری کے لیے کوئی چیز ہے تو اس نے عرض کیا کہ آپ نے اپنے لیے کچھ رکھنے کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ سب کچھ تقسیم کر دیا ہے۔

امام بیضاویؒ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں بَرَّءَ اللّٰهُ اَرْبَعَةً بِاَرْبَعَةٍ یعنی چار شخصیتوں کی اللہ نے چار ذرائع سے بریت فرمائی ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا نے الزام لگایا تو زلیخا کے خاندان کے ایک بچے نے گواہی دی تھی شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا (یوسف ۲۶) کہ اگر یوسف علیہ السلام کی قمیض آگے سے پھٹی ہے تو زلیخا سچی ہے اور اگر پیچھے سے پھٹی ہے تو یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔ اسی طرح آپ کی بریت ہوئی۔ اسی طرح لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پر عیبناک ہونے کا شبہ کیا کہ آپ کو کوئی خطرناک بیماری ہے۔ آپ کو اس اتہام سے بری کرنے کے لیے اللہ نے پتھر کو حکم دیا تو وہ آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کو برہنہ حالت میں دیکھ کر تسلی کر لی کہ آپ کے جسم میں کوئی عیب نہیں ہے

[1] بخاری ص ۵۳۲ ج ۱ و ترمذی ص ۵۷۹ (فیاض)

تیسری بریت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کی کی تھی جب کہ آپ اُن کی گود میں تھے۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ (مریم۔ ۳۰) آپ نے اس وقت بول کر گواہی دی تھی کہ میری ماں پر اتہام نہ لگاؤ، میں تو اللہ کی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کا شاہکار ہوں۔ اور چوتھی بریت حضرت عائشہؓ کی تھی جس کے حق میں اللہ نے یہ سولہ آیات نازل فرمائیں۔

قیامت کو پورا پورا بدلہ

فرمایا جنہوں نے الزام تراشی کرنے کے بعد توبہ بھی نہیں کی اُن کے لیے دنیا و آخرت میں لعنت اور عذاب عظیم ہے۔ پھر اُن کی حالت یہ ہوگی۔ یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ جس دن اُن کی زبانیں گواہی دیں گی کہ انہوں نے بے گناہوں پر اتہام لگا کر سخت غلطی کی تھی۔ اگر وہ خود اقرار نہیں کریں گے وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ تو ان کے ہاتھ اور پاؤں شہادت دیں گے کہ یہ لوگ اس جرم میں ملوث تھے۔ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ جو بھی غلط کام کیے ہیں سب کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ یہی مضمون سورۃ یٰسٓ میں بھی بیان ہوا ہے۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (آیت۔ ۶۵) اُس دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، اور ان کے ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔

فرمایا يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ اُس دن اللہ تعالیٰ اُن کا پورا پورا بدلہ دیگا جو صحیح ہے۔ دین کا معنی قیامت اور اطاعت بھی ہوتا ہے مگر یہاں پر جزا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ فرمایا اُن کو پورا پورا بدلہ ملے گا وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ اور یہ لوگ جان لیں گے کہ بیشک اللہ کی ذات ہی برحق ہے اور وہ سب چیزوں کو کھولنے والا یعنی ظاہر کرنے والا ہے۔ جن لوگوں نے تعدی و تجاوز کیا، بے گناہوں پر زیادتی کی، قیامت والے دن وہ سخت سزا کے مستحق ہوں گے۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

اب واقعہ افک کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک پیغمبر کی پاک بیوی کی برأت کو ایک عام قانون کے ذریعے بھی سمجھایا ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ تاریخ انبیاء میں بعض نبیوں نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں میں عقیدے کی خرابی تو ملتی ہے مگر کسی نبی کی بیوی پر بدکاری کا الزام نہیں لگا۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی بیویاں ہمیشہ پاک رہی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ اللہ کا نبی ہمیشہ پاک ہوتا ہے لہٰذا اس کی بیوی بھی ہمیشہ طاہرہ ہوتی ہے۔ اسی لیے یہ بھی فرمایا وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہوتی ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہوتے ہیں۔ اللہ کے نبی کے گھرانے کے یہ قطعی لائق نہیں کہ وہ کوئی برائی یا بے حیائی کی بات کریں۔ اس آیت کو مفسرین عام معانی پر بھی محمول کرتے ہیں کہ خبیث کام خبیث لوگوں کے اور پاکیزہ کام پاکیزہ لوگوں کے لائق ہوتے ہیں۔ خبیثات سے مراد نہ صرف خبیث لوگ ہیں بلکہ اس سے گندے عقائد، اخلاق اور اعمال بھی مراد ہیں۔ اسی طرح طیبات سے پاک عقائد، پاک اخلاق اور پاک اعمال بھی ہیں اس طرح معنیٰ یہ ہوگا۔ کہ گندے عقائد، اخلاق اور اعمال گندے لوگ اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ پاکیزہ عقائد، پاکیزہ اخلاق اور پاکیزہ اعمال پاکیزہ لوگوں کے حصے میں آتے ہیں گندی رسومات گندے لوگ اختیار کرتے ہیں جب کہ اللہ کے پاک انبیاء، ان کے اہل بیت اور نیکوکار لوگوں کے متعلق فرمایا اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ یہ سب لوگ پاک ہیں اس چیز سے جو یہ منافق لوگ کہتے ہیں۔ بلکہ اس قسم کا اتہام لگانے والے خود غلط کار اور نجس ہیں جنہوں نے نہ توبہ کی نہ معافی مانگی اور نہ غلطی کا اقرار کیا۔ یہ لوگ سزا کے مستحق ہیں۔ البتہ جو لوگ اس الزام سے پاک ہیں یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت صفوانؓ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا پروانہ ہے اگر کوئی معمولی تقصیر ہو بھی جائے تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا اور انہیں عزت کی روزی بھی نصیب ہو گی۔ اللہ نے اِن دو رکوع میں منافقوں کی سازش کا پردہ چاک کر کے اپنے نیک بندوں کی بریت واضح کی ہے اور منافقین کی سخت ترین الفاظ میں مذمت بیان کی ہے۔"

درس نہم ۹ آیت ۲۷ تا ۲۹

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾

ترجمہ:- اے ایمان والو ! نہ داخل ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں جب تک کہ تم اجازت نہ طلب کر لو اور جب تک کہ تم سلام نہ کہہ لو اُن گھر والوں پر۔ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو ﴿۲۷﴾ پس اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو تو پھر نہ داخل ہو اُن میں یہاں تک کہ تم کو اجازت دی جائے اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ، پس واپس چلے جاؤ یہ بات تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے ﴿۲۸﴾ نہیں ہے تم پر گناہ اس بات میں کہ تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں خاص رہائش نہیں ہے۔ اور اُن میں تمہارے لیے فائدے کا سامان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے

جو تم ظاہر کرتے ہو اور جس چیز کو تم چھپاتے ہو (۲۹)

ربط آیات

سورۃ ہذا کے ابتدائی حصہ میں اللہ تعالیٰ نے برائی، بدکاری اور فحاشی کے انسداد کے لیے حدود کا ذکر فرمایا۔ زنا اور قذف کی حدود بیان کیں اور لعان کا مسئلہ سمجھایا پھر اللہ نے واقعہ افک کا ذکر کیا جس میں منافقین نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا تھا۔ اللہ نے آپ کی برأت کو واضح فرمایا اور اس ضمن میں بہت سی دیگر باتیں بھی سمجھائیں۔ منافقین کی مذمت اور مومنین کو تنبیہ فرمائی۔ ساتھ ساتھ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا ذکر بھی ہوا۔

قانونِ انسدادِ بے حیائی کا یہ پہلا حصہ تھا۔ آج آمدہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس قانون کا دوسرا حصہ بیان فرمایا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے سے عریانی، فحاشی اور بے حیائی کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے۔ ان جرائم کی ترغیب عام طور پر عورتوں کی بے پردگی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آج کی آیات میں کسی کے گھر میں داخلے کے وقت پردے کو ملحوظ رکھنے سے متعلق بعض قوانین بیان فرمائے ہیں۔ ان قوانین کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ مخلوق کے تخلیق شدہ قوانین سے دنیا کی عدالتیں عام طور پر لوگوں سے بھری رہتی ہیں جب کہ اسلامی قوانین کا بنیادی مقصد معاشرے سے مخاصمت اور شر و فساد کی بیخ کنی ہوتا ہے۔ جب کوئی جھگڑا ہی پیدا نہیں ہوگا تو نہ کوئی عدالتوں میں جائے گا اور نہ وہاں ہجوم ہوگا۔

گھروں میں داخلے کے آداب

آیات زیر درس میں اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کے دوسرے کے گھر میں جانے کے آداب بیان فرمائے ہیں۔ اس میل ملاقات کے سلسلے میں چار قسم کے حالات پیش آ سکتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے اللہ نے قوانین جاری فرمائے ہیں اور کسی بھی گھر میں داخلے کے لیے اجازت حاصل کرنے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ہی گھر میں داخل ہوتا ہے جہاں

اُس کی منکوحہ بیوی موجود ہے تو اُس کے لیے داخلے سے قبل اجازت حاصل کرنا ضروری نہیں۔ البتہ پھر بھی مستحب بات یہ ہے کہ داخلے کے وقت خاوند کوئی ایسی حرکت کرے جس سے بیوی کو اطلاع ہو جائے کہ اُس کا خاوند گھر میں داخل ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں دروازہ کھٹکھٹایا جا سکتا ہے یا آج کل کے حالات میں دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی بجائی جا سکتی ہے۔ یا کم از کم خاوند زبان سے کوئی لفظ ادا کرے یا کھانس دے جس سے بیوی کو اطلاع ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی کا بیان ہے کہ اُن کے خاوند جب بھی گھر میں آتے تو داخلے کے وقت کھنکھارتے جس سے مجھے اُن کی آمد کی اطلاع مل جاتی۔

(۲) گھر میں داخلے کی دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں اُس کی بیوی کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہوں۔ ان میں والدہ بہن اور بیٹی بھی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ یہ سب محرم ہیں مگر آنے والے شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اجازت لے کر گھر میں داخل ہو۔ ایک صحابی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور! میں ایسے گھر میں رہتا ہوں جہاں صرف میری والدہ رہائش رکھتی ہے تو کیا مجھے بوقتِ داخلہ اجازت لینے کی ضرورت ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ اُس شخص نے پھر عرض کیا کہ حضور! میں اور میری والدہ صرف دو افرادِ خانہ ہیں اور میں اُن کی خدمت کرتا ہوں۔ گھر میں کوئی دوسرا فرد تو ہے نہیں تو ایسی حالت میں بھی اجازت کی ضرورت ہے آنحضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً کیا تو اپنی والدہ کو عریانی کی حالت میں دیکھنا چاہتا ہے؟ عرض کیا، نہیں۔ فرمایا، پھر ضروری ہے کہ بلا اطلاع نہ داخل ہو کیونکہ بعض اوقات انسان بے پردگی کی حالت میں ہوتا ہے۔ لہٰذا داخلے سے قبل اطلاع دینا ضروری ہے خواہ گھر میں والدہ، بہن یا بیٹی ہی ہو۔[1]

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایسے مقام میں داخل ہونا چاہتا ہو

---

[1] قرطبی ص ۲۱۹ ج ۱۲ و طبری ص ۱۱۱ ج ۱۸ و احکام القرآن للجصاص ص ۳۱۳ ج ۳ و کشاف ص ۲۲۷ ج ۳ (فیاض)

جہاں رہائش اور عدمِ رہائش دونوں کا امکان ہے، تو ایسے مقام پر بھی بلا اجازت داخل ہونے کی گنجائش نہیں ہے

(۴) چوتھی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی جگہ میں داخل ہونا چاہتا ہے، جس میں کسی خاص فرد یا خاندان کی رہائش نہیں بلکہ وہ مفادِ عامہ کی جگہ (PUBLIC PLACES) ہے۔ مثال کے طور پر کوئی مسجد ہے، مدرسہ ہے، ریلوے سٹیشن یا ایئر پورٹ ہے، کوئی ہوٹل یا سرائے ہے، ڈاکخانہ، تارگھر، عدالت، سکول، کالج، ہسپتال، سرکاری دفاتر وغیرہ ہیں تو وہاں کوئی بھی شخص بلا اجازت داخل ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا کہ ہم شام وغیرہ میں تجارت کے لیے جاتے ہیں۔ جہاں ہمیں کسی سرائے یا مسافر خانہ میں قیام کرنا ہوتا ہے، تو کیا وہاں بھی اجازت لے کر داخل ہوں؟ آپ نے فرمایا، ایسی جگہوں میں تم بلا اجازت جا سکتے ہو۔

بعض مخصوص مقامات و حالات

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ مفادِ عامہ کے ادارے اگرچہ عام لوگوں کے لیے کھلے ہوتے ہیں اور لوگ وہاں بلا روک ٹوک آجا سکتے ہیں مگر وہاں بھی بعض مخصوص حصے ہوتے ہیں جہاں ہر شخص کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایسے مقامات کی نشاندہی بھی کی جاتی ہے کہ "داخلہ ممنوع ہے" یا "یہ شارع عام نہیں ہے" یا "ممنوعہ علاقہ" یا "اپنی شناخت کرائیے" وغیرہ۔ اس قسم کے بورڈ عام اداروں، دفتروں، ریلوے سٹیشن اور ایئر پورٹ پر بھی نظر آتے ہیں۔ تو ایسے مقامات پر بلا اجازت جانا شرعاً بھی ممنوع ہوگا مثال کے طور پر ریلوے پلیٹ فارم پر جانے کے لیے پلیٹ فارم ٹکٹ ضروری ہے یا کسی عجائب گھر یا پارک میں داخلے کے لیے ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے، تو وہاں مطلوبہ لوازمات پورے کیے بغیر داخلے کی اجازت نہیں ہے

بعض اوقات کوئی شخص تخلیہ کی حالت میں ہوتا ہے اور وہ کسی دوسرے شخص کی مداخلت پسند نہیں کرتا۔ تو ایسی صورت میں اگرچہ قریبی رشتہ دار

ہی کیوں نہ ہو اُس کی نجی حالت (PRIVACY) میں مداخلت کی اجازت نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ نے سلام کرنے اور اجازت حاصل کرنے کی پابندی لگا دی ہے۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ کسی نابینا آدمی کو بھی بلا اجازت کسی کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اگرچہ وہ کسی کی برہنگی کو دیکھ تو نہیں سکتا مگر گفتگو تو سن سکتا ہے۔ اور کسی کی پرائیویٹ بات کو بلا اجازت سُننا بھی روا نہیں کہ اس سے بھی شر و فساد کا دروازہ کھلتا ہے۔ ایسے ہی مواقع پر بڑے بڑے سکینڈل پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا شریعت نے اس کی بھی اجازت نہیں دی۔

جس طرح مردوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرے کے گھر میں داخلے کے لیے اجازت حاصل کریں، اسی طرح عورت کے لیے بھی اجازت نامہ ضروری ہے۔ عورت بھی کسی دوسری عورت کے پاس بلا اجازت داخل نہ ہو۔ ایک خاتون ام عیاص کا بیان ہے کہ ہم چار عورتیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ملاقات کے لیے جائیں تو اُن سے اجازت حاصل کر کے اُن کے گھر میں داخل ہوتیں۔

طریقہ استیذان

اب رہ گئی یہ بات کہ داخلے کے لیے اجازت طلب کرنے کا طریقہ کیا ہے، تو حدیث شریف[1] میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ دروازے پر پہنچ کر السلام علیکم کہو اور پھر کہو آادخل کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ یا دروازے پر دستک دے کر کہو کہ فلاں آدمی آنا چاہتا ہے۔ کیا اجازت ہے؟ دستک دیتے وقت دروازے کی دراڑوں میں سے جھانکنا بھی جائز نہیں کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ایسی حالت میں اگر گھر کے اندر سے کوئی شخص جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دے تو ہم اس کا قصاص نہیں لیں گے کیونکہ اُس نے خود ایک غلط کام کیا۔ اجازت طلب کرتے وقت دروازے کے سامنے کھڑا ہونے کی بھی اجازت نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یکدم دروازہ کھلنے پر اندر

---

[1] ابن کثیر صنہ ۲۸۰/۳ و قرطبی صہ ۲۱۵/۱۲ (فیاض)

نگاہ جا پڑے اور صاحبِ خانہ کی بے پردگی ہو۔ ایک شخص آیا، اس نے اندر آنے کی اجازت بایں الفاظ طلب کی ءَاَلِجُ کیا میں اندر گھس آؤں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم[1] سے فرمایا کہ اس شخص کو اجازت طلب کرنے کے آداب سکھاؤ کہ ءَاَلِجُ جیسے سخت لفظ کی بجائے ءَاَدْخُلُ کا لفظ استعمال کرے۔ اسی طرح ایک صحابی نے اپنے خادم کو کوئی تحفہ دے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ اس شخص نے نہ سلام کیا اور نہ اجازت طلب کی۔ بلکہ سیدھا اندر آگیا۔ آپ نے فرمایا، واپس جاؤ۔ دروازے سے باہر کھڑے ہو کر السلام علیکم اور ءَاَدْخُلُ کہو۔ وہ شخص باہر گیا۔ اجازت طلب کی تو آپ نے اندر آنے کی اجازت دی۔

یہ بھی استیذان کے آداب میں داخل ہے کہ اجازت زیادہ سے زیادہ تین دفعہ طلب کی جائے۔ اگر تینوں مرتبہ کوئی جواب نہ آئے تو ملاقاتی کو واپس چلا جانا چاہیئے۔ یہ بھی آداب میں شامل ہے کہ اجازت طلبی پر اگر صاحبِ خانہ پوچھے کہ کون ہے؟ تو ملاقاتی یہ نہ کہے اَنَا (میں ہوں) بلکہ اپنا نام بتلائے تاکہ صاحبِ خانہ کو علم ہو سکے۔ ایک موقع پر حضرت جابرؓ نے ایسا ہی کیا تو آپ سخت ناراض ہوئے۔ فرمایا اَنَا کیا ہوتا ہے۔ کہو اَنَا جَابِر کہ میں جابر ہوں یا میں فلاں ہوں اور فلاں کام سے آیا ہوں۔

یہ بھی آدابِ ملاقات میں سے ہے کہ اگر کسی بڑے آدمی، عالم یا بزرگ کی ملاقات کے لیے آیا ہے تو باہر دروازے پر رک کر انتظار کرے جب صاحبِ خانہ خود باہر آئے تو ملاقات کر لے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی آمد کی اطلاع بھی نہ دے اور باہر انتظار کرتا رہے۔ اس قسم کے ادب کی خود قرآن نے حضور علیہ السلام کے لیے تعلیم دی ہے۔ بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر حاضر ہو کر باہر سے ہی آواز دیتے تھے یَا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ اِلَیْنَا۔ اے محمد! باہر تشریف لائیے۔ اللہ کو یہ طریقہ بھی پسند نہ آیا

---

[1] ابن کثیر صفحہ ۲۸۰ ج ۳ (فیاض)

اور سورۃ الحجرات میں فرمایا وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (آیت - ۵) اگر وہ لوگ صبر کرتے حتیٰ کہ حضور خود باہر تشریف لے آتے تو یہ انکے آوازیں دینے سے بہتر ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بڑی ہستی کے مالک تھے کسی انصاری کے گھر میں جاتے تو باہر منتظر رہتے کہ خود ہی نکلیں گے تو بات کر لیں گے۔ حالانکہ آپ کوئی حدیث معلوم کرنے کے لیے جاتے تھے۔ انصاری باہر آکر کہتا کہ آپ تو بڑے مرتبے کے مالک ہیں اور حضور علیہ السلام کے چچازاد ہیں۔ آپ دستک دے دیا کریں تو میں فوراً حاضر ہو جاؤں فرماتے، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی تعلیم دی ہے کہ صاحب خانہ کے لیے باہر منتظر رہنا ہی بہتر ہے تاکہ وہ اپنی سہولت کے مطابق باہر آئے تو بات ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اور آپ کے رسولِ مقبول نے دوسرے گھروں میں جانے کے یہ آداب سکھائے ہیں۔

خلاصہ احکام بزبان قرآن

ارشاد ہوتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا اے ایمان والو! نہ داخل ہو اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں یہاں تک کہ پہلے اجازت طلب کر لو اور اہل خانہ کو سلام کر لو۔ داخلے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پہلے السلام علیکم کہو اور پھر اندر آنے کی اجازت طلب کرو۔ فرمایا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ تمہارے لیے بہتر ہے لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا اور اگر تم اس گھر میں کسی کو نہ پاؤ فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ تو اس میں مت داخل ہو۔ یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے بعض اوقات صاحب خانہ کسی کام میں مصروف ہوتا ہے یا وہ فوری طور پر ملاقات نہیں کرنا چاہتا تو ایسی حالت میں وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ تو واپس لوٹ جاؤ کہ یہی بات تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ عدم ملاقات پر ناراض نہیں ہونا چاہیے کیونکہ

ہو سکتا ہے کہ صاحبِ خانہ کی کوئی مجبوری ہو۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

آگے فرمایا لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم غیر رہائش مقام میں داخل ہو جس میں تمھارا کچھ مفاد ہے۔ اس میں مفادِ عامہ کے ادارے (PUBLIC PLACES) آ جاتے ہیں جن کی تفصیل میں نے عرض کر دی ہے، ایسی جگہوں پر بلا اجازت داخل ہو سکتے ہو۔ فرمایا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تمھاری نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے۔ اس نے گھروں میں داخلے کے قوانین بیان کر دیے ہیں۔ اگر ان کی پابندی کرو گے تو فتنہ و فساد پیدا نہیں ہو گا، فحاشی اور عریانی کی نوبت نہیں آئے گی اور معاشرے میں امن و امان قائم ہو گا۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا
فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا
يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ
اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ
اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ
وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ
اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ
اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ
اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِى الْاِرْبَةِ
مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ
النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ
مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ:- (اے پیغمبرؐ!) آپ کہہ دیجئے ایماندار مردوں سے کہ
وہ پست رکھیں اپنی نگاہیں اور حفاظت کریں اپنے ستر کی۔ یہ
زیادہ پاکیزہ چیز ہے اُن کے لیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ خبر رکھتا ہے
جو کچھ وہ کرتے ہیں ﴿۳۰﴾ اور آپ کہہ دیجئے ایمان والی عورتوں سے

کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں اور محفوظ رکھیں اپنے ستر کو اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو مگر وہ جو اُس سے کھلی ہے۔ اور چاہیئے کہ ڈال دیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر، اور نہ ظاہر کریں اپنی زینت کو مگر اپنے خاوندوں کے سامنے یا اپنے باپوں کے سامنے یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے سامنے یا اپنے بیٹوں کے سامنے یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنے بھائیوں کے سامنے یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے سامنے یا اپنی مسلمان عورتوں کے سامنے یا وہ جن کے مالک ہیں اُن کے داہنے ہاتھ یا وہ کام کرنے والے جو نہیں خواہش رکھتے مردوں میں سے یا وہ بچے جو نہیں مطلع ہوئے عورتوں کے بھید پر۔ اور نہ ماریں یہ زور سے اپنے پاؤں تاکہ معلوم کیا جائے وہ جو چھپاتی ہیں یہ اپنی زینت سے۔ اور توبہ کرو اللہ تعالیٰ کے سامنے سب کے سب اے ایمان والو، تاکہ تم فلاح پا جاؤ (۳۱)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں دوسروں کے گھروں میں جانے کے مسائل بیان ہوئے کہ کوئی شخص اپنے گھر میں بلا اجازت جا سکتا ہے البتہ بہتر یہی ہے کہ اطلاع کرے۔ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے گھروں میں یا جن گھروں میں سامان پڑا ہوا ہے، وہاں بھی اجازت کے بغیر نہیں جانا چاہیئے۔ البتہ مفادِ عامہ کے ایسے مقامات جن میں کسی کی انفرادی رہائش نہ ہو وہاں بلا اجازت داخل ہو سکتا ہے۔ البتہ ان کے مخصوص حصوں میں بھی بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں۔ دراصل یہ پابندی برائی، زنا اور بدکاری کی روک تھام کے لیے لگائی گئی ہے کیونکہ برائی کی تحریک بلا تکلف میل جول کے ذریعے ہی پیدا ہوتی ہے۔

اب آج کی آیات بھی اسی قانون کا تتمہ ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں جاتا ہے

یا راستہ چلتے کسی غیر محرم سے واسطہ پڑ جاتا ہے تو نگاہوں کو نیچا رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اگر کسی مومن مرد کے سامنے غیر محرم عورت آجائے یا مومن عورت کے سامنے غیر محرم مرد آجائے تو دونوں کو غضِ بصر کا حکم دیا گیا۔ عام محاورہ ہے النظر برید الزنا یعنی نگاہ زنا کی ڈاک ہوتی ہے۔ پہلے کسی غیر محرم پر نگاہ پڑتی ہے پھر خیالات فاسد ہوتے ہیں اور پھر برائی کی ترغیب پیدا ہوتی ہے، اسی لیے نظر کو آنکھوں کا زنا قرار دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے نگاہ کی حفاظت کا سختی سے حکم دیا ہے تاکہ برائی، بدکاری اور زنا کی نوبت ہی نہ آسکے۔ اور مسلمانوں کی سوسائٹی ایسی قباحتوں سے پاک رہے۔

بعض صحابہ کرامؓ مختلف راستوں، گھاٹیوں، پلوں یا دیگر اونچی جگہوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم ایسے مقامات پر بلا مقصد نہیں بیٹھتے بلکہ بعض اوقات کسی سے ملاقات کرنی ہوتی ہے، کوئی مشورہ وغیرہ کرنا ہوتا ہے تو ہم ایسی جگہوں پر اکٹھے ہو جاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر آپ کا وہاں بیٹھنا ضروری ہے تو پھر ایسے مقام کا حق بھی ادا کرو۔ صحابہؓ کے دریافت کرنے پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے مقامات پر بیٹھنے کا حق یہ ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اپنی نگاہوں کو نیچا رکھو، کوئی ضرورتمند ہو تو اس کی مدد کرو اور سلام کا جواب دو۔ مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ہر موقع پر اپنی نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ ان آیات میں دوسرا مسئلہ شرمگاہوں کی حفاظت کا بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو اپنے اپنے ستر کی نگرانی کا حکم دیا ہے۔

زبان اور اعضائے مستورہ کی ضمانت

صحیح حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا من یکفلنی ما بین لحییہ وبین رجلیہ اکفل لہ الجنۃ جو شخص مجھے ضمانت دے گا ان چیزوں کی جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان اور جو دو رانوں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ، تو میں اس کو جنت کی ضمانت

دیتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ زبان اور شرمگاہ دو ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے اکثر فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے۔ جو لوگ اپنی زبان پر کنٹرول نہیں کرتے اور اس کے ذریعے جھوٹ، غیبت، اتہام اور گالی گلوچ کرتے ہیں، وہ اس کی وجہ سے سخت مشکل میں پڑتے ہیں۔ اس طرح شرمگاہ کی حفاظت ہی عفت و عصمت کی علامت ہے، ورنہ انسان، زنا، فحاشی اور بدکاری میں مبتلا ہو کر جنت سے محروم ہو جاتا ہے اسی لیے اللہ کے نبی نے فرمایا کہ جو شخص مجھے اِن دو چیزوں یعنی زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے، میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کی رحمت کے مقام میں ضرور پہنچے گا۔

نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت

پہلے اللہ نے نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور یہ حکم مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ اے پیغمبر! آپ اِن مومن مردوں سے کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ یعنی جب کسی غیر محرم عورت سے آمنا سامنا ہو تو اس کی طرف بار بار دیکھنے کی بجائے اپنی نظروں کو جھکا لے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں یہ روایت نقل کی ہے لعن الله الناظر والمنظور اليه اللہ نے لعنت کی ہے اس مرد پر جو اپنی نظر کسی غیر محرم عورت پر اٹھاتا ہے۔ اور اگر عورت کے دل میں بھی یہی جذبہ ہے تو اس پر بھی خدا کی پھٹکار ہے مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد اور دارمی وغیرہ میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا لا تتبع النظرة النظرة اے علیؓ پہلی نگاہ کے بعد دوسری نگاہ مت اٹھانا۔ اگر اتفاقاً کسی غیر محرم عورت پر نظر پڑ گئی ہے تو اُسے فوراً پست کر دو۔ دوسری بار نگاہ اٹھاؤ گے تو گنہگار بن جاؤ گے پہلی نگاہ تو معاف ہے۔ مگر دوسری نہیں، حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر کسی غیر محرم پر نظر پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ کہتے ہیں امرنی ان اصرف کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

لہ احکام القرآن للجصاص صفحہ ۲۱۵ ج ۳ و فتح القدیر صفحہ ۲۵ ج ۴ (فیاض)

مجھے حکم دیا کہ نگاہ کو فوراً پھیر لو اور دوبارہ دیکھنے کی کوشش نہ کرو، ورنہ مجرم بن جاؤ گے۔ حضور علیہ السلام نے نگاہ کی حفاظت کرنے والے کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے کہ جس شخص کی نگاہ کسی غیر محرم کے حسن و جمال پر پڑ گئی اور اس نے اپنی نگاہ کو فوراً پست کر لیا تو اس کے دل میں اللہ تعالیٰ ایسی عبادت پیدا کرے گا جس کی وجہ سے اُسے لطف محسوس ہوگا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دوسرا حکم یہ دیا ہے کہ اے پیغمبرؐ! آپ مسلمان مردوں سے یہ بھی کہہ دیں وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ پہلے حدِ زنا اور حدِ قذف کا ذکر ہو چکا ہے۔ عریانی، فحاشی اور بے حیائی پر گفتگو ہو چکی ہے۔ یہ چیزیں شرمگاہ کے عدم تحفظ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا مسلمان مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور ان کا بے جا استعمال نہ کریں کہ یہ بہت بڑا جرم ہے۔ فرمایا ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ اللہ تعالیٰ ان کے ہر کام کی خبر رکھتا ہے وہ ان کے نیت اور ارادے سے بھی واقف ہے لہٰذا ان احکام کی پابندی ضروری ہے۔

عورتوں کے لیے پردے کا حکم

اگلی آیت میں اللہ نے یہی حکم عورتوں کو بھی دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پردے کے دیگر مسائل بھی بیان فرمائے ہیں ارشاد ہوتا ہے وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اے پیغمبرؐ! آپ مومنہ عورتوں سے بھی کہہ دیں کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں۔ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی غضِ بصر کا حکم دیا گیا ہے کہ برائی کی طرف میلان کا پہلا زینہ نگاہ کی خرابی ہوتا ہے۔ مرد و زن اگر اس پر کنٹرول کر لیں تو بہت حد تک برائی کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ آگے فرمایا کہ مومن عورتوں کو یہ حکم بھی دے دیں وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اپنی عفت و ناموس پر داغ نہ لگنے دیں۔ فرمایا وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے

جو اس سے کھلی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی بناوٹی زیب و زینت یا بناؤ سنگھار کو غیر محرموں کے سامنے ظاہر نہ کریں کہ یہ چیز فتنہ کا باعث بنتی ہے جہاں تک مَا ظَهَرَ کا تعلق ہے یعنی وہ چیزیں جو عورت سے خود بخود ظاہر ہیں تو اس سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ عورت کا چہرہ اور ہاتھ مراد لیتے ہیں کہ ان کے اظہار میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دو اعضاء ستر میں شامل نہیں اگرچہ جب ہاتھ کھلے ہوں گے تو ان میں لگی مہندی یا پہنی ہوئی انگوٹھی وغیرہ بھی نظر آئے گی۔ البتہ اس کے علاوہ زینت کی کوئی چیز ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہے بعض فرماتے ہیں کہ مَا ظَهَرَ سے مراد صرف بیرونی لباس ہے جو بلاشک نظر آجائے اس کے علاوہ باقی تمام اعضاء کو حتی الامکان چھپانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

آگے اللہ نے پردے سے متعلق یہ حکم بھی دیا ہے وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُيُوبِهِنَّ اور عورتوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پہ ڈالے رکھیں۔ عورت کا گریبان بالکل کھلا نہیں ہونا چاہیئے۔ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اپنی زیب و زینت اور بناؤ سنگھار کو نہ ظاہر کریں۔ آگے اللہ نے اُن مردوں کی فہرست دی ہے جو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یعنی جن سے عورتوں کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فرمایا اِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر اپنے خاوندوں کے لیے۔ ظاہر ہے کہ خاوند سے پردہ کیسا بلکہ صحیح معنوں میں عورت کی زیب و زینت اس کے خاوند کے لیے ہی ہوتی ہے فرمایا اَوْ اٰبَآئِهِنَّ عورتوں کو اپنے باپ سے بھی پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اَوْ اٰبَآءِ بُعُولَتِهِنَّ یا اپنے خاوند کے باپ کے سامنے یعنی خسر بھی پردے سے مستثنیٰ ہے پھر فرمایا اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ عورتیں اپنے بیٹوں کے سامنے بھی زینت کا اظہار کر سکتی ہیں اَوْ اَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے بھی کوئی پابندی نہیں۔ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھائیوں کے سامنے اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھتیجوں کے سامنے اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ

یا اپنے بھانجوں کے سامنے بھی زیب و زینت کا اظہار کر سکتی ہیں یہ بھی پردے سے مستثنیٰ ہیں کہ یہ سب محرم ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ چچا اور ماموں کے لیے بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ بھی محرم ہیں۔

آگے فرمایا اَوْ نِسَآئِهِنَّ یا اپنی عورتوں کے سامنے بھی زینت کا اظہار کر سکتی ہیں۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسلمان عورتیں ہیں۔ لہٰذا کسی مسلمان عورت کو کسی کافرہ عورت کے سامنے بھی زیب و زینت ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔ ان کو بھی اجنبی کے حکم میں شمار کیا جاتا ہے۔ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ یا جو ان کے داہنے ہاتھ کی ملکیت ہیں یعنی لونڈی غلام ہیں اُن سے بھی پردے کی ضرورت نہیں اَوِ التَّابِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ گھروں میں کام کرنے والے مرد بھی پردے سے مستثنیٰ ہیں۔ جو شہوانی غرض نہیں رکھتے۔ اس قسم کے نوکر چاکر معمولی حیثیت کے لوگ ہوتے ہیں اور اپنے کام یا کھانے پینے اور کپڑے پہننے کے سوا انکی کسی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ تاہم فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اس ضمن میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے اور جوان مردوں کو گھر کے کام کاج کے لیے مقرر نہیں کرنا چاہیئے۔ فرمایا اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وہ چھوٹے بچے بھی پردے سے مستثنیٰ ہیں جو عورتوں کے بھیدوں پر مطلع نہیں ہیں یعنی ابھی انہیں عورتوں سے متمتع ہونے کا علم نہیں ہے۔ اُن کے سامنے بھی اگر زینت ظاہر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

آگے اللہ نے عورتوں پر یہ پابندی بھی لگائی ہے وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ عورتیں چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہ ماریں کہ جس سے اُن کی پوشیدہ زینت کا اظہار ہوتا ہے اگر پاؤں میں کوئی زیور پہن رکھا ہے تو زور سے پاؤں مارنے پر اس کی جھنکار سنائی دے گی اور سننے والے کو فتنے میں ڈالنے کا باعث بن سکتی ہے۔ لہٰذا ایسا

کرنے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے تو یہ حکم بھی دیا ہے۔ کہ جو عورتیں نماز کے لیے مسجد میں آئیں۔ سادہ لباس پہنیں اور خوشبو استعمال نہ کریں تاکہ مردوں کی توجہ اُن کی طرف مبذول نہ ہو۔

ستر کا مسئلہ

ناف سے لے کر گھٹنوں تک شرعی ستر ہے۔ لہذا کسی مرد کے لیے دوسرے مرد کے اس حصے پہ دیکھنا حرام ہے عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ وہ کسی عورت کے ستر کو نہیں دیکھ سکتی۔ اس ضمن میں مرد اور عورت کے حکم میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ مثلاً اگر کسی عورت کی نگاہ مرد کے ستر والے حصے کے علاوہ جسم کے کسی دیگر حصے پر پڑ جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ البتہ عورت کا سارا جسم ماسوائے چہرے اور ہاتھوں کے ستر ہے، لہذا کسی مرد کی نظر عورت کے کسی حصہ پر نہیں پڑنی چاہیئے۔ ماسوائے مستثنیٰ حصوں کے۔ اگر ایسا کرے گا تو سخت گنہگار ہو گا۔ بعض فقہائ پاؤں کو بھی ستر میں داخل کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔ اسی طرح عورت کے بال بھی ستر میں داخل ہیں، اُن پر بھی کسی اجنبی کی نظر نہیں پڑنی چاہیئے۔ اگرچہ عورت کا چہرہ ستر میں داخل نہیں مگر جیسا کہ شامی اور درمختار میں ہے نوجوان عورت کو اپنا چہرہ بھی ڈھانپ کر رکھنا چاہیئے تاکہ فتنہ سے بچا جاسکے کسی مرد کے لیے یہ قطعاً روا نہیں کہ وہ اپنی بیوی یا شرعی لونڈی کے مقام شہوت کے سوا کسی دوسری عورت کے ایسے مقام کی طرف دیکھے۔ اسی طرح عورت کے لیے اپنے خاوند کے مقام ستر کے علاوہ کسی اجنبی کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ البتہ مرد ہو یا عورت مجبوری کی حالت میں اعضائے مستورہ کو دیکھنے کی اجازت ہے۔ مثال کے طور پر اگر طبی لحاظ سے دیکھنا ضروری ہے یا کوئی آپریشن وغیرہ کرنا ہے تو دیکھنے کی اجازت ہے۔ تاہم فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسے حالات میں بھی حتی الامکان بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور بے تکلف ہونے سے ہمیشہ پرہیز کرنا چاہیئے۔

استغفار کی تعلیم

آخر میں اللہ نے فرمایا ہے وَتُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ اے ایمان والو! تم سارے کے سارے اللہ کے سامنے توبہ کرو۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ کوئی نہ کوئی لغزش ہوتی رہتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ سچے دل سے توبہ کرو۔ اٹھتے بیٹھتے ہر وقت استغفار کرتے رہو۔ خود حضور علیہ السلام تعلیم کی خاطر ایک ایک مجلس میں سو سو دفعہ استغفار کرتے تھے۔ فرمایا توبہ کرو تاکہ تمھیں فلاح نصیب ہو جائے۔ تم گناہوں سے پاک ہو جاؤ اور یہی انسان کا منتہائے مقصد ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۚ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ

ترجمہ:۔ اور نکاح کرادو جو تم میں سے بے نکاح ہوں۔ اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو باصلاحیت ہوں۔ اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے مستغنی کردے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۳۲﴾ اور چاہیئے کہ عفیف بن کر رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے نکاح کی طاقت یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اپنے فضل سے مستغنی کردے۔

ربط آیات

گذشتہ آیات میں نگاہ کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اور عورتوں کو پردے کی تلقین کی گئی تھی۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے گھروں میں جانے کے آداب سکھائے تھے اور فرمایا تھا کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت اور بلا اطلاع مت جاؤ اور اگر کسی غیر محرم اور اجنبی پر اچانک نظر پڑ جائے تو اپنی نگاہ کو فوراً پست کر لو اور ارادتاً دیکھنے کی کوشش نہ کرو۔ یہ حکم اللہ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو دیا اس کے ساتھ ساتھ اپنی ناموس کی حفاظت کا حکم دیا۔ فرمایا کہ عورتیں اپنی زیب و زینت کا اظہار سوائے اپنے خاوندوں اور محرموں کے کسی غیر محرم کے سامنے نہ کریں۔ اگر اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی واقع ہو جائے تو سب کو اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنی چاہیئے۔ انسان خطا کا پتلا ہے لہٰذا اسے چاہیئے

کہ ہمیشہ استغفار کرتا ہے۔

انسدادِ زنا، بدکاری اور فحاشی کے قوانین کا یہ پہلا حصہ تھا جس میں اللہ تعالٰے نے کچھ تعزیری احکام بیان فرمائے اور کچھ اخلاقی تعلیم دی۔ مقصد یہی ہے کہ کسی طرح لوگ برائی سے بچ جائیں۔ اب اسی سلسلہ میں آج کی آیات میں اس قانون کا دوسرا حصہ بیان کیا جا رہا ہے آگے اس کے بھی دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں نکاح کو عام کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ترغیب دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے مستغنی کر دیگا۔ دوسرے حصے میں اُن لوگوں کو پاکدامنی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی جو کسی صورت میں بھی نکاح کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

نکاح کی ترغیب

ارشاد ہوتا ہے وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ اور تم میں سے جو بے نکاح مرد و زن ہوں اُن کے نکاح کرا دو۔ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اور اپنے با صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کے بھی نکاح کرا دو۔ ایامیٰ، اَیِّمٌ کی جمع ہے جس کا ترجمہ ہم نے بے نکاح کیا ہے۔ دراصل ایّم اس عورت پر بولا جاتا ہے جس کا پہلے نکاح ہو چکا ہو اور بعد میں وہ رانڈ یا مطلقہ ہو جائے۔ کنواری یا کنوارہ اس کا صحیح ترجمہ نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ تو اس کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کا ابھی نکاح ہوا ہی نہ ہو۔ تاہم مجازی طور پر ایّم کا اطلاق ہر مجرد مرد و زن پر بھی کیا جاتا ہے جو ابھی تک کنوارہ یا کنواری (BACHELOR) ہو مگر اس کا صحیح معنی رانڈ یا مطلقہ ہے اور اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَشَارُ یعنی نکاح کے سلسلے میں رانڈ یا مطلقہ عورت اپنے بارے میں فیصلہ کرنے کا خود حق رکھتی ہے کہ وہ کس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے اُسے زبان سے بول کر بتانا ہوگا کہ اُسے فلاں کے ساتھ نکاح منظور ہے یا نہیں البتہ بکر یعنی کنواری عورت کے ساتھ مشورہ کیا جائے گا۔ اگر وہ زبان سے کچھ جواب نہ دے تو اس کی خاموشی بھی اس کی رضا تصور ہوگی۔ ہاں اگر وہ مجوزہ نکاح سے انکار کر دے تو پھر اُس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ اس حدیث میں ایّم

کو بحر کے مقابلے میں لاکر معنیٰ واضح کر دیا گیا ہے۔

فرمایا نہ صرف آزاد بیوں نکاحوں کے نکاح کرادو بلکہ تمہارے غلام اور لونڈیاں بھی اگر با صلاحیت ہیں تو اُن کو بھی نکاح سے محروم نہ رکھو صلاحیت سے مراد یہ ہے کہ وہ نیک ہوں اور نکاح کے بعد مالک سے بغاوت کرنے کا خدشہ نہ ہو بلکہ وہ اسی طرح خدمت کرتے رہیں تو ان کو بھی رشتہ ازدواج میں منسلک کردو۔

نکاح کی اہمیت

قرآن وسنت میں جہاں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے وہاں اس کی اہمیت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضورؐ کا ارشادِ مبارک ہے کہ نکاح کرنا تمام انبیاء کی سنت ہے۔ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت عیاضؓ اپنے خاندان کے لوگوں سے کہتے تھے کہ میرا نکاح کرادو کیونکہ میں نے اپنے آقا علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ تم اللہ سے ایسی حالت میں ملو کہ مجرد نہ ہو۔ اللہ کو تجرد کی زندگی پسند نہیں۔ مسند احمد کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں مَا فِی الْجَنَّۃِ اَعْزَبُ یعنی کوئی مجرد جنت میں نہیں ہوگا بلکہ سب شادی شدہ ہوں گے۔ ترمذی شریف کی ایک روایت[1] کے مطابق حضور علیہ السلام نے نَھٰی عَنِ التَّبَتُّلِ قطع تعلقی، قطع نکاح یا تجرد کی زندگی سے منع فرمایا ہے بعض صحابہؓ نے خصی ہونے کے لیے آپ سے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر شہوت کا غلبہ ہو اور کوئی شخص نکاح کی طاقت نہ رکھتا ہو تو چاہیئے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ خِصَاءُ[2] اُمَّتِیَ الصِّیَامُ میری امت کا خصی ہونا روزے رکھنا ہے کہ روزے شہوانی طاقت میں کمی کر دیتے ہیں۔ صحیحین[3] کی روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی موجود ہے یَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ اَنْ یَّتَزَوَّجَ فَلْیَتَزَوَّجْ اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو کوئی نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اُسے ضرور نکاح کر لینا چاہیئے۔ فَاِنَّہٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ کیونکہ نکاح انسان کی آنکھوں کو

---

۱ ترمذی ص۱۲۴ ۲ ترمذی ص۱۲۴ و مسلم ص۴۴۹ ج۱ ۳ بخاری ص۷۵۸ ج۲ و ترمذی ص۱۲۴ (فیاض)

پست رکھنے اور اعضائے مستورہ کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی نکاح کی طاقت نہیں رکھتا، امکان نہیں ہے، پس انداز کچھ نہیں یا روزگار نہیں ہے فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ اُسے چاہیئے کہ وہ روزے رکھے، کیونکہ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ یہ اس کے مادہ شہوت کو کچل کر رکھ دیں گے۔ بہرحال اللہ نے بے نکاح مردوں اور عورتوں کو نکاح کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ کنوارے ہوں، مطلقہ یا رانڈ ہوں۔ جو لوگ نکاح ثانی کو معیوب سمجھتے ہیں۔ وہ غلط کار ہیں نکاح ثانی کوئی عیب کی بات نہیں ہے بلکہ پہلے نکاح کی طرح دوسرا نکاح بھی ضروری ہے

نکاح کی حکمت

فرمایا، اپنے بے نکاح آزاد مردوں اور عورتوں کے نکاح کرادو۔ حتیٰ کہ اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی نکاح کرادو کہ اس کا فائدہ یہ ہوگا اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مستغنی کر دے گا۔ جو لوگ نکاح سے پہلے محتاج ہیں، ضروری نہیں کہ وہ نکاح کے بعد بھی محتاج رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے فقر کو فراخی میں تبدیل کرنے پر قادر ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں احساس ذمہ داری اور پھر فکرِ معاش پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُس کے دن پھیر دے اور وہ آسودہ حال ہو جائے، لہٰذا محض محتاجی کی بناء پر نکاح میں دیر نہیں کرنی چاہیئے۔ فقر و غنیٰ تو کسی اور قانون کے تحت چلتا ہے۔ یہ چیز نکاح میں حائل نہیں ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا۔ رزق میں وسعت پیدا کر دے گا۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کیونکہ اللہ تعالیٰ وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ ہر شخص کے حالات سے واقف ہے اور اس نے ہر ایک کے لیئے تنگی اور فراخی کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ لہٰذا نکاح کا پیغام ملنے پر مال و دولت کی طرف نہ دیکھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے بلکہ صلاحیت کو دیکھو۔ اگر صلاحیت ہے تو نکاح کر دو، اللہ تعالیٰ وسعت بھی پیدا کر دے گا۔ اگر کوئی صلاحیت سے محروم ہے، جسمانی طور پر معذور ہے تو لامحالہ اُس کو نکاح نہیں کرنا چاہیئے کہ اس سے فریق ثانی کو

بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغۃ[1] میں یہ فلسفہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مرد و زن پر شہوت کا مادہ مسلط کیا ہوا ہے۔ جس طرح انسان کے لیے کھانا پینا مطلوب ہوتا ہے، اسی طرح اس کی جنسی خواہشات کی تکمیل بھی ضروری ہے اور اس کام کے لیے اُسے آزاد نہیں چھوڑا جا سکتا کہ جہاں چاہے شہوت کو پورا کرتا پھرے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے برخلاف انسان کو نکاح کا پابند بنایا ہے۔ نکاح کی وجہ سے انسان پر ذمہ داری عاید ہوتی ہے اور وہ بہت سی قباحتوں سے بچ جاتا ہے۔ نکاح کرنے سے انسان قوانین کا پابند ہو جاتا ہے اور یہی چیز نسلِ انسانی کی بقا کا ذریعہ بنتی ہے۔ اگر نکاح نہیں کیا تو حرام نسل پیدا ہوگی، اخلاق تباہ اور نسل گندی ہو جائیگی۔ اسی لیے اللہ نے نکاح کو عام کرنے کا حکم دیا ہے۔ نکاح کے علاوہ قضائے شہوت کی کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔ لواطت ہشت زنی یا جانوروں کو تختۂ مشق بنانا کسی طور پر جائز نہیں۔

نکاح کو عام کرو

اگر زنا کا انسداد مطلوب ہے تو پھر نکاح کو عام کرو۔ نکاح کے راستے میں مشکلات پیدا کرنا اور اس پر ناروا پابندیاں عاید کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔ ہمارے ملک میں باطل رسومات نے نکاح کو ایک مشکل مسئلہ بنا دیا ہے۔ زیورات کی فرمائش، حق مہر کی زیادتی اور جہیز کی لعنت کی وجہ سے نکاح میں بلاوجہ دیر ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ خاندانی پابندیاں اور رسم و رواج بھی نکاح کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ جب تک نکاح کی اصل روح کے مطابق اسے عام نہیں کیا جائے گا معاشرے میں خرابیاں پیدا ہوتی رہیں گی حضور علیہ السلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علیؓ تین چیزوں میں کبھی دیر نہ کرو۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہو جائے تو دیر نہ کرو، فوراً ادا کرلو۔ پھر فرمایا، جب جنازہ تیار ہو جائے تو اس کے کفن دفن میں دیر نہ

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۹۱ (فیاض)

کرو وَالْاَیَّمُ اِذَا وَجَدْتَّ لَهَا کُفُوًا جب ہمسر مل جائے تو پھر نکاح کرنے میں بھی دیر نہ کرو۔

حضور علیہ السلام کا یہ فرمان[1] بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں کی امداد فرماتا ہے۔ پہلا شخص وہ ہے یرید العفاف جو اس غرض سے نکاح کرتا ہے کہ اُسے پاکدامنی نصیب ہو اور وہ برائی سے بچ جائے۔ دوسرا شخص مکاتب غلام ہے جو آزادی حاصل کرنے کی فکر میں لگاتار محنت کرتا ہے۔ اور تیسرا شخص وہ ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی مدد فرماتا ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عام حالات میں نکاح کرنا سنت ہے اور اگر شہوت کا غلبہ ہو تو نکاح واجب ہو جاتا ہے۔ یہ ایک عام فہم بات ہے کہ جو شخص پیٹ بھر کر کھانا کھا ئیگا اُسے دوسرے کے کھانے کی طرف نگاہ اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور اگر وہ بھوکا ہے اور اُسے روٹی میسر نہیں آرہی تو وہ دوسرے سے چھیننے کی کوشش بھی کرے گا۔ نکاح کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ جو شخص حلال طریقے سے نکاح کرے گا۔ وہ غیر محرم کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھے گا۔ اس کے برخلاف نکاح سے محروم شخص کے لیے ہر وقت برائی میں مبتلا ہونے کا ڈر ہو گا۔

حضور علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت عکاف رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا، کیا تمہاری بیوی ہے؟ اُس نے عرض کیا، نہیں پھر پوچھا، کیا مال ہے؟ عرض کیا، ہر قسم کا مال منجملہ بھیڑ بکریاں، اونٹ، مال تجارت اور لونڈی غلام وغیرہ بھی ہیں۔ پھر پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی شرعی لونڈی ہے اُس نے نفی میں جواب دیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اَنْتَ مِنْ اِخْوَانِ الشَّیَاطِیْنِ تم تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔ جب تم تندرست ہو، تمام وسائل میسر ہیں تو پھر نکاح کیوں نہیں کرتے؟ نکاح نہیں کرو گے، تو برائی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ غرضیکہ اللہ اور اس کے رسول نے نکاح کو عام کرنے کا حکم دیا

[1] احکام القرآن للجصاص ص ۳۲۰ ج ۳ و فتح القدیر ص ۳۱ ج ۳ (فیاض)

ہے۔ تاکہ لوگ اپنی فطرتی خواہش کو فرو کر کے بدکاری اور بے حیائی سے بچ جائیں۔

پاکدامنی پر استقامت

آگے اس مضمون کا دوسرا حصہ یہ بیان فرمایا ہے وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا اور چاہیئے کہ پاکدامن رہیں وہ لوگ جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اگر رہنے کے لیے مکان نہیں۔ مہر کے لیے رقم نہیں پاتا اور بیوی کے لیے نان و نفقہ کے لیے بھی وسائل موجود نہیں تو فرمایا نکاح کے بغیر پاکدامن بن کر رہو اور شدت شہوت سے مغلوب ہو کر کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھو۔ اپنے آپ پر ضبط کرو اور زنا جیسی قبیح خصلت میں ملوث نہ ہو۔ ایسے حالات میں شہوت پر قابو پانے کے لیے نفلی روزے رکھنے کا حکم ہے۔ عبادت میں مصروف رہو تاکہ غلط کام کی طرف تمھاری توجہ ہی نہ ہو۔ اس کے علاوہ اچھی سوسائٹی میں نشست و برخاست رکھو تاکہ تمھیں نیکی کی بات حاصل ہو اور برائی سے بچ سکو۔ بہر حال بے لگام ہونے کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں ہے۔ اگر وسعت ہے تو نکاح کر و ورنہ اپنے آپ پر کنٹرول کرو۔ اور پاکدامنی کی زندگی بسر کرو۔

فرمایا چاہیئے کہ عفت اختیار کریں وہ لوگ جو نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مستغنی کر دے۔ جب تک حالات درست نہیں صبر کرو اور جب استطاعت پیدا ہو جائے تو پھر نکاح کر لو۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ
مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ
عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ
بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ
اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ
ع ۱۰ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ :- اور وہ لوگ جو تلاش کرتے ہیں (خواہش رکھتے ہیں) مکاتبت کی تمہارے غلاموں میں سے ، پس مکاتبت کرو اُن کے ساتھ اگر تم اُن میں بہتری سمجھو . اور دو اُن کو اللہ کے مال میں سے جو اُس نے تم کو دیا ہے . اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر جب کہ وہ پاکدامنی کی خواہشمند ہیں ، تاکہ تم تلاش کرو دنیا کی زندگی کا سامان اور جو شخص مجبور کریگا اُن کو ، پس بیشک اللہ تعالیٰ اُن کے مجبور کیے جانے کے بعد بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۳۳﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے نازل کی ہیں تمہاری طرف کھلی آیتیں اور کچھ حال اُن لوگوں کا جو تم سے پہلے گزرے ہیں ، اور نصیحت متقیوں کے لیے ﴿۳۴﴾

ربط آیات

اس آیت کے پہلے حصے میں پاکدامنی اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ اور اس سے پہلے نکاح کو عام کرنے کا قانون بیان کیا گیا تھا۔ فرمایا تم میں سے جو بے نکاح ہوں اور تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو با صلاحیت ہوں اُن کے نکاح کرادو۔ اگر وہ محتاج ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں مستغنی کر دے گا۔ اور جو لوگ نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے اُن کو پاکدامن بن کر رہنا چاہیئے اور اپنے آپ پر ضبط کرنا چاہیئے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے مستغنی کر دے اور وہ نکاح کرنے کے قابل ہو سکیں۔

مکاتبت کی تعریف

اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مکاتبت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔ مکاتبت کا مطلب یہ ہے کہ مالک اور مملوک کے درمیان تحریری معاہدہ ہو جائے کہ اگر کسی کا غلام یا لونڈی اپنے مالک کو اتنا مال ادا کر دے تو وہ اسے آزاد کر دے گا۔ اس قسم کے معاہدہ میں کل مال کی ادائیگی کے لیے مدت بھی مقرر کی جا سکتی ہے اور اُسے کھلا بھی چھوڑا جا سکتا ہے کہ جب بھی اس قدر مال کی ادائیگی ہو جائے گی تو فلاں آزاد ہو جائے گا۔ اب تو شخصی غلامی کا سلسلہ ہی ختم ہو چکا ہے، پرانے زمانے میں یہ عام دستور تھا کہ اس قسم کے معاہدے کے بعد متعلقہ لونڈی یا غلام کو کاروبار کے لیے آزاد کر دیا جاتا تھا تاکہ وہ پوری آزادی کے ساتھ جو کام چاہے کرے اور مطلوبہ رقم مالک کو مہیا کرے۔ تاہم جب تک کل مال ادا نہیں ہو جاتا تھا۔ وہ شخص غلام ہی تصور ہوتا تھا۔ اگر اس دوران غلام مر جاتا تو اس کے ترکہ کا جائزہ لیا جاتا اگر اس سے مطلوبہ مال مہیا ہو جاتا تو وہ مالک وصول کر لیتا اور غلام آزاد تصور ہوتا اور اگر مطلوبہ مال پورا نہ ہوتا تو پھر اُسے غلامی کی موت سمجھا جاتا۔

جمہور علماء کہتے ہیں کہ مکاتبت ضروری نہیں بلکہ استحباب کے درجے میں ہے۔ تاہم بعض فرماتے ہیں کہ اگر غلام خواہش کرے تو مالک کے لیے مکاتبت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ بہرحال مکاتبت کا طریقہ آزادی کی طرف ایک قدم تھا اور اس کی ترغیب بھی دی گئی ہے۔ یہاں پہ مالکِ یمین کا ذکر ہے جو غلام

اور لونڈی دونوں کے لیے آتا ہے، تاہم عام طور پر مکاتبت غلام کے ساتھ ہی ہوتی تھی۔

غلامی کا عالمگیر رواج

دنیا میں غلامی کا رواج ہزاروں سال تک چلتا رہا ہے اور نزولِ قرآن کے زمانے میں بھی یہ رواج پوری دنیا میں موجود تھا۔ پرانے زمانے میں مختلف اقوام کے درمیان جنگ ہوتی تھی جس کے نتیجے میں فریقین کے کچھ لوگ مارے جاتے اور کچھ قیدی بنا لیے جاتے۔ جنگ کے اختتام پر قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ ہوتا۔ جس کی عام طور پر چار صورتیں ہوتی تھیں۔ پہلی صورت یہ تھی کہ جنگ کے دونوں فریق جنگی قیدیوں کا تبادلہ کر لیں۔ دوسری صورت یہ تھی کہ قیدیوں کو فدیہ (معاوضہ) لے کر رہا کر دیا جائے یا بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے۔ تیسری صورت یہ تھی قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور چوتھی صورت میں انہیں لونڈی غلام بنا لیا جاتا تھا۔ اس طرح بنائے گئے لونڈی غلام جس جس شخص کے حصے میں آتے تھے وہ اُن کا مالک سمجھا جاتا تھا اور لونڈی غلام کی حیثیت ایک عام مال کی ہو جاتی تھی۔ مالک اُن سے ہر طرح کی خدمت لے سکتا تھا اور دیگر مال کی طرح اُن کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی۔ غلاموں اور لونڈیوں کی اولاد بھی غلام اور لونڈیاں بن جاتے تھے اور اس طرح دنیا بھر میں لونڈی غلام کا وسیع سلسلہ رائج تھا۔ جب اسلام آیا تو اس نے اس رواج کو یکسر ختم نہیں کیا بلکہ اسے روا رکھا البتہ اس کے خاتمے کے لیے بہت سی ترغیبات پیدا کی گئیں۔

کفر و اسلام کی جنگوں کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاتھ بھی بہت سے قیدی آتے اسلامی حکومت اِن قیدیوں کو بطور لونڈی یا غلام مجاہدین میں تقسیم کر دیتی۔ حاصل کرنے والا شخص چاہتا تو غلام کو آزاد کر دیتا یا اُس سے خدمت لیتا رہتا یا اُسے فروخت کر دیتا۔ کسی لونڈی کا کسی شخص کی ملکیت میں آنا نکاح کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے کیونکہ نکاح کے ذریعے بھی کوئی عورت کسی مرد کی ملکیت میں دے دی جاتی ہے۔ تو لونڈی کا مالک بغیر نکاح کیے اُس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اگر کوئی لونڈی پہلے سے منکوحہ ہو تو اس سے استفادہ حاصل کرنے سے

پہلے عورت کی تکمیل ضروری ہے۔ اور اگر لونڈی حاملہ ہو تو وضع حمل تک مالک اس سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ مالک اپنی خوشی سے لونڈی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے بھی کرا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ لونڈی سے عام خدمت تو لے سکتا ہے مگر اس کے خاوند کے حق میں مداخلت نہیں کر سکتا۔

اسلام نے اس نظام میں اصلاح کی۔ غلاموں کو اُن کے حقوق دلوائے۔ اُن پر ظلم و زیادتی کرنے سے منع فرمایا۔ لوگوں کو باور کرایا کہ غلامی ایک غیر فطری چیز ہے کیونکہ فطری طور پر ہر انسان آزاد ہے۔ اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لیے ترغیب دی اور اس کے لیے بہت سے مواقع پیدا کیے۔ چنانچہ قسم توڑنے کے کفارے کے طور پر جتنی چیزیں بیان کیں اُن میں غلام کی آزادی سر فہرست ہے۔ روزے کے کفارے میں بھی غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ اگر اتنی طاقت نہ پائے تو ساٹھ متواتر روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اگر کوئی شخص ظہار کا مرتکب ہو یعنی اپنی بیوی کو ماں بہن کے ساتھ تشبیہ دے دے، تو اگرچہ ایسا کہنے سے طلاق تو واقع نہیں ہوتی مگر جب تک کفارہ ادا نہ کرے بیوی کے قریب نہیں جا سکتا۔ اس کفارے میں بھی پہلا نمبر غلام کی آزادی ہے۔ اسی طرح قتلِ خطا میں دیت کے علاوہ کفارہ بھی ادا کرنا ہوتا ہے جو کہ ایک غلام کی آزادی ہے۔ ترغیب کے سلسلہ میں قرآن پاک نے غلام کی آزادی کو فَكُّ رَقَبَةٍ سے تعبیر کیا ہے۔ سورۃ البلد میں ہے کہ لوگ اونچی گھاٹی پر کیوں نہیں چڑھتے؟ آگے فرمایا یہ اونچی گھاٹی کیا ہے؟ یہ غلام کی آزادی ہی تو ہے مطلب یہ کہ غلام کی آزادی بہت بڑا کارنامہ ہے جسے اہلِ ایمان کو سر انجام دینا چاہیئے الغرض اسلام نے غلام کی آزادی کے راستے کو مختلف طریقوں سے ہموار کیا ہے تاکہ یہ رواج ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ یہ تو اُس زمانے کی بات ہے۔ آج دنیا میں دیکھ لیں کہ اس طرح کی شخصی غلامی کا رواج بالکل ختم ہو چکا ہے۔

اسلام پر اکثر اعتراض کیا گیا ہے کہ اس نے غلامی کو روا رکھا ہے جو کہ

اچھا نہیں ہے۔ اس ضمن میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اسلام نے غلامی کے رواج کو صرف جائز قرار دیا ہے، اس کو برداشت کیا ہے مگر اس کو لازم قرار نہیں دیا۔ اس کی بجائے اسلام نے غلامی کے خاتمے کے لیے طرح طرح کی ترغیبات دی ہیں اور جیسا کہ پہلے بیان کیا ان کی آزادی کے لیے کئی ایک صورتیں نکالی ہیں۔ آیت زیر درس میں بیان کردہ مکاتبت بھی غلاموں کی آزادی کا ایک ذریعہ ہے جس کی نہ صرف ترغیب دی گئی ہے بلکہ اللہ کے دیے ہوئے مال سے خرچ کر کے غلاموں کی آزادی کا حکم دیا گیا ہے، یعنی اگر کسی غلام کو مکاتبت کے لیے مالی امداد کی ضرورت ہو تو اس سے دریغ نہ کرو، سورۃ توبہ میں اللہ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں جن میں ایک مصرف فِي الرِّقَابِ بھی ہے یعنی غلاموں کی آزادی کے لیے بھی زکوٰۃ کا مال صرف کیا جا سکتا ہے۔

اجتماعی غلامی کی لعنت

جیسا کہ میں نے عرض کیا اس وقت دنیا میں شخصی غلامی تو کہیں نہیں پائی جاتی، البتہ اجتماعی غلامی عام ہے جو کہ شخصی غلامی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس وقت دنیا کی بڑی طاقتوں نے غریب اور چھوٹے ملکوں کو اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی غلامی میں جکڑ رکھا ہے۔ اقتصادی غلامی کا یہ حال ہے کہ امداد کے نام پر قرض دیا جاتا ہے جس پر سود بھی وصول کیا جاتا ہے۔ آج ہم دنیا میں دیکھ رہے ہیں کہ مقروض ملک اس جال میں اس قدر جکڑے جا چکے ہیں کہ اب انہیں صرف سود کی ادائیگی کے لیے ہر سال اربوں ڈالر کے نئے قرضے لینے پڑتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو ملک ایک دفعہ اقتصادی غلامی میں جکڑا گیا وہ کبھی بھی اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔ خود پاکستان اسی مرض میں مبتلا ہے۔ ہر آنے والی حکومت نے قرضوں پر انحصار کیا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ پاکستان کا ہر فرد لاکھوں کروڑوں ڈالر کا مقروض ہے اور اس جال سے نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اب بات یہاں تک بڑھ چکی ہے کہ ملک کا سالانہ بجٹ بھی بڑی طاقتوں کے مشورے سے بنتا ہے۔

سیاسی غلامی کا بھی یہی حال ہے۔ ہر زبردست ملک زبردست طاقتوں کا سیاسی غلام ہے۔ اُوپر والوں کی مرضی کے بغیر نہ کوئی حکومت بن سکتی ہے اور نہ چل سکتی ہے تمام بین الاقوامی اُمور بڑی طاقتوں کے مشورے کے مطابق طے پاتے ہیں۔ اگر کوئی ملک اپنی پالیسی بنانا چاہے تو اُسکی امداد روک کر اُسے ہر بات ماننے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ دنیا میں کتنے بین الاقوامی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ جو مسئلہ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین باہمی رضامندی سے حل کرنا چاہتے ہیں، وہ حل ہو جاتا ہے اور جو نہیں کرنا چاہتے اُسے ویٹو کر دیا جاتا ہے۔ کہنے کو تو اقوامِ متحدہ (U.N.O) میں تمام ممالک کو یکساں نمائندگی حاصل ہے، مگر عملی طور پر چھوٹے اور غریب ملکوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ عرب ممالک اقتصادی طور پر نہایت طاقتور ہونے کے باوجود بڑی طاقتوں کے زیرِ نگیں ہیں۔ عربوں کی دولت امریکہ کھاتا ہے مگر جب فلسطین کا مسئلہ آتا ہے تو اسرائیل کی حمایت کرتا ہے۔ اگر عربوں کے حق میں کوئی قرارداد پیش بھی ہو جائے تو بڑی طاقت ہونے کے ناطے اسے مسترد (ویٹو) کر دیا جاتا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے اور کہاں کی سیاسی آزادی ہے۔؟ اتنی دولت ہونے کے باوجود عرب ممالک تیل نکالنے کے لیے انگریزوں کے محتاج ہیں۔ عربوں میں تو آج تک ایک انجنیئر نہیں پیدا ہونے دیا جو تیل کا کنواں ہی کھدوا سکے۔ ساری ٹیکنالوجی اور افرادی قوت تو باہر سے آتی ہے اور عرب امیر ترین ممالک ہونے کے باوجود بے بس ہیں۔ کیا یہ اجتماعی غلامی نہیں ہے ؟

انگریزوں نے دنیا بھر کو دو سو سال تک اجتماعی غلامی میں جکڑے رکھا۔ لوگوں کے مذاہب کو بگاڑا، ملکوں کو تہس نہس کر دیا۔ اُنکے راستے میں مصنوعی رکاوٹیں کھڑی کیں مسلمان قوم کو خاص طور پر تختۂ مشق بنایا اور ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ برصغیر میں مسلمانوں کو تختۂ دار پر چڑھایا گیا اور انہیں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ یہ سب اجتماعی غلامی کی مثالیں ہیں جو دنیا میں آج بھی موجود ہیں۔

اس اجتماعی غلامی میں مغلوب قوموں کا اخلاق اور تہذیب بھی تباہ ہو جاتی ہے

معاشرتی طور پر اُن کے عادات و خصائل بدل جاتے ہیں ؛ لوگ مذہب سے بیگانہ ہو جاتے ہیں، اپنے رسم و رواج بھول جاتے ہیں اور غالب اقوام کی اداؤں پر ہی فخر کرنے لگتے ہیں۔ آہستہ آہستہ انہی کی زبان اور انہی کے اخلاق کو اپنانے میں بڑائی سمجھتے ہیں۔ اپنی زبان تک بھول جاتے ہیں۔ برصغیر میں یہی کچھ ہوا ہے۔ پاکستان کو آزادی حاصل ہوئے بھی چالیس سال ہو چکے ہیں مگر آج بھی ہم انگریزی زبان سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکے۔ اس میں شک نہیں کہ انگریزی ایک وسیع زبان ہے مگر عربی، فارسی اور اُردو اس سے کسی طرح بھی کم نہیں ہم آج تک نہ ذریعہ تعلیم کو بدل سکے ہیں اور نہ دفتری کاروبار میں اپنی قومی زبان رائج کر سکے ہیں۔ ہر آمدہ حکومت اپنی ثقافت کو اپنانے کے بلند بانگ دعوے کرتی ہے مگر عملاً کچھ نہیں ہوتا، ہم آج تک قانون، سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنی قومی زبان میں نہیں ڈھال سکے۔ عربی اور فارسی بھی عظیم زبانیں ہیں، ان کو کیوں ترقی نہیں دی جاتی ؟ اگر حیدرآباد دکن میں قانون، سائنس اور طب کی تعلیم اُردو میں ہو سکتی ہے تو یہاں کیوں نہیں ہو سکتی ؟ اگر روسی، جرمنی اور فرانسیسی زبانیں اس قابل ہیں کہ اُن کے تمام امور انہی زبانوں میں انجام پاتے ہیں تو ہم محض انگریزی پر انحصار کر کے کیوں بیٹھ گئے ہیں؟ عربی مدارس کی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کو بھی تسلیم نہیں کیا جاتا، جب تک اُس کے ساتھ میٹرک تک انگریزی تعلیم نہ ہو۔ اس کے بغیر نہ فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں، نہ دفتروں میں مقام حاصل کر سکتے ہیں اور نہ محکمہ تعلیم میں تدریس کا فریضہ انجام دیا جا سکتا ہے۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے ؟ محض اغیار کی تہذیب و تمدن اور اُن کی ذہنی غلامی کا اثر ہے کہ مغلوب اقوام اپنا سب کچھ بھول کر انہی کے رنگ میں رنگی جاتی ہیں۔ یہی اجتماعی غلامی ہے جو شخصی غلامی سے بھی بدتر ہے۔

مکاتبت کے ساتھ مالی تعاون

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ تمہارے جو غلام مکاتبت اختیار کرنا چاہیں یعنی مال کے بدلے میں آزادی

حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں۔ اُن کے متعلق فرمایا فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا پس اگر تم اُن میں بہتری معلوم کرو تو انہیں مکاتبت کا حق دے دو یعنی ان کے ساتھ اس قسم کا معاہدہ کر لو کہ وہ مقررہ رقم ادا کر کے آزاد ہو جائیں۔ بہتری معلوم کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایسے غلاموں کی اچھی طرح پہچان بین کر لو اور ان کی صلاحیت کو جانچ لو کہ آزاد ہو کر اور نکاح کر کے شرافت کی زندگی بسر کریں گے یا بدکاری اور فحاشی کا سبب بنیں گے۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ آزاد ہو کر یہ معاشرے کے بہتر فرد ثابت ہوں گے تو اُن سے نہ صرف مکاتبت کا معاہدہ کر لو بلکہ وَآتُوهُمْ مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ جو مال تمہیں اللہ نے دیا ہے اس میں سے ایسے مکاتیب کو بھی ادا کرو تاکہ وہ جلد سے جلد مقررہ رقم ادا کر کے آزادی کی نعمت حاصل کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کا مالی تعاون خود مالک سے تو توقع نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسے تو یہ مال وصول کرنا ہے لہٰذا اس حکم کے مخاطب عام صاحبِ ثروت مومن ہیں کہ اس قسم کے باصلاحیت لوگ اگر غلامی کا جوا اتار پھینکنا چاہیں تو اُن کی مدد کر دو۔ یہ بھی غلامی کے خاتمے کی اللہ نے ایک صورت بیان فرمائی ہے۔

مختلف نظام ہائے معیشت

آیت کے اِن دو جملوں میں اللہ تعالیٰ نے معیشت کے اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اِس وقت پوری دنیا میں دو بڑے معاشی نظام رائج ہیں۔ ایک سرمایہ دارانہ نظام (CAPITALISM) ہے جب کہ دوسرا اشتراکی نظام (SOCIALISM) ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں شخصی ملکیت کا تصور پایا جاتا ہے۔ جو آدمی جتنا چاہے کمائے، جائداد پیدا کرے اور جتنا چاہے خرچ کرے اس پر کوئی پابندی نہیں سوائے اس کے کہ وہ حکومت کو مقررہ ٹیکس ادا کرتا ہے۔ اس نظام میں بنیادی خرابی یہ ہے کہ نہ تو اس کے ذرائع آمدنی پر جائز و ناجائز کی پابندی ہے اور نہ اس کے اخراجات پر کسی حلت و حرمت کا اطلاق ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص بدترین

قسم کا کاروبار کرتا ہے یا کوئی عورت قحبہ گری کے ذریعے دولت کمانا چاہتی ہے تو اُسے لائسنس مل جائے گا اور اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی دولت عیاشی، فحاشی، جوئے اور حرام کاری پر خرچ کرتا ہے تو بھی اس پر کوئی قدغن نہیں۔ اسوقت امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی پاکستان اور ہندوستان غرضیکہ تقریباً نصف دنیا میں یہی سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے

دوسری طرف اشتراکی نظام ہے۔ جو روس، چین اور دیگر ممالک میں رائج ہے اس میں قباحت یہ ہے کہ اس نظام میں شخصی ملکیت کا کوئی تصور نہیں بلکہ ہر چیز حکومت کی ملکیت میں ہوتی ہے۔ نہ زمین کسی کی شخصی ملکیت میں ہوتی ہے نہ مکان نہ کارخانہ اور نہ تجارت، تمام وسائل آمدنی حکومت کی تحویل میں ہوتے ہیں اور کارکن اپنی محنت کے مطابق معاوضہ پاتے ہیں یہ بھی غیر فطری نظام ہے۔ اور اس کی بنیاد بے دینی پر ہے اس نظام کے پیروکار کسی آسمانی کتاب یا شریعت کو تسلیم نہیں کرتے۔ اُن کے بقول مذہب کا سارا سلسلہ ہی باطل ہے کہتے ہیں کہ مذہب ایک قسم کی افیون ہے جو لوگوں کو قابو رکھنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

یہ دونوں نظام لعنتی ہیں اور اسلام کا معاشی نظام ہی فطرت کے عین مطابق اور صحیح ہے۔ اسلامی نظام معیشت کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کا حقیقی مالک تو خدا تعالےٰ ہے مگر اس نے عارضی طور پر انسانوں کو بھی مالک بنایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے لوگوں کو کسب صرف میں آزاد نہیں چھوڑا کہ جس طرح چاہے کمائے اور جہاں چاہے خرچ کرے، بلکہ مال کے کمانے اور اس کو خرچ کرنے پر حلت وحرمت اور جائز نا جائز کی پابندیاں بھی عائد کی ہیں۔ اسلام نے مال کو جمع کرنے پر تو کوئی پابندی نہیں لگائی بلکہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال کے حقوق ادا کرنے کا پابند ضرور بنایا ہے۔ اسلام حلال اور جائز ذرائع سے ہی مال حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے اور چوری، ڈکیتی، سمگلنگ، قحبہ گری، فوٹوگرافی

شراب فروشی اور جوئے کے ذریعے کمائی سے منع کرتا ہے۔ اس طرح اسلام اخراجات کے معاملہ میں بھی صرف جائز امور پر خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ رسم و رواج، گانے، بجانے، عیاشی، فحاشی، بدکاری وغیرہ پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اللہ نے جمع شدہ مال میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے، صدقہ و خیرات کی تلقین غرباء، مساکین اور ہمسایوں کے حقوق پر زور دیا ہے۔ حج، قربانی، عمرہ وغیرہ پر خرچ کرنے کی تلقین، وصیت اور وراثت کا طریقہ بتلایا ہے اور اس طرح پوری اسلامی سوسائٹی کو نظم و ضبط کا پابند کر کے شخصی ملکیت کے حقوق بھی دیئے ہیں انسان جائز ذرائع سے مکان بنا سکتا ہے، زمین خرید سکتا ہے۔ اپنی رقم تجارت کارخانے اور کھیتی باڑی میں لگا سکتا ہے۔ اسلامی معیشت کا ایک زریں اصول یہ ہے کہ حلال کمائی میں سے مستحقین کو حصہ ادا کرو تاکہ تمہارا مال محض امراء میں ہی نہ گردش کرتا رہے بلکہ اس کا رُخ اُوپر کے طبقے سے نیچے کے طبقے کی طرف ہونا چاہیئے، تاکہ اللہ کی مخلوق کا کوئی فرد واحد بھی اپنی بنیادی ضروریات سے محروم نہ رہے۔

بہر حال سرمایہ دارانہ اور اشتراکی دونوں نظام ہائے معیشت غیر فطری اور باطل ہیں اور اسلامی نظام معیشت ہی فطری اور جائز ہے۔ آج دنیا کی اقتصادی بدحالی کا علاج صرف اسلامی نظام میں مضمر ہے۔ آیت ہذا کے اس جملے سے یہ ساری بات واضح ہوتی ہے۔

قحبہ گری کی ممانعت

زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے ناجائز کمائی کرواتے تھے۔ مدینے کے منافقوں میں عبداللہ بن ابی کی چھ سات لونڈیاں اسی کام پر مامور تھیں اور ان میں سے بعض ایمان بھی لاچکی تھیں مگر اپنے مالک کے ہاتھوں مجبور تھیں انہوں نے حضور علیہ السلام سے اس بات کی شکایت کی تو اللہ نے یہ حکم نازل فرمادیا۔ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا اگر وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہیں۔ اور تم چاہتے ہو۔

لِتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کہ اس قبیح ذریعہ سے دنیا کا سامان حاصل کر لو۔ فرمایا یہ تو بہت ہی بری بات ہے کہ تم دنیا کے مال کے لالچ میں لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے ہو۔ فرمایا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ اور جو کوئی اُن کو مجبور کریگا، تو اس کا گناہ اُس مالک پر ہوگا جو انہیں مجبور کرتا ہے حالانکہ لونڈیاں ایسا نہیں کرنا چاہتیں۔ جہاں تک اُن کی ذات کا تعلق ہے فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اُن کی مجبوری کی بناء پر اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ چونکہ لونڈیاں اس فعلِ بد سے بچنا چاہتی ہیں، اس لیے اس عمل کا گناہ اُن پر نہیں ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے انہیں معاف فرما دے گا۔

زنا کے معاملہ میں مسئلہ یہی ہے کہ اگر کسی کو مجبور کر کے بدفعلی کی جائے تو مجبور پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ زبردستی کی۔ جب معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو اُس عورت نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ اس پر آپ نے اُس عورت کو چھوڑ دیا۔ پھر متعلقہ مرد کو بلایا گیا۔ اُس نے اِس حرکت کا اقرار کیا تو اُس پر حد جاری کر دی گئی۔ بہرحال قحبہ گری ہو یا زبردستی کا معاملہ، اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت مذمت بیان فرمائی۔ فرمایا كَسْبُ الْبَغِيِّ خَبِيْثٌ بدکاری کے نتیجہ میں حاصل ہونے والا مال قطعاً خبیث یعنی حرام ہے۔

قانون کی پابندی

اِس رکوع کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے قانون کی پابندی اختیار کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ بے شک ہم نے تمہاری طرف واضح واضح آیتیں نازل کی ہیں۔ ان سے مراد احکام قانون اور دلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی راہنمائی کے لیے نازل فرمائے ہیں اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُسے قانونِ خداوندی کی سمجھ نہیں آئی۔ اسی سورۃ مبارکہ میں اللہ نے انسدادِ زنا کا قانون دیا ہے۔ قذف کی حد مقرر کی اور لعان کا طریقہ

بتایا ہے۔ پھر غض بصر کی تعلیم دے کر پردے کے احکام نازل فرمائے ہیں، پاکدامنی کی تاکید کی ہے۔ یہ تمام احکام و قوانین ایسے ہیں جو آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ اور ان پر عمل درآمد میں کوئی چیز مانع نظر نہیں آتی۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم نے تمہاری طرف بالکل واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں تاکہ تم ان پر عمل پیرا ہو کر ہر قسم کی خرابی سے بچ جاؤ۔

سابقہ واقعات بطور نصیحت

اس آیت میں اللہ نے دوسری بات یہ بیان کی ہے وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی کچھ مثالیں اور حال بھی بیان کیا ہے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یہ واقعات تمہارے سامنے بطور نمونہ ہیں تاکہ انہیں دیکھ کر اور سن کر تم عبرت حاصل کر سکو۔ ان عبرت آموز واقعات میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اتہام ہے جو منافقین نے لگایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی بریت فرمائی۔ بالکل اسی قسم کا واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔ جب زلیخا نے آپ پر زیادتی کا الزام لگایا مگر زلیخا کے خاندان کے ایک بچے نے آپ کی پاکدامنی کے حق میں بیان دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش پر حضرت مریمؑ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا اور انہیں بدکاری کے جرم میں مہتم کیا گیا مگر خود عیسیٰ علیہ السلام نے بول کر آپ کی بریت کر دی۔ بہرحال ناجائز طور پر تہم کرنے کی یہ مثالیں تاریخ عالم میں موجود ہیں جن کی طرف اشارہ کر کے اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے سامنے سابقہ لوگوں کی کچھ مثالیں اور واقعات بھی بیان کیے ہیں جن میں عبرت کا سامان ہے۔ نیز وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ اور متقیوں کے لیے نصیحت بھی ہے۔ اس قانونِ زنا و قذف کے ذریعے لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ خبردار! کسی بےگناہ پر تہمت نہ لگانا۔ اگر ایسا کرو گے تو قانون کی رُو سے سزا کے مستحق ٹھہرو گے جس سے دنیا میں رسوائی ہو گی اور اگر توبہ نہیں کرو گے تو آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو گے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نور ہے آسمان کا اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہو جس میں ایک چراغ ہو۔ اور چراغ شیشے میں رکھا ہوا ہو۔ اور شیشہ بھی ایسا چمکیلا گویا کہ وہ ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے۔ جس کو جلایا جاتا ہے ایسے تیل سے جو زیتون کے مبارک درخت سے حاصل کیا گیا ہو، جو نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف۔ قریب ہے کہ اس کا تیل چمک اٹھے اگرچہ نہ پہنچے اس کو آگ، روشنی پر روشنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اپنی روشنی کے لیے جس کو چاہے۔ اور بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۳۵﴾

ربطِ آیات اِس سورۃ میں پہلے اللہ نے حدود کا ذکر کیا، پھر واقعہ افک بیان ہوا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے نظامِ عفت و عصمت کے مختلف قوانین بیان ہوئے۔ دوسروں کے

گھروں میں جانے کے آداب بیان ہوئے، غیر محرموں اور اجنبیوں سے ملاقات کے وقت نظریں نیچی رکھنے کا حکم ہُوا، عورتوں کے لیے پردے کے خصوصی احکام دیے گئے کہ وہ اپنی زیب و زینت کو محرموں کے علاوہ کسی پہ ظاہر نہ کریں۔ پھر اللہ نے نکاح کرنے کی ترغیب دی تاکہ سوسائٹی میں بدکاری کا سلسلہ پیدا نہ ہو۔ اور نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو معاشرے میں پاکدامن بن کر رہنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد مکاتبت کا قانون بیان ہُوا۔ کہ اس معاملہ میں غلاموں کے ساتھ مالی تعاون کرو۔ جو لوگ اپنی لونڈیوں سے بدکاری کے ذریعے مال کمانا چاہتے تھے اُن کی مذمت بیان ہوئی۔ پھر اللہ نے نصیحت کے طور پر فرمایا کہ ہم نے تمام واضح احکام نازل کر دیے ہیں اور پہلے لوگوں کی بعض مثالیں بھی پیش کی ہیں جن میں تمہارے لیے عبرت اور نصیحت کا سامان ہے۔

مشکل ترین آیت

آج کی آیتِ نور قرآنِ پاک کی مشکل ترین آیت سمجھی جاتی ہے۔ جس میں اللہ نے اپنے آپ کو آسمانوں اور زمین کا نور قرار دے کر اُسے ایک مثال کے ذریعے سمجھایا ہے۔ قرآنِ پاک میں کئی ایک چیزوں کو نور کا نام دیا گیا ہے مثلاً قرآنِ پاک کے متعلق فرمایا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (النساء - ۱۷۵) گویا قرآن کو نور کہا گیا ہے۔ پھر آسمانی کتابوں تورات اور انجیل کو بھی نور کہا گیا ہے۔ جیسے ارشاد ہے اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (مائدہ، ۴۴) اسی طرح انجیل کے متعلق فرمایا وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ (مائدہ ۔ ۴۶) حدیث[1] میں نماز کو بھی نور کہا گیا ہے اَلصَّلٰوةُ نُوْرُ الْمُؤْمِنِ (ابن ماجہ) ہدایت کو بھی نور کہا گیا ہے اور اس کے برخلاف کفر، شرک، بدعت، گمراہی اور برائیوں کو ظلمت اور تاریکی کا نام دیا گیا ہے۔

اِس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی ایک مثال بیان فرمائی ہے جس کا سمجھنا انتہائی مشکل ہے اور اس کے لیے بڑی کاوش کی ضرورت ہے

---

[1] ابن ماجہ ص۳۱ و تفسیر مظہری ص۳۰۵ ج۶، و کنز العمال ص۲۰۶ ج ۷ (فیاض)

امام غزالیؒ نے اِس آیت کی تشریح میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام مشکوٰۃ الانوار ہے۔ شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں ایک رسالہ موسومہ تفسیر آیت نور لکھا ہے۔ اس رسالہ میں پچیس مختلف تفسیریں بیان کی گئی ہیں۔ امام رازیؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے بھی اس آیت کی تشریح میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اللہ نے اپنے آپ کو آسمانوں اور زمین کا نور فرمایا ہے۔ اُدھر سورج اور چاند کا اپنا نور ہے، آگ کا بھی نور ہے مگر یہ سارے نور حادث ہیں جو اللہ نے پیدا کیے ہیں مگر اللہ نور قدیم ہے۔ چنانچہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس نور کو اللہ نے اپنی طرف منسوب کر کے آسمانوں اور زمین کا نور فرمایا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ مفسرین کرام نے اپنے اپنے طریقے پر اس کی تشریح بیان کی تاکہ اس کا مطلب ہمارے ذہنوں کے قریب آسکے۔

شاہ ولی اللہ کی تفسیر

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے فارسی ترجمہ قرآن فتح الرحمان اور اصول تفسیر کی کتاب الفوز الکبیر میں اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں نور سے مراد ہادی لیا ہے۔ اور مطلب یہ نکالا ہے کہ اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ اہل سماوات اور اہل ارض کو، پھر فرماتے ہیں مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اُس کے نور کی مثال ایک طاق کی ہے جس میں چراغ ہو۔ اس سے مراد اللہ کی دی ہوئی ہدایت اور روشنی ہے جو مومن کے دل میں ہے۔ یہ تو اللہ کے نور کی تشبیہ ہے اور اصل بات یہ ہے کہ جب عبد مومن طہارت اور خدا تعالیٰ کی عبادت پر مواظبت کرتا ہے تو اُس کے اندر یہ نور پیدا ہوتا ہے اور اس کی مثال اس چراغ کے ساتھ دی ہے جس کی روشنی نہایت ہی چمکدار ہے۔ پھر اس میں جلائے جانے والے تیل کی تعریف کی ہے اور اس کی شفافیت کا ذکر کیا ہے۔ تو اس طریقے سے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں نور سے مراد ہادی اور راہنما ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اسی قسم کی تفسیر منقول ہے۔ کہ انہوں

[1] یہ رسالہ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نے شائع کیا ہے۔ (فاضل)

نے نور سے مراد ہادی لیا ہے یعنی خدا تعالیٰ زمین و آسمان والوں کے لیے ہادی اور راہنما ہے، پس وہ اللہ کے دیئے ہوئے نور کے ساتھ ہی حق کی طرف ہدایت پاتے ہیں، اور اس ہدایت کے ذریعے وہ گمراہی کی حیرت سے نجات پاتے ہیں۔ گویا اس نور سے وہی نور مراد ہے جس کے ذریعے مومن آدمی خدا تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے فرمودات کی تصدیق کی طرف راہنمائی حاصل کرتا ہے اور یہ نور مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ مومن کے دل میں تو پہلے سے ہی علوم و معارف اور اطمینان کا نور ہوتا ہے، پھر جب اس کے پاس باہر سے کتاب و سنت کا علم آتا ہے تو اس کی روشنی بہت بڑھ جاتی ہے۔ جسے نورٌ علیٰ نور کا نام دیا گیا ہے۔ گویا ایک قلب کا نور ہے اور دوسرا قرآن و سنت کا، مومن کے دل کے ابتدائی علوم و معارف کی بناء پر ہی حضور علیہ السلام کا فرمان ہے[1]۔ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَنَفْسَكَ وَاِنْ اَفْتَاكَ الْمُفْتُوْنَ اگرچہ مفتی لوگ تمہیں فتویٰ دیں مگر پہلے تم اپنے قلب اور نفس کے اطمینان کی حالت کو دیکھو اور اس سے دریافت کرو کہ وہ کیا کہتا ہے۔

ابی ابن کعبؓ کی تفسیر

حضرت ابی ابن کعبؓ فرماتے ہیں کہ مشکوٰۃ سے مراد سینہ ہے، اور مصباح سے مراد قرآن اور شیشے سے مراد مومن کا دل ہے۔ مطلب یہ کہ مردِ مومن کا قلب شیشے کی طرح شفاف ہے اور اس کے سینے میں قرآنِ کریم کا چراغ روشن ہے۔ فرماتے ہیں کہ مومن میں چار خصلتیں پائی جاتی ہیں (۱) جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت حاصل ہو تو شکر ادا کرتا ہے (۲) اگر کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو صبر سے کام لیتا ہے (۳) جب وہ فیصلہ کرتا ہے تو عدل سے کرتا ہے۔ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔ اور (۴) جب بات کرتا ہے تو ہمیشہ سچائی کی بات کرتا ہے، جھوٹ، فریب اور کذب بیانی کو قریب نہیں آنے دیتا۔ ایسا شخص نورٌ علیٰ نور پر ہے اور وہ پانچ قسم کے انوار سے منور ہوتا ہے۔ اس کا کلام بھی ہوتا ہے اور عمل بھی۔ اس کا کسی جگہ

[1] مظہری ج ۶ صفحہ ۵۳۱ (فیاض)

داخل ہونا بھی نور ہوتا ہے۔ اور خارج ہونا بھی نور ہوتا ہے۔ اور پانچویں بات یہ کہ اُس کا چلنا بھی بالانتہا نور کی طرف ہوگا یعنی قیامت والے دن وہ شخص جنت کی طرف چلے گا جو مقامِ نور ہے۔ گویا ایسے شخص کو ہر طریقے سے نور ہی نور حاصل ہے۔ اس تفسیر کو امام ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ امام ابُوبکر جصاصؒ پہلے نور سے مراد نورِ توحید اور نورِ ایمان لیتے ہیں جو مومن کے دل میں پایا جاتا ہے اور دوسرے نور سے قرآن مراد لیتے ہیں۔ اور اس طرح قرآن و سنّت کی صورت میں آنے والا بیرونی نور، نورِ قلب میں اضافہ کا باعث بنتا ہے

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح کی تفسیر

صاحبِ تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہؒ فرماتے ہیں کہ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں نور اللہ تعالیٰ کا اسمِ پاک اور اُس کی صفت بھی ہے۔ اللہ کے اسمائے پاک میں نور اور ہادی کے اسماء آتے ہیں۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ یہاں پر لفظ نور فاعل کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اَللّٰهُ مُنَوِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ نے آسمان اور بلندی کو سورج، چاند اور ستاروں کے ذریعے قائم کیے جانے والے نظامِ شمسی کے ذریعے روشن کیا ہے۔ اور زمین کی روشنی سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام، پھر ملائکہ اور پھر ایمان والوں کے ذریعے پیدا ہوتی ہے غرضیکہ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں نور بمعنی منور آیا ہے۔

امام غزالی رح کی تشریح

امام غزالیؒ نے آیت نور کی تشریح اپنی کتاب مشکوٰۃ الانوار میں کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ نور ایک ایسی چیز ہے جو خود ظاہر ہوتا ہے اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرتا ہے اور اس مقام پر اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا موجد یعنی ظاہر کرنے والا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر چیز کا موجد اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ساری کائنات کتمِ عدم میں تھی اور عدم سے بڑھ کر کوئی تاریکی نہیں۔ پھر اللہ نے عدم کے اندھیرے سے کائنات کو ظاہر کیا، اس کو وجود بخشا اور وجود نور

ہی ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری کائنات خدا تعالیٰ کے وجود کا عکس ہے اس طرح اللہ ہی حقیقت میں آسمانوں اور زمین کی ہستی کا موجد یعنی اس کو ظاہر کرنے والا ہے۔ فرماتے ہیں کہ کائنات کا وجود دو عدموں کے درمیان ہے۔ کائنات کی تخلیق سے پہلے بھی عدم تھا اور اس کے فنا ہو جانے کے بعد بھی عدم ہوگا، اور جو چیز دو عدموں کے درمیان ہو وہ معدوم ہی سمجھی جاتی ہے۔ تو اس لحاظ سے کائنات کا کوئی وجود نہیں کیونکہ یہ بالکل عارضی ہے اور فنا ہو جانے والی ہے۔ حقیقت میں وجود صرف ذات خداوندی کا ہے جو لازوال ہے بہر حال امام غزالیؒ نے نور کو موجد کے معنیٰ میں لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو ظاہر کرنے والا ہے، تاہم عام مفسرین نے نور کا معنیٰ ہادی کیا ہے کہ آسمانوں اور زمین والوں کی راہنمائی کرنے اور ہدایت دینے والا اللہ ہی ہے۔

نور بطور مدح: عربی زبان میں نور مدح کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے اور اس سے مراد قبیلے کا سردار ہوتا ہے۔ مثلاً کسی قبیلے کا سردار اپنی قوم پر فخر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّا نُوْرُ قَوْمٍ وَاِنَّمَا

یُبَیِّنُ فِی الظَّلْمَاءِ لِلنَّاسِ نُوْرُهَا

کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہم قوم کے نور یعنی راہنما ہیں اور ہم ہی لوگوں کے لیے اندھیروں میں روشنی کی شمع جلاتے ہیں یعنی مشکلات میں ہم ہی کام آتے ہیں۔ جب بھی کوئی معرکہ پیش آتا ہے تو ہم قبیلے کے فخر کو برقرار رکھتے ہیں۔ اسی طریقے سے ایک شاعر نے یہ بھی کہا ہے۔ ؎

اِذَا سَارَ عَبْدُ اللّٰهِ مِنْ مَرْوَ لَيْلَةً

فَقَدْ سَارَ مِنْهَا نُوْرُهَا وَجَمَالُهَا

جب عبداللہ کسی رات مرو سے چلا جائے تو شہر کی روشنی اور خوبصورتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہ غالباً حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آپ مرو کے رہنے والے تھے۔

اس کے علاوہ محدثین کرام نے بھی نور کی تشریح بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام جب رات کو سو کر بیدار ہوتے تو اس طرح دعائیہ کلمات ادا فرماتے اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيَّامُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الخ اے اللہ سب تعریفیں تیرے لیے ہیں تو ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور تو ہی آسمانوں اور زمین کو قائم رکھنے والا ہے۔ آپ یہ کلمات بھی ادا فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا... الخ اے اللہ میرے دل میں نور ہدایت ڈال دے، اور آنکھوں اور کانوں میں نور بنا دے۔ حضورؐ تمام اعضاء کا ذکر فرماتے کہ مولا کریم! ان کو منور کر دے۔

نور الہٰی کی مثال

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ اس کے نور کی مثال ایک طاق کی ہے فِيْهَا مِصْبَاحٌ جس میں چراغ ہو۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ چراغ شیشے کی قندیل میں ہو اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ اور قندیل چمکدار ستارے کی طرح شفاف ہو۔ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ چراغ ایسے تیل سے جلایا جاتا ہو جو زیتون کے مبارک درخت سے حاصل کیا گیا ہو۔ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ جو نہ مشرقی ہو اور نہ مغربی۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر خاص طور پر حضور علیہ السلام کے قلب مبارک کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب میں قرآن کا نور ڈالا ہے اور آپ نہ مشرق کے رہنے والے ہیں اور نہ مغرب کے بلکہ آپ کو اللہ نے عرب کے خطہ وسطیٰ میں پیدا کیا جہاں کی بود و باش مشقت طلب تھی اور اللہ نے اس خطے میں ہدایت کے سلسلے کو جاری فرمایا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے حضور علیہ السلام کا قلب مراد لیا جائے یا عام ایمان والوں کا، اس میں جس تیل کا ذکر ہے وہ بارغ کے

مشرق و مغرب کی بجائے وسطی حصے سے ہو، ظاہر ہے کہ جو تیل باغ کے بیرونی گرم حصوں سے لیا جائے وہ اتنا لطیف نہیں ہو گا جتنا باغ کے وسطی حصے کے درخت سے حاصل کیا گیا ہو۔ اس لیے فرمایا کہ چراغ کو ایسے درخت کے تیل سے روشن کیا گیا ہو جو نہ شرقی ہو اور نہ غربی۔ اور وہ تیل اتنا شفاف اور لطیف ہو گا یَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ قریب ہے وہ چمک اٹھے اگرچہ آگ اس کو چھوئے بھی نہ۔ گویا اس تیل میں جل اٹھنے کی اتنی صلاحیت ہو کہ وہ بغیر آگ دکھائے جل اٹھے۔

چراغ کے ساتھ تشبیہ کیوں؟

امام ابوبکر محمد ابن عبدالقادر رازیؒ نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ کے ساتھ کیوں دی ہے۔ حالانکہ اس کے مقابلے میں سورج لاکھوں کروڑوں درجے زیادہ چمکدار اور روشن ہے۔ پھر خود ہی بیان کرتے ہیں کہ نور ایمان اور توحید مومن کے قلب میں ہوتا ہے، قلب سینے میں اور سینہ انسان کے جسم میں ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے چراغ کی مثال ہی زیادہ موزوں ہے کہ چراغ ایک شیشے میں ہے اور شیشہ طاق میں رکھا ہوا ہے۔ یہ تشبیہ سورج کے ساتھ کسی طرح بھی موزوں نہیں ہو سکتی۔ دوسری وجہ یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح چراغ جلانے کے لیے تیل، بتی اور قندیل وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح نورِ قلب کے لیے بھی ذہن، فہم، بیداری اور انشراح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے بھی نور ایمان کو چراغ کے ساتھ ہی زیادہ مناسبت ہے کیونکہ سورج میں یہ لوازمات نہیں پائے جاتے۔

اس تشبیہ کی تیسری وجہ یہ بھی ہے کہ سورج کی روشنی کا رخ عالم زیریں کی طرف ہوتا ہے جب کہ نور معرفت کا رخ عالم بالا کی طرف ہوتا ہے۔ چراغ کی روشنی کا رخ بھی چونکہ اوپر کی طرف ہوتا ہے۔ اس لیے چراغ کی مثال بیان کی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سورج کی روشنی تو صرف دن کے وقت ہوتی ہے۔ چونکہ نور معرفت بھی دن رات جاری رہتا ہے، اس لیے اس کی چراغ کے

ساتھ زیادہ مشابہت ہے۔ اس تشبیہ کی پانچویں وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سورج کی روشنی اور گرمی تو مومن کافر، ملحد سب کے لیے یکساں مفید ہے۔ جب کہ نور معرفت خواص کو حاصل ہوتا ہے چونکہ چراغ کی روشنی بھی عام کے لیے نہیں بلکہ خواص کے لیے ہوتی ہے، اس لیے نور کو چراغ کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

بعض کہتے ہیں کہ نورِ الٰہی کو چراغ کی بجائے شمع کے ساتھ تشبیہ دینی چاہیئے تھی، مگر امام ابوبکر بن عبدالقادر رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ نسبت بھی مناسب نہیں کیونکہ شمع میں روشنی والے اصل مادہ کے علاوہ ملاوٹ بھی ہوتی ہے۔ جب کہ نورِ ایمان کسی ملاوٹ سے بالکل پاک ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ شمع کا نوری جلانا صرف اغنیاء کا کام ہے جس میں غرباء کو حصہ نہیں ملتا۔ اس کے برخلاف نورِ معرفت زیادہ فقرا کے حصے میں آتا ہے، اس لیے بھی شمع کے ساتھ تشبیہ موزوں نہیں ہے۔

قلب کی حالت

مسند احمد میں ابوسعید خدریؓ سے روایت بیان کی گئی ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قلوب چار قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کو قلبِ اجرد کہا جاتا ہے، جو بالکل صاف شفاف ہوتا ہے اور جس میں نورِ ایمان کا چراغ روشن ہوتا ہے یہ مومن کا قلب ہے دوسری قسم کا قلب بند قلب ہوتا ہے اور جس پر غلاف چڑھا ہوتا ہے، یہ کافر کا دل ہے جس میں ہدایت کی کوئی چیز داخل نہیں ہوتی۔ تیسرا قلب الٹا ہے جو منافق کا ہے۔ وہ حقیقت کو دل سے تسلیم نہیں کرتا، بلکہ پہچان کر پھر انکار کر دیتا ہے۔ چوتھا دلِ پہلودار ہے۔ اس کے کئی پہلو ہیں، کسی میں ایمان ہے اور کسی میں نفاق ہے۔ ایمان کی مثال ایک پاکیزہ پودے کی ہے جسکو پانی ملتا ہے تو وہ نشوونما پاتا رہتا ہے اور خوب پھیلتا پھولتا ہے اس کے برخلاف نفاق کی مثال ایک پھوڑے کی ہے جس میں خون اور پیپ دو قسم کے مادے پائے جاتے ہیں۔ اگر خون غالب آجائے تو آدمی صحت یاب ہو جاتا ہے اور اگر پیپ غالب آجائے تو وہ مہلک ثابت ہوتی ہے، منافق کا دل بھی ایسا ہی ہے۔ اگر اس میں ایمان کو غلبہ ہو جائے تو وہ ایماندار بن جاتا ہے اور اگر نفاق

غالب آجائے تو کافر ہو جاتا ہے ۔

شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تفہیمات الٰہیہ میں بیان کیا ہے کہ اس مقام پر قلب سے مراد قلب محمدی بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اللہ نے سب سے زیادہ روشنی اسی قلب میں رکھی ہے ۔ تاہم عام مومنین کے قلوب بھی مراد ہو سکتے ہیں ۔ آپ نے اپنی کتاب سطعات میں لکھا ہے کہ اگر کج فہمی مانع نہ ہو تو میں یہ کہوں گا کہ یہاں بیان کردہ مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے طلسم الٰہی کو ظاہر کیا ہے ۔ اس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ربط یا تعلق کائنات کے ساتھ کس طرح ہے ۔ فرماتے ہیں کہ ساری کائنات ایک شخص واحد کی طرح ہے جس کے اندر تجلی اعظم کارفرما ہے ۔ یہ تجلی سب سے پہلے حظیرۃ القدس کے مقام پر اترتی ہے ۔ پھر یہ عالم مثال کے ذریعے ملاء اعلیٰ اور ملاء سافل کے فرشتوں تک پہنچتی ہے ۔ عالم مثال مادی جہان اور مجرد جہان کے درمیان واقع ہے مگر اس کی نسبت مادی جہان سے کم اور مجرد جہان کے ساتھ زیادہ ہے ۔ تاہم یہ درمیان میں ایک واسطہ ہے جس کے ذریعے تجلی اعظم فرشتوں تک پہنچتی ہے اور پھر فرشتوں کے ذریعے اس کا ظہور تمام کائنات پر ہوتا ہے ۔

خلاصہ کلام

بہر حال مفسرین کرام نے اس مشکل ترین آیت کی تشریح مختلف طریقوں سے بیان کی ہے ۔ میں نے ان میں سے آسان آسان باتیں ذکر کر دی ہیں ۔ ان میں سے ہادی یا منور یا موجد نور الٰہی کے آسان مطالب ہیں اور اس نور کو حضور علیہ السلام کے قلب مبارک اور عام مومنین کے قلب پر چسپاں کرنا زیادہ آسان ہے ۔

فرمایا نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ روشنی پر روشنی ہے یعنی ایک روشنی مومن کے نور ایمان اور نور توحید کی روشنی ہے اور باہر سے آنے والی قرآن و سنت کی روشنی ہے یہ مل کر نور علیٰ نور ہو جاتا ہے اور پھر یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اللہ تعالیٰ اپنے نور کے لیے جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے ۔ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اور لوگوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں بھی بیان کرتا ہے وَاللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۔ کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے ۔

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ
يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ
تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ
الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾
لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

ترجمہ :- (یہ روشنی) اُن گھروں کے اندر ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اُن کو بلند کیا جائے اور اُن کے اندر اُس (اللہ) کا ذکر کیا جائے۔ تسبیح کرتے ہیں اُس (اللہ) کے لیے اِن گھروں میں صبح اور پچھلے پہر ﴿۳۶﴾ ایسے مرد کہ نہیں غافل بناتی اُن کو تجارت اور نہ بیچنا، اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے۔ وہ خوف کھاتے ہیں۔ اُس دن سے کہ پلٹ جائیں گے اُس میں دل اور آنکھیں ﴿۳۷﴾ تاکہ بدلہ دے اُن کو اللہ تعالیٰ بہتر کاموں کا جو انہوں نے کیے ہیں اور زیادہ دے اُن کو اپنے فضل سے، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے ﴿۳۸﴾

ربطِ آیات

قرآن پاک کے بارے میں ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے نور کا ذکر کیا گیا اور اُس کی مثال بھی اللہ نے بیان فرمائی۔ اُس نور کے متعلق مختلف مفسرین نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ میں نے کل کے درس میں عرض کر دیا تھا۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مساجد کا ذکر کیا ہے۔

اِن آیات کا سابقہ آیت کے ساتھ ربط یہ ہے کہ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس نور کا ذکر فرمایا ہے وہ زیادہ تر اللہ کی مساجد میں عبادت و ذکر کی وجہ سے مومن کے قلب میں جاگزیں ہوتا ہے۔

مساجد میں ذکر الٰہی

ارشاد ہوتا ہے فِیْ بُیُوْتٍ وہ روشنی اللہ تعالیٰ کے گھروں میں پائی جاتی ہے اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان گھروں کو بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے۔ ان گھروں سے مراد اللہ کی مسجدیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور روشنی زیادہ تر انہی گھروں سے حاصل ہوگی جن کو بلند کرنے اور ان میں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ان مسجدوں میں اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ صبح اور پچھلے پہر یہی اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے جو اللہ کے ان گھروں کا حق ہے۔ اگلی آیت میں ان لوگوں کی صفات بیان کی گئی ہیں جو مساجد میں ذکر الٰہی کا اہتمام کرتے ہیں۔

مساجد کی تعمیر

اس آیت کریمہ میں مساجد سے متعلق تُرْفَعَ کا لفظ قابل توجہ ہے اللہ نے اپنے گھروں کو بلند کرنے کا حکم دیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے دو چیزیں مراد ہیں۔ ایک مسجدوں کی تعمیر اور دوسری ان کی صفائی۔ جہاں تک مساجد کی تعمیر کا تعلق ہے، حضور علیہ السلام نے اس کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے مساجد کی تعمیر کو اہل ایمان کی ایک علامت کے طور پر بیان کیا ہے۔ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (آیت - ۱۸) بیشک مسجدوں کو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی ہے اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاھَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْھَدُوْا لَہٗ بِالْاِیْمَانِ جب تم کسی شخص کو مسجد کی دیکھ بھال کرتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ حضرت عثمانؓ نے مسجد نبوی کو از سر نو تعمیر کیا تو بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ مسجد کو اسی طرح رہنے دیا جاتا جیسا حضور علیہ السلام

لہ قرطبی ص ۲۶۹ ج ۱۲ (فیاض)

کے زمانہ میں تھی۔ آپ خاموش رہے۔ پھر جب اصرار بڑھا۔ تو آپ نے فرمایا، تم لوگ مسجد کی تعمیرِ نو پر اعتراض کرتے ہو حالانکہ میں نے خود حضور علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے سُنا ہے مَنْ بَنٰی لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ (صحیحین) جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔ فرمایا جہاں تک تعمیرِ نو پر اخراجات کا تعلق ہے، تو میں کسی سے چندہ نہیں مانگتا بلکہ اپنے حلال مال سے مسجد کی تعمیر کر رہا ہوں۔ حضرت عثمانؓ تاجر پیشہ تھے اور اللہ نے آپ کو بڑی دولت سے نوازا تھا۔ چنانچہ آپ نے مسجد کی تعمیر کے لیے بہترین کاریگروں کی خدمات حاصل کیں۔ برصغیر سے ساگوان کی لکڑی منگوا کر استعمال کی جو زیادہ خوبصورت اور دیرپا ہوتی ہے، حضرت عثمانؓ نے اپنے بارہ سالہ دورِ خلافت میں بیت المال سے ایک پیسہ بھی وظیفے کے طور پر وصول نہیں کیا، بلکہ اپنے ذاتی اخراجات اپنے ذاتی مال سے پورا کرتے رہے، البتہ خلافت کے امور کے لیے خرچہ بیت المال سے کرتے تھے، بہر حال جب حضرت عثمانؓ نے یہ حدیث لوگوں کو سنائی تو لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب کسی شخص کا ذاتی مکان گر جائے تو وہ اُسے اچھی طرح تعمیر کیے بغیر نہیں رہتا تو یہ تو اللہ کا گھر ہے، اس کی تعمیر اچھے طریقے سے کیوں نہ کی جائے۔

مساجد کی طہارت

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ مساجد کی بلندی میں دوسری چیز ان کی طہارت ہے۔ جب کوئی مسجد تیار ہو جائے، مسلمان اس میں نماز ادا کرنے لگیں تو پھر اس مسجد کی طہارت و صفائی بھی ضروری ہے۔ مسجدوں کو ہر قسم کی غلاظت سے پاک صاف رکھنا ضروری ہے حتیٰ کہ بیہودہ باتوں اور بیہودہ کاموں سے بھی مسجد کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔ ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے کہ جو کوئی مسجد کی طہارت کا خیال نہیں رکھ سکتا۔ اُسے مسجد میں جانے سے روک دینا چاہیئے۔ چھوٹے بچے یا مجنون آدمی کو مسجد کے آداب کا کچھ علم نہیں ہوتا اور ان کے بول و براز کرنے کا بھی احتمال ہوتا ہے، لہٰذا ان کو مسجد میں نہ جانے دیا جائے۔ ہاں جب بچہ پانچ

لہ بخاری ص۶۴ ج۱ و مسلم ص۲۰۱ ج۱ (فیاض)

سات سال کا باشعور ہو جائے۔ تو پھر بے شک مسجد میں جائے۔ مطلب یہ کہ مسجد کی طہارت کا ہر حال میں اہتمام ہونا چاہیئے۔ ابو داؤد شریف کی روایت میں آتا ہے کہ گھر میں نماز کے لیے مخصوص جگہ کو بھی پاک صاف رکھنا چاہیئے۔ وہاں کسی قسم کی گندگی نہ پھینکی جائے تاہم مساجد کی صفائی کا اہتمام تو بطور خاص ہونا چاہیئے۔ تھوک اگرچہ ناپاک نہیں ہے مگر اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا مسجد میں تھوک گرانے کی بھی اجازت نہیں ہے

حقیقت میں مساجد میں وہی کام ہونے چاہئیں جن کے لیے وہ تعمیر کی جاتی ہیں وہاں پہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اُس کی عبادت ہونی چاہیئے مساجد کو حصول علم کا ذریعہ بننا چاہیئے۔ اگر یہ حقیقی مقاصد حاصل نہ ہوں تو پھر ظاہری ٹیپ ٹاپ کی وجہ سے مسجدیں آباد کہلانے کی مستحق نہیں ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى (ابو داؤد) تم بھی مسجدوں کی ایسی ہی ٹیپ ٹاپ کرو گے یعنی اُن کو مزین کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں کو کیا۔ بہر حال مسجد کی ظاہری نمود و نمائش کو اتنا پسند نہیں کیا گیا۔ جتنا اس کی حقیقی آبادی کو پسند کیا گیا ہے کہ اُن میں اللہ کی عبادت و ریاضت کی جائے۔

آدابِ مساجد

آداب مساجد کے متعلق حضور علیہ السلام نے بہت سی توضیح فرمائی ہے۔ مثلاً مسجد میں آکر سلام کرنا اس کے آداب میں ہے۔ جب کوئی شخص مسجد میں آئے تو اگر مکروہ وقت نہیں تو دو رکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھے کہ یہ بھی مسجد کے آداب میں سے ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[2] ہے اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ (صحیحین) جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ اگر بیٹھنے کے بعد پڑھو گے تو ثواب میں کمی آجائے گی۔

یہ بھی آداب مسجد میں داخل ہے کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کو مسجد میں خرید و فروخت کرتا دیکھو تو یوں کہو لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ (ترمذی شریف) اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں تمہیں نفع نہ دے فقہائے کرام

---

[1] ابو داؤد ص۱۷ [2] بخاری ص۶۳ و مسلم ص۲۴۸ [3] تفسیر ابن کثیر ص۲۹۳ ج۳ (فیاض)

فرماتے ہیں کہ اگر معتکف آدمی کا کوئی کارندہ موجود نہ ہو تو وہ لین دین کی زبانی بات چیت کرسکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں کھلا ہتھیار، تیر، تلوار، نیزہ وغیرہ لے کر آنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ یہ بھی سوء ادب میں داخل ہے۔

اگر مسجد سے باہر کوئی انسان، جانور، مال و متاع گم ہو جائے تو اس کا اعلان مسجد میں کرنا خلاف ادب ہے۔ حضور علیہ السلام نے سختی سے منع فرمایا ہے، اگر کوئی شخص گمشدگی کا اعلان کرتا ہے تو اس طرح بددعا کرو وَلَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَا تُبْنَ لِهٰذَا (مسلم شریف) اللہ تعالیٰ تمہاری اس چیز کو واپس نہ لوٹائے، مسجدیں اس کام کے لیے تو نہیں بنائی گئیں۔ البتہ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر مسجد کے اندر کوئی چیز گم ہو جائے تو اس کا اعلان ایک دو وصف تک کر لینے کی اجازت ہے آج کل مسجد کے لاوڈ سپیکر پر گمشدگی کے اعلان کا عام رواج ہو گیا ہے۔ چونکہ یہ اعلان مسجد کے اندر سے کیا جاتا ہے، اس لیے درست نہیں۔ ہاں اگر اعلان کی جگہ اور لاوڈ سپیکر کے ہارن مسجد سے باہر ہوں تو پھر ایسا اعلان کیا جا سکتا ہے، عام طور پر دارالعلوم دیوبند میں طلبا کی بعض چیزیں قلم، کتاب وغیرہ گم ہو جاتی تھیں، ہمارے زمانے میں وہاں کے ایک بزرگ "بڑے میاں" تقریباً ہر نماز کے بعد دروازے سے باہر کھڑے ہو کر اعلان کیا کرتے تھے کہ اگر کسی کا پن، گھڑی یا کتاب وغیرہ گم ہو گئی ہے تو وہ نشانی بتا کر لے سکتا ہے۔ مطلب یہ کہ مسجد میں گمشدگی کا اعلان نہیں ہونا چاہیئے۔

مسجد میں دنیا داری باتیں کرنا بھی خلاف ادب ہے۔ ہمارے استاد شیخ الفقہ والادب مولانا محمد اعزاز علی صاحب مسجد میں کسی کو گفتگو کرتے پاتے تو خاموشی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مسجد سے باہر لے آتے اور کہتے کہ گفتگو کرنا ہے تو یہاں کرو، مسجد میں فضول باتیں کرنا مکروہات میں داخل ہے۔ اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

اس کے علاوہ مسجد میں کسی خاص جگہ پر بیٹھنے کے لیے جھگڑا کرنا بھی مسجد کے آداب کے خلاف ہے، جو آدمی پہلے آ کر کسی جگہ پر بیٹھ گیا، اُسے وہاں سے مت اٹھاؤ، مسجد میں آواز بلند کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا ہے

لہ بحوالہ قرطبی صـ ۲۸۲/۱۲ (فیاض)

وَرَفْعَ اَصْوَاتِكُمْ (ابن ماجہ) کہ تم مسجدوں میں اپنی آوازیں بلند کرو۔ اگلی صف میں جانے کے لیے گردنیں پھلانگنے سے بھی منع کیا گیا ہے بلکہ جہاں جگہ ملے بیٹھ جاؤ۔

یہ بھی مسجد کے آداب میں ہے کہ نمازی کے آگے سے نہ گزرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان[1] ہے کہ اگر کسی کو پتہ چل جائے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے میں کتنا گناہ ہے تو وہ چالیس سال تک اپنی جگہ پر کھڑے رہنے کو پسند کرے بجائے اس کے کہ نمازی کے آگے سے گزر جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم[2] نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے آگے سے گزرنا چاہتا ہے تو اُسے ہاتھ کے اشارے سے روک دو۔ اگر پھر بھی وہ باز نہیں آتا تو وہ شیطان کا بھائی تصور ہوگا۔ مسجد میں بیٹھ کر انگلیاں چٹخانا اور بدن کے کسی حصے کے ساتھ کھیلنا بھی خلافِ ادب ہے۔

مساجد کا ادب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان میں اللہ کا ذکر کثرت سے کیا جائے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[3] ہے اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا (ترمذی شریف) جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو وہاں چر چگ لیا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا حضورؐ! جنت کے باغ کون سے ہیں اور وہاں سے کھانے پینے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ مسجدیں جنت کے باغ ہیں اور وہاں سے کھانا پینا اللہ کا ذکر، تسبیح و تحمید ہے۔ ان اذکار کا صلہ تمہیں جنت میں بہترین پھلوں کی صورت میں ملے گا۔ جو شخص اخلاص کے ساتھ ایک دفعہ سبحان اللہ کہتا ہے اس کے لیے جنت میں ایک پھلدار درخت لگا دیا جاتا ہے۔ یہ سب آداب مساجد ہیں جن کا خیال کرنا چاہیئے۔

مومن مردوں کی صفات

پہلی آیت میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے گھروں میں صبح و شام تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اب دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے رِجَالٌ وہ ایسے مرد ہیں لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ جنہیں تجارت اور فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتیں۔ تجارت میں خرید و فروخت دونوں چیزیں آتی ہیں مگر اللہ نے فروخت کو علیحدہ بھی ذکر کیا ہے

[1] بخاری ص۷۳ ج۱ و مسلم ص۱۹۷ ج۱ و نصب الرایہ ص۹۷ ج۲ بحوالہ بزار [2] بخاری ص۷۳ ج۱ [3] ترمذی ص۵۰۵ (فیاض)

اس کے متعلق بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ تجارت سے مراد وہ کاروبار ہے جو منافع کے لیے کیا جائے اور بیع مطلق ہے اگر کوئی شخص اپنی ضرورت کے تحت اپنی کوئی چیز فروخت کرتا ہے جس سے نفع حاصل مقصود نہیں تو وہ فروخت کہلائے گی۔ اس لیے اللہ نے ان دونوں چیزوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے۔

فرمایا ایسے لوگوں کو نہ تو تجارت ذکر الٰہی سے غافل کرتی ہے وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ اور نہ ہی نماز کے قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے روکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنا کاروبار بھی جاری رکھتے ہیں اور فرائض کو بھی برابر ادا کرتے رہتے ہیں اور اس میں سستی نہیں کرتے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ پہلے درجے میں یہ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کی مدح ہے کہ ان کے ایمان اتنے پختہ تھے کہ دنیا کا کاروبار اُن کے ذکر الٰہی میں حائل نہیں ہوتا تھا۔ بعد والے لوگ تو ان کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے تاہم ایسے خدا پرست ہمیشہ رہیں گے جن کے تعلق باللہ میں کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی اور وہ کاروبارِ دنیا کے ساتھ ساتھ ذکر و فکر میں بھی مصروف رہیں گے۔

فرمایا ان لوگوں کی دوسری صفت یہ ہے یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ کہ وہ اُس دن سے خوف کھاتے ہیں جس دن دل اور آنکھیں پلٹ جائیں گی۔ قیامت والے دن لوگ مضطرب ہو جائیں گے۔ اُن کی آنکھیں کبھی پست ہوں گی اور کبھی اوپر ٹکٹکی باندھے حیرت انگیز واقعات کا مشاہدہ کریں گی۔ اس دن دل دھڑک رہے ہوں گے اور خوف سے بے قابو ہو رہے ہوں گے۔ مطلب یہ کہ ایسے لوگ قیامت کے خوف سے ہمیشہ لرزاں رہتے ہیں۔

ان کی جزاء

فرمایا ایسے خدا پرست لوگوں کا صلہ یہ ہو گا لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کو بدلہ دے اُن کے اچھے اعمال کا جو انہوں نے انجام دیے اور زیادہ دے اُن کو اپنے فضل سے۔ اُن کے پاکیزہ عقائد، ذکر الٰہی اور آدابِ مساجد کو ملحوظ رکھنے کا یقیناً اچھا بدلہ ملے گا۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا مزید احسان بھی لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ

زِيَادَةٌ (یونس - ۲۶) بھلائی کا نتیجہ بلاشبہ اچھا نکلے گا مگر اس کے ساتھ مزید برآں بھی ملیگا جس کی تفسیر میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی تجلیات نصیب ہوں گی، اللہ تعالیٰ اتنا زیادہ عطا کرے گا جس کا انسان اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔

فرمایا وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے، خاص طور پر جنتیوں کو تو بے حساب ملے گا۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق بعض کو بے حساب دیتا ہے اور بعض کی روزی تنگ کر دیتا ہے۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (الرعد - ۲۶) اس کی حکمت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ اولین درجہ میں صحابہ کرامؓ کو ان انعامات سے نوازیں گے اور پھر ان کی اقتداء کرنے والے مومنین بھی اللہ کے ایسے ہی سلوک کے مستحق ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ
الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا وَّوَجَدَ
اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۳۹
اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰـىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ
مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ
بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ
يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝۴۰ ع ۵ / ۶

ترجمہ :۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اُن کے اعمال بیابان میں سراب کی مانند ہیں۔ گمان کرتا ہے اُس کو پیاسا انسان پانی، یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچتا ہے تو کوئی چیز نہیں پاتا۔ اور وہاں پاتا ہے اللہ تعالیٰ کو، پس وہ پورا کر دیتا ہے اُس کا حساب۔ اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب کرنے والا ہے ۝۳۹ یا (اُس کی مثال) اندھیرے ہیں گہرے سمندر میں جس کو ڈھانپتی ہے ایک موج جس کے اُوپر دوسری موج ہے۔ اور اُوپر اُس کے بادل ہیں۔ یہ اندھیرے ہیں بعض کے اُوپر بعض۔ جب نکالے وہ اپنے ہاتھ کو تو نہیں قریب کہ وہ اُس کو دیکھ سکے۔ اور جس شخص کے لیے اللہ نے کوئی نور نہیں بنایا، پس اُس کے لیے کوئی نور نہیں ہے ۝۴۰

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیت میں نورِ ہدایت کی مثال بتائی جو مومن کے دل میں ہوتا ہے اور پھر اوپر سے قرآن و سنت کی روشنی مل کر اُس نور کو کئی گنا بڑھا دیتی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مساجد کے متعلق فرمایا کہ مذکورہ نورِ ہدایت زیادہ تر انہی گھروں میں ملتا ہے۔ اللہ نے اُن گھروں کو بلند رکھنے اور ان میں کثرت سے اُس کا ذکر کرنے کا حکم دیا۔ پھر اللہ نے اہلِ ایمان کی تعریف بیان کی کہ وہ اِن پاکیزہ گھروں میں صبح اور پچھلے پہر اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اور وہ ایسے مرد ہیں کہ جن کی تجارت انہیں ذکرِ الٰہی، اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں قیامت کا خوف ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو قیامت والے دن بہترین بدلہ اور اپنی طرف سے مزید انعام واکرام بھی عطا فرمائے گا۔ اس کے بعد آج کی آیات میں اہلِ ایمان کے مقابلے میں کافروں اور مشرکوں کا حال بیان کیا ہے۔ قرآنِ پاک کا اسلوب بیان ہے کہ دونوں گروہوں کا ذکر ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اگر اخلاص والوں کا ذکر ہو تو ساتھ منافقین کا حال بیان ہوتا ہے، اور اگر اچھے لوگوں کا تذکرہ ہو تو ساتھ بُرے لوگوں کا انجام بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اس کو ترغیب اور ترہیب کا نام دیا گیا ہے، ترغیب کا معنیٰ رغبت دلانا ہے یعنی نیکوکاروں کا انجام بیان کر کے نیکی کی ترغیب دی جاتی ہے اور بُرے لوگوں کا ذکر کر کے خوف دلایا جاتا ہے۔ ترغیب و ترہیب اسلام کے دو بڑے اصول ہیں۔ تو یہاں پر اللہ نے کفار و مشرکین کے اعمال کا انجام دو مثالوں کے ذریعے سمجھایا ہے

ایمان بمقابلہ کفر

جس طرح ہر شخص کا ایمان اور اخلاص یکساں نہیں ہوتا بلکہ اس کے مختلف مراتب اور درجات ہوتے ہیں، اسی طرح کفر کے بھی مختلف مراتب ہوتے ہیں بعض کم درجے کے کافر ہوتے ہیں بعض اُس سے اُوپر درجے کے اور بعض شدید درجے کے کافر اور مخالف ہیں، اسی لیے بخاری شریف[1] میں کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ ظُلْمٌ دُوْنَ ظُلْمٍ کے الفاظ آتے ہیں۔ تو اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے شدید درجے کے کفار کی دو مثالیں اور اُن کا انجام بیان کیا ہے۔ ایمان کی طرح کفر بھی قرآن و سنت

---

[1] بخاری صفحہ ۹/۱ (فیاض)

کی اصطلاح ہے۔ کفر کا معنٰے یہ ہے کہ جس چیز کو تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا انکار کر دے اور جس چیز کو ظاہر کرنے کا حکم ہو اُس کو چھپا لے۔ جہاں پر مطلق کفر کا ذکر ہو، وہاں اللہ کی وحدانیت کا انکار مراد ہوتا ہے گویا سب سے پہلے اللہ کی وحدانیت کا انکار کیا، پھر رسالت کا انکار کیا، پھر کتب سماویہ، ملائکہ اور قیامت کا انکار کیا، خدا کی صفات کا انکار کیا، یہ سب باتیں کفر میں داخل ہیں۔

سراب کی مثال

ارشاد ہوتا ہے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا۔ اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ ان کے اعمال چٹیل بیابان میں سراب کی مانند ہیں۔ سراب چمکتی ہوئی ریت کو کہتے ہیں جو دور سے ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے پانی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہو۔ وسیع وعریض ریگستان میں جب شدید گرمی پڑتی ہے تو زمین کے نچلے طبقے کی لطیف ہوا بہت گرم ہو جاتی ہے اُس سے اُوپر کے طبقے کی نسبتاً مزید کم گرم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنا بلندی کی طرف جاتے ہیں گرمی کم ہوتی چلی جاتی ہے بہر حال نچلے طبقے کی لطیف اور شدید گرم ہوا جب اُوپر کے طبقات کی ہوا سے ٹکراتی ہے تو سطح ارضی پہ پانی کی لہریں نظر آتی ہیں حالانکہ وہ حقیقت میں ہوا ہی ہوتی ہے جو سورج کی تپش کی وجہ سے چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کو سراب کہتے ہیں۔

فرمایا يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً پیاسا آدمی اس سراب یعنی چمکتی ہوئی ریت کو پانی سمجھتا ہے اور پیاس بجھانے کے لیے اُس طرف دوڑتا ہے حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب پہنچتا ہے لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا تو وہاں کوئی چیز نہیں پاتا۔ وہ پانی نہیں بلکہ پانی کا دھوکہ ہوتا ہے۔

صحیحین کی روایت میں ہے کہ قیامت والے دن یہودیوں سے سوال ہوگا۔ کہ تم دنیا میں کس کی عبادت کرتے تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ خدا کے بیٹے عزیر علیہ السلام کی۔ اُن سے کہا جائیگا کہ تم جھوٹے ہو۔ خدا کا کوئی بیٹا نہیں اچھا بتلاؤ اب کیا چاہتے ہو؟ عرض کریں گے، مولا کریم! ہم سخت پیاسے ہیں،

ہمیں پانی پلوایا جائے۔ انہیں کہا جائے گا کہ دیکھو تم اُدھر کیوں نہیں جاتے، جہاں پانی نظر آرہا ہے، وہ اُدھر جائیں گے جہاں انہیں سراب نظر آتا ہوگا، مگر وہ جہنم کی آگ ہوگی جس پر پانی کا دھوکہ ہوتا ہوگا۔ جب وہ پہنچیں گے تو دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی یہ مثال بیان کی ہے کہ یہ لوگ دنیا میں تو کفر و شرک کا ارتکاب کرتے رہے مگر اپنے زعم باطل میں یہ سمجھتے رہے کہ انہوں نے بڑے اچھے اچھے کام کیے ہیں اور اللہ کے ہاں انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے، مگر جب قیامت والے دن خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو وہاں اپنے اعمال میں سے کچھ نہیں پائیں گے۔ جس طرح پیاسا آدمی تپتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر اس کی طرف دوڑتا ہے مگر وہاں کچھ نہیں پاتا۔ اسی طرح کفر کرنے والے قیامت کے دن اپنے اعمال کی طرف جائیں گے۔ مگر انہیں وہاں کوئی نیک عمل نہیں ملے گا وَوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ پس وہ اپنے سامنے اللہ تعالیٰ کو پاتا ہے۔ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ جو اس کا حساب پورا پورا دیتا ہے وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ اور اللہ تعالیٰ بلد حساب کرنے والا ہے۔ ایسے لوگوں کی حساب کتاب کی منزل آئے گی تو ان کے عقائد و اعمال کا فوراً حساب کر کے انہیں جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔

اعمال کا انحصار ایمان پر ہے

دراصل نیک اعمال کا انحصار ایمان پر ہوتا ہے۔ اگر ایمان موجود ہے، تو نیک اعمال بھی کارآمد ہوں گے اور اگر کوئی شخص ایمان سے خالی ہے تو اس کے مفاد عامہ کے کتنے بھی اچھے کام ہوں، ان کی کچھ حیثیت نہیں ہوگی۔ اکثر کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ دنیا میں مفادِ عامہ (PUBLIC WORKS) کے بڑے بڑے کام کرتے ہیں، ہندو سکھ بھی ایسا کرتے ہیں۔ کہیں سرائے بنا دی سکول اور کالج قائم کیے، ہسپتال بنائے، یتیم خانے قائم کیے، حتیٰ کہ بعض لوگ جانوروں اور پرندوں کی خدمت بھی کرتے رہے، چڑیوں کو دانا اور پانی پلاتے رہے

کپڑے مکوڑوں کی بلوں پر کھانے پینے کی چیزیں ڈالتے رہے۔ بظاہر یہ اچھے کام ہیں مگر ایمان کے فقدان کی وجہ سے اللہ کے ہاں یہ نامقبول ہوں گے۔ اللہ کے ہاں وہ عمل صالح مقبول ہوگا جو ایمان کے جذبے کے ساتھ انجام دیا گیا ہوگا، کیونکہ اس کا بار بار اعلان ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (البروج - ۱۱) جنت اُن لوگوں کیلئے ہے جو ایمان لائے اور پھر نیک اعمال انجام دیئے، سورۃ الانبیاء میں فرمایا فَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعْیِہٖ (آیت - ۹۴) جس شخص نے نیک عمل کیا بشرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کی کاوش کی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ عمل کی قبولیت کا دار و مدار ایمان اور اخلاص پر ہے۔ اگر عقیدہ پاک ہے تو چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی فائدہ دے گا اور اگر عقیدے میں کفر و شرک کی ملاوٹ ہے یا اس میں نفاق کا عمل دخل ہے تو اعمال کتنے بھی اچھے ہوں، خدا تعالے کے ہاں قبولیت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اُن کو اچھا سمجھنے والا بالکل اسی طرح ہے جس طرح کوئی تپتی ہوئی ریت کو پانی سمجھ کر اُس سے امید وابستہ کر لیتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عبداللہ بن جُدعان کے متعلق حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ وہ مکے کے سرداروں میں سے بڑا سخی آدمی تھا، غرباء و مساکین پر بڑا احسان کرتا تھا۔ ایک ایک مجلس میں سو سو اونٹ بخش دیتا تھا، تو کیا اس کو ان اعمال کا کچھ فائدہ آخرت میں ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں، وجہ یہ ہے[1]۔ لَمْ یَقُلْ یَوْمًا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ اُس نے زندگی بھر ایک دن بھی یوں نہیں کہا کہ پروردگار! میرے گناہ معاف کر دے، وہ شخص قیامت کا منکر تھا لہذا اُس کی بڑی سے بڑی نیکی بھی کچھ فائدہ نہیں دے گی۔ ایسے لوگوں کو ان کے کارناموں کا صلہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ رفاہِ عامہ کے کام کرنے کی وجہ سے اُن کی شہرت ہو جاتی ہے۔ مال و دولت مل جاتا ہے اولاد مل جاتی ہے مگر آخرت میں اُن کے لیے کچھ نہیں ہوتا، صحیح حدیث میں

[1] مسلم ص ۱۱۵ / ج ۱ (فیاض)

آتا ہے کہ کافروں کے اچھے اعمال کا نتیجہ عام طور پر انہیں دنیا میں ہی مل جاتا ہے، اور آخرت میں اُن کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

ظلمات کی مثال

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی مثال سراب کے ساتھ بیان کی جو دنیا میں بعض اچھے کام بھی انجام دے جاتے ہیں وہ ان نیک کاموں کا بدلہ آخرت میں چاہتے ہیں مگر وہاں وہ محروم رہیں گے۔ اب دوسری مثال اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی بیان فرمائی ہے جو نہ تو دنیا میں ایمان لائے اور نہ ہی کوئی اچھا کام انجام دیا۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کی مثال ایسی ہے اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے ہوں۔ اور پھر يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ جس کو ڈھانپ رہی ہو موج کے اُوپر موج۔ مِنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ پھر اُوپر سے بادل بھی ہو۔ گویا ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کہ اندھیرے ہیں بعض کے اُوپر بعض۔ اُوپر تلے اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ جن کی کیفیت یہ ہے اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا کہ کوئی شخص اپنا ہاتھ نکالے تو اُسے بھی نہ دیکھ سکے، گہرے سمندر کی تاریکی، پھر پانی کی موجوں کی تاریکی، اس کے اُوپر بادلوں کی تاریکی اور پھر اگر رات بھی ہو تو تاریکی در تاریکی۔ اللہ نے کافروں کے اعمال کی مثال ایسی تاریکی کے ساتھ دی ہے۔ یہ لوگ عمر بھر اندھیرے میں سرگرداں رہتے ہیں اور انہی اندھیروں میں اُن کا خاتمہ ہو جاتا ہے ؎

زادی بہ حجاب اندر میری بہ حجاب اندر ۔ (اقبالؒ)

وہ تاریکی میں ہی پیدا ہوئے اور تاریکی میں ہی چل بسے۔ پھر آگے اُن کے لیے جہنم کی تاریکی ہے جو شدید ترین ظلمت ہو گی۔ درمیان میں برزخ کی تاریکی بھی موجود ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو شخص صحیح طریقے سے نماز ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لیے قبر میں روشنی کا باعث ہو گی۔

حجاب در حجاب

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ کافروں کے لیے یہ تاریکیاں حجاب در

حجاب ہیں۔ یہ لوگ پہلے حجاب طبع میں مبتلا ہوئے۔ ہر وقت کھانا پینا، لباس مکان، دکان، سواری وغیرہ میں پھنسے رہے اور آخرت کی کوئی فکر نہ کی۔
اس سے ذرا باہر نکلے تو حجاب رسوم میں پھنس گئے۔ قوم، ملک، خاندان اور علاقائی رسم و رواج میں ڈوبے رہے۔ اُن کو اِن رسم و رواج سے ہی فرصت نہ ملتی تھی۔ لہٰذا آخرت کی فکر کے لیے تو وقت نہیں تھا۔ اس سے آگے نکلے، تو حجاب سوءِ معرفت کا شکار ہو گئے، خدا تعالیٰ کو پہچانا مگر غلط طریقے پر صحیح پہچان نہیں ہو سکی۔ کبھی شرک میں مبتلا ہوئے اور کبھی عقیدہ تشبیہ کا شکار ہو گئے۔ اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ میں کسی کو شریک کرتا ہے۔ کسی دوسرے کو بھی علیم کل، مختارِ کل، حاجت روا مشکل کشا، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان سمجھتا ہے۔ تو وہ مشرک ہے۔ اُس نے شرک کا عقیدہ اختیار کر لیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص مخلوق کی صفت خدا تعالیٰ میں مانتا ہے تو وہ عقیدہ تشبیہ میں غرق ہو گیا۔ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا اور اس طرح مخلوق کی صفت خدا تعالیٰ میں مان کر اس عقیدہ میں مبتلا ہوئے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر عقیدہ تشبیہ میں غرق ہو گئے۔ اسی طرح ہندو بھی دیوی اور دیوتاؤں کو فرزندانِ خدا یا اوتار مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا اِن میں حلول کر آیا ہے۔ یہ بھی تشبیہ کے عقیدہ میں پھنس گئے اور کافر ٹھہرے۔ غرضیکہ انسانوں پر یہ تینوں حجاب پڑے ہوتے ہیں۔ جو شخص اِن تینوں سے بچ کر نکل گیا۔ اُسے خدا تعالیٰ کی صحیح پہچان حاصل ہو جاتی ہے اور وہی کامیاب و کامران ہوتا ہے۔

منبع نور

فرمایا کافروں کے لیے ہر طرف اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ اُن کے سامنے روشنی کی کوئی کرن نہیں ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی بغاوت کی اور خدا تعالیٰ نے انہیں نور ہدایت سے محروم رکھا۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی نور نہیں بنایا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ تو اُسے کہیں سے بھی نور اور روشنی میسر نہیں آئے گی، کیونکہ اللہ تعالےٰ روشنی اس شخص کے لیے بنائے گا جس میں انصاف ہو گا اور طلب ہو گی۔ جو شخص

ضد، عناد، انکار پہ اڑا رہے گا۔ اسے کبھی روشنی نصیب نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ نور طلب کرنا چاہیئے، جو کہ دنیا اور آخرت میں فلاح کا ذریعہ بن سکے۔

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ
وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ‌ؕ كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ‌ؕ وَاللّٰهُ
عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ۚ
وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ﴿۴۲﴾ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزۡجِىۡ سَحَابًا ثُمَّ
يُؤَلِّفُ بَيۡنَهٗ ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الۡوَدۡقَ يَخۡرُجُ
مِنۡ خِلٰلِهٖ‌ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ جِبَالٍ فِيۡهَا مِنۡ
بَرَدٍ فَيُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَصۡرِفُهٗ عَنۡ مَّنۡ
يَّشَآءُ‌ؕ يَكَادُ سَنَا بَرۡقِهٖ يَذۡهَبُ بِالۡاَبۡصَارِ﴿۴۳﴾ يُقَلِّبُ
اللّٰهُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى
الۡاَبۡصَارِ﴿۴۴﴾

ترجمہ:- کیا تو نے نہیں دیکھا (اس بات کی طرف) کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے لیے تسبیح بیان کرتی ہیں جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں - اور پرندے بھی پَر کھولے ہوئے۔ ہر ایک جانتا ہے اپنی نماز اور تسبیح کو۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ﴿۴۱﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی - اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھر کر جانا ہے ﴿۴۲﴾ کیا تو نے نہیں دیکھا (اس بات کی طرف) کہ بیشک اللہ تعالیٰ چلاتا ہے بادلوں

کو ، پھر اکٹھا کرتا ہے اُن کو ۔ پھر بنا دیتا ہے ۔ اُن کو تہ بہ تہ (تونو
کی شکل میں) پس دیکھتا ہے تو کہ بارش نکلتی ہے اس کے درمیان
سے ۔ اور اتارتا ہے وہ آسمان سے یعنی پہاڑوں سے جو اُس میں
ہیں ، اولوں سے ۔ پس پہنچاتا ہے وہ ان کو جس کو چاہے ۔ اور
پھیرتا ہے انکو جس سے چاہے قریب ہے کہ بجلی کی چمک آنکھوں
کو لے جائے ۴۳ اور بدلتا ہے اللہ تعالیٰ رات اور دن کو ۔
بیشک اس میں البتہ عبرت ہے اُن لوگوں کے لیے جو
آنکھیں رکھتے ہیں ۴۴

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا ذکر کیا جو مومنوں کے دلوں میں پایا جاتا ہے ۔ اللہ نے اس کی مثال بھی بیان فرمائی ۔ پھر اللہ کے گھروں مساجد کا تذکرہ فرمایا جہاں سے متذکرہ نور حاصل ہوتا ہے ۔ اللہ نے اِن گھروں کو بلند کرنے اور انہیں پاک صاف رکھنے کا حکم دیا ، اور اُن لوگوں کی صفات بیان کیں جو مساجد میں اللہ کی عبادت اور اُس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں ۔ اللہ نے اُن کو بہتر بدلہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ۔ پھر اللہ نے نافرمان اور کفر کرنے والوں کا انجام بھی بیان فرمایا ۔ پھر کفار کی دو قسموں کا ذکر کیا ۔ ان کی ایک قسم وہ ہے ، جو رفاہِ عامہ کے کام بھی کرتے ہیں اور آخرت میں اچھے صلے کی اُمید بھی رکھتے ہیں ۔ اللہ نے فرمایا کہ ایمان اور توحید کے بغیر ایسے لوگوں کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں ۔ اِن کی طرف سے اچھے بدلے کی توقع سراب کے پیچھے بھاگنے کے مترادف ہے ۔ دوسری قسم کے کافر وہ ہیں ، جو کفر و شرک کے ساتھ ساتھ ظلم و تعدی کے کام بھی انجام دیتے ہیں اور ان کے نامۂ اعمال میں کوئی اچھا کام نہیں ہے ۔ فرمایا ایسے لوگوں کی مثال ظلمت در ظلمت کی ہے ۔ گویا کہ وہ سمندر کی تہ میں سخت اندھیرے میں پڑے ہیں ۔ اُس پر موج در موج کی تاریکی اور پھر اوپر رات کی بھی تاریکی ہے ۔ گویا ایسے لوگ سخت ترین تاریکیوں میں پڑے ہیں ۔ جن سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے ۔

خدا تعالیٰ کی تسبیح

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے عقلی دلائل بیان فرمائے ہیں اور ان میں غور و فکر کی دعوت دی ہے ارشاد ہوتا ہے اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا تم نے اس بات کی طرف دھیان نہیں کیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ اور پر کھولے یعنی اڑنے والے پرندے بھی اُسی کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں۔ آسمانوں میں ملائکہ ہیں اور بعض دوسری مخلوق بھی ہے جو خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مصروف رہتی ہے۔ اور زمینی مخلوق کا ذکر گذشتہ سورتوں میں ہو چکا ہے، کہ انسان، جانور کیڑے مکوڑے، آبی مخلوق، پہاڑ اور درخت وغیرہ سب خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ البتہ انسانوں کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے۔ جو خدا تعالےٰ کے حضور سجدہ ریز ہونے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ اگرچہ اپنے اختیار اور ارادے سے تو سجدہ نہیں کرتے مگر ان کے سائے صبح و شام سجدہ ریز ہوتے رہتے ہیں۔ تو یہاں بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اور ان دونوں کے درمیان فضا میں اڑتے والے پرندے بھی اپنے مالک کو یاد کرتے ہیں۔ فرمایا کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ یہ سب ... کے سب اپنی نماز اور تسبیح کو جانتے ہیں۔ بعض اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ ہر نوع کی مخلوق کو اُس کی تسبیح اور عبادت کا طریقہ معلوم ہے، اور ہر نوع جن الفاظ کے ساتھ اللہ کی تقدیس بیان کرتی ہے، وہ ... کو بھی جانتے ہیں، لہٰذا وہ اپنے اپنے طریقے کے مطابق تسبیح و تقدیس ... ت و ریاضت میں مشغول رہتے ہیں۔

... مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عَلِمَ کا فاعل خدا تعالیٰ کی ذات ہے ... مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نوع کی مخلوق کی عبادت اور تسبیح کو جانتا ... ہے کہ ایک نوع کی تسبیح دوسری نوع نہیں جانتی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات

ہی ہے جو جانتا ہے کہ کون کس زبان اور کس کیفیت کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کر رہا ہے وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ یہ کرتے ہیں۔ یعنی خداوند تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کی تسبیح و تحمید کے علاوہ اُس کی دیگر کارکردگی کو بھی جانتا ہے کہ وہ کون سے کام انجام دے رہے ہیں۔ بہرحال خدا کی مخلوق میں سے ہر چیز کا اس کی حمد کے ترانے گانا ہی اُس کی توحید کی دلیل ہے۔ صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے جو ہر قسم کی عبادت و ریاضت اور تسبیح و تقدیس کے لائق ہے۔

تسبیح بزبانِ حال یا قال

بعض معتزلہ قسم کے عقل کے دعویدار کہتے ہیں کہ انسانوں کا اپنی زبان سے خاص الفاظ کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرنا تو واضح ہے لیکن باقی مخلوق کا زبان کے ساتھ اللہ کی حمد بیان کرنا ممکن نہیں، البتہ وہ کہتے ہیں کہ ہر چیز کا زبانِ حال سے خدا کی تسبیح بیان کرنا ممکن ہو سکتا ہے، صاحبِ تفسیر کبیر امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے عقلمندوں کا نظریہ درست نہیں ہے، کیونکہ روزمرہ ہمارے مشاہدہ میں آتا ہے کہ جانور، چرند اور پرند جو ہماری نظروں میں بے شعور مخلوق ہیں، ان میں ایسی ایسی شعوری باتیں پائی جاتی ہیں کہ عقلمند اور باشعور انسان بھی انہیں انجام دینے سے قاصر ہیں۔ فرماتے ہیں ــــــ کہ امام جعفر صادقؒ کی مجلس میں موجود ایک شخص نے آپ سے سوال کیا کہ صبح و شام چڑیوں کے چہچہانے کا کیا مطلب ہے اور یہ کیا کہتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہیں اور اسی سے اپنی روزی طلب کرتی ہیں۔ اسی طرح بعض جانوروں اور کیڑے مکوڑوں کے ایسے ایسے کارنامے مشاہدہ میں آتے ہیں کہ انسان اس کی توجیہ کرنے سے عاجز آجاتے ہیں، مثلاً مکڑی اپنے شکار کے لیے ایسا نازک مگر مضبوط جالا بنتی ہے کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اگر کوئی آدمی اپنے ہاتھوں سے ایسا جالا بننا چاہے تو نہیں بن سکتا۔

ریچھ بڑا ذہین جانور ہے۔ جب وہ بیل کا شکار کرنا چاہتا ہے۔ تو اُس

کے راستے میں لیٹ جاتا ہے۔ جب بیل قریب آکر ریچھ کو سینگ مارنے کی کوشش کرتا ہے تو ریچھ اُس کے پاؤں کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ پھر اُس کو ایسا زخمی کرتا ہے کہ اُس کا سارا خون نچڑ جاتا ہے اور وہ اُس پہ غالب آجاتا ہے، ریچھ کو اللہ نے اتنی عقل عطا کی ہے کہ یہ آسانی سے درخت پر چڑھ جاتا ہے، خود آدمی سے لاٹھی چھین کر اُسی کو مارتا ہے اور خوراک کی تلاش میں اخروٹ کے درخت پر چڑھ جاتا ہے اور وہاں سے اخروٹ توڑ لیتا ہے پھر اُن کو ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا کر توڑ لیتا ہے اور اس طرح اپنی خوراک کے لیے گودہ حاصل کر لیتا ہے۔

شہد کی مکھیوں کی ذہانت دیکھ لیں۔ یہ سب اپنی ملکہ مکھی کی قیادت میں کام کرتی ہیں اور اپنے گھر ایسے مسدس خانوں کی صورت میں بناتی ہیں کہ دنیا کا بڑے سے بڑا انجنیئر بھی آلات کے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ وہ باہر سے اپنے مونہوں میں موم لا لا کر نہایت ہی نفیس اور ہم شکل گھروندے بناتی ہیں، اِن میں رہائش رکھتی ہیں، انہی میں اُن کے بچے پیدا ہوتے ہیں اور پھر انہی میں شہد کا ذخیرہ بھی ہوتا ہے۔ آخر اتنا نرم و نازک کام بلا شعور تو نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے لازماً اُن کو وہ شعور بخشا ہے جسے بروئے کار لا کر وہ اپنا فرض انجام دیتی ہیں۔

لمبی ٹانگوں اور لمبی چونچوں والے پرندے "سارس" جنہیں عربی زبان میں "کرکی" کہتے ہیں بڑے ذہین واقع ہوئے ہیں یہ پوری دنیا کا سفر کر سکتے ہیں ـــــ اور جہاں ان کے لیے آب و ہوا موافق ہوتی ہے، وہیں پہنچ جاتے ہیں۔ گھوڑے کی ذہانت و فطانت کے متعلق مشہور ہے کہ اگر وہ کسی دوسرے گھوڑے کی آواز ایک دفعہ سُن لے تو اُسے زندگی بھر یاد رکھتا ہے اور اگر برسوں بعد بھی وہ آواز دوبارہ سنائی دے تو فوراً پہچان لیتا ہے، چیتے کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر اُسے سانپ ڈس لے یا وہ کوئی زہریلی چیز کھا لے تو فوراً انسان کا براز کھاتا ہے جو اس کے لیے تریاق کا کام دیتا ہے۔ اسی طرح اگر کچھوے کو سانپ کاٹ لے تو وہ صعتر نامی جنگلی بوٹی کھا لیتا ہے جس سے

سانپ کے زہر کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر نیولے کو سانپ کاٹ کھائے تو وہ فوراً سراب نامی بوٹی کا تریاق استعمال کرتا ہے، اسی طرح جنگلی مرغ (بہرحال) تریاق کے طور پہ جبر جیر بوٹی کھالیتا ہے، اللہ نے اتنی سمجھ عطا کی ہے۔ خطاف نامی جانور جو بڑھئی جانور کہلاتا ہے اور درختوں پہ اپنی چونچ سے ٹھک ٹھک کرتا رہتا ہے، یہ اپنا گھونسلہ نہایت پاک وصاف رکھتا ہے۔ اگر اس کا بچہ گھونسلے میں بیٹ کر دے تو چونچ سے پکڑ کر فوراً باہر پھینک دیتا ہے۔ اور جب بچے ذرا سمجھدار ہو جاتے ہیں تو انہیں گھونسلے کے کنارے پہ جا کر باہر بیٹ کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ غرانیق (کونج کی قسم کا جانور) بہت اُونچی پرواز کرتا ہے حتیٰ کہ بادلوں سے بھی اُوپر نکل جاتا ہے۔ جب اُن کے غول کے پرندوں کو ایک دوسرے سے بچھڑنے کا خطرہ ہو تو اپنے پروں سے ایسی آواز نکالتے ہیں کہ ایک دوسرے کا آپس میں ربط قائم ہو جاتا ہے۔

سائنسدانوں نے چیونٹیوں کی بود و باش اور ان کے اطوار کے متعلق بڑی تحقیق کی ہے اور بڑے عجیب وغریب انکشافات کئے ہیں، یہ تو ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ چیونٹیاں سیدھی قطار میں سفر کرتی ہیں اور آپس میں کمال درجے کا تعاون کرتی ہیں۔ سائنسدانوں کی تحقیق کے مطابق چیونٹیوں کی عام رہائشی بستیوں کے علاوہ ان کے علیحدہ قبرستان بھی ہوتے ہیں جہاں وہ اپنے مُردے دفن کرتی ہیں۔ ———— جہاں کہیں کوئی مری پڑی چیونٹی ملے اُسے اٹھا کر قبرستان میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ انسانی سلطنتوں کی کی طرح چیونٹیوں کی بھی علیحدہ علیحدہ حکومتیں ہوتی ہیں۔ اگر کسی چیونٹی کو احساس ہو جائے کہ وہ کسی غیر علاقہ میں داخل ہو گئی ہے تو فوراً الٹی ہو جاتی ہے۔ جب اُس علاقے کی چیونٹیوں کو غیر چیونٹی کی آمد کا علم ہوتا ہے تو اُس کے کارندے اِس الٹی چیونٹی کو اٹھا کر اپنے علاقے سے باہر پھینک آتے ہیں، اللہ کی قدرت ہے کہ اتنا چھوٹا سا جانور بھی اس قدر حساس ہوتا ہے۔ سیہہ کے جسم پہ کانٹے ہوتے

ہیں جس سے اُسے موسم کی تبدیلی کا پیشگی علم ہو جاتا ہے۔ گوہ کے متعلق مشہور ہے کہ یہ اپنا گھر چار مختلف سوراخوں، چار مختلف جگہوں پر بناتی ہے تاکہ شکاری کو پتہ ہی نہ چل سکے کہ وہ کس وقت کس گھر میں رہائش پذیر ہے، یہ اُس کے شکاری سے بچ نکلنے کی ایک تدبیر ہے۔ شتر مرغ میں اللہ نے ایسا وصف رکھا ہے کہ یہ لوہے کا گرم گولہ نگل جاتا ہے۔ غرضیکہ دیگر جاندار، بندر، کتا، بلی، لومڑی، کبوتر کسی کو بھی دیکھ لیں۔ ہر ایک اپنے اپنے شعور کے مطابق کام کرتا ہے۔ حیات الحیوانات پر جدید دور میں تو بڑی تحقیق ہوئی ہے، پرانے زمانے کے امام دمیریؒ نے بھی اس موضوع پر کتاب لکھی ہے۔ اسی طرح دوسری صدی کے امام جاحظ نے بھی "کتاب الحیوان" میں حیوانات کے حیرت انگیز حالات لکھے ہیں۔ امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں ایسے خواص رکھے ہیں جو ان کی صورتِ نوعیہ کے راستے سے آتے ہیں۔

بہر حال امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جس مالک الملک نے جانوروں، کیڑے مکوڑوں اور پرندوں کو ایسے ایسے اوصاف بخشے ہیں، اور اُن میں اتنا شعور پیدا کیا ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ انہیں تسبیح بیان کرنے کا طریقہ بھی سکھلا دے لہٰذا انسانوں کے علاوہ باقی مخلوق کا زبانِ قال سے تسبیح بیان کرنا عین ممکن ہے اور اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہ تو جانوروں کا ذکر تھا۔ اب ذرا بعض بے جان چیزوں کا حال بھی دیکھ لیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا احد پہاڑ پر گزر ہوا تو فرمایا[۱] هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهُ یہ احد ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پہاڑ جیسی سخت چیز میں بھی اللہ نے کوئی حس اور شعور رکھا ہے۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مکے کی ایک گزرگاہ کے ایک پتھر کو میں اب بھی پہچانتا ہوں جو قبل از نبوت مجھے اِن الفاظ کے ساتھ سلام کیا کرتا تھا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ۔ پھر آپ کو

[۱] بخاری ص ۵۸۵ ج ۱ (فیاض)

کھجور کا خشک تنا بھی یاد ہے جس کا ذکر معجزات کے باب میں کیا جاتا ہے آنحضرت علیہ السلام اُس تنے کے ساتھ ٹیک لگا کر مسجد نبوی میں لوگوں سے خطاب فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ کے لیے منبر تیار ہو گیا تو آپ اُس پر تشریف لے گئے۔ وہ خشک تنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جدائی کو برداشت نہ کر سکا، اور بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تھپکی دی تو وہ آہستہ آہستہ خاموش ہو گیا۔ آخر اس میں بھی تو کوئی شعور ہی کام کر رہا تھا۔ اس ساری بحث کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز کا اپنے پروردگار کی تسبیح و تقدیس بیان کرنا کوئی اچنبے کی بات نہیں ہے بلکہ اس کا انکار کرنیوالے ہی غلط کار ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حقیقت میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ اُس نے جس مخلوق کو پیدا کیا ہے اُسے اس کے حسب حال شعور بھی بخشا ہے اور اس کے سپرد بعض فرائض بھی کیے ہیں جن میں تسبیح و تقدیس بیان کرنا بھی شامل ہے۔ یہ عجیب و غریب حالات اس کی وحدانیت کی دلیل ہیں۔ جب ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد کے گیت گاتی ہے۔ تو اشرف المخلوقات انسان کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی عبادت سے غافل نہ رہے اُسے معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی اُس کی آخری منزل نہیں ہے، بلکہ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں پر وہ پوری زندگی کا حساب لے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

توحید کے عقلی دلائل

توحید کے عقلی دلائل کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا کیا تم نے اس بات میں غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ بادلوں کو چلاتا ہے ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ پھر ان کو اکٹھا کرتا ہے۔ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا پھر بنا دیتا ہے اسے تہ بہ تہ تودوں کی شکل میں فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ پس

دیکھتا ہے تو کہ اس کے درمیان سے بارش نکلتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۤءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ وہ آسمان یعنی پہاڑوں سے اولے اتارتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں جیسے بڑے بڑے بادلوں کے تودوں سے اولے برساتا ہے اور پھر ان اولوں کے ذریعے فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۤءُ پس وہ پہنچاتا ہے اس کے ذریعہ جس کو چاہے۔ مطلب یہ کہ جس کو تکلیف پہنچانا مقصود ہوتا ہے، وہاں پر اللہ تعالیٰ اولے برسا کر فصلوں اور باغوں کو تباہ کر دیتا ہے اور اس طرح لوگ آزمائش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ آپ نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ بعض مقامات پر آدھ آدھ سیر اولے بھی پڑے۔ ظاہر ہے کہ جہاں اتنی ژالہ باری ہو، وہاں کتنی تکلیف پہنچتی ہے اور وہاں کیا چیز بچ سکتی ہے؟ ۱۹۳۵ء میں مَیں لاہور میں زیرِ تعلیم تھا کہ مئی کے مہینے میں کوئٹہ کا تاریخی زلزلہ آیا۔ اسی دن لاہور میں اتنے بڑے بڑے اولے پڑے جو شدید گرمی کے موسم میں بھی چوبیس گھنٹے تک پگھل نہ سکے۔ ایسے ہی مواقع پر فصلیں تباہ اور جانور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے اولے برساتا ہے اور پھر جس کو چاہتا ہے اِن کے ذریعے مشقت میں ڈال دیتا ہے وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَاۤءُ اور جس سے چاہے اولوں کو پھیر دیتا ہے۔ جس بستی اور علاقے کو بچانا مقصود ہوتا ہے، وہاں سے اولوں کو دوسری طرف لے جاتا ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ جنگل میں کام کر رہے ہیں اور اچانک اولے برسنا شروع ہو جاتے ہیں تو جس کو تکلیف دینا مقصود ہوتا ہے اس شخص یا جانور پر اولے پڑ کر اسے ہلاک کر دیتے ہیں اور جس کسی کو بچانا مقصود ہوتا ہے۔ اُس سے اللہ تعالیٰ اولوں کو پھیر دیتا ہے اور وہ تکلیف سے بچ جاتا ہے۔

فرمایا يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ قریب ہے کہ بجلی کی چمک آنکھوں کو لے جائے۔ ظاہر ہے کہ جب بادل گھِر کر آتے ہیں، بارش ہوتی ہے، ژالہ باری ہوتی ہے تو اس وقت وقفے وقفے سے بجلی چمکتی ہے اور

بادل گرجتے ہیں۔ بعض اوقات بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ انسان کی آنکھیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ اور پھر جب یہ بجلی کسی فصل پہ یا درخت پہ پڑتی ہے تو اُسے تباہ کر دیتی ہے اور اگر کسی انسان یا جانور پہ گرتی ہے تو وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ فرمایا یہ ساری چیزیں خدا تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت کے نشانات ہیں اور اس کی وحدانیت کے دلائل ہیں۔ اگر انسان غور کرے تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ کائنات کی ہر چیز پہ کنٹرول صرف اور صرف خدا تعالیٰ کا ہے، لہٰذا وہ ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔

آگے دوسری دلیل بیان فرمائی کہ وہ خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ جو رات اور دن کو تبدیل کرتا رہتا ہے، رات گئی دن آیا، دن رخصت ہوا تو رات آگئی۔ کبھی رات بڑی اور دن چھوٹا اور کبھی دن بڑا اور رات چھوٹی۔ اور پھر یہ صرف شب و روز کا انقلاب ہی نہیں بلکہ موسموں کا تغیر و تبدل بھی ہے۔ کبھی گرمی ہے، کبھی سردی ہے، کبھی بہار ہے اور کبھی خزاں ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں جو انسان کو غور و فکر کی دعوت دے رہے ہیں کہ اِن چیزوں میں غور کرو گے تو اللہ کی وحدانیت ضرور سمجھ میں آجائے گی۔ اور ساتھ یہ بھی فرما دیا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ اِن تمام مشاہدات میں عبرت کا مقام ہے مگر ان لوگوں کے لیے جو آنکھیں رکھتے ہیں۔ جن سینوں میں غور و فکر کے لیے دل کی آنکھیں موجود ہیں ان کے لیے یہ سب باتیں جائے عبرت ہیں۔ جب بھی سوال اٹھائیں کہ بادلوں کو اکٹھا کر کے بارش کون برساتا ہے، اس میں اولے اور بجلی کون نکالتا ہے، دن رات اور موسموں کا تغیر و تبدل کون لاتا ہے۔ جب بھی غور کرو گے سارے سوالوں کا ایک ہی جواب ہو گا کہ ان تمام امور کو انجام دینے والا اللہ وحدہٗ لاشریک ہے ہر چیز پہ اس کا تصرف ہے، جب یہ بات سمجھ میں آجائے تو پھر کفر اور شرک کی جڑ کٹ جانی چاہیئے۔ اِن تمام شواہد کی موجودگی میں اگر کوئی شخص از خود آنکھیں

بند کر کے بیٹھ جائے، نہ ان کو دیکھے اور نہ ان میں غور و فکر کرے تو اسے توحید کی سمجھ کیسے آسکتی ہے؟ اگر کوئی شخص سورج کی تیز روشنی میں بھی اپنے آپ کو کسی تنگ و تاریک کمرے میں بند کرے اور پھر سورج کی موجودگی کا انکار کر دے تو پھر اُس کی حالت پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے چند عقلی دلائل پیش کر کے ہر انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے اور وحدانیت کو تسلیم کرنے کی تلقین کی ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى
بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ہر چلنے پھرنے والے جانور کو پانی سے ۔ پس اُن میں سے بعض چلتے ہیں اپنے پیٹ کے بل اور اُن میں سے بعض وہ ہیں جو چلتے ہیں دو پاؤں پر ۔ اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو چلتے ہیں چارپاؤں پر ۔ اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۴۵﴾ البتہ تحقیق ہم نے اتاری ہیں آئتیں کھول کر بیان کرنے والی اور اللہ تعالیٰ راہنمائی کرتا ہے جس کی چاہے سیدھے راستے کی طرف ﴿۴۶﴾

ربط آیات

ابتدائے سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے نظامِ عصمت وعفت کی برقراری کے لیے قوانین بیان فرمائے ۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کی توحید کا بیان ہوا ۔ اور مشرکین کا رد ہوا ۔ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کے عقلی دلائل تھے اور آج کی آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں ۔ گذشتہ درس میں توحید کی یہ دلیل دی جاچکی ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام

چیزیں اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہیں حتیٰ کہ ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی اپنے مالک کی تعریف وتوصیف بیان کرتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بادلوں کے اجتماع ان میں سے بارش اور اولوں کے نزول اور پھر ان کے ذریعے بعض کی تکلیف دہی اور بعض کی حفاظت کا ذکر کیا۔ رات اور دن کے تغیر و تبدل اور ان کی طوالت میں کمی بیشی کو بیان کر کے فرمایا کہ ان تمام چیزوں میں صاحب بصیرت لوگوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔ ان دلائل میں غور و فکر کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچان سکتا ہے۔

پانی بطور منبع حیات

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بعض جانوروں کی تخلیق کا ذکر کر کے اسے بھی اپنی وحدانیت کی دلیل قرار دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ اور اللہ نے پیدا کیا ہے۔ زمین پر چلنے پھرنے والے ہر جاندار کو۔ لفظ دابۃ اگرچہ کبھی گھوڑے پر بھی بولتے ہیں تاہم یہ لفظ ہر اس جاندار کے لیے استعمال ہوتا ہے لِمَنْ يَّدُبُّ عَلَى الْاَرْضِ جو زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ اس میں انسان، جانور، چرند، پرند اور کیڑے مکوڑے سب آجاتے ہیں۔ فرمایا ان سب جانداروں کو اللہ نے پیدا کیا مِنْ مَّآءٍ پانی سے، گویا تمام جانداروں کا منبع حیات پانی ہے۔ یہ مضمون سورۃ الانبیاء میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں فرمایا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (آیت ۳۰) ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی۔ چنانچہ تمام جانداروں اور نباتات کی غذا میں پانی ایک اہم اور بڑا حصہ ہے اللہ نے ان کی تخلیق بھی پانی سے ہی فرمائی ہے۔

اس مقام پر بعض مفسرین نے یہ اشکال پیدا کیا ہے کہ مذکورہ آیت میں ہر چیز کا منبع حیات پانی کو قرار دیا ہے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی تخلیق پانی سے نہیں ہوئی۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے پیدا کیا اور جنات اور شیاطین کو آگ سے تخلیق کیا۔ اسی طرح فرشتوں

کی تخلیق ایک خاص نور سے ہوئی۔ اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اللہ نے قوم کے سامنے پتھر سے پیدا کیا۔

مفسرین کرام اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اگرچہ مٹی سے ہوئی مگر جہاں تک پوری نوعِ انسانی کا تعلق ہے اس کو اللہ نے پانی ہی کے ذریعے زندگی بخشی ہے۔ قرآن پاک نے انسان کی پیدائش کے سلسلے میں قطرۂ آب کا بار بار ذکر کیا ہے۔ جیسے سورۃ السجدہ میں ہے وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ (آیت ۷) اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے انسان کی تخلیق ابتدائی طور پر مٹی سے کی ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ (آیت ۸) پھر اس کی نسل کو حقیر پانی کے اخلاط سے چلایا۔ سورۃ القیامۃ میں ہے اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى (آیت ۳۷) کیا انسان ٹپکائے جانے والے مادہ تولید کا ایک قطرہ آب نہیں تھا؟ مطلب یہ ہے کہ تمام نسل انسانی کی تخلیق قطرۂ آب سے ہی ہوئی ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح کی تخلیق مراد ہے یعنی ہر چیز میں پانی کی شراکت ضرور ہے۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے سلسلہ میں عناصر اربعہ کو تو تسلیم کیا جاتا ہے جن میں پانی بھی شامل ہے۔ اللہ نے آپ کا خمیر مٹی کو پانی سے گوندھ کر ہی تو بنایا تھا۔ لہٰذا آدم علیہ السلام کی تخلیق میں بھی پانی کا عنصر موجود ہے۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ فرشتوں کی تخلیق نور سے اور جنات کی تخلیق نار سے ہوئی تو اس میں بھی بالواسطہ پانی کی شراکت ثابت ہوتی ہے۔ سائنسدانوں کے تجزیہ کے مطابق پانی دو گیسوں کا مجموعہ ہے یعنی آکسیجن اور ہائیڈروجن۔ ان دونوں گیسوں کو خاص مقدار میں جمع کیا جائے تو پانی تخلیق ہوتا ہے۔ آکسیجن ایک ایسی چیز ہے جس میں ناری مادہ بھی پایا جاتا ہے۔ ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ کسی چیز کو آگ دکھانے کے لیے آکسیجن کا ہونا لازمی ہے ورنہ آگ نہیں

بھڑکتی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آکسیجن کی وساطت سے پانی میں آگ کا مادہ بھی موجود ہے چنانچہ فرشتوں اور جنات کی تخلیق میں بھی کسی حد تک پانی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے ہر چیز کو پانی سے زندگی بخشی۔

شاہ ولی اللہؒ کا فلسفہ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے مخصوص فلسفیانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تخلیق میں جس پانی کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ پانی مراد نہیں جو ہم روزمرہ استعمال کرتے ہیں بلکہ اعنی بالماء اھل الموجودات لا ھذا لنوع من العناصر اس پانی سے مراد تمام موجودات کی اصل ہے۔ وہ ایک خاص قسم کی چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اس بات کو سمجھانے کے لیے امام بغویؒ اور بعض دوسرے مفسرین نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ انسان کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص جوہر پیدا کیا جو نہایت ہی خوبصورت اور چمکدار تھا پھر جب اللہ تعالیٰ کی ہیبت ناک تجلی اس جوہر پر پڑی تو وہ پگھل کر پانی بن گیا۔ اس بات کا تجربہ ہم خود بھی کرتے ہیں کہ کوئی سخت سے سخت دھات سونا، چاندی، لوہا وغیرہ ہو جب اسے ایک خاص درجے تک حرارت پہنچائی جاتی ہے تو وہ دھات پگھل کر پانی بن جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ہیبت ناک تجلی سے وہ خاص جوہر پانی بن گیا اور پھر اس پانی سے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو تخلیق کیا۔ اس پانی کو شاہ صاحب تمام موجودات کی اصل قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی ہر چیز کی پانی سے تخلیق سمجھ میں آتی ہے۔

چلنے پھرنے کی صلاحیت

اللہ نے فرمایا کہ اس نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔ آگے ان جانداروں کی مختلف قسمیں ہیں اور ان میں چلنے پھرنے کی صلاحیت بھی مختلف ہے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ ان میں سے بعض جانور ایسے ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں یعنی پیٹ کے بل رینگتے ہیں۔ اگرچہ

اِن جانوروں کے پاؤں نہیں ہوتے مگر اللہ تعالیٰ نے اِن میں اتنی صلاحیت رکھی ہے کہ پیٹ کے بل گھسٹ کر نہایت تیزی سے ساتھ بھاگ سکتے ہیں۔ رینگنے والے جانوروں میں مچھلی پانی میں نہایت تیزی سے حرکت کرتی ہے اور زمین پر چلنے والوں میں سانپ نہایت تیز رفتار کیڑا ہے حتیٰ کہ پاؤں ہوتے کے باوجود انسان سانپ کے برابر تیز نہیں دوڑ سکتا۔ یہ بھی اللہ تعالےٰ کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی دلیل ہے کہ اُس نے کیسی کیسی عجیب و غریب مخلوق پیدا کی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت والے دِن لوگ سر کے بل دوڑتے ہوئے چلیں گے، کسی نے عرض کیا حضور! پاؤں پر چلنا تو سمجھ میں آتا ہے سر کے بل کیسے چلنا ہوگا؟ فرمایا کہ جس خدا تعالیٰ نے پاؤں پر چلنے کی قوت بخشی ہے وہ سر کے بل چلنے کی طاقت بھی عطا کر دے گا۔ اس میں حیرت کی کونسی بات ہے۔

فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ اور بعض جاندار ان میں سے ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں۔ اِن جانداروں میں انسان سرِفہرست ہے جس کو اللہ نے اشرف المخلوقات پیدا کیا ہے اور اس کو دو پاؤں عطا کیے گئے جو اس کی نقل و حرکت کا کام دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام پرندے بھی دو پاؤں پر چلتے ہیں اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق دوڑ سکتے ہیں۔ مرغ، بطخ، چڑیا، کوا، کبوتر وغیرہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ جو دو پاؤں پر چلتے ہیں۔

فرمایا وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ اور ان میں سے بعض جانور چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اِن میں اونٹ، گھوڑا، بیل، بھیڑ، بکری، گائے وغیرہ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ چوپایوں میں چیتا ایک سو دس میل اور بھیڑیا اسی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان کو چار پاؤں عنایت کیے ہیں۔ حضرت ابی ابن کعبؓ کے مصحف میں چار کے بعد اکثر کا ذکر بھی آتا ہے۔ یعنی بعض ایسے جاندار، کیڑے مکوڑے بھی ہیں جن کو اللہ نے چار سے زیادہ

پاؤں بھی دیئے ہیں۔ پانی میں رہنے والے کیکڑے کے بہت سے پاؤں ہوتے ہیں۔ کن کھجور کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے ایک ہزار پاؤں ہوتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے قدرتِ خداوندی کے نمونے کے طور پر اپنی کتاب گلستان میں لکھا ہے "بے دست و پا ہزار پائے راکشت" یعنی ہاتھ پاؤں سے محروم ایک شخص نے ہزار پاؤں رکھنے والے کن کھجورے کو مار دیا۔ یہ بیچارہ اتنے کثیر پاؤں ہونے کے باوجود بھاگ نہیں سکتا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے

دلائل توحید

ارشاد ہوتا ہے یَخۡلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اس کی مشیت اور حکمت کو کوئی نہیں جان سکتا۔ سورۃ یٰسٓ میں ہے وَھُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِیۡمُ (آیت۔ ۸۱) وہ بہت بڑا پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ ہی کا تخلیق کردہ ہے اور اس معاملہ میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ تخلیق تو مسلمہ عندالکل ہے یعنی دہریوں کی قلیل تعداد کے علاوہ دنیا کے کسی بھی آدمی سے پوچھو، خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت کا پیروکار ہو، جواب یہی ہوگا۔ کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا واجب الوجود ہونے کو بھی سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات خود بخود ہے جو کسی دوسری ہستی کی پیدا کردہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ذات خود ہر چیز کی خالق ہے۔ البتہ اللہ کی باقی دو صفات مخصوصہ عبادت اور تدبیر میں لوگ اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کے سوا دیوی دیوتاؤں اور بتوں کی پوجا بھی ضروری ہے کیونکہ کچھ نہ کچھ وہ بھی کرتے ہیں یعنی حاجات پوری کرتے ہیں اور بگڑی بناتے ہیں، بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنی صفت خلق کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جب ہر چیز کا خالق وہ ہے تو پھر عبادت کے لائق بھی وہی ہے نہ تو کوئی دوسرا کوئی چیز پیدا کر سکتا ہے اور نہ وہ عبادت کے لائق ہو سکتا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ

شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ہدایت بذریعہ قرآن حکیم

آگے ارشاد ہوتا ہے لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ تحقیق ہم نے واضح واضح آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ سورۃ ہذا کی ابتداء میں معاشرے کی طہارت کے لیے حدود کا قانون بتایا۔ پھر اعتقاد اور اخلاق کی درستگی کے لیے بہترین اصول وضع فرمائے۔ یہ اصول و قوانین دنیا اور آخرت کی فلاح کے ضامن ہیں اور بالکل واضح ہیں۔ جن پر آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے۔ فرمایا وَاللّٰہُ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے، راہنمائی کرتا ہے۔ مگر یہ چیز طلب اور خواہش سے حاصل ہوتی ہے۔ ہر منصف مزاج اور خواہشمند آدمی اللہ تعالیٰ کی راہنمائی سے مستفید ہو سکتا ہے۔ سیدھے راستے سے مراد دینِ حق اور دینِ توحید اسلام کا راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے اور جس کی تعلیم قرآن پاک کی یہ واضح آیتیں مہیا کرتی ہیں۔ اسی پر تمام انبیاء چلتے رہے اور اسی کو ملت ابراہیمیہ اور ملت اسلامیہ اور دینِ حق کا نام دیا گیا ہے اور اسی کو اَلۡاِسۡلَامُ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى
فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾
وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا
فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ
يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ
ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ
بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

ترجمہ:- اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور رسول پر اور ہم نے اطاعت کی۔ پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے۔ اور یہ لوگ (درحقیقت) ایمان والے نہیں ہیں ﴿۴۷﴾ اور جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان تو اچانک ان میں سے ایک گروہ اعراض کرنے والا ہوتا ہے ﴿۴۸﴾ اور اگر (فیصلہ) ان کے حق میں ہو تو آتے ہیں اس کی طرف قبول کرتے ہوئے ﴿۴۹﴾ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے، یا انہوں نے شک کیا ہے، یا یہ خوف کھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان پر بے انصافی کرے گا۔ (نہیں) بلکہ یہی لوگ (حقیقت میں) ظلم کرنے والے ہیں ﴿۵۰﴾

ربط آیات

پہلے اللہ نے عصمت و عفت کا نظام بیان فرمایا اور اس سلسلے میں حدود اور احکام نازل فرمائے۔ پھر اللہ کی توحید کے بعض عقلی دلائل بیان فرمائے اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ارض و سما کی ہر چیز خدا تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتی ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ ہم نے انسانوں کی ہدایت کے لیے بڑی واضح آیتیں نازل کی ہیں جب کائنات کی ہر چیز تسبیح و تحمید بیان کرتی ہے تو پھر انسانوں کا تو بطریقِ اولیٰ فرض ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے بن جائیں اور اس کی توحید کو تسلیم کر لیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ نے منافقین کی مذمت بیان فرمائی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتے۔ فرمایا صحیح معنوں میں یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں بلکہ منافق ہیں جن کو اللہ کے رسول کے فیصلے پر اعتماد نہیں۔ یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کے دلوں میں بیماری ہے۔

منافقین کا کردار

ارشاد ہوتا ہے وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ یہ منافق قسم کے لوگ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ سورۃ بقرہ کی ابتداء میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ (آیت - ۸) بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے مگر درحقیقت وہ ایماندار نہیں ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ یہ لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لانے کا دعوے کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ایمان میں اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے رسول کی رسالت اور ان کی اطاعت بھی شامل ہے۔ جب تک اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کریگا ایمان کا کچھ فائدہ نہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ اطاعت کا دعوے بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں وَأَطَعْنَا ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت قبول کی۔ ان کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دیں گے، مگر عملی طور پر یہ ہوتا ہے ثُمَّ

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ کہ اس کے بعد اُن میں سے ایک گروہ روگردانی کر جاتا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ تین باتوں کا دعوے کرتے ہیں۔ ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور اطاعت۔ ظاہر ہے کہ ان چیزوں کے بغیر کوئی شخص ہدایت نہیں پاسکتا اور نہ ہی خدا تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات جان کر اُس کے احکام کی تعمیل کر سکتا ہے ۔مگر فرمایا کہ ان تین دعاوی کے باوجود یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں اور دعوے کا عملی ثبوت پیش نہیں کرتے ۔ اللہ نے فرمایا ایسے لوگ قطعاً ایماندار نہیں ہو سکتے ۔ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ مومن تو وہ ہوتا ہے جس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو اور جس کے دل میں بھی وہی بات ہو جو اُس کی زبان پر ہے ۔ فرمایا اگر قول و فعل میں تضاد ہے ، دل میں پختہ یقین نہیں ہے تو ایسا شخص مومن نہیں ہو سکتا ۔

فرمایا ان لوگوں کے ایمان سے خالی ہونے کا ثبوت یہ ہے وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ تاکہ اُن کے درمیان فیصلہ کیا جائے اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ تو ان میں سے ایک گروہ اعراض کرنے والا ہوتا ہے در اصل منافقین کی خواہش ہوتی تھی کہ اُن کے ہر معاملے کا فیصلہ اُن کی مرضی کے مطابق ہو۔ وہ سمجھتے تھے کہ بارگاہِ نبوی میں ہر مقدمہ کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک ہوگا، لہٰذا جب وہ کسی معاملہ میں اپنا مؤقف کمزور پاتے تو دربارِ رسالت میں جانے سے اعراض کرتے ۔ حضرت علیؓ اور ایک ایسے ہی منافق خصلت شخص کے درمیان کسی معاملہ میں تنازعہ پیدا ہو گیا ۔ حضرت علیؓ نے اُس شخص سے کہا کہ چلو اس کا فیصلہ حضور علیہ السلام سے کروا لیتے ہیں ۔مگر چونکہ اُس کو من مانی کی توقع نہیں تھی اس لیے اس نے یہودیوں کے عالم کعب بن اشرف کے پاس چلنے کی تجویز پیش کی تاکہ وہاں سے اپنی مرضی کا فیصلہ کرا سکے ۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے اسی کردار کے پیشِ نظر فرمایا ہے وَاِنْ

يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ اگر ان کو یقین ہو کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہوگا یَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ تو آتے ہیں آپ کی طرف دوڑتے ہوئے۔ اذعان کا معنی یقین کرنا ہوتا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر انہیں اپنے حق میں فیصلہ ہونے کا یقین ہو تو پھر تو اللہ کے رسول کی طرف دوڑ کر آتے ہیں اور اگر فیصلہ اسکے برخلاف متوقع ہو تو پھر اس عدالت میں آنے سے گریز کرتے ہیں

حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے مَنْ دُعِيَ إِلَى حَاكِمٍ فَلَمْ يُجِبْ فَهُوَ ظَالِمٌ جس شخص کو کسی تنازعہ کے فیصلہ کے لیے مسلمان حاکم کے پاس بلایا جائے اور وہ وہاں آنے کے لیے تیار نہ ہو تو ایسا شخص ظالم ہے۔ حضرت سمرہؓ کی روایت میں بھی اسی قسم کے الفاظ آتے ہیں۔ امام ابوبکر جصاصؒ نے ان روایتوں کو اپنی تفسیر[1] میں نقل کیا ہے۔ بہرحال فرمایا کہ اس کردار کے آدمی مومن نہیں بلکہ یہ محض زبانی دعویٰ ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک یہودی نے حضور علیہ السلام کی عدالت میں یہ دعویٰ دائر کیا ہے کہ اُس کے چار درہم ایک صحابی ابی حدردؓ کے ذمے واجب الادا ہیں مگر وہ واپس نہیں کرتا۔ اُس شخص کو بلایا گیا تو اس نے اقرار کیا کہ اُس نے چار درہم کی رقم دینی ہے مگر ابھی وہ استطاعت نہیں رکھتا وہ اولین فرصت پہ ادائیگی کر دے گا۔ حضور علیہ السلام نے دوسرے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس شخص کا حق ادا کر دو۔ آپ نے دوبارہ سہ بارہ ان الفاظ کو دہرایا مگر کوئی شخص یہ رقم ادا کرنے پر تیار نہ ہوا۔ پھر وہ مقروض صحابی خود ہی اٹھا یہودی قرض خواہ کو ساتھ لیا اور بازار چلا گیا۔ اس کی پگڑی تو معمولی تھی البتہ اس کے تہبند کی چادر اچھی حالت میں تھی۔ اُس نے پگڑی کو تہ بند کے طور پہ باندھ لیا اور قرض کے عوض چادر پیش کر دی جسے یہودی نے منظور کر لیا اور اس طرح اُس نے یہودی کا حق ادا کر دیا۔ یہ تو سچے مسلمان کی بات تھی۔ مگر غلط کار لوگ چاہتے ہیں کہ فیصلہ لازماً انہی کے حق میں ہو، لہٰذا جب انہیں اپنے حق میں فیصلے کی توقع ہو تو عدالت میں دوڑ

---

[1] احکام القرآن للجصاص ص ۴۰۵ ج ۳ (فیاض)

کر آتے ہیں، ورنہ اعراض کرتے ہیں۔

مسلمانوں کی عملی منافقت

اسی قسم کی منافقت مسلمانوں میں بھی چل نکلی ہے۔ یہ بھی اپنے مفاد کی طرف تو دوڑ کر جاتے ہیں مگر جہاں کوئی ذمہ داری عاید ہوتی ہو وہاں جانے سے گریز کرتے ہیں۔ قرآن پاک کا حکم یہ ہے کہ نفع ہو یا نقصان ہر صورت میں اللہ کے رسول کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ کہ اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ اگر آج تھوڑے نقصان بھی ہو رہا ہے تو آگے بہت بڑے فائدے کی توقع بھی ہے انسانیت کی تعمیر اور اس کے مفاد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے بہتر کوئی فیصلہ نہیں۔ اگر بوجہ اس دنیا میں اس کا فائدہ نہ بھی ہو تو آخرت میں تو بہر حال فائدہ ہی فائدہ ہوگا، لہذا اللہ کے رسول کے فیصلے کو دل و جان سے قبول کر لینا چاہیئے۔ سورۃ الاحزاب میں ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (آیت ۳۶) جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کو اس میں چون و چرا کا حق نہیں ہے۔ اُسے فوراً تسلیم کر لینا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ فیصلے میں فائدہ بھی ہو سکتا ہے اور نقصان بھی۔ فرمایا دونوں صورتوں میں بلا چون و چرا تسلیم کر لینا چاہیئے اور اس میں کوئی حیل و حجت نہیں ہونی چاہیئے۔

بعض لوگ دین اور مذہب کو اس شرط پر قبول کرتے ہیں کہ اگر اسمیں ذاتی منفعت ہو گی تو اس پر قائم رہیں گے ورنہ روگردانی کر جائیں گے۔ یہ منافقانہ کردار ہے۔ دیکھ لیں کسی کونسل یا اسمبلی کا ممبر بننے کے لیے لوگ کتنی تگ و دو کرتے ہیں کیونکہ اس میں انہیں مفاد نظر آتا ہے، اُدھر دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں مگر اسلام کی بات کی طرف رُخ ہی نہیں کرتے۔ اصل بیماری یہی ہے کہ لوگ مفاد کو دیکھتے ہیں کہ کہاں سے حاصل ہوتا ہے اور پھر اُدھر کا ہی رُخ کرتے ہیں اسلام برحق ہے اور اس کی قبولیت میں پس و پیش نہیں ہونا چاہیئے۔ خواہ

وقتی طور پر نقصان بھی نظر آتا ہو۔

منافقت دل کا روگ ہے

آگے اللہ نے منافق صفت لوگوں کا تجزیہ کیا ہے کہ یہ اللہ اور اُس کے رسول کے فیصلے پر کیوں راضی نہیں ہوتے۔ اللہ نے اس ضمن میں تین وجوہات کا ذکر فرمایا ہے اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے؟ اللہ نے نفاق کو بیماری کے ساتھ تشبیہ دی ہے یہ ایسا روگ ہے۔ جس کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر دل میں کفر ہے یا اعتقادی یا عملی نفاق ہے تو ایسا شخص منافقت جیسی مہلک بیماری میں مبتلا ہے۔ فرمایا، کیا یہ بات ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں روگ ہے اَمِ ارْتَابُوْٓا یا انہوں نے شک کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، نبی کی رسالت یا وقوع قیامت اور حساب کتاب کی منزل کے متعلق شک کرتے ہیں۔ یا نبی کے فیصلے پر تردد ہے کہ پتہ نہیں کہ ٹھیک ہو گا یا نہیں۔ اگر ایسا شک کرے گا تو آدمی اعتقادی منافق اور کافر بن جائے گا۔ نبی کی نبوت اور رسالت میں شک کرنا بھی کفر ہے کیونکہ اللہ کا نبی تو سچا ہے اور اس کا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔

ناانصافی کا تصور

فرمایا تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ یا ان کو اس بات کا خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان پر کوئی زیادتی کرے گا (العیاذ باللہ) حیف کا معنیٰ زیادتی یا بے انصافی ہوتا ہے ایسا آدمی بھی قطعاً ایماندار نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے رسول کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق ہوتا ہے اور اس میں کسی پر ذرہ برابر بھی زیادتی نہیں ہوتی، فرمایا جو لوگ اس قسم کا نظریہ رکھتے ہیں بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ بلکہ یہی لوگ ظالم ہیں۔ بہر حال اللہ نے تین قسم کے لوگوں کو یہاں پر ظالم کا لقب دیا ہے۔ (۱) جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے (۲) جو کسی محکم بات میں شک کرتے ہیں اور (۳) جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کسی زیادتی کا گمان کرتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آتا ہے کہ ایک رات

انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بستر پر نہ پایا تو دل میں خیال آیا کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے گھر تشریف لے گئے ہیں۔ پھر بعد میں انکشاف ہوا کہ آپ گھر میں ہی ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ ایک دوسرے موقعہ پر حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ سو رہی ہیں۔ آپ چپکے سے اٹھے اور جنت البقیع چلے گئے کیونکہ اللہ نے جبریل علیہ السلام کی معرفت پیغام بھیجا تھا کہ اہل بقیع کے لیے جا کر دعا کریں، جب حضرت عائشہؓ بیدار ہوئیں تو آپ کو نہ پایا اور آپ پریشان ہو گئیں کہ شاید آپ کسی دوسری بیوی کے ہاں چلے گئے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام بقیع سے واپس آئے تو سارا معاملہ صاف ہوا اس موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کیا تم گمان کرتی ہو اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهٗ کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر زیادتی کرے گا؟ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ آج جس بیوی کا حق ہے، میں اسی کے پاس رہوں گا۔ غرضیکہ آپ نے بے انصافی کے لیے یہی حیف کا لفظ استعمال کیا جو اس آیت میں آیا ہے۔

بہر حال شریعت کا فیصلہ خواہ کسی کی ذات کے خلاف ہو یا اس کے رسم و رواج کے خلاف جاتا ہو، اسے قبول کر لینا چاہیے کہ انسانیت کی فلاح اسی میں ہے اس میں شک کرنا منافقوں اور ظالموں کا کام ہے۔ اب اگلی آیت میں مومنین کے کردار کا ذکر آئے گا۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ
وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾
وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ
لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَا تُقْسِمُوا طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ إِنَّ
اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ
أَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ
وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا
عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٥٤﴾

ترجمہ:- بیشک ایمان والوں کی بات تو یہ ہے کہ جب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ کرے اُن کے درمیان، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم اطاعت کرتے ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے (۵۱) اور جو شخص اطاعت کریگا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی، اور ڈرتا رہے گا اللہ سے اور بچتا رہے گا (اُس کی نافرمانی سے) پس یہی لوگ ہیں فائز المرام ہونے والے (۵۲) اور قسمیں اٹھائیں اِن لوگوں نے پختہ قسمیں کہ اگر آپ اِن کو حکم دیں گے تو

یہ ضرور باہر نکلیں گے. آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) مت قسمیں اٹھاؤ۔ دستور کے مطابق اطاعت (مطلوب ہے) بیشک اللہ تعالیٰ خبر رکھتا ہے اُن باتوں کی جو تم عمل میں لاتے ہو (۵۳) آپ کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی. پس اگر تم نے روگردانی کی تو بیشک رسول کے ذمے وہی ہے جو اُس پر بوجھ ڈالا گیا اور تم پر وہ ہے جو تم پر بوجھ ڈالا گیا۔ اور اگر تم اُس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور نہیں ہے رسُول کے ذمے مگر کھول کر پہنچا دینا (۵۴)

ربطِ آیات

پہلے اللہ نے توحید کے عقلی دلائل بیان فرمائے اور پھر منافقوں کی مذمت بیان کی کہ جب کسی تنازعہ کے فیصلے کی خاطر انہیں اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اعراض کرتے ہیں۔ ہاں، اگر انہیں یقین ہو کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہوگا، تو اطاعت کے انداز میں دوڑ کر آتے ہیں۔ اور اگر ان کی توقع اِس کے برخلاف ہو تو دربارِ نبوی میں آنے سے ٹال مٹول کرتے ہیں۔ پھر اللہ نے اُن کی ذہنیت کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یا تو اُن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہوگی، یا اللہ کی توحید، نبی کی رسالت یا دین کے متعلق شک ہوگا اور یا پھر انہیں اللہ اور اُس کے رسول سے ناانصافی کی توقع ہوگی. فرمایا ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ، اُس کے رسول اور دینِ حق کے متعلق اسی قسم کا نظریہ رکھتا ہو۔ اس کے برخلاف اب آج کی پہلی دو آیات میں اہل ایمان کے کردار کا ذکر ہے اور اگلی دو آیتوں میں روئے سخن پھر منافقوں کی طرف ہے ۔

مومنوں کا کردار

ارشاد ہوتا ہے إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ بیشک ایمان والوں کی بات تو یہ ہے إِذَا دُعُوْٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ جب انہیں اللہ اور اُس کے رسُول کی طرف بلایا جاتا ہے لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ تاکہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے یعنی

جب دو فریقوں کے درمیان کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو ظاہر ہے کہ فیصلے کے لیے دربارِ رسالت کی طرف ہی دعوت دی جائیگی کہ آؤ اپنے تنازعہ امر میں فیصلہ حاصل کر لو، تو مومنوں کا کردار یہ ہوتا ہے۔ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ بات سن لی ہے اور تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں۔ اہل ایمان نفع یا نقصان سے قطع نظر نبی علیہ السلام کی دعوت پر فوراً حاضر ہو جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف منافقوں کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نبی کی ایسی دعوت پر کہتے ہیں اَطَعۡنَا یعنی ہم نے نبی کی بات مان لی مگر جلدی ہی ان میں سے ایک گروہ اعراض کر جاتا ہے۔ ان کا رویہ بالکل بنی اسرائیل والا ہوتا ہے وہ بھی اللہ اور اُس کے رسول کی بات سن کر کہتے ہیں سَمِعۡنَا وَعَصَیۡنَا (النساء۔ ۴۶) ہم نے بات تو سُن لی مگر اس پر عمل نہیں کریں گے۔

بہر حال فرمایا کہ مومنوں کا کردار یہ ہے کہ وہ بات سن کر اطاعت کے لیے فوراً تیار ہو جاتے ہیں وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ حقیقت میں فلاح پانے والے یہی لوگ ہیں۔ کامیابی انہی لوگوں کے حصے میں آئے گی۔ جو اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کی اطاعت پر ہر وقت کمر بستہ رہتے ہیں۔

اللہ اور رسول کی اطاعت

آگے اللہ نے ایک عام اصول کے طور پر فرمایا ہے وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ جس شخص نے اللہ اور اُس کی رسول کی اطاعت کی وَیَخۡشَ اللّٰهَ اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا وَیَتَّقۡهِ اور وہ بچتا رہا (اللہ کی نافرمانی سے) فرمایا فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ تو پھر یہی لوگ ہیں۔ فائز المرام ہونے والے یہاں پر اللہ تعالیٰ نے کامیاب لوگوں کی چار صفات بیان کی ہیں جن میں سے پہلی صفت اللہ کی اطاعت اور دوسری رسول کی اطاعت گزاری ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی اطاعت میں اُس کی ذات اور صفات کو تسلیم کرنا اور اس کی وحدانیت کو ماننا اولین اور بنیادی فرض ہے اور اُس کے بعد اُس کے ہر حکم کی تعمیل شامل ہے اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہے، وہ منعم اور محسن ہے۔ جو شخص ایسے معبود برحق کی

بات کو نہیں مانے گا وہ ہمیشہ مردود رہے گا۔ اسی طرح اللہ کے رسول کی اطاعت بحیثیت رسالت فرض ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کا دین، شریعت اور احکام رسول کی وساطت سے آتے ہیں۔ جب تک نبی کی اطاعت نہیں ہوگی۔ خدا تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہوسکتی، حضور علیہ السلام کا فرمان بھی ہے کہ تمہیں خوشی ہو یا ناخوشی ہر حالت میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ غرضیکہ یہ دو باتیں ہیں ایک اللہ کی اطاعت اور دوسری اس کے رسول کی اطاعت۔

خشیت اور تقویٰ

تیسری بات خشیت یعنی خوفِ خدا ہے اور اس کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے۔ سورۃ مومنون کے آغاز میں بھی گزر چکا ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ کامیاب ہوگئے وہ مومن لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور نیازمندی کا اظہار ہے اور دل میں اس کا خوف تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم کا حصہ رہا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ چار[1] خصلتیں تمام انبیاء کی شرائع میں اٹل رہی ہیں اور یہ ہمارے دین کا بھی حصہ ہیں۔ پہلی چیز طہارت ہے، اس میں ظاہر اور باطن کی ساری طہارت شامل ہے، انسان کا بدن اور لباس پاک ہو، اس کی خوراک پاک ہو اور سب سے بڑھ کر اس کا عقیدہ اور فکر ہر قسم کے کفر، شرک اور نفاق سے پاک ہو۔ دوسری چیز اخبات ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ (ہود-۲۳) وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال انجام دیے اور پھر انہوں نے اپنے رب کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا۔ اسی کو خشوع و خضوع بھی کہتے ہیں اور اس صفت کے حاملین، خاشعین، خاضعین اور مخبتین کہلاتے ہیں۔ اپنی نیازمندی اور کمزوری اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا خیال کرنا اخبات کہلاتا ہے۔ سورۃ المدثر میں ہے۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (آیت ۳) ہمیشہ اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کرتے رہو۔

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۵۳ ج ۱ وہمعات ص۸۹ (فیاض)

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کی شرائع کی تیسری خصلت سماحت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان حقیر اور خبیس چیزوں سے بچتا رہے، یعنی حرص، لالچ طمع اور خود غرضی کو قریب نہ آنے دے اور چوتھی خصلت عدالت ہے یعنی انسان ہمیشہ عدل و انصاف کا پرچم بلند رکھے اور کسی پر ظلم و زیادتی سے پرہیز کرے، بہر حال ان چار بنیادی صفات میں خشوع یعنی اخبات بھی ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔

فرمایا جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اور اللہ سے ڈرتا رہا۔ اور اس کی نافرمانی سے بچتا رہا تو یہی لوگ فائز المرام ہونے والے ہیں چوتھی صفت تقویٰ کا تعلق بھی دل سے ہوتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ تقویٰ کا معنیٰ یوں کہتے ہیں" محافظت برحدود شرع" یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنا ہی تقویٰ ہے۔ شرک، کفر، نفاق، کبائر اور صغائر سے بچنا تقویٰ میں شامل ہے۔ تو فرمایا جس میں یہ چار صفات ہوں گی وہی فائز المرام ہوں گے۔

ایمان افروز واقعہ

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک رومی دیہاتی آدمی کھڑا ہو کہ کہہ رہا تھا اَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ تو اُس نے کہا کہ میں ایمان لایا ہوں۔ آپ نے پھر پوچھا تمہارے ایمان لانے کی وجہ کیا ہوئی؟ کہنے لگا۔ میں نے زبور تورات، انجیل اور بعض آسمانی صحائف پڑھے ہیں اور میں اُن کی چاشنی کو جانتا ہوں۔ پھر ہمارے ہاں ایک مسلمان قیدی تھا جو قرآن پاک کی یہ آیت پڑھتا تھا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ میں نے اس آیت پر غور کیا تو مجھے یہ ایسی جامع آیت محسوس ہوئی جس میں تمام سالقہ کتب سماویہ کا لب لباب آگیا ہے۔ چنانچہ مجھے یقین آگیا کہ واقعی یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور میں نے ایمان قبول کر لیا۔ کہنے

لہ الطاف القدس فی معرفۃ لطائف النفس مترجم ص۹۳ (فیاض)

رکھا مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ میں تمام فرائض آ گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دو۔ اور وَ رَسُوْلَہٗ میں اللہ کے رسول کی تمام سنن آ گئی ہیں۔ پھر وَیَخْشَ اللّٰہَ گذری ہوئی عمر کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ پچھلے دور میں جس قدر غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہیں ان کی وجہ سے انسان کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہو جائے اور وہ تمام گناہوں کی معافی طلب کر لے۔ اور پھر وَیَتَّقْہِ سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی باقی ماندہ زندگی کی فکر کرے اور محتاط ہو کر وقت گذارے۔ ہر قسم کے کفر، شرک، نفاق، معاصی اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے تو اس کی آئندہ زندگی سنور جائے گی۔ اور یہی وہ چار باتیں ہیں جن کی بدولت انسان اپنی زندگی کا لائحہ عمل متعین کر سکتا ہے اور پھر اس پر عمل پیرا ہو کر فائز المرام لوگوں کی فہرست میں شامل ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے رومی دہقانی کی یہ بات سن کر فرمایا کہ بیشک تیری یہ بات درست ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع فرمودات

یہ تو اللہ کے کلام کی جامعیت کا تذکرہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان[1] ہے اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ اللہ نے مجھے جامع کلام عطا فرمایا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے ایک چھوٹے سے جملے میں بھی ایک جہانِ معنی آباد ہوتا ہے۔ مثلاً[2] اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ یعنی دین تو خیر خواہی کا نام ہے۔ فرمایا[3] اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ نیز فرمایا[4] اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہوتا ہے۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے کلمات میں تعلیم کا ایک وسیع سلسلہ ہوتا ہے۔ بہرحال اس آیت کریمہ میں اتنی جامع تعلیم موجود ہے جو انسان کی زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی کرتی ہے۔ انسانی زندگی کا یہی تو خلاصہ ہے کہ اس کے ذمے فرائض کی ادائیگی ہوتی ہے یا سنن کی۔ اور یا اسے گذشتہ کی فکر ہوتی ہے یا آئندہ زندگی کے لیے لائحہ عمل ہوتا ہے۔ بہرحال فرمایا کہ اِن چار صفات کے حاملین ہی کامیابی و

[1] قرطبی صفحہ ۲۹۵ ج ۲۰ [2] مسلم صفحہ ۵۴ ج ۱ [3] بخاری صفحہ ۲ ج ۱ و مسلم صفحہ ۱۴۰ ج ۲ [4] بخاری صفحہ ۹۷۸ ج ۲ (فیاض)

منافقین کی جھوٹی قسمیں

و کامرانی سے ہمکنار ہوں گے۔

مومنین کے مذکورہ بالا تذکرے کے بعد اللہ نے پھر منافقین کے کردار کی طرف اشارہ فرمایا ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ یہ لوگ اللہ کی پختہ قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ، اگر آپ اِن کو حکم دیں گے تو یہ ضرور باہر نکلیں گے۔ باہر نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ جہاد میں جانے کی ضرورت ہو، حصولِ علم کے لیے جانا ہو، تبلیغ کا فریضہ انجام دینا یا کسی دیگر اشغال کے لیے اللہ کی راہ میں نکلنا مطلوب ہو تو وہ اس کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں لَا تُقْسِمُوْا مت قسمیں کھاؤ۔ اللہ کو تمہاری قسموں کی ضرورت نہیں بلکہ جو چیز مطلوب ہے وہ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ یعنی دستور کے مطابق اطاعت ہے۔ اللہ اور رسول کے ہر حکم پر عمل پیرا ہو کر دکھاؤ۔ ورنہ تمہاری زبانی باتوں کا کچھ اعتبار نہیں۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ان لوگوں کے قول و فعل میں تضاد ہے، لہٰذا ان کی جھوٹی قسموں کا کچھ فائدہ نہیں۔

اصلاح نفس اور اصلاح عالم

ظاہر ہے کہ تبلیغ کی خاطر گھر سے نکلنا بہت بڑی قربانی ہے۔ اور تبلیغ میں دو باتیں شامل ہیں یعنی اصلاحِ نفس اور اصلاحِ عالم۔ انسان کے اپنے نفس کی اصلاح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے آئے گی۔ جب کوئی شخص اطاعت شروع کر دے گا تو اس میں تقویٰ اور خشیت آ جائے گی۔ دوسرا اہم پروگرام اصلاحِ عالم ہے اور اس کے لیے دوسروں کے پاس جانا پڑے گا۔ دوسروں سے مراد غیر مسلم اقوام ہیں جن کو دینِ اسلام کی حقانیت سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اس کی طرف راغب ہو سکیں۔ مگر اِس وقت مسلمان اس قدر انحطاط کا شکار ہیں کہ غیر مسلموں کے پاس جانے کی جرأت ہی نہیں کرتے الا ماشاء اللہ۔ اب تو تبلیغ کا فریضہ خود مسلمانوں کے حلقوں تک ہی محدود ہو کر

رہ گیا ہے۔ بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں کے پاس جا کر بھی خوشامد کرنا پڑتی ہے کہ خدا کے لیے اپنے دین کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ مسلمان دین کی مبادیات سے بھی غافل ہو چکے ہیں۔ اور انہیں اپنے مشن کا کچھ علم نہیں کہ ہم دنیا میں کیوں آئے ہیں۔ آج مسلمانوں کو بتانا پڑتا ہے کہ تمہارے دین کے کیا تقاضے ہیں اور اگر ان کو پورا کرو گے تو تمہارا بھلا ہو گا۔ ایوب کے زمانے میں ایک جاپانی پروفیسر نے اسلام قبول کیا اور اس نے راولپنڈی میں انٹرویو دیا تھا کہ اس نے اسلام کیسے قبول کیا۔ اس نے کہا تھا کہ میں مسلمانوں کے کردار سے متاثر ہو کر مسلمان نہیں ہوا بلکہ اتفاق سے قرآن کریم کا ایک نسخہ میرے ہاتھ آ گیا۔ اس کا مطالعہ کر کے میں اسلام کے لیے بے چین ہو گیا۔ پھر دو سال تک مصر میں تعلیم حاصل کی تو اللہ نے مجھے ایمان کی دولت نصیب فرما دی۔ مقصد یہ ہے کہ آج کا مسلمان اس قدر گر چکا ہے کہ اپنی تہذیب، تمدن اور اپنا دین تک بھول گیا ہے۔ غیروں کی غلامی کی وجہ سے نہ ذہن اس کا اپنا ہے اور نہ فکر۔ یہ ہر وقت دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تبلیغ دین جیسا اہم فریضہ بھی بالکل بھول چکے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے منافقوں کا حال بیان کیا ہے کہ وہ اللہ کے راستے میں نکلنے کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں مگر نکلتے نہیں۔ آج مسلمانوں کا حال بھی یہ ہے کہ کسی نیک کام خصوصاً تبلیغ دین کے لیے نکلنا ان کے لیے محال ہو چکا ہے۔ یہ آیت منافقوں کے حق میں اتری تھی مگر آج اس کا اطلاق خود مسلمانوں پر ہو رہا ہے۔

رسول اور امت کی ذمہ داری

آگے پھر ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے فرما دیں۔ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کہ جھوٹے وعدے اور جھوٹی قسمیں کھانے کے بجائے اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ وہ جس کام کا حکم دیں اسے کر گزرو۔ اور جس کام سے منع کریں۔ اس سے رک جاؤ۔ اس کے بجائے فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر اللہ اور اس کے رسول کے

حکم سے روگردانی کرو گے تو یاد رکھو! فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ تو رسول کے ذمے تو وہی کچھ ہے جو اُس پر بوجھ ڈالا گیا۔ رسول کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام تم تک پہنچا دے اور پھر آگے ان کو قبول کر کے منزلِ مقصود تک پہنچتے ہو یا نہیں، یہ رسول کی ذمہ داری نہیں ہے۔ رسول کے لیے یہی حکم ہے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (مائدہ - ۶۷) اے پیغمبر! جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ اُسے آگے پہنچا دیں۔ اور پھر آگے حضور علیہ السلام نے امت کو حکم دیا۔ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً [1] لوگو! تمہیں میری ایک بات بھی معلوم ہو تو اُسے اگلے لوگوں تک پہنچاؤ۔ فرمایا کہ رسول کا کام تو یہ ہے کہ وہ میرے احکام تم تک پہنچا دے۔ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ اور تمھاری ذمہ داری وہ ہے جو تم پر ڈالی گئی ہے یعنی اللہ کے حکم اور رسول کے فرمان کو تسلیم کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ اور یہ احکام دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ مطلب یہ کہ رسول کا کام پہنچانا ہے منوانا نہیں۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔

اطاعت زینۂ ہدایت

ارشاد ہوتا ہے، لوگو! غور سے سن لو وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا اگر تم اللہ کے رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اور اگر نہیں مانو گے تو ہدایت سے محروم ہو جاؤ گے، اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ شقی اور بدبخت بن کر جہنم رسید ہو گے۔ صاحب تفسیر روح المعانی سے مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نے بیان کیا ہے کہ ایک بزرگ ابو عثمانؒ کا قول ہے مَنْ اَمَّرَ السُّنَّةَ عَلٰی نَفْسِهٖ قَوْلًا وَّفِعْلًا نَطَقَ بِالْحِكْمَةِ جس نے قولی اور فعلی طور پر سنت کو اپنے آپ پر حاوی کر لیا تو اس کی زبان سے ہمیشہ حکمت کی باتیں نکلیں گی۔ گویا سنت پر عمل کرنا کامیابی کی دلیل ہے۔

فرمایا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ رسول کے ذمے تو صرف کھول کر پہنچا دینا ہے اور باقی کام تمھارے ذمے ہے

[1] سنن دارمی ص۱۱۱ ج۱ و ترمذی ص۳۸۳ (فیاض)

اب تمھارا فرض ہے کہ رسول کی بات کو تسلیم کرو اور اس کی تعمیل کرو۔ تاکہ تم فائز المرام بن جاؤ۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ
لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ
۷ع۷ ۱۳ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع

ترجمہ :- اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں ، اور جنہوں نے اچھے اعمال کیے ہیں کہ وہ ضرور اُن کو خلافت بخشے گا زمین میں جیسا کہ اُس نے خلافت بخشی اُن لوگوں کو جو اُن سے پہلے گزرے ہیں ۔ اور وہ ضرور جما دے گا اُن کے لیے اُن کے دین کو جو اللہ نے اُن کے لیے پسند کیا ہے ۔ اور ضرور تبدیل کر دے گا ، وہ (اللہ) اُن کے لیے امن کی حالت کو خوف کے بعد ۔ یہ صرف میری ہی عبادت کریں گے اور نہ شریک ٹھہرائیں گے میرے

ساتھ کسی کو۔ اور جس نے ناشکرگزاری کی اس کے بعد، پس یہی لوگ ہیں نافرمان (۵۵) اور قائم کرو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ۔ اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۵۶) اور نہ گمان کریں آپ اُن لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا کہ وہ عاجز کرنے والے ہیں زمین میں۔ اور اُن کا ٹھکانا (دوزخ کی) آگ ہے اور البتہ بہت بری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی (۵۷)

ربطِ آیات گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافق قسم کے لوگوں کی مذمت بیان کی کہ جب اُن کے تنازعات کے تصفیہ کے لیے اُن کو اللہ اور اُس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اعراض کرتے ہیں۔ پھر اگر انہیں اپنی مطلب براری کی توقع ہو تو آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرمایا یہ بڑے ظالم قسم کے لوگ ہیں۔ ان کے دِلوں میں نفاق بھرا ہوا ہے۔ یا یہ شک میں سرگرداں ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ اور اُس کے رسول کے فیصلے سے اُن پر زیادتی ہوگی۔ دوسری طرف اللہ نے اہل ایمان کے متعلق فرمایا کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو فوراً سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہہ دیتے ہیں یعنی ہم نے سُن لیا۔ اور اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔ فرمایا یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے ایک عام اصول بیان فرمایا کہ جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا اور اس کے دل میں خشیتِ الٰہی اور تقویٰ ہوگا، ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہوں گے۔ اس کے بعد پھر منافقوں کا کردار بیان کیا کہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول کے حکم پر ضرور نکلیں گے مگر اللہ نے فرمایا کہ قسمیں اٹھانے کی ضرورت نہیں بلکہ دستور کے مطابق تمہاری اطاعت مطلوب ہے۔ پھر اگر تم اللہ اور رسول کی اطاعت سے روگردانی کرو گے تو یاد رکھو اس میں تمہارا ہی نقصان ہے کیونکہ رسول کے ذمے تو فقط پہنچا دینا ہے۔ اُس نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے اور تمہیں اللہ کے احکام پہنچا دیے ہیں۔ اب اِن احکام کو تسلیم کرنا اور ان پر عمل کرنا تمہارا فریضہ ہے اگر اعراض کرو گے تو خود عنداللہ ذمہ دار ٹھہرو گے۔

خلافتِ ارضی کا وعدہ

اب آج کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے ایک بہت بڑی نعمت خلافتِ ارضی کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور جنہوں نے اچھے اعمال انجام دیئے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلافت عطا کرے گا۔ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جس طرح اُس نے خلافت بخشی اُن سے پہلے لوگوں کو۔ تاریخی لحاظ سے یہ سورۃ مبارکہ ۵ھ یا ۶ھ میں غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر نازل ہوئی لہٰذا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے خلافتِ ارضی کا وعدہ ان لوگوں سے کیا جو اس وقت تک ایمان لا چکے تھے۔ امام ابوبکر جصاصؒ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں رقمطراز ہیں کہ موعودہ خلافت کے مصداق چاروں خلفائے راشدینؓ ہیں جو کہ اس آیت کے نزول کے وقت ایمان کی دولت سے مشرف ہو چکے تھے۔ جہاں تک پہلے لوگوں کو خلافت عطا کرنے کا سوال ہے تو اس سے قوم عمالقہ مراد ہے جس کی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خلافتِ ارضی کا منصب عطا کیا۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو خلافتِ ارضی پر فائز کیا۔

تاریخ خلافت

اس وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے چاروں خلفائے راشدینؓ کو خلافت پر متمکن کیا۔ پہلے دو خلفاء کے زمانے میں دین کا بڑا کام ہوا، اسلام کی بنیادیں مستحکم ہوئیں اور اسلامی ریاست کی سرحدیں عرب سے نکل کر عجم تک پھیل گئیں۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے چھ سال بھی امن و امان میں گزرے مگر اس کے بعد یہودیوں اور منافقوں کی سازش کی وجہ سے قصرِ خلافت میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ تاہم اس دور میں بھی بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے گئے۔ پھر چوتھے خلیفہ

راشد حضرت علیؓ کے زمانہ میں مسلمانوں کے آپس کے اختلافات بہت بڑھ گئے مگر انہوں نے بھی پانچ سالہ دور میں سابقہ تین ادوار کے نمونہ کو برقرار رکھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً[1] یعنی میرے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوت تیس سال تک قائم رہے گی۔ چنانچہ چاروں خلفائے راشدینؓ اور حضرت حسنؓ کے چھ ماہ کو شمار کیا جائے تو پورے تیس سال بنتے ہیں۔ فرمایا اس عرصہ کے بعد خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو جائے گی، تاہم ابتدائی دور ملوکیتِ عادلہ کا ہوگا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی پوری ہوئی۔ حضرت حسنؓ کے بعد حضرت معاویہؓ کا دور خلافت میں شمار نہیں ہوتا، البتہ یہ ملوکیتِ عادلہ میں شمار ہوتا ہے۔ آپ نے بیس سال تک گورنری اور بیس سال تک خلافت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کے زمانے میں اختلافات ختم ہو چکے تھے اور پوری امت مسلمہ متفق تھی۔ ان حالات سے خلافت راشدہ برحق ثابت ہوتی ہے۔ اور جو رافضی یا ناصبی اس خلافت میں شک کرتے ہیں وہ گمراہ اور اسلام کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو وعدہ فرمایا تھا، وہ خلفائے راشدینؓ پر پورا ہو گیا اور چاروں خلفاء نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق امورِ خلافت کو ٹھیک ٹھیک انجام دیا۔

ملوکیت کا زمانہ

اس کے بعد چودہ سو سالہ تاریخ میں مسلمانوں کے حالات خراب ہی رہے ہیں۔ ملوکیت کے دوران جبر واستبداد کا دور دورہ رہا ہے۔ درمیان میں کوئی عمر بن عبد العزیزؒ جیسا اچھا حکمران آ گیا تو کام درست ہو گیا۔ آپ کے زمانہ کو محدثین اور فقہاء خلافت راشدہ میں شمار کرتے ہیں کیونکہ آپ نے انہی کے نقش قدم پر خلافت کی ذمہ داری پوری کی۔ لیکن آپ کے بعد اموی خاندان پھر ذاتی منفعت میں پڑ گیا۔ اس خاندان کے بعد عباسیوں نے ساڑھے چھ سو سال تک حکومت کی لیکن وہ بھی مکمل ملوکیت تھی۔ وہی عیش و آرام اور وہی جاہ پسندی۔ چونکہ اس سارے دور میں سب سے اعلیٰ قانون قرآن کو ہی تسلیم کیا جاتا تھا۔ لہٰذا اجتماعی طور پر

[1] ترمذی ص۳۲۳ و قرطبی ص$\frac{۲۹۸}{۱۲}$ (فیاض)

قرآن کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے تھے مگر ذاتی طور پر ایک دوسرے کو مغلوب کرنے ہی کی کوشش کرتے رہے۔ اس زمانے میں بھی بعض اچھے لوگ پیدا ہوتے ہیں بعض ملوک بھی ذاتی طور پر صاحب علم اور اچھے آدمی تھے، انہوں نے اچھے کام کرنے کی کوشش بھی کی ہے مگر نظامِ حکومت کو تبدیل نہیں کر سکے، وہاں خلافت کی بجائے ملوکیت ہی چلتی رہی۔

کردوں میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے ذاتی طور پر بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے خاص طور پر صلیبی جنگوں میں انہوں نے عیسائیوں کے خلاف بڑی کامیابیاں حاصل کیں۔ ادھر برصغیر میں سلطان ناصر الدین التمشؒ کا دور بڑا اچھا دور تھا مگر وہ بھی ملوک ہی تھے۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ نے بڑے اچھے کام کیے مگر نظامِ خلافت کو جاری نہ کر سکے۔ ترکوں میں سلطان محمد خامسؒ اور سلطان سلیمؒ کی حالت اچھی رہی مگر بعد والے انحطاط میں چلے گئے اور بڑی خرابیاں پیدا ہوئیں۔ ملوکیت ایک بڑا عذاب ہے جو فحاشی، عیاشی اور لہو و لعب کی بنا پر اصل مقصد سے بہت دور لے جاتا ہے۔ اُدھر خلافت کے لفظ سے ہی واضح ہے کہ اس میں من مانی نہیں ہوتی، بلکہ خلیفہ رسول اللہ کا نائب ہوتا ہے اور وہ وہی کام کرتا ہے جو اللہ کے نبی نے کئے۔ وہ دین کو سربلند کرتے ہیں جب کہ ملوک مذہب کو اپنے تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علمائے سوء سے غلط فتوے لے کر دین میں خرابیاں پیدا کرتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو خلافت عطا کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا کر دیا اور اس کی ابتداء خلفائے راشدین سے ہوئی

دین کی پختگی

اس آیت کریمہ میں اللہ نے اہلِ ایمان کے ساتھ دوسرا وعدہ یہ فرمایا وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ اور وہ ضرور جما دیگا، پختہ کر دے گا ان کے لیے اُن کے دین کو جو اللہ نے اُن کے لیے پسند کیا ہے۔ یہ وعدہ بھی اللہ نے خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں پورا کر دیا۔ ۳۸ھ میں حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان واقعہ صفین پیش آیا۔ اس وقت تک نصف

دنیا پر اسلام کا غلبہ ہوچکا تھا اور باقی نصف دنیا میں اتنی جرأت نہیں تھی جو وہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے۔ اس دور تک ایرانی ختم ہوچکے تھے۔ البتہ رومیوں میں قدرے دم خم باقی تھے مگر مسلمانوں جیسی قوت کسی کے پاس نہیں تھی۔ واقعہ صفین سے اسلام کی اجتماعی تحریک کو سخت نقصان پہنچا اور عالمی تحریک رک گئی۔ دو سال بعد حضرت علیؓ کی شہادت کے ساتھ ہی خلافتِ راشدہ کا دور تو ختم ہوگیا تاہم اسلام کے پچاس سالہ دور کی کامیابیوں سے مسلمان مزید ساڑھے چھ سو سال تک فائدہ اٹھاتے رہے۔ امویوں کے زمانہ میں بڑی جنگیں لڑی گئیں۔ پھر عباسیوں کے دور میں علم اور سائنس کی بڑی ترقی ہوئی۔ اس دوران میں بہت کچھ ہوا مگر اجتماعی نظام درست نہ ہوا اور یہ دستور ملوکیت کے سائے میں چلتا رہا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اسلام کو قربِ قیامت میں ہی عروج نصیب ہوگا۔ بہرحال اللہ نے دین کو مستحکم کر دیا جس کے اثرات آج تک مسلمانوں میں چلے آ رہے ہیں۔ دنیا میں اس وقت ایک ارب مسلمان موجود ہیں۔ پچاس کے قریب مسلمانوں کی ریاستیں بھی ہیں مگر خلافت کے نظام سے ہٹ جانے کی وجہ سے دنیا میں ان کی کوئی حیثیت نہیں، سب غیروں کے دست نگر ہیں۔ تاہم دین کی جھلک ضرور نظر آتی ہے۔

خوف کے بعد امن

اللہ نے تیسرا وعدہ یہ فرمایا وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے خوف کو ضرور امن میں بدل دیگا۔ ابتدائی دور میں مسلمانوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سورۃ کے نزول کے وقت بھی مسلمان سخت خوف اور خطرہ کی حالت میں تھے۔ ساری دنیا مٹھی بھر مسلمانوں کی مخالف تھی۔ سورۃ نساء اور دوسری سورتوں میں بھی موجود ہے کہ مسلمان دشمن کے خوف سے ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے۔ حتیٰ کہ نماز کے دوران بھی ہتھیار اتارنے کی اجازت نہ تھی۔ خود حضور علیہ السلام نے دس مرتبہ صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی ہے۔ ایک طرف مشرک جانی دشمن تھے تو دوسری طرف یہودیوں

اور منافقوں نے سازشوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ قبیلہ مضر کے مشرک خاص طور پر جانی دشمن تھے۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اُن کی خوف کی حالت کو امن کی حالت میں تبدیل کر دے گا۔ حضور علیہ السلام نے بھی پیشگوئی فرمائی تھی کہ مسلمانوں پر ایک ایسا پرامن دور بھی آئے گا کہ ایک عورت صنعاء سے حضر موت تک اکیلی سفر کرے گی مگر سوائے خدا کے خوف کے اُسے کوئی خوف نہیں ہوگا۔ حضرت عدیؓ بن حاتم طائی کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے حضور کی پیشن گوئی کو پورا ہوتے دیکھا۔ زیورات سے آراستہ ایک تن تنہا عورت اونٹ پر سفر کر رہی تھی مگر کوئی چور، ڈاکو یا دشمن تعرض کرنیوالا نہیں تھا۔

ایفائے وعدہ کی شرط

بہرحال اللہ نے اہل ایمان سے تین وعدے فرمائے (۱) خلافت ارضی۔ (۲) دین کا استحکام اور (۳) امن کی حالت۔ مگر ساتھ شرط بھی عاید کر دی کہ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا لوگ صرف میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بنائیں گے۔ جب تک مسلمان اس شرط پر قائم رہے اللہ نے تینوں وعدے پورے کئے۔ پھر جوں جوں اس شرط کی خلاف ورزی ہوتی گئی۔ اللہ کے یہ انعامات بھی اٹھتے گئے۔ پھر نہ خلافت ارضی رہی نہ دین کا استحکام باقی رہا، اور نہ ہی امن قائم رہا۔ آج پوری دنیا اور خاص طور پر مسلمانوں کے حالات ہمارے سامنے ہیں جب سے اس شرط کو توڑا ہے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

کفران نعمت

فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ جس نے اس کے بعد کفران نعمت یعنی ناشکر گزاری کی فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پس یہی لوگ نافرمان ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کے ان انعامات کے اولین ناقدران حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش کرنے والے تھے۔ یہ کفران نعمت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کا آپس میں ایسا قتال شروع ہوا جو

لہ تفسیر کبیر ص ۲۱/۶۷ (فیاض)

قیامت تک جاری رہے گا۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ کہتے ہیں کہ سازشی ٹولہ دو تین ہزار افراد پر مشتمل تھا جن میں کچھ مصری ، بصری ، کوفی اور عراقی تھے ۔ دراصل یہ یہودیوں اور منافقوں کی سازش تھی جو خود تو پیچھے رہتے تھے اور دوسروں کو آگے کئے رکھا تھا ۔ سازشیوں نے حضرت عثمانؓ کی برطرفی کا مطالبہ کیا مگر آپ نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے میرے متعلق فرمایا تھا کہ اگر تم نے خدا کی پہنائی ہوئی قمیص کو اتار دیا تو جہنم میں جاؤ گے ، لہٰذا میں خلافت کی یہ قمیص کیسے اُتار سکتا ہوں ۔ آپ کا کمال یہ تھا کہ آپ نے مخالفین کے خلاف قتال بھی نہیں کیا حالانکہ آپ ایسا کر سکتے تھے ۔ کہتے تھے میں اپنی جان دے دوں گا ۔ مگر مسلمانوں کا خون نہیں بہاؤں گا ۔ آج تو حضرت عثمانؓ کو بُرا بھلا کہنے والے بھی موجود ہیں مگر یہ ساری حقیقت قیامت کو ظاہر ہو گی کہ حق پر کون تھا ۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ مخالفین سے کہتے تھے کہ خدا کے بندو ! جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے ہیں اللہ کے فرشتوں نے اس سرزمین کو گھیر رکھا ہے اور خدا تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں اس سرزمین پر نازل ہو رہی ہیں ۔ اگر تم نے خلیفہ راشد کو شہید کر دیا تو اللہ کے فرشتے ناراض ہو کر چلے جائیں گے اور پھر کبھی واپس نہیں آئیں گے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ جو تلوار حضرت عثمانؓ کی شہادت کے لیے میان سے نکلی ، وہ پھر واپس نہیں گئی ، اور پوری دنیا میں آج تک قتل و غارتگری کا بازار گرم ہے ۔ اتفاق و اتحاد کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔ ہر شخص دوسرے کو ختم کر کے اپنا راستہ صاف کرنا چاہتا ہے یہ کمال صرف حضرت عثمانؓ کا تھا کہ انہوں نے اپنی ذات کے لیے مسلمانوں کا ایک قطرۂ خون نہیں بہنے دیا ۔ بہرحال اللہ کی نعمتوں کے اولین ناقدردان حضرت عثمانؓ کے مخالفین تھے اور یہ سارے کے سارے کلمہ گو تھے ۔ آپکی شہادت کے بعد کربلا کے میدان میں اہل بیت کے قتل کا بازار گرم کیا گیا ۔

یہ ایسا سلسلہ ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام اور امام مہدیؑ کے ظہور تک جاری رہیگا۔

فلاح کے تین اصول

آگے اللہ نے خلاصے کے طور پر فلاح و کامیابی کے تین اصول بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو ـــــ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ـــــ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری پر کاربند رہو۔ ان تین چیزوں میں نماز بدنی عبادت ہے جب کہ زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ اور دین کا سارا دارومدار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت گزاری پر ہے۔ ان تین باتوں پر کاربند ہونا فلاح کی ضمانت ہے۔ اگر ان کے خلاف کرو گے تو نہ فلاح حاصل ہوگی اور نہ نجات ملیگی۔ فرمایا ان اصولوں کو اپنا لو لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش اِن اصولوں کی پابندی کے ساتھ مشروط ہے۔

اہل ایمان کے لیے تسلی

اس سورۃ کے نزول کے وقت دنیا میں کافروں کو غلبہ حاصل تھا اور مسلمان ان کے ظلم و ستم برداشت کر رہے تھے۔ اللہ نے ایسے حالات میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ آپ ان کافروں کے متعلق یہ گمان نہ کریں کہ وہ زمین میں عاجز کرنے والے ہیں یعنی وہ خدائی پروگرام کو ناکام بنا دیں گے۔ فرمایا ایسا نہیں ہوگا۔ ان کا وقتی غلبہ محض استدراج ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت مل رہی ہے۔ جب یہ مہلت ختم ہو جائے گی تو یہ لوگ نہ صرف دنیا میں مغلوب ہو جائیں گے بلکہ جب قیامت کو خدا تعالیٰ کے ہاں پہنچیں گے تو پھر وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ان کا بالآخر ٹھکانا جہنم ہی ہے وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور یہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کافر امریکی ہو، برطانوی، روسی ہو یا جرمن ان کی اچھی حالت دیکھ کر رشک نہیں کرنا چاہیئے۔ چند روز کی بات ہے، آخر کار یہ جہنم کے کندۂ ناتراش

ہی بنیں گے ۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ساتھ تین چیزوں کا وعدہ کیا ۔ اور پھر اس کے ساتھ وعید بھی سنائی کہ اگر کفران نعمت کرو گے تو فاسق بن جاؤ گے ۔ اگر نماز ادا کرتے رہو گے ، زکوٰۃ دیتے رہو گے ، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ راضی ہو گا ، تم پر اپنی رحمتیں نازل کرے گا اور اس کے وعدے بھی پورے ہوتے رہیں گے ، ورنہ وہ اپنے انعامات کا دروازہ بند کرنے پر بھی قادر ہے ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ
قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ
الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۚ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ
لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ
طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾ وَاِذَا
بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ
لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ
ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ ۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ
خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! چاہیئے کہ اجازت لیں تم سے وہ لوگ جو تمھارے غلام ہیں، اور وہ جو قریب البلوغ ہیں تم میں سے، تین مرتبہ (یعنی) نمازِ فجر سے پہلے، اور جب کہ تم

اپنے کپڑے اتارتے ہو بوقتِ دوپہر، اور بعد از نمازِ عشاء - یہ تین اوقات تمہارے بدن کھلنے کے ہیں - اور نہیں حرج تم پر اور نہ اُن پر اِن اوقات کے بعد - چکر لگانے والے ہیں تم پر بعض تم میں سے بعض پر - اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے آیات اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور حکمت والا ہے ﴿۵۸﴾ اور جب پہنچ جائیں تم میں سے بچے بلوغت کی حد تک، پس چاہیئے کہ وہ اجازت طلب کریں جیساکہ اجازت طلب کی ہے اُن لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے - اسی طرح اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آئتیں - اور اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے ﴿۵۹﴾ اور جو عورتیں بیٹھنے والی ہیں کہ وہ نہیں توقع رکھتیں نکاح کی - پس نہیں حرج اُن کے اُوپر کہ وہ اتاریں اپنے کپڑے اس حال میں کہ نہ ظاہر کرنے والی ہوں زینت کو - اور اگر وہ بچ کر رہیں تو بہتر ہے اُن کے لیے - اور اللہ تعالیٰ سمیع اور علیم ہے ﴿۶۰﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں مسئلہ خلافت اور رسول کی اطاعت کا ذکر تھا اُس سے پہلے توحید کے عقلی دلائل بیان کیے گئے تھے - اس سے پہلے اللہ نے اپنے نور کی مثال بیان فرمائی - ایمان والوں کے انعامات اور کفر شرک کرنے والوں کے انجام کا ذکر تھا - ابتدائے سورۃ میں حدود کا ذکر تھا - اللہ تعالیٰ نے نظامِ عصمت وعفت کی حفاظت کے لیے تعزیری قوانین بیان فرمائے تاکہ لوگ بُرائی اور بے حیائی سے بچ جائیں - اللہ نے اہلِ ایمان کو خطاب کرکے فرمایا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلنا - اپنے خواہشِ نفسانی پر چلنا بھی شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے کے مترادف ہے اور شیطان ہمیشہ برے راستے پر ڈالتا ہے، لہٰذا اللہ نے اِس سے بچنے کی تلقین کی -

پھر استیذان کا مسئلہ بیان ہوا کہ اے ایمان والو! دوسروں کے گھروں میں جانا ہو تو بغیر اطلاع اور اجازت مت داخل ہو۔ اللہ نے واقعہ افک میں ملوث منافقین کی سخت مذمت بیان فرمائی اور اہل ایمان کو آئندہ کے لیے محتاط رہنے کا درس دیا۔

تین ممنوعہ اوقات

آج کی آیات بھی مسئلہ استیذان اور نظام عصمت و عفت کے ساتھ مربوط ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ چاہیئے کہ تمھارے غلام تم سے اجازت لیکر تمھارے پاس آئیں۔ لونڈی غلاموں کا گھر میں عام آنا جانا ہوتا ہے کیونکہ وہ خدمت پر مامور ہوتے ہیں مگر ان کو بھی خاص اوقات میں پابند کر دیا گیا کہ وہ بلا اجازت اپنے مالک کی خلوت میں داخل نہ ہوں۔ غلاموں کے علاوہ فرمایا وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ وہ بچے بھی اجازت لے کر آئیں جو ابھی سن بلوغت کو نہیں پہنچے امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ بعض محدثین اور بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ چار سال کے بچے کو بھی سکھا دو کہ اگر اُس کے والدین بھی علیحدہ کمرے میں ہوں تو بغیر اجازت کے وہاں نہ جائے۔ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ تین مرتبہ وہ کون سے اوقات ہیں جن میں بلا اجازت جانے پر اللہ نے پابندی لگا دی ہے۔ فرمایا مِنْ قَبْلِ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ رات کے پچھلے پہر یعنی قبل از نماز فجر بلا اطلاع اور بلا اجازت مت داخل ہو۔ یہ حکم لونڈی غلام کے لیے بھی ہے اور اُن بچوں کے لیے بھی جو قریب البلوغ ہوں۔ فرمایا دوسرا وقت وہ ہے وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّھِیْرَۃِ جب تم دوپہر کے وقت استراحت کے لیے اپنے کپڑے اُتار دیتے ہو۔ خصوصاً گرمی کے زمانہ میں عام طور پر لوگ دوپہر کے وقت صرف دھوتی وغیرہ پہن کر آرام کرتے ہیں اور بعض اوقات برہنہ بھی ہو جاتے ہیں لہٰذا اسوقت میں بھی سیدھے اندر چلے آنے سے منع فرما دیا۔ اور تیسرا ممنوعہ وقت ہے وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ نماز عشاء کے بعد بھی کسی کے

ہاں بلا اطلاع نہ جاؤ کہ اس وقت بھی پردہ دری کا خدشہ ہوتا ہے۔ یہ تین اوقات ایسے ہیں کہ جن میں انسان کا ستر کھل جاتا ہے فرمایا ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ یہ تین اوقات تمہارے بدن کھلنے کے ہیں۔ بعض اوقات میاں بیوی بے تکلف بھی ہوتے ہیں یا کوئی شخص سوتے میں برہنہ ہو جاتا ہے، لہٰذا ان اوقات میں بلا تکلف آنے جانے سے منع فرما دیا۔ البتہ فرمایا لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ان اوقات کے علاوہ نہ تم پر کچھ گناہ ہے اور نہ ان آنے والوں پر جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا یعنی لونڈی غلام اور چھوٹے بچے۔ فرمایا اس اجازت کی وجہ یہ ہے طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ کہ تم میں سے بعض تم پر چکر لگانے والے ہیں۔ اُن کو کام کاج کے لیے ہر وقت آنا جانا ہوتا ہے لہٰذا ان تین اوقات کے علاوہ انہیں اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

شانِ نزول

اس آیت کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے ایک جوان لڑکے کو بلا کر کہا کہ جاؤ حضرت عمرؓ کو بلا لاؤ۔ دوپہر کا وقت تھا۔ حضرت عمرؓ نے تہبند پہن رکھا تھا۔ آپ آرام کر رہے تھے اور جسم پر واحد چادر کا اکثر حصہ جسم سے اُترا ہوا تھا۔ وہ لڑکا اسی حالت میں بلا اطلاع اندر چلا گیا جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ کو سخت ندامت ہوئی اور آپ کے دل میں خیال آیا کہ کتنا اچھا ہو کہ اللہ تعالیٰ ایسے حالات میں آنے جانے پر پابندی عائد کر دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر حضرت عمرؓ کی دعا قبول فرمالی۔

پردے کے مسائل

بہرحال مسئلہ یہی ہے کہ برہنہ حالت میں کسی محرم کو دیکھنا بھی روا نہیں حالانکہ محرم سے تو پردہ نہیں ہوتا۔ محرم کو صرف چہرہ، سر، گردن بازو، پنڈلی وغیرہ دیکھنے کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ جسم کے دیگر حصوں کو وہ بھی نہیں دیکھ سکتا۔ ماں، بیٹی یا بہن ہو، سب کے لیے یہی مسئلہ ہے جسم

سے کے پردے والے حصے کو نہیں دیکھ سکتا۔ ادھر مرد کے متعلق بھی یہی حکم ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ پردے والا حصہ ہے، اس کو کوئی غیر محرم نہ دیکھے۔ فرمایا لَا تَنْظُرْ اِلٰى فَخِذِ حَيٍّ وَّلَا مَيِّتٍ کسی زندہ یا مردہ کی ران کی طرف مت دیکھو۔ کیونکہ یہ حصہ اُس کے ستر میں داخل ہے۔

فرمایا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تمہیں مسائل کا ٹھیک ٹھیک علم ہو جائے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور وہ حکمت والا ہے اس نے اپنے علم اور حکمت کی بنیاد پر یہ قوانین نازل فرمائے ہیں۔ اِن پر عمل کرو گے تو تمہیں ہی فائدہ ہوگا، تمہاری سوسائٹی، بے ہنگم اور عریانی اور پھر ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی قباحتوں سے پاک رہیگی۔

بلوغت کے بعد

فرمایا وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ جب تمہارے بچے بلوغت کی عمر تک پہنچ جائیں فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ تو چاہیئے کہ وہ بھی اجازت طلب کریں جیسا کہ تم سے پہلے لوگ اجازت لے کر آتے ہیں۔ سنِ بلوغت کے متعلق فقہائے کرام میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ صحیح تعین یہ ہے کہ جب لڑکی کو حیض آنے لگے اور لڑکے کو احتلام ہو جائے تو وہ بالغ ہو جاتے ہیں۔ مگر بعض اوقات اِن علامات کا پتہ نہیں چلتا، تو ایسی صورت میں امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ سولہ سال کا لڑکا اور پندرہ سال کی لڑکی بالغ تصور ہوں گے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ کے مطابق لڑکے اور لڑکی کا سنِ بلوغت علی الترتیب اٹھارہ اور سترہ ہے۔

فرمایا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اس کے تمام

لہ ابوداؤد ص ۲۱۲ ج ۲ و تفسیر کبیر ص ۲۰۲ ج ۲۳

سن رسیدہ عورتوں کا مسئلہ

احکام اس کی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔
اسی مسئلہ استیذان کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے بوڑھی عورتوں کے متعلق فرمایا ہے وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا اور بیٹھ رہنے والی وہ عورتیں جن کو اب نکاح کی توقع نہیں ہے۔ یعنی جو عمر کے اس حصے میں پہنچ چکی ہیں کہ اب اُن میں نکاح کی نہ خواہش باقی ہے اور نہ اس کا کچھ فائدہ ہے فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ تو ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے کپڑے اتار دیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر گھر میں بیٹھی ہیں تو اپنے زائد کپڑے، برقعہ، چادر وغیرہ اتار سکتی ہیں کیونکہ گھر میں تو ہلکا دوپٹہ بھی کافی ہوتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ شرط یہ ہے غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ کہ اُن کا مقصد زینت کا اظہار نہ ہو۔ اگر فالتو کپڑے اتار دینے سے زینت ظاہر نہیں ہوتی تو پھر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ شاہ عبدالقادر دہلویؒ فرماتے ہیں کہ سن رسیدہ عورتیں گھر میں اگر تھوڑے کپڑے بھی استعمال کریں تو درست ہے لیکن اگر پردے کا پورا اہتمام کریں تو یہ اُن کے لیے بہتر ہے۔[1]

اس آیت کریمہ میں آمدہ لفظ قواعد جمع ہے قَاعِدٌ کی۔ یہ لفظ مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے جب کہ اس کا تانیث قَاعِدَةٌ ہونا چاہیئے۔ تاہم عربی زبان کی رُو سے اگر کسی عورت کا مطلق بیٹھنا مراد ہو تو قَاعِدَةٌ کا لفظ استعمال ہوگا اور اگر نکاح سے بیٹھنا یعنی علیحدہ رہنا مراد ہو تو پھر قَاعِدٌ ہی آتا ہے جس کی جمع قواعد اس آیت میں استعمال ہوئی ہے۔

فرمایا بوڑھی عورتوں کو گھر میں زائد کپڑے اتارنے کی اجازت تو ہے۔ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ لیکن وہ اپنی عصمت و عفت کو بچا کر رکھیں یعنی پردے کا پورا خیال رکھیں تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتر

[1] موضح القرآن ص ۴۲۸ (فیاض)

ہے۔ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے والا اور
سب کچھ جاننے والا ہے آج کی آیات احکام استیذان کا تتمہ ہیں جن کا ذکر
اللہ نے یہاں پر کر دیا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى
الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ
بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ
بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا
مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ
تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا
عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع ۸ ۱۴

ترجمہ:- نہیں ہے کسی اندھے پر کوئی حرج اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج اور نہ بیمار پر کوئی حرج اور نہ تمھاری اپنی جانوں پر کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا اُن گھروں سے جن کی کنجیوں کے مالک تم ہو، یا اپنے دوستوں کے گھروں

سے ۔ تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم کھاؤ اکٹھے یا الگ الگ ۔ پس جب تم داخل ہو گھروں میں تو سلام کرو اپنے لوگوں پر ۔ دعائے خیر ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو بابرکت اور پاکیزہ ہے ۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ کھول کر تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم سمجھ لو (۶۱)

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں پردے کے احکام بیان ہوئے تھے اور اس ضمن میں دو قسم کے لوگوں کا ذکر کیا گیا تھا کہ غلام اور نابالغ بچے بھی تین اوقات میں بلا اجازت خلوت میں دخل اندازی نہ کریں ۔ یہ اوقات قبل از نماز فجر، دوپہر بوقت آرام اور بعد نماز عشاء ہیں ۔ اللہ نے یہ احکام بھی نازل فرمائے کہ جب بچے سنِ بلوغت کو پہنچ جائیں تو پھر کسی بھی وقت وہ بلا اجازت نہ آیا کریں ۔ فرمایا کہ عمر رسیدہ عورتیں اگر چاہیں تو اپنے غیر ضروری کپڑے اتار سکتی ہیں بشرطیکہ بناؤ سنگھار کا اظہار مقصود نہ ہو ۔ البتہ اگر وہ بھی پردے کا پورا پورا خیال رکھیں تو یہ اُن کے لیے زیادہ اچھا ہے ۔

اب آج کی آیت میں کھانے سے متعلق استیذان کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ کن کن گھروں سے بلا اجازت کھانا کھایا جا سکتا ہے ۔ اس ضمن میں لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو معذور ہے ۔ ان کے لیے اجازت ہے کہ وہ بلا اجازت کھا سکتے ہیں اور دوسرا گروہ عام لوگوں کا ہے جو اپنے عزیزوں کے ہاں اجازت حاصل کیے بغیر کھانا کھا سکتے ہیں ۔ اس کے علاوہ اکٹھے اور علیحدہ علیحدہ کھانے کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور گھروں میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کی اہمیت بیان کی گئی ہے ۔

معذور لوگوں کے لیے اجازت نامہ

ارشاد ہوتا ہے لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ کسی اندھے پر کوئی حرج نہیں ہے وَلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ اور نہ کسی لنگڑے پر کوئی حرج ہے وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ اور نہ ہی بیمار پر حرج ہے وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اور خود تم پر بھی کوئی حرج نہیں ہے اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ کہ تم اپنے گھروں سے

کھاؤ۔ ظاہر ہے کہ پہلے تین قسم کے لوگ یعنی اندھے، لنگڑے اور بیمار تو معذوروں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی یہ معذوری ہی سارے معاشرے پر ان کا حق قائم کر دیتی ہے کہ وہ اپنی بھوک رفع کرنے کے لیے ہر جگہ اور ہر گھر سے کھانا کھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عام اجازت دے دی ہے۔ حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ اس قسم کے معذوروں کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے تھے مبادا کہ وہ کم کھائیں اور ہم ان کے مقابلہ میں زیادہ کھا جائیں یا اچھی اچھی چیزیں کھالیں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اس میں تم پر کوئی حرج نہیں بعض لوگ ایسے معذور لوگوں سے نفرت کی بناء پر بھی اپنے ساتھ کھانے میں شریک نہیں کرتے تھے، اللہ نے اس کا بھی ردّ فرما دیا۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے معذوروں کو اپنے قریبی رشتہ داروں کے ہاں پہنچا آتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھ نہ کھائیں بلکہ دوسرے گھروں میں جا کر کھانا کھاتے رہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نازل کر کے اللہ نے ایسے لوگوں کو اپنے گھروں میں اپنے ساتھ کھانا کھلانے کی ترغیب دی بہرحال معذوروں کے لیے حکم یہ ہے کہ انہیں اپنے یا بیگانے جہاں سے بھی کھانا میسر ہو، وہ بلا تکلف کھا سکتے ہیں اور اس میں انہیں کسی قسم کا تردد نہیں ہونا چاہیے۔ جہاں تک خود اپنے گھر سے کھانے کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اپنے گھر سے تو ویسے ہی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم یہ دوسرے عزیز و اقارب پر عطف کے طور پر بیان کیا گیا ہے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اقرباء کے ہاں کھانے کی اجازت

فرمایا تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اپنے ہی گھروں سے کھاؤ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآئِکُمْ یا اپنے باپوں کے گھروں سے کھاؤ۔ ظاہر ہے کہ باپ اور بیٹے کا قریب ترین رشتہ ہے اور اگر بیٹا اپنے باپ کے گھر جا کر اس کی اجازت کے بغیر یا اہل خانہ کی دعوت پر کھانا کھا لیتا ہے تو اس کی

بھی اجازت ہے۔ یہاں پر بیٹے کا باپ کے گھر سے کھانے کا ذکر تو موجود ہے مگر باپ کا بیٹے کے گھر سے کھانے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس حکم میں باپ اور بیٹا دونوں شامل ہیں کہ ایک دوسرے کے گھر سے کھا سکتے ہیں۔ مسند احمد میں روایت موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِیْكَ یعنی تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ جب بیٹے کی ہر چیز پر باپ کا حق ہے تو پھر اس کے کھانا کھانے میں کیا حرج ہو سکتا ہے؟

اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ تمہیں اپنی ماؤں کے گھروں سے کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب باپ کے گھر سے کھانے کی اجازت ہے تو ماں کا گھر بھی عام طور پر وہی ہوتا ہے۔ جو باپ کا گھر ہوتا ہے، لہذا وہاں سے کھانے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہونی چاہیے۔ بعض صورتوں میں باپ اور ماں کا گھر الگ الگ بھی ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی عورت نے طلاق کے بعد یا بیوگی کے بعد دوسرا خاوند کر لیا ہے تو پہلے بیٹے کے لیے وہ ماں کا گھر تو ہو گا کیونکہ وہ اس کی حقیقی ماں ہے مگر اس کے باپ کا گھر نہیں ہے، تو ایسی صورت میں ماں کے ہاں سے بھی بلا اجازت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ فرمایا تمہیں اپنے بھائی بہنوں کے گھروں سے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ بھائی بہن کا رشتہ بھی نہایت ہی قریبی رشتہ ہے۔ ماں باپ کی فوتیدگی کے بعد بہنوں کے لیے ان کے بھائی ہی بمنزلہ باپ کے ہوتے ہیں۔ جو اُن کی خوشی غمی میں شریک ہوتے ہیں اور بوقت ضرورت بہنوں کی مدد بھی کرتے ہیں۔ لہذا بھائیوں کو بہنوں کے گھروں سے بلا تکلف کھانے کی بھی اجازت ہے۔ اسی طرح بھائیوں کا رشتہ بھی آپس میں نہایت ہی قریبی ہے

ایک ماں باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا ایک فطری امر ہے مشکل کے وقت ایک بھائی ہی دوسرے بھائی کا دست و بازو بنتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ بھائیوں کے گھروں سے بھی بلا اجازت کھانا کھایا جا سکتا ہے۔

پھر فرمایا اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ تم اپنے چچاؤں اور پھوپھیوں کے گھروں سے بھی بلا تکلف کھانا کھا سکتے ہو۔ باپ کا بھائی ہو یا باپ کی بہن، ان کا تعلق بھی ایسے ہی ہے جیسے اپنے بھائی بہن کا لہٰذا ان کے ہاں بے تکلف آنا جانا اور کھانا کھانا بھی روا ہے بعض صورتوں میں ایسا ضروری بھی ہو جاتا ہے۔ اگر چچا یا پھوپھی میں بوجوہ بعد پیدا ہو رہا ہو تو آپس میں میل ملاقات اور ایک دوسرے کی دعوت سے یہ رشتہ مضبوط رہتا ہے یہی صلہ رحمی ہے، جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ بخاری شریف[1] میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اَلرَّحِمُ شَجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهٗ رحم (یعنی حق قرابت داری) مشتق ہے "رحمٰن" سے اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا ہے کہ جو تجھے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔

فرمایا اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ تمہیں اپنے ماموؤں اور خالاؤں کے گھروں سے کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ جس طرح باپ کے بہن بھائی بیٹے کے لیے عزت و احترام کے قابل ہیں، اسی طرح ماں کے بھائی بہن یا ماموں اور خالہ بھی اس کے لیے قابلِ احترام ہیں۔ عام طور پہ دیکھا گیا ہے کہ چچاؤں اور پھوپھیوں کی نسبت ماموؤں اور خالاؤں

[1] بخاری ص ۸۸۵ ج ۲ (فیاض)

کو اپنے بھانجے بھانجیوں سے زیادہ الفت ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ کوئی شخص اپنے ماموں یا اپنی خالہ کے گھر سے کھانے میں بھی حرج محسوس نہ کرے کہ ایسا کرنا مزید پیار و محبت کا باعث بنتا ہے۔ ترمذی شریف کی روایت[1] میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھ سے ایک بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے آپ نے پوچھا، کیا تیری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ پھر پوچھا، کیا تمھاری کوئی خالہ ہے؟ کہنے لگا، ہاں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا تو اپنی خالہ کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کر۔

کنجی بردار دوست

آگے فرمایا کہ اُن گھروں سے کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں اَوْمَا مَلَکْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ جن کی کنجیاں تمھاری ملکیت میں ہیں۔ اِن سے مراد غلام یا داروغے ہیں جو کسی کے دوران سفر اُن کے گھر کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں۔ ایسے لوگ بھی اگر اپنے آقا کے گھر سے کھا پی لیتے ہیں تو انہیں اجازت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ جب حضور علیہ السلام کسی غزوہ میں چلنے کا اعلان کرتے تو ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ وہ آپ کی ہمسفری کا شرف حاصل کرے۔ ایسے حالات میں وہ اپنے گھروں کی چابیاں اپنے خاص دوستوں کو دے جاتے تھے اور ساتھ کہہ دیتے تھے کہ حسب ضرورت یہاں سے کھا پی لیا کریں۔ ایسے لوگ بعض اوقات یہ سمجھتے تھے کہ شاید انہوں نے بادلِ نخواستہ کھانے پینے کی اجازت دی ہو، لہٰذا وہ کسی چیز کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا۔ اَوْ صَدِیْقِکُمْ یعنی تمھیں اپنے دوستوں کے گھروں سے کھانے پینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے شبہ کو دور فرما دیا۔

---

[1] ترمذی ص ۲۸۳ (فیاض)

اکٹھے اور تنہا کھانے کی اجازت

آگے ارشاد ہوتا ہے لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا تمھیں اس بات پر بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ تم اکٹھے مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرۃ ۱۸۸) ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ تو صحابہ کو خیال پیدا ہوا کہ کھانے پینے کی اشیاء بھی تو مال کی تعریف میں آتی ہیں، لہٰذا وہ اس وجہ سے رُک گئے کہ اکٹھا کھانے میں کسی کمی بیشی کی بناء پر اس پر باطل کا اطلاق نہ ہو جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر وضاحت فرما دی کہ تمہیں اکٹھا کھانا کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ کسی نے کم کھا لیا اور کسی نے زیادہ تو یہ کوئی قابل گرفت بات نہیں ہے۔ بعض لوگ اکیلے کھانے میں کراہیت محسوس کرتے تھے اور جب تک کوئی ساتھ نہ ہوتا کھانا نہ کھاتے تھے۔ بنوکنانہ کے لوگ خاص طور پر اس مرض میں مبتلا تھے۔ وہ بھوکا رہنا پسند کرتے تھے مگر اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ اللہ نے اس آیت کے ذریعے تنہا کھانے کی بھی رخصت دے دی۔ اگرچہ مہمان کو کھلانا بڑی عمدہ خصلت ہے مگر یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کے بغیر خود بھی نہ کھایا جائے۔ تاہم حضور علیہ السلام کے ارشادات سے ثابت ہوتا ہے دوسروں کے ساتھ مل کر کھانے میں برکت ہے۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ہم کھاتے تو ہیں مگر آسودگی حاصل نہیں ہوتی آپ علیہ السلام نے فرمایا، شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے۔ اگر تم ایک جگہ بیٹھ کر اکٹھے کھانا کھاؤ اور اللہ کا نام لے کر کھاؤ تو تمھیں برکت حاصل ہوگی۔ ابن ماجہ[1] شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے۔ مل کر کھاؤ اور تنہا نہ کھاؤ کیونکہ مل کر بیٹھنے میں برکت ہے۔ بہر حال فرمایا کہ اکٹھے مل کر کھاؤ یا الگ الگ کھاؤ۔ اس میں کوئی حرج

[1] ابن ماجہ ص۲۳۶ والسراج المنیر ص۱۴۶ ج۳ (فیاض)

نہیں ہے۔

گھر والوں کو سلام

اگلے حصۂ آیت میں اللہ تعالیٰ نے گھر میں داخلے کے آداب میں سے ایک ادب بیان فرمایا ہے فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں پر سلام کیا کرو۔ یہاں پر عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ کا لفظی ترجمہ یہ بنتا ہے کہ اپنے آپ پر سلام کر لیا کرو تاہم مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کو السلام علیکم کہہ دیا کرو۔ اس قسم کی آیت چوتھے رکوع کے آغاز میں بھی گزر چکی ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ط (آیت۔ ۲۷) اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہو حتیٰ کہ تم اجازت طلب کر لو اور گھر والوں پر سلام کر لو۔ وہاں پر اغیار کے گھروں میں داخلے کے وقت سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ یہاں پر خود اپنے گھروں میں داخلے کے وقت بھی اہل خانہ کو سلام کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ ابن طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو شخص گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کہے۔ حضرت جابرؓ کا قول ہے کہ جب تم گھروں میں جاؤ تو خدا تعالیٰ کا سکھایا ہوا بابرکت سلام کہو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تو آزمایا ہے کہ یہ سراسر برکت ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب مسجد میں جاؤ تو کہو اَلسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اور جب اپنے گھروں میں جاؤ تو اپنے بال بچوں کو سلام کرو۔ اور جب کسی ایسے گھر میں جاؤ۔ جہاں کوئی نہ ہو تو یوں کہو اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ یعنی ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ فرمایا السلام علیکم کہنا تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعائے خیر ہے مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً جو کہ بابرکت اور پاکیزہ ہے۔ لہٰذا گھر میں داخلے کے وقت سلام کر کے داخل ہوا کرو۔

ارشاد ہوتا ہے کَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ یہ اللہ تعالے کی آئتیں ہیں جنہیں وہ تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے آیات سے مراد آیاتِ قرآن، احکامِ قرآن، دلائل اور معجزات بھی ہیں۔ اللہ تعالے کی نازل کردہ آیات میں یہ سب چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جن پر غور کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانتا ہے اور ان پر عمل کر کے منزلِ مقصود تک پہنچتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی آئتیں تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم ان میں غور و فکر کر کے ان کو سمجھ لو اور پھر ان پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا
مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ
إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن
لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ
كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ
يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ

ترجمہ:- بیشک اہلِ ایمان وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ اور جب وہ اُس (نبی) کے ساتھ ہوتے ہیں کسی اجتماعی معاملہ میں تو نہیں جاتے حتیٰ کہ آپ سے اجازت حاصل کر لیں۔ بیشک وہ لوگ جو آپ سے اجازت حاصل کر لیتے ہیں، وہی ہیں جو ایمان لا چکے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ پس جب وہ اجازت طلب کریں آپ سے اپنے کسی کام کی غرض سے تو آپ اجازت دے دیں جس کو چاہیں اُن میں سے اور بخشش مانگیں اُنکے لیے اللہ تعالیٰ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت

مہربان ہے (۶۲) اور نہ بناؤ رسول کے بلانے کو اپنے درمیان ایک دوسرے کے بلانے کی طرح تحقیق اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو سرک جاتے ہیں تم سے نظر بچا کر

ربط آیات

گذشتہ درس میں کھانے کے آداب بیان ہوئے تھے کہ بعض معذور اور عام لوگوں کو کن کن کے گھروں سے بلا اجازت کھانا کھانے کی اجازت ہے اِن میں اُن قریبی رشتہ داروں کا ذکر تھا جن کے ساتھ صلہ رحمی ویسے بھی ضروری ہے، لہٰذا اِن کے گھروں سے کھانا کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں ۔ دوسرا مسئلہ یہ بیان ہوا کہ اکٹھے مل کر کھانا یا علیحدہ علیحدہ کھانا دونوں طرح جائز ہے ۔ ضرورت کے مطابق جس طرح چاہو کھا سکتے ہو مگر مل کر کھانے میں برکت ہے۔ پھر تیسرا مسئلہ اللہ نے یہ بیان فرمایا کہ جب گھروں میں داخل ہو تو سلام کہہ کر داخل ہوا کرو کیونکہ سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعائے خیر اور بابرکت و پاکیزہ چیز ہے ۔ اب آج کے درس میں آداب رسالت کا یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تم حضور علیہ السلام کی مجلس میں کسی اجتماعی غرض سے جمع ہو تو بلا اجازت مجلس سے اٹھ کر نہ جاؤ۔ حضور علیہ السلام کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی مومن آدمی کسی خاص کام کے لیے اجازت طلب کرے تو آپ جس کو چاہیں اجازت دے دیں اور ان کے لیے مغفرت کی دعا بھی کریں دوسرا مسئلہ امتیوں کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ رسول کے بلانے کو ایک دوسرے کے بلانے کی طرح معمولی حیثیت نہ دو بلکہ اُسے خاص اہمیت دو اور نہ ہی نظر بچا کر مجلس سے کھسک جایا کرو۔

شرائط ایمان

ارشاد ہوتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ بے شک پکے سچے ایماندار وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسول پر۔ اس آیت کریمہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کو مومن کا خطاب دیا گیا ہے کیونکہ یہاں پر آداب رسالت بیان کرنا مقصود

ہے۔ تاہم قرآن کے مختلف مقامات پر ایمان کے دیگر لازمی اجزاء کا ذکر بھی موجود ہے۔ مثلاً سورۃ البقرۃ کے آخر میں چار اجزاء کا ذکر کیا گیا ہے کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (آیت۔ ۲۸۵) ایماندار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اسی طرح سورۃ لبقرہ کی ابتدا میں ہے وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (آیت۔ ۴) متقیوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں یعنی بعث بعد الموت پر بھی اُن کا ایمان ہے۔ تو اللہ نے مومنوں کی یہ پانچ شرائط بیان کی ہیں۔ جب تک وہ ان پانچوں چیزوں پر ایمان نہیں لاتے، اہلِ ایمان کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔

مومنوں کے لیے اجازت طلبی

فرمایا صحیح معنوں میں ایماندار وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں۔ اور اس ایمان کا تقاضا یہ ہے وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ کہ جب وہ کسی اجتماعی کام کے سلسلے میں اپنے نبی کے ساتھ ہوں یعنی آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوں۔ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ تو وہ خود بخود اٹھ کر چلے نہیں جاتے یہاں تک کہ آپ سے جانے کی اجازت طلب کر لیں۔ امرِ جامع سے مراد مسلمانوں کے اجتماعی کام ہیں۔ جب بھی کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو حضور علیہ السلام صحابہ کو جمع فرماتے، اگر قرآن پاک کی کوئی سورۃ یا آیات نازل ہوتیں تو وہ بتا دیتے۔ کوئی دیگر اجتماعی ہدایات جاری کرنا ہوتیں تو وہ کر دیتے یا پھر اگر کسی اہم معاملہ میں صحابہ کا مشورہ مطلوب ہوتا تو وہ طلب کرتے۔ سورۃ آلِ عمران میں اللہ کا ارشاد ہے وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ آپ اپنے صحابہ سے مشورہ کر لیا کریں فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آیت۔ ۱۵۹) پھر جب کسی کام کا عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے وہ کام کر گزریں ہجرت سے پہلے چونکہ کفار

کا غلبہ تھا اس لیے مسلمانوں کے اجتماعی امور میں مشاورت اور فیصلہ خفیہ طور پر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ قیامِ مکہ کے دوران آپ نے دارارقم کو مسلمانوں کا خفیہ مرکز بنایا۔ وہیں اجتماعی امور کے متعلق مشاورت ہوتی تھی اور آئندہ کے لیے لائحہ عمل کے متعلق ہدایات جاری ہوتی تھیں۔ کفار کے ہاتھوں مسلمانوں کے بچاؤ کے طریقے، حبشہ کی طرف دو دفعہ ہجرت اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کے متعلق مشورے اسی مکان میں ہوتے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور اسلامی ریاست قائم ہو گئی تو مسجد نبوی کو اسلام کا مرکز بنا لیا گیا۔ اور وہیں صحابہ کا اجتماع ہوتا اور اہم فیصلے کیے جاتے اُس وقت عام طور پر موضوعات بحث مختلف قبائل میں تبلیغ، ان کے ساتھ معاہدات، کفار مکہ کی طرف سے حملے کا بچاؤ، جنگی حکمت عملی، اور مختلف اطراف میں لشکروں کی روانگی ایسے اجتماعی امور تھے جن کے متعلق فیصلے کیے جاتے تھے۔ تو فرمایا کہ مومن وہ ہیں کہ جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور جب وہ کسی اجتماعی کام کے سلسلے میں رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو بلا اجازت چلے نہیں جاتے۔

آگے اسی بات کو دوسرے انداز میں فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ بیشک وہ لوگ جو آپ سے جانے کی اجازت حاصل کر لیتے ہیں اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پھر فرمایا فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ پس جب وہ آپ سے اجازت طلب کریں اپنے کسی ذاتی کام کی وجہ سے فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ تو آپ اُن میں سے جس کو چاہیں اجازت دے دیں۔ یعنی اگر کوئی شخص معقول عذر پیش کرتا ہے اور اللہ کا نبی سمجھتا ہے کہ اُس کا انفرادی کام زیرِ توجہ اجتماعی کام سے زیادہ ضروری ہے یا اس شخص کے چلے جانے

سے اجتماعی کام میں کوئی رکاوٹ پڑنے کا خطرہ نہیں ہے تو یہ آپ کی صوابدید پر موقوف ہے کہ ایسے شخص کو اجازت دیں یا نہ دیں۔ یہ تو اُس زمانے کی بات ہے جب حضور علیہ السلام بنفسِ نفیس صحابہ کرامؓ میں موجود تھے، مجلسِ مشاورت طلب کرتے تھے اور ایسے واقعات بھی پیش آجاتے تھے کہ کسی صحابی کو میٹنگ کے دوران ہی چلے جانے کی ضرورت پیش آجاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو حضور علیہ السلام کے بعد خلافتِ راشدہ اور بعد کے ادوار پر بھی منطبق کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی سلطنت میں جب کوئی امیر مجلسِ مشاورت منعقد کرے تو کسی کو بلا اجازت اٹھ کر نہیں چلے جانا چاہیئے بلکہ صاحبِ صدر سے باقاعدہ اجازت طلب کرنی چاہیئے۔ پھر معاملے کی نوعیت کے پیشِ نظر اگر کسی شخص کی غیر حاضری کو برداشت کیا جاسکتا ہو تو امیر اس کی اجازت دے سکتا ہے۔

فرمایا جب آپ کسی اجازت طلبی پر اجازت دے دیں وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ تو پھر اُن کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعا بھی کریں اس میں یہ تنبیہ بھی پائی جاتی ہے کہ اگر اجازت طلبی میں ذرا بھی بہانہ سازی کو دخل ہوا یا اجتماعی معاملہ کسی شخص کی انفرادی ضرورت سے زیادہ اہم ہوا تو پھر ایسے شخص کے لیے اجازت حاصل کرنا کوتاہی ہوگی۔ اسی لیے فرمایا کہ ایسے شخص کی معمولی لغزش کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست بھی کریں اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ جب کوئی شخص غلطی کر کے معافی طلب کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آکر اُسے معاف بھی کر دیتی ہے

رسول اللہ کا بلانا

اگلی آیت آدابِ رسالت کے سلسلہ میں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا نبی علیہ السلام کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے

کی طرح نہ سمجھو۔ اسی آیت کریمہ میں لفظ دعا استعمال ہوا ہے جو کہ تین مختلف معانی میں استعمال ہو سکتا ہے۔ پہلا معنی تو یہ ہے کہ جب اللہ کا نبی تمھیں بلائے تو اسے عام آدمی کے بلانے پہ محمول نہ کرو بلکہ آپ کے ادب و احترام کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی اللہ کا رسول بلائے، لبیک کہتے ہوئے فوراً حاضر ہو جاؤ اور دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کرو، ورنہ ایمان کے ضیاع کا خطرہ ہے

دعا کا دوسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ جب تم اللہ کے رسول کو پکارو تو آپ کے ادب و احترام کو پیش نظر رکھو۔ عام آدمیوں کی طرح نام لے کر اور بلند آواز سے مت پکارو بلکہ پست آواز کے ساتھ نام لینے کی بجائے "یا رسول اللہ" یا یا نبی اللہ کہہ کر پکارو۔ اس ادب کا ذکر سورۃ الحجرات میں بھی بیان ہوا ہے کہ اے ایمان والو! لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ (آیت۔ ۲) نبی کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ اور نہ آپ کو اس طرح بلند آواز سے پکارو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھارے تمام اعمال ہی ضائع ہو جائیں۔

اس دعا کا تیسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی دعا کو عام آدمیوں کی دعا کی طرح مت سمجھو۔ آپ کی دعا تو مقبول ہے تمھارے کسی قول یا فعل سے نبی کی دل آزاری نہیں ہونی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے منہ سے کوئی ایسی دعا نکل جائے جس سے تم ہلاک ہو جاؤ۔ اسی طرح اگر اللہ کے نبی تم سے خوش ہو کر تمھیں دعا دیں تو یہ تمھارے لیے بہت بڑی سعادت ہوگی۔

بہرحال یہ تینوں معانی ہو سکتے ہیں تاہم پہلا معنی زیادہ راجح ہے۔

فرمایا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا بے شک اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو نظر بچا کر کھسک جاتے ہیں۔ یہاں پہ ان منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے

جو مسلمانوں کی مجلس میں آتو جاتے تھے مگر بیٹھے ہی چپکے سے اٹھتے تھے اور کسی نہ کسی طرح نظر بچا کر چلے جاتے تھے۔ خاص طور پر جمعہ کے خطبہ میں بیٹھنا منافقوں پر بہت گراں گزرتا تھا مگر خطبہ شروع ہونے کے بعد کوئی شخص بلا اجازت نہیں جا سکتا تھا۔ جب کسی شخص کو خاص ضرورت پڑتی تو وہ اشارے کے ذریعے حضور علیہ السلام سے اجازت لے لیتا مگر منافق ایسا بھی نہیں کر سکتے تھے لہٰذا اُن کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کسی کی آڑ لے کر اور نظر بچا کر سرک جائیں۔ جمعہ کے علاوہ دوسری مجالس کا بھی یہی حال تھا۔ منافق قسم کے لوگ جب موقع ملتا مجلس سے چلے جاتے حالانکہ اللہ نے نبی کی اجازت کے بغیر مجلس سے چلے جانے کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔

فرمایا کہ نبی کی دعوت کو عام لوگوں کی دعوت نہ سمجھو کہ جب بلایا آ گئے اور جب جی چاہا چلے گئے۔ بلکہ نبی کی مجلس میں شریک ہو کر بغیر اجازت مت جاؤ۔ اللہ نے اُن لوگوں کی نشاندہی بھی فرما دی ہے۔ جو بلا اجازت چلے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ایسے لوگ آگے پیچھے سے آنکھ بچا کر کھسک جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ تو ایسے لوگوں کو خوب جانتا ہے کہ یہ کس قماش کے لوگ ہیں۔ اور ان کے دلوں میں کس حد تک ایمان راسخ ہے۔ آیت کے اگلے حصے میں حکم رسول کی مخالفت کرنے والوں کو دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ
فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۭ
وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ وَاللّٰهُ
ع ۹ ۱۵ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٦٤﴾ ع

ترجمہ :- چاہیئے کہ ڈرتے رہیں مخالفت کرنے والے اُس (رسول) کے حکم سے کہ کہیں پہنچے اُن کو فتنہ یا پہنچے ان کو دردناک عذاب ﴿٦٣﴾ آگاہ رہو ! بیشک اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ تحقیق وہ جانتا ہے اُس حالت کو جس پر تم ہو اور جس دن یہ سب لوگ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے ، پس وہ اُن کو خبردار کر دے گا اُن اعمال سے جو وہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿٦٤﴾

ربط آیات گذشتہ آیات میں اللہ نے اہلِ ایمان کو آدابِ رسالت سکھائے تھے ان میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اگر مسلمان نبی کی مجلس میں کسی اجتماعی کام کے لیے شرکت کر رہے ہوں تو بغیر اجازت مجلس سے نہ جائیں بلکہ اللہ کے رسول سے اجازت طلب کریں۔ اور پھر آپ کو اختیار ہے کہ کسی کو اجازت دیں یا نہ دیں۔ اگر اجازت نہیں ملی تو ایسا شخص بیٹھنے کا پابند ہے۔ اللہ نے دوسرا ادب یہ سکھلایا کہ رسول کے

بلانے کو عام لوگوں کے بلانے جیسا نہ سمجھو بلکہ فوراً تعمیل حکم کرتے ہوئے حاضر ہو جاؤ۔ پھر فرمایا کہ رسول کی دُعا کو بھی عام آدمی کی دعا کی طرح خیال نہ کرو کیونکہ اللہ کا رسُول جس شخص پر خوش ہو کر دعا کرے گا۔ وہ دُعا یقیناً مستجاب ہو گی۔ تیسرا ادب یہ فرمایا کہ جب تم کسی بات کے لیے رسول اللہ کو مخاطب کرو تو نہایت ادب و احترام کے الفاظ استعمال کرو۔ اب آخر میں اللہ نے اپنے نبی کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو وعید سنائی ہے کہ اگر ایسا کرو گے تو یا تو دنیا کی کسی آزمائش میں مبتلا ہو جاؤ گے اور یا پھر آخرت کا عذاب چکھنا پڑے گا۔

رسول کی مخالفت پر وعید

اِس سے پہلے آیت ۵۴ میں گزر چکا ہے وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا اگر اللہ کے رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کی اطاعت حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہے، اس لیے مطاع حقیقی تو ذاتِ خداوندی ہے اور رسول اُس کا نائب ہے جو اس کے احکام کو دنیا میں نافذ کرنے والا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ پس چاہیئے کہ ڈرتے رہیں وہ لوگ جو اللہ کے رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور خوف اس بات کا ہونا چاہیئے أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ کہ ان کو کوئی فتنہ لاحق نہ ہو جائے۔ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ یا وہ کسی دردناک عذاب کا شکار نہ ہو جائیں۔ امام ابُوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ رسول کے حکم کی خلاف ورزی دو طریقے سے ہوتی ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ نبی کے حکم کو تسلیم ہی نہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور خلاف ورزی کی دوسری صورت یہ ہے کہ تسلیم تو کیا جائے مگر اس پر عمل نہ کیا جائے۔ ایسا کرنے والا شخص منافق تصور ہو گا۔ بہرحال فرمایا کہ مخالفت کی صورت میں پہلے نمبر پر دنیاوی فتنوں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے جس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

زر، زن اور زمین کا فتنہ

حضرت مولانا شیخ الاسلام (شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ) حاشیہ قرآن میں لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کئی قسم کے فتنوں کا باعث ہوگی، جن میں بڑے بڑے فتنے، مال عورت اور زمین کے فتنے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَفِتْنَةُ اُمَّتِيْ الْمَالُ یعنی ہر امت کا کوئی نہ کوئی خاص فتنہ ہوتا ہے جب کہ میری امت کا فتنہ مال ہے۔ صحیحین میں حضور علیہ السلام کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ لوگو! میں تم پر تنگدستی کا اتنا خوف نہیں رکھتا جتنا ڈر اس بات کا رکھتا ہوں اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا فَتَنَافَسُوْا فِيْهَا (صحیحین) [1] کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائے گی اور تم اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے۔ اور وہ تم کو اس طرح ہلاک کر دے گی جس طرح پہلی قوموں کو ہلاک کیا۔ مطلب یہ کہ تم پر مال کی بہتات ہو جائے گی اور تم اسی فتنے میں مبتلا ہو کر رہ جاؤ گے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان اس قدر تنگدستی کی حالت میں تھے کہ کسی کے پاس صرف ایک ہی چھوٹا سا کپڑا ہوتا تھا، اور وہ اسی میں نماز پڑھتا تھا حالانکہ اس کپڑے سے اس کا پورا جسم نہیں ڈھانپا جا سکتا تھا۔

دوسرے نمبر پر عورت کا فتنہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان [2] ہے۔ مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ یعنی میرے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں ہوگا۔ اس وقت پوری دنیا میں عریانی، فحاشی، گندے گانے، ناچ گھر، فلم انڈسٹری، فوٹو گرافی، تھیٹر اور کلب سارے کے سارے عورت کے فتنے کے اڈے ہیں۔ اب ٹی وی نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے اور ہر گھر میں یہ فتنہ موجود ہے۔

اسی طرح زمین کا فتنہ بھی بہت بڑا فتنہ ہے۔ دیکھ لیں زمین کے معاملہ میں کس قدر فساد ہو رہا ہے۔ کہیں ذاتی زمین کا جھگڑا ہے اور بھائی

---

[1] ترمذی ج۲ ص۳۳۸ [2] ابن ماجہ ص۲۸۸ [3] تفسیر عثمانی ص۲۶۶ (فیاض)

بھائی آپس میں دست وگریبان ہیں، کہیں پڑوسیوں سے زمین کا تنازعہ ہے کوئی ملک دوسرے ملک کا کچھ علاقہ ہتھیا لیتا ہے اور کوئی کسی کے مکان یا دکان پہ قابض ہو جاتا ہے۔ یہ سب زمین کے فتنے ہیں اور ان کے تنازعات نسل در نسل چلتے ہیں۔ حدیث[۳] میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی ایک بالشت زمین اپنے ناجائز تصرف میں لائے گا تو قیامت والے دن ساتوں زمینوں کا اتنا حصہ اس کے گلے میں لٹکتا ہوگا اور لوگ دیکھیں گے کہ اس شخص نے دنیا میں اس قدر ناجائز قبضہ کیا تھا، بلوچستان کے قاضی بہر یاری بڑے فاضل آدمی ہوئے ہیں، اُن کا شعر ہے۔

ہمہ آفاق پُر زِ فتنہ و شرمے بینم
فتنہ ہا بہر زمین و زن و زرمے بینم

تین اطرافِ عالم کو فتنوں سے پُر دیکھ رہا ہوں لیکن اِن میں زیادہ تر فتنے زر، زن اور زمین کی وجہ سے دیکھ رہا ہوں۔

باطل عقائد کے فتنے

دنیا میں باطل عقائد کے فتنے بھی عام ہیں، حضور علیہ السلام کا فرمان ہے اِنّیِ اَخَافُ عَلٰی[۱] اُمَّتِیَ اَئِمَّۃَ الْمُضِلِّیْنَ یعنی میں اپنی اُمت میں گمراہ پیشواؤں کا بڑا خطرہ محسوس کرتا ہوں۔ یہ بہتر[۲] فرقے گمراہی کا نتیجہ ہی تو ہیں۔ لوگوں کو غلط مسلک بتائے جاتے ہیں۔ جگہ جگہ شرک کے اڈے قائم ہیں، کہیں مرزائیت کا فتنہ ہے جسے آج سے نوے سال قبل انگریز نے کھڑا کیا تھا۔ حضور علیہ السلام[۲] نے فرمایا کہ میری امت میں تیس (۳۰) بڑے دجال ہوں گے، جن میں سے یقیناً ایک مرزا قادیانی بھی ہے۔ پاکستان میں ان کی دال نہیں گلی تو اب بیرونی ممالک میں پَر پُرزے نکال رہے ہیں، اسرائیل کے ساتھ ان کا باقاعدہ گٹھ جوڑ ہے اور یہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں، پاکستان میں ابھی تک مرزائی بہت سی کلیدی آسامیوں پہ فائز ہیں اور کسی بھی وقت مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ علماء سوء، پیران سوء

---

۱ ترمذی ص۳۲۴ ۲ ترمذی ص۳۲۳ ۳ مسند ابو داؤد الطیالسی ص۳۱۷ (فیاض)

اور قبر پرستوں کا فتنہ الگ ہے جو لوگوں کو شرکیہ رسوم اور بدعت کی طرف راغب کر رہے ہیں۔

دوسری طرف عیسائیت کا فتنہ ہے۔ اس وقت دنیا میں ان کی آبادی اڑھائی ارب ہے۔ بڑی بڑی حکومتوں کے مالک ہیں۔ انہوں نے دنیا بھر میں مشنری جال پھیلا رکھے ہیں جن میں غریب مگر بھولے بھالے مسلمانوں کو پھانس لیتے ہیں۔ مشنری اداروں نے سکول، کالج، ہسپتال قائم کر رکھے ہیں. جو در اصل لوگوں کو عیسائی بنانے کے اڈے ہیں۔ کبھی بچوں کو کھلونے تقسیم کر کے عیسائیت کا پرچار کرتے ہیں اور کبھی بین الاقوامی سطح پر ایڈ کے نام پر غریب ملکوں کو اپنے دام میں پھنساتے ہیں۔

حکومتی جبر کا فتنہ

بعض حکومتیں بھی اپنے عوام کے لیے ظلم و ستم کا باعث بنتی ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے یہ دعا سکھلائی ہے اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا اے مولیٰ کریم! ایسے لوگوں کو ہم پر مسلط نہ فرما۔ جو ہم پر رحم نہ کریں۔ اب روس کی طرف دیکھ لیں، بہت سی مسلمان ریاستوں پر جبراً تسلط جما رکھا ہے۔ وہاں پر عبادت گاہوں کو گرا دیا جاتا ہے۔ چیکوسلواکیہ اور البانیہ کے حکمران عیسائی ہیں مگر اشتراکی نظریات کے حامل ہیں، وہ مسلمانوں کی تین فیصدی قلیل آبادی کو بھی مسلمانوں جیسے نام بھی نہیں رکھنے دیتے۔ تمام اشتراکی ممالک بشمولہ روس کی یہ مشترک پالیسی ہے کہ اُن کے ملکی نام کے خلاف کوئی شخص اپنے بچے کا نام نہیں رکھ سکتا۔ بچوں کو دینی تعلیم نہیں دی جا سکتی اور نہ کسی کو ملکی نصاب سے آگے بڑھنے دیا جاتا ہے۔ جب سپین (اندلس) پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا تو دو کروڑ مسلمانوں میں سے کچھ مارے گئے اور کچھ ملک بدر کر دیے گئے۔ اس وقت صرف گیارہ ہزار باقی بچے تھے۔ جن کے گلے میں صلیب لٹکانا لازمی قرار دیا گیا اور گرجے میں جانے کا پابند کیا گیا۔ اس زمانے کے ایک مسلمان عبدالمومن نامی اپنی سرگزشت میں لکھتے

ہیں کہ اس کے والدین اُسے گھر کے بند کمرے میں دین کی ابتدائی تعلیم دیا کرتے تھے، وہ مسلمان تھے مگر بظاہر اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کرتے تھے تاکہ عیسائیوں کے ظلم و ستم سے بچ سکیں۔ پھر لکھتے ہیں کہ جب میں شعور کو پہنچا تو میرے والدین نے مجھے ملک سے بھگا دیا تاکہ میں کسی اسلامی ملک میں جاکر دین کی تعلیم حاصل کر سکوں۔ آج بھی دنیا میں بعض ممالک ایسے ہیں جہاں کے مسلمان دینی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے حتیٰ کہ کھلے بندوں نماز بھی نہیں پڑھ سکتے یہود اور ہنود کو دیکھ لیں۔ یہ بھی حکومت اور اکثریت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو دباتے ہیں مسجدوں کو تالے لگ چکے، مدرسے ویران ہو گئے ہیں اور مسلمان کسمپرسی کی حالت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ سب حکومتی فتنے ہیں جو کہ جگہ جگہ مشاہدے میں آتے ہیں۔ امام جعفر صادقؒ سے منقول ہے کہ ایمان والو! رسول کی مخالفت سے باز آجاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر ظالم حاکم مسلط کر دیے جائیں جو تمھاری بے آبروئی کرنے لگیں۔

معاشی فتنے

دنیا میں لوگ معاشی فتنوں میں بھی مبتلا ہیں۔ کہیں نیشلزم کا فتنہ ہے اور کہیں سرمایہ داری نظام ہے جو امریکہ، برطانیہ، جرمنی وغیرہ سمیت برصغیر کے ممالک میں بھی چل رہا ہے۔ کہیں دہریت، الحاد اور کمیونزم کا فتنہ ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں شخصی ملکیت کی کھلی چھٹی ہے مگر اس میں نہ کسب پر حلال و حرام کی پابندی ہے اور نہ اخراجات پر۔ ارتکازِ زر کی پوری آزادی ہے جس کی وجہ سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے دوسری طرف اشتراکی نظام ہے جہاں پر کوئی شخص کسی جائداد کا مالک نہیں ہوتا تمام وسائل آمدنی پر حکومت کی اجارہ داری ہوتی ہے اور عوام محض جانوروں کی طرح کام کرنے پر مجبور ہیں۔

ملوکیت کا فتنہ اپنی جگہ قائم ہے اور اکثر مسلمان ملک اس فتنہ میں

گرفتار ہیں۔ اب شارجہ میں ملوکیت کا جشن منایا جارہا ہے ہمارے صدر صاحب بھی وہاں گئے ہوئے ہیں۔ محض ذہنی عیاشی کے لیے کروڑوں، اربوں ڈالر خرچ کیے جارہے ہیں حالانکہ یہ رقم مسلمانوں کے اجتماعی امور پر صرف کی جا سکتی ہے اور دنیا کی مظلوم قوموں کی طرف دست تعاون بڑھایا جاسکتا ہے۔ شہنشاہ ایران نے اڑھائی ہزار سالہ جشن منایا تھا جس پر ستر کروڑ روپیہ خرچ ہوا۔ بتاؤ اس کا کیا فائدہ ہوا۔ اتنی پختہ ملوکیت والا بھی جب اللہ کی گرفت میں آیا تو پھر دنیا بھر میں مارا مارا پھرتا تھا، کوئی ملک اُسے خوش آمدید کہنے کے لیے تیار نہ تھا۔

متفرق فتنے

بعض دیگر فتنے ہیں جن[1] سے حضور علیہ السلام نے پناہ مانگی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَالْکُفْرِ اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں تنگدستی اور کفر سے۔ دعا میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ مولا کریم میں پناہ پکڑتا ہوں فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ قبر کے فتنہ سے اور دجال کے فتنہ سے۔ یہ سب فتنے اپنے اپنے وقت پر آئیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم[2] کا یہ بھی فرمان ہے کہ جوں جوں زمانہ قیامت کے قریب آتا جائے گا۔ فتنوں میں اضافہ ہوتا جائے گا، جہالت ہوگی، زلزلے آئیں گے، شراب نوشی عام ہوگی، قتل اور زنا کے جرائم بڑھ جائیں گے۔ دینی علم باقی نہیں رہے گا۔ حضور علیہ السلام[3] نے فرمایا لوگو! بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ نیک اعمال کرلو پیشتر اس کے کہ فتنے تم پر رات کی تاریکی کی طرح چھا جائیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات کسی شخص کا دل سخت ہوجاتا ہے اور وہ طاعت سے محروم ہوکر گناہ کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ یہ شخصی فتنہ ہے۔ بال بچوں کا فتنہ بھی پیدا ہوجاتا ہے۔ جب کوئی شخص خدا اور رسول کے حکم کے خلاف اہل وعیال کی فرمائشیں پوری کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے تو سمجھو کہ وہ

---

[1] بخاری ص ۹۴۲ [2] ترمذی ص ۳۲۱ [3] ترمذی ص ۳۲۰ (فیاض)

فِتْنَةُ الْاَهْلِ وَالْمَالِ میں مبتلا ہوگیا۔ ریڈیو، ٹی وی، فحش گانے، وی سی آر کے فتنے اسی قبیل سے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا فرمان[1] ہے تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْدًا عُوْدًا بعض فتنے اسی طرح اٹھتے ہیں جس طرح چٹائی میں ایک ایک تنکا اکٹھا ہوتا رہتا ہے اور پھر مکمل چٹائی بن جاتی ہے۔ فرمایا بعض فتنے سمندر کی موجوں کی طرح اٹھتے ہیں۔

آج کل صحافت کا فتنہ بھی عام ہے۔ کہنے کو تو یہ معزز پیشہ ہے، مگر اخبارات اور رسائل کے نصف حصے عریاں تصویروں سے مزین ہوتے ہیں حالانکہ صحافت کا اصل مقصد لوگوں کو دنیا کی تازہ ترین خبروں سے آگاہ کرنا ہوتا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ فوٹو کے بغیر کوئی خبر چھپتی ہی نہیں۔ اب تو مولوی بھی فوٹو چھپوانے میں پیش پیش ہیں۔ ویڈیو کیسٹوں نے تو مسئلہ مزید آسان کر دیا ہے، اب مولوی صاحب کی پوری تقریر کی ویڈیو بن جاتی ہے حالانکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا[2] لَعَنَ اللّٰهُ الْمُصَوِّرِيْنَ تصویر کشی کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔ اب اس کام میں سب ننگے نظر آرہے ہیں اور کوئی کسی کو پوچھنے والا نہیں۔ یہ بھی بہت بڑا فتنہ ہے۔

خارجی فتنے

اندرونی فتنوں کے ساتھ ساتھ بیرونی فتنے بھی بڑی تعداد میں پیدا ہو رہے ہیں۔ طوفانِ باد و باراں، وبائیں، زلزلے وغیرہ خارجی فتنے ہیں۔ امریکہ کی ریاست کولمبیا میں آتش فشاں پھٹنے سے تین چار قصبے مکمل طور پر تباہ ہوگئے تھے حتیٰ کہ وہاں سے لاشیں نکالنا بھی ممکن نہ رہا اور پورے علاقے کو اجتماعی قبرستان قرار دے دیا گیا۔ الجزائر میں بدترین زلزلہ آج سے بیس سال قبل آیا تھا جس میں پوری آبادی تباہ ہوگئی تھی۔ ابھی قریب کا واقعہ ہے لبنان کی چار ہزار آبادی بالکل فنا ہوگئی تھی۔ جاپان کے زلزلے میں تین لاکھ انسان موت کے منہ میں چلے گئے تھے ۱۹۳۵ء میں کوئٹہ کے زلزلہ میں ڈیڑھ لاکھ جانیں تلف ہوگئی تھیں اور جو زخمی ہوئے وہ اس کے علاوہ تھے۔ پورا شہر کھنڈر بن گیا۔ غرضیکہ یہ خارجی

---

[1] مسلم ص۸۲ ج ۱ [2] قرطبی ص۲۳۸ ج۱۴ و احکام القرآن للجصاص ص۳۷۳ ج۳ (فیاض)

فتنے ہیں جو دنیا میں برپا ہوتے رہتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ کی توضیح

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی حکمت کے مطابق بیانؔ کرتے ہیں کہ فتنے یا شر تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلا شر یہ ہے کہ انسان کا اخلاق ہی بگڑ جائے اگرچہ شکل وصورت ٹھیک ٹھاک رہے۔ جیں انسان یا قوم کا اخلاق بگڑ جائے اس کا کچھ وقار نہیں رہتا۔ فرماتے ہیں دوسرا شر یہ ہے کہ شیطان پورے معاشرے پر اپنا تسلط جما لے۔ ایسی صورت میں کوئی اکا دکا آدمی گمراہ نہیں ہوتا بلکہ پورے ملک اور قوم پر شیطان حاوی ہو جاتا ہے۔ پھر جب کسی قوم کا اخلاق بگڑتا ہے تو پورا باطن بگڑ جاتا ہے۔ اس وقت انسانوں کی ظاہری شکل وصورت تو انسانوں جیسی ہی ہوتی ہے مگر ان کا باطن خنزیروں، کتوں اور بندروں کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ دنیا میں تیسرا شر قرب قیامت میں آئے گا جب لوگوں کی ظاہری شکلیں بھی مسخ ہو جائیں گی۔ اس وقت خدا تعالیٰ سخت ناراضگی کی حالت میں ہوگا اور پھر جلد ہی کائنات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ حیوانات، نباتات اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ زمین بھی درہم برہم ہو جائے گی۔[1]

خلاصہ کلام

تو اللہ نے فرمایا خبردار! اللہ کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ ورنہ کسی فتنے میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ ان فتنوں کی اجمالی تفصیل میں نے عرض کر دی ہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد دنیا میں فتنے ہی برپا ہو رہے ہیں دیکھیں اب حضور علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا مہینہ آرہا ہے۔ لوگ طرح طرح کی باطل رسوم ادا کریں گے حالانکہ یہ آپ کے سچے دین اور عقیدے کی نفی ہوگی۔ دعوے عاشق رسول ہونے کا ہے مگر کام وہ کرتے ہیں جن سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ رسول کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ کہیں وہ کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں یا آخرت میں عذاب الیم کا شکار نہ ہو جائیں۔ کہ رسولِ خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی یہی سزا ہے۔

[1] بدور بازغہ ص۱۳۳ تا ص۱۳۴ (فیاض)

احساس ذمہ داری

آخر میں اللہ نے احساس ذمہ داری دلاتے ہوئے فرمایا ہے۔ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آگاہ رہو کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز حقیقت میں خدا تعالیٰ ہی کی ہے۔ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ وہ خوب جانتا ہے تم جس حالت پر ہو۔ وہ تمھارے تمام اعمال اور کردار سے واقف ہے۔ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا جس دن سب لوگ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ انہیں ان کے تمام اعمال سے آگاہ کر دیگا۔ اور بتلائے گا کہ تم دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے اب ان کا نتیجہ بھگتو۔ فرمایا یہ نہ سمجھو کہ اگر دنیا میں مخلوق کی نگاہ سے اوجھل رہے ہو تو قیامت میں بھی بچ جاؤ گے اور وہاں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا، بلکہ تمھاری ساری کارگزاری اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کیونکہ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اس مالک حقیقی کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن محبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ

محمد منیر صاحب Ph:221943

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ